



ملک النبیؐ

تصنیف لطیف

نخبۃ الالہام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی



نعمانی کتب خانہ حق شریٹ اردو بازار لاہور

۴۹
 - شیعہ کے حافیہ قرآن نہ ہونے کے اسباب ۱۷۱۶ - آیت استخوان خلقتہ را شریک نہ کہن میں
 - امیر معاویہ امام عادل سے ۴۷ - حب اہلبیت ۲۲۷
 - اصطلاح جاریا ۷۷ - بریں ۲۱۱
 - انکار امامت حضرت امیر مہدی کفر و فسق نہیں ۱۰۱
 - اصحاب امام معاویہ ہم پر لعن و لعن کرے ہیں (فول سیرت علی) ۷۷
 - جو کچھ اس کتاب میں انبیاء و اہل بیت و اصحاب رسول کے نام ہیں ان کو لعن و لعن کرنا
 لکھا ہوا ہے میری اس کتاب پر بارگاہ شریعت میں ۷۷ (مراۓ حواء) (فول سیرت علی)

مَدَنی اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰی سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ
 وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ
 محمد رسول اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کے پیچھے پڑے ہیں وہ کافر و کفر کے مقابلہ میں ہیں
 آپ کے پیچھے ہیں اور جو لوگ آپ کے پیچھے پڑے ہیں وہ کافر و کفر کے مقابلہ میں ہیں

ہُدَیۃ الشَّیعَہ

تصنیف لطیف

حجۃ اللہ حجۃ الاسلام، آیت من آیات اللہ، رسیل المسکینین
 استاذ الاساتذہ، منبع الحکمتہ ومعدن العلوم
 حضرت مولانا مولوی محمد قاسم صاحب نور اللہ
 ضریحہ، وبرد مضجعتہ (بانی دارالعلوم دیوبند)

ناشران

نعمانی کتب خانہ حق سٹریٹ اردو بازار لاہور
 مکتبہ نعمانیہ اردو بازار گوجرانوالہ

قیمت: چھپس ۳۶/

فہستہ مضامین ہدیتہ الشیعہ

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۸	ادائیگی حق میں دونوں فرقوں کی اکثریت کا لحاظ	۲	تقدیم الکتاب از ناشر
۱۹	شیعوں کی راہ گزیر اور اس کا انسداد	۵	سر سید کے تاثرات مولفہ کے بارے میں
	اہلسنت کی کلام اللہ سے عقیدت اور شیعوں کی نفرت	۹	سبب تالیف
۲۰	شیعوں کی نظر میں کلام اللہ کی حیرتناک کیفیت	۱۰	کتاب کے جواب کی میر جاہ
	حق تلاوت سے خشوع و خضوع مراد لینے میں	۱۱	ایک شبہ کا ازالہ
	شیعوں کی مطلب شاری پر اور نہ یہ احتمال آیت شریفہ پر حسب پاں ہے۔	۱۲	نقل روایات میں مصنف کا رویہ
۲۱	خشوع و خضوع مراد ہو تو ترتیب معانی الٹ جائے	۱۳	تحفہ اثنا عشریہ پر اعتراض
۲۲	حق تلاوت سے کثرت تلاوت مراد ہو تو ترتیب معانی درست ہوگی۔	۱۴	شیعہ کو مجددانہ مشورہ
	آیت مذکورہ میں ایک شبہ کا ازالہ	۱۵	شیعہ کی دلیرانہ غلط بیانی
۲۳	آیت مذکورہ کے ذیل میں ایک اور فائدہ	۱۶	عمار علی شیبی کی دروغ گوئی کا ایک دلچسپ پہلو
۲۴	اسدلال مذکورہ پر ایک شبہ کے دو جواب	۱۷	باب - مذہب اہلسنت موافق قرآن مجید
۲۵	کلام اللہ پر بے اعتباری اپنے پاؤں پر کھڑی ہو	۱۸	وحدیث پاک سے اور مذہب شیعہ مخالف ہر دو
	کلام اللہ غیر معتبر ہو تو حدیث بھی غیر معتبر ہوگی۔	۱۹	اہل سنت اہل حق اور شیعہ اہل باطل ہیں دلال
	اہل بیت کا علی کی بیٹی کے خیال کو لغو ثابت کرنا	۲۰	مضمون آیت پر تفصیلی نظر اور حق تلاوت میں
۲۶	قرآن کا حدود رجسٹریشن کی پیشی پر فرنگی ہے	۲۱	ایمان کا انحصار
	قرآن کی بے پناہ شہرت عثمان کی عفت نشان ہے	۲۲	اہل سنت سے ادائیگی حق تلاوت اور شیعہ کی اس سے قطعی محرومی۔
۲۷	قرآن کی حفاظت کا ثروت خود قرآن مجید سے	۲۳	بروکے آیت قرآنی قرآن کا حفظ پر نا حق ہونے کی نشانی
۲۸	موجودہ قرآن دو تہائی کم ہے (عقیدہ شیعہ)	۲۴	شیعوں کے حافظ نہ ہونے کا واقعہ ثبوت
۲۹	حفاظت قرآن کے دو غلط مفہوم	۲۵	شیعہ ادائیگی حق تلاوت سے کیوں محروم ہیں۔
۳۰	آلذکر کے عجیب فوائد	۲۶	شیعہ اپنے اساتذہ کے حق میں گستاخ ہیں۔
۳۱	حفاظت قرآن کے غلط معنوں کا جواب	۲۷	تلاوت کا حق ادا کرنے والوں کے پیرو بھی جہر ایمانی میں شامل ہیں۔
۳۲	حفاظت کا شیعہ معنی یہ ہر زلفہا کو کٹ لینی کا موقع دینا	۲۸	آیت کے شان نزول سے بیان مذکور کی تائید

نام کتاب ہدیتہ الشیعہ

مصنف..... مولانا محمد قاسم نانوتوی

ناشر..... نعمانی کتب خانہ۔ حق سٹریٹ اردو بازار لاہور۔

تعداد پانچ سو (۵۰۰)

صفحات ۵۳۸

پریس۔۔۔۔۔ معارف پرنٹنگ پریس۔ لاہور

لئے کا پتہ ۔۔۔۔۔ نعمانی مکتب خاںہِ حق سڑک اُردو بازار لاہور

" " " مکتبہ نغمانیہ۔ اردو بازار گوجرانوالہ

۳۴ × ۲۰

قیمت ۳۶ روپے

۵۷	شعبہ گنہ گوشت و درخت میں مختار مانا نہیں تو انسان سے متعارف نہیں ہے۔	۵۷	صاحب یعنی صحابی نہ ہو تو کچھ فرق نہیں نقل معنی کی حقیقی صورت
۵۸	توفیق کے خیال کی قرآن ہیج کنی کرتا ہے۔	۵۸	لفظ صاحب میں بہ نسبت لفظ صحابی زیادہ فضیلت ہے۔
۵۹	عقیدہ تنویدی قرآن کو کتب مشرورہ کی حیثیت دیتی ہے	۵۹	خلافت صدیقی پر اعتراض اول اس کا جواب
۶۰	امام ہدی رسول کے وقت احکام قرآن پر عمل نہ کرینگے	۶۰	باب وعدہ خلافت و استخلاف
۶۱	تنویدی کا حکم اعتراضات سے بچانا اور ختم نبوت پر ایمان بندہ کرتا ہے۔	۶۱	آئینہ یکتا مقتدر شیعہ کے کسی طرح مطابق نہیں
۶۲	حق کے زور سے ابن ابیہ آخر شیعوں کا ہمنوا ہو گیا	۶۲	جس سے وعدہ تھا۔ انکو تمکین ہی حاصل نہ ہوگی تو وعدہ پھر بھی غلط ہی نکلا۔
۶۳	آیت مذکورہ سے شیعوں کی فضیلت کا انکشاف	۶۳	استخلاف یعنی توطن نہیں بلکہ معنی تسلط ہے
۶۴	آیت سوم کی بعصرت امر و ترشیرج	۶۴	آیت سے صرف خلافت ہی نہیں بلکہ ترتیب طاعت بھی معلوم ہوتی ہے
۶۵	حزن کے معنی سمجھنے میں بعض نا انصافوں کی فاش غلطی	۶۵	آئینہ استخلاف کے مصداق حضرت خلفائے راشدین ہیں
۶۶	شیعوں کی غلط فہمی کی ایک پریشانی توجہ	۶۶	آئینہ استخلاف کی بنیاد باجبرین کی ترانیاں ہیں۔
۶۷	اللہ کی بیعت کی وضاحت	۶۷	آیت استخلاف سے حقیقت خلافت و ترشیرج بھی ظاہر ہے۔
۶۸	آیت بیعت سے حضرت ابوبکر کی مدد کا ثبوت	۶۸	آیت مرتبہ حضرت فاروق کی نہایت کی دلیل ہے
۶۹	آیت بیعت میں شیعوں کی طرف سے ایک عبارت دھوکہ اور جواب	۶۹	وصالی کے وقت فرمان نبوی کی تعمیل نہ ہو سکے کے اسباب
۷۰	دارالحدود کے واقعہ کی اصل شکل	۷۰	حضرت عمر کی رائے کا وزن
۷۱	ملاحظہ شدہ شیعہ کی بے اختیاران حق گوئی	۷۱	کاغذ قلم دوات نہ لانے میں جسمی شریک تھے
۷۲	سفر ہجرت میں حدیث کو ساتھ لینے کے وجہ	۷۲	صرف فاروق کیوں؟
۷۳	آیت بیعت کی منصفانہ ترجمانی	۷۳	یہ جواب کہاں سے آیا؟ قصہ نبوی کہنا بہت خلافت علی تھا۔
۷۴	آیت میں شیعوں کی ایک تاویل اور اس کا جواب	۷۴	کہا بہت و خیر خلافت صدیق قرین قیاس ہے
۷۵	آیت بیعت کے الفاظ بھی شیعہوں کو نہ توڑ جواب دے رہے ہیں	۷۵	خلفائے راشدین اصحاب اور دوسرے بطریق خلفاء
۷۶	بیعت حق صدیق کی ذات کے ساتھ تھی	۷۶	نعمت خلافت سے فوڑے گئے۔
۷۷	آیت میں معنا کا لفظ صدیق کے ترجمہ کا آئینہ دار	۷۷	دین تشریفوں کے لغز نعمت کی طرف مجازی اشارہ
۷۸	لا تحزن کی ایک غلط تاویل اول اس کا جواب	۷۸	
۷۹	تفسیر کا غدر رنگ۔	۷۹	
۸۰	صاحب کی بیعت تشریح اور صحابی و صاحب کا مفہوم	۸۰	

۹۰	تبرخ حضرت علی کی نہیں، امیر معاویہ کی تقلید و اتباع ہے۔	۹۰	لنس وہ جانے تو بھی قابل اعتبار نہیں انسان ہمیشہ ایک ہی حال میں نہیں رہ سکتا
۹۱	الفاظ کی تحفظ فضیلت صحابہ کے لئے سنگین حصار کھینچے ہیں	۹۱	غالباً انس و مغلوبیت نفس سے سرزد ہونے والی خطاؤں میں بے حد فرق ہے۔
۹۲	خلفائے عشر پر رسول کی تمہید خدا پر عبور کا بہتان بھی ہے	۹۲	اشد علی الکفار سے خطا ممکن لیکن ان پر تسلط شیطان ناممکن۔
۹۳	ومن کفر کے اصل مصداق	۹۳	اشد اور درحما کے لئے اخلاص لازم اور یہاں ممکن غلط فہمی کے سبب بڑوں بڑوں سے خطا ہو جاتی ہے
۹۴	باب مناقب صحابہ ذیل تفسیرات آئینہ محمد رسول امت میں آنحضرت کے بعد صحابہ اور رسالت کے بعد نبض فی اللہ کا درجہ ہے۔	۹۴	امکان خطائے باوجود انی تعریف دلیل غفلت نہ رہی تعریف صحابہ کا ایک مقصد اُن کے والے دشمنوں کو چڑھانا اور جلانا بھی ہے
۹۵	صفات صحابہ میں اشد اے کو باقی صفات پر مقدم کرنے کی وجہ۔	۹۵	صحابہ کرام شیعوں کے بھی محسن ہیں۔
۹۶	محبوب کے متعلقین کی محبت محبوب ہی کی محبت ہے	۹۶	صحابہ کی تعریف قرآن کی پیشین گوئی ہے کہ انہو صحابہ کے بدگو پیدا ہوں گے۔
۹۷	مستحقین محبوب کی محبت محبوب کی محبت کا جزو ہے	۹۷	صحابہ سے منفرت اور اور علیہم کا وعدہ غیر مشروط ہے
۹۸	بدخواہان کو عدالت محبت کا جزو نہیں، لازم ہے درج میں چلی پھر بڑھیا پھر اور بڑھیا خونی بیان کرنا صحیح ترتیب ہے	۹۸	ایمان کے معنی اور مراتب یقین
۹۹	محبت کرنا انسان اور دشمنی مشکل خصوصاً قرآن سے	۹۹	علم یقین، عین یقین، اودق یقین
۱۰۰	نفس و شیطان کی آمیزش بغیر غلط فہمی سے کوئی غلطی ہو تو امید ٹوٹا ہے	۱۰۰	محبت حق یقین کے بعد ہی پیدا ہوتی ہے
۱۰۱	مشائرات صحابہ کا باعث نفس و شیطان نہیں بلکہ بغض فی اللہ تھا۔	۱۰۱	صحابہ حق یقین کے مراتب پر فائز اور حب فی اللہ و بغض فی اللہ میں راسخ تھے
۱۰۲	لنس وہ سکتا ہے لیکن اس کا مزاج نہیں ل سکتا	۱۰۲	صحابہ کا مقصد صرف رضائے الہی تھا
۱۰۳	نیکی کی اصل نیت۔ اور بدی کی اصل نفس ہے	۱۰۳	صحابہ کی محبت و تسلیم سے اوپر کی محبت و تسلیم کا درجہ نہیں۔
۱۰۴	روح عالم ملائکہ کی ایک چیز ہے۔ اور نفس طبقہ شیاطین میں سے ہے۔	۱۰۴	حق یقین کے مراتب میں تفادیت ہے
۱۰۵	انسان میں نیکی بدی کے مختلف دور ملائکہ اور شیاطین کی تقویت اور تاثیر سے مرتبے ہیں	۱۰۵	بابی مناقشات و حوائج منہم کے منافی نہیں ہیں۔
۱۰۶	نفس دینے کو اشارہ علی الکفار کا مقصد ہاتھ آتا ہی	۱۰۶	صحابہ کی رجحان کا سبب بھی محبت تھی
۱۰۷		۱۰۷	جن روایات پر تشریح کی بنیاد ہے ان کے راویوں کی ثقافت کا حال
۱۰۸		۱۰۸	آیت ہجرت میں رضائے الہی کا مدار صرف ہجرت پر ہے

۱۰۴۔ ہر آدمی اور ہر عورت میں ایک محبوب و
 ۱۰۵۔ ایک کائنات میں ایک حقیقت مدبرہ منورہ مراد ہے
 ۱۰۶۔ ہر عورت سے صرف ایک ہی بی بی نہیں بلکہ اعلیٰ
 درجہ کا ایک ایسا اور اعلیٰ درجہ کے حامل عالم بھی ثابت
 ہو سکتے ہیں۔
 ۱۰۷۔ دو عالم جنت کی خوشخبری سے جو کس کس خاتمہ کی دلیل
 اور کیا ہو سکتی ہے۔
 ۱۰۸۔ ایک فضائل صحابہ میں شیعہ جو قدر کریں گے وہی
 عادی ہل بیتہ کے ہائے میں کر نیچے۔
 ۱۰۹۔ صحابہ کے لئے قیامت میں رسول نہیں اور کفار و
 فساد کے لئے رضائے ربانی نہیں۔
 ۱۱۰۔ صحابہ کے مشاہرت نہ کفر سے نہ حق کیونکہ دونوں
 رضائے الہی کے منافی ہیں۔
 ۱۱۱۔ عقیدہ تفصیل ائمہ برائیت عظم و جدی شریک الہی
 باب عقیدہ ہدائی تفصیل میں۔
 ۱۱۲۔ ہدائی پر غار وادی اور غلے شیعہ کا اضطراب
 ہدائی کے ایک معنی
 ۱۱۳۔ ہدائی کے دوسرے معنی
 ۱۱۴۔ ہدائی کے تیسرے معنی
 ۱۱۵۔ ہدائی میں نہیں
 ہدائی اور نسخ میں ایک شہادہ کا ازالہ
 ۱۱۶۔ ہدائی میں نہیں ایک دوسرے کو لازم میں
 ۱۱۷۔ عقیدہ ہدائی کے خارج ۱۱۸۔ چار دھرم کی مغفرت مشکوک
 ۱۱۹۔ امام آخر الزماں کی طویل روکوشی اندیشہ کا
 ۱۲۰۔ پس امام کو امام بننے میں خدا کو شاید بد واقع جو ہو
 ۱۲۱۔ امام نہ تو شاید ہدائی و جسے خدا معزول کر چکا ہو
 ۱۲۲۔ عقیدہ ہدائی کا استعمال قرآن مجید سے
 ۱۲۳۔ قواعد عقائد شیعہ کی دس خدات نظر آئیں۔
 ۱۲۴۔ معصوم سے ناامکن

۱۱۹۔ ہدائی کے حیدر رکھے والوں کیلئے حضرت جعفر کی ہدایت
 ۱۲۰۔ حق و باطل کے ہدائی کا منظر درج ہے۔
 ۱۲۱۔ پھر کسی اور بات کا انتظار ماقامت ہے۔
 ۱۲۲۔ ہدائی کے عتیدہ کی غلط بنیادیں
 ۱۲۳۔ اجتلاؤ امتحان سے مقصود خداوندی قطع حجت ہے
 ۱۲۴۔ نہ کہ تحصیل علم
 ۱۲۵۔ امتحان بغرض قطع حجت کی ایک قرآنی مثال
 ۱۲۶۔ پشت انبیاء اللہ کا کیف شرمی کی وجہ سے قطع حجت
 ۱۲۷۔ بنی آدم سے
 ۱۲۸۔ دوزخی اور حق پسند ہی طے ہیں۔
 ۱۲۹۔ آج کل کے تفسیری فوائد۔
 ۱۳۰۔ جیسے بعض جگہ اتفاق ماضی سے مجازاً مستقبل مراد
 ۱۳۱۔ اسی طرح بعض جگہ مستقبل سے بھی ماضی مراد ہے
 ۱۳۲۔ حوادث آئندہ یقیناً کو ماضی اور وقائع حقیقہ ماضیہ
 ۱۳۳۔ کو مجازاً مستقبل سے تعبیر کرنا صحیح ہے اس کی مثال
 ۱۳۴۔ ازلی سعادت و شقاوت کی عام فہم مثال
 ۱۳۵۔ تینوں زمانے عتیدہ موجود ہیں فنا نہیں ہوئے۔
 ۱۳۶۔ سب زمانے احاطہ خداوندی میں ہیں
 ۱۳۷۔ ماضی مستقبل بھی خدا کے لئے حال کا حکم رکھتے
 ۱۳۸۔ ہیں بلکہ باہم مقدم مؤخر ہیں۔
 ۱۳۹۔ کلام الہی میں ماضی و حال و مستقبل کے استعمال
 ۱۴۰۔ کی ترتیب
 ۱۴۱۔ وقائع عالم قدیم نہیں ہو سکتے کیونکہ مستمر نہیں
 ۱۴۲۔ حصول علم کے دو طریقے۔ بالواسطہ و بلاواسطہ
 ۱۴۳۔ اکثر ایک چیز کا علم بلا واسطہ اور بے واسطہ دونوں
 ۱۴۴۔ ساتھ آتے ہیں۔
 ۱۴۵۔ کبھی علم بلا واسطہ علم بے واسطہ میں محو ہو جاتا ہے
 ۱۴۶۔ کبھی دوسرے چیزوں کا علم بے واسطہ یا ایک بے واسطہ
 ۱۴۷۔ دوسرے کا بلا واسطہ بھی اکٹھے ہی حاصل ہو جاتے ہیں

۱۳۲۔ بے واسطہ اور بلا واسطہ حاصل ہونے والے علم الہی
 میں کوئی قدم تاخر نہیں۔
 ۱۳۳۔ کلام الہی میں ماضی و حال علم بے واسطہ کی تعبیر
 ہے اور استقبال علم بلا واسطہ سے۔
 ۱۳۴۔ بنی آدم کے علوم چونکہ بلا واسطہ ہیں اسلئے البصیر
 استقبال (بلا واسطہ) تکمیل فرمایا۔
 ۱۳۵۔ اگر علوم بے واسطہ سے تکمیل فرماتے تو وہ بنی
 آدم پر حجت نہ ہوتے۔
 ۱۳۶۔ محو و اثبات کی بحث اور علم الہی کے دو دفتر
 عقیدہ ہدائی کا قرآن مجید سے مضحکہ خیز ثبوت
 ۱۳۷۔ علم الہی قدیم، غیر متغیر، محیط ہے
 ۱۳۸۔ عقیدہ ہدائی کے لئے جعل مرکب تجویز کرنا ہے
 ۱۳۹۔ عقیدہ ہدائی کے لئے جعل مرکب تجویز کرنا ہے
 ۱۴۰۔ عقیدہ ہدائی کے لئے جعل مرکب تجویز کرنا ہے
 ۱۴۱۔ عقیدہ ہدائی کے لئے جعل مرکب تجویز کرنا ہے
 ۱۴۲۔ عقیدہ ہدائی کے لئے جعل مرکب تجویز کرنا ہے
 ۱۴۳۔ عقیدہ ہدائی کے لئے جعل مرکب تجویز کرنا ہے
 ۱۴۴۔ عقیدہ ہدائی کے لئے جعل مرکب تجویز کرنا ہے
 ۱۴۵۔ عقیدہ ہدائی کے لئے جعل مرکب تجویز کرنا ہے
 ۱۴۶۔ عقیدہ ہدائی کے لئے جعل مرکب تجویز کرنا ہے
 ۱۴۷۔ عقیدہ ہدائی کے لئے جعل مرکب تجویز کرنا ہے
 ۱۴۸۔ عقیدہ ہدائی کے لئے جعل مرکب تجویز کرنا ہے
 ۱۴۹۔ عقیدہ ہدائی کے لئے جعل مرکب تجویز کرنا ہے
 ۱۵۰۔ عقیدہ ہدائی کے لئے جعل مرکب تجویز کرنا ہے

۱۵۱۔ مناقب صدیق
 ۱۵۲۔ صدیق رضی اللہ عنہ اور استقامت
 ۱۵۳۔ مقام تعریف مقام تعریف ہوتا ہے۔ نہ کہ مقام
 ۱۵۴۔ مناقب عمر بن ابی بکر
 ۱۵۵۔ باب عقیدہ یقینہ - عقیدہ یقینہ اور اس کے
 ۱۵۶۔ عقلی و نقلی مباحث
 ۱۵۷۔ تفسیر شیعہ اپنی روایات کے آئینہ میں
 ۱۵۸۔ موت پر اختیار علم غیب، بے انتہا شجاعت،
 پھر تفسیر کیوں؟
 ۱۵۹۔ حضرت امیر نے وفات کے بعد صدیق کے لقب
 حلفا بیان کئے اس وقت خوف بھی نہ تھا۔
 ۱۶۰۔ حکایات تفسیر کی کتب شیعہ پر زور دیکھ کر تی میں
 ۱۶۱۔ انبیاء اور ائمہ کا منصب حق کوئی اور صبر و تحمل ہی
 ۱۶۲۔ تفسیر اگر فرض تھا تو امام حسین کی شہادت
 ۱۶۳۔ معصیت ہوگی۔
 ۱۶۴۔ امام کا اپنی لامت سے حضرت عمر کو مرعوب کر دیا
 ۱۶۵۔ تفسیر از روئے عقل و نقل و عرف
 ۱۶۶۔ تفسیر از روئے کلام اللہ
 ۱۶۷۔ تفسیر جنت سے محرومی کا سبب ہے
 ۱۶۸۔ خوف کفار سے سست ہونا منور ہوتا تو
 ۱۶۹۔ تفسیر تو دور کی بات ہے
 ۱۷۰۔ تفسیر سبب عتاب ہے نہ کہ موجب ثواب۔
 ۱۷۱۔ انبیاء خدا کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے۔
 ۱۷۲۔ خاتم الانبیاء کو تبلیغ کا تاکید امر
 ۱۷۳۔ انبیاء اور ان کے نامین سب کا مقصد ازاد و مشیر ہے
 ۱۷۴۔ آنحضرت کی پشت کا مقصد ہی اہلدارین تھا
 ۱۷۵۔ تبلیغ دین انبیاء، علماء، ائمہ پر فرض ہے۔
 ۱۷۶۔ آنحضرت کی مکی زندگی تفسیر کا استعمال ہے۔
 ۱۷۷۔ صبر کے فضائل اور غریب حسن تفسیر حقیقت نقلی
 ۱۷۸۔

۱۶۳	جہاں انصار میں ہرگز کے لئے حضرت زین العابدین علیہ السلام کی مدافعت	۲۰۸	ذی النورین کے لئے امیر کی مدافعت
۱۶۵	الکرہ میں امیر کا حق افضل ہے	۲۰۹	حضرت امام کا کوئی معاملہ ظاہر داری نہ تھا
۱۶۶	سیدنا امیر کے لئے کسی واقعہ سے انفرادین ثابت نہیں	۲۱۰	دفاع عثمان کے لئے دیگر صحابہ کا رد
۱۶۷	آخائے علاؤ زوجیت اخائے دین نہیں ہے۔	۲۱۱	حضرت علی پر بڑی کا بہتان
۱۶۸	پجاؤ اور تفسیر میں عظیم فرق	۲۱۲	حضرت علی تمام دنیا پر بھاری تھے
۱۶۹	حضرت امیر زین العابدین حضرت احمدی و موسوی	۲۱۳	حضرت علی پر غم شیعہ انجمن میں بے مثل اور
۱۷۰	و ابڑی کسی بھی علی میرا نہ ہو سکے	۲۱۴	اپنی موت پر قابو پانے تھے
۱۷۱	دوران خلافت میں امیر پر تفسیر واجب تھا۔	۲۱۵	حضرت علی نے پوری زندگی خوف و ذلت گزاری
۱۷۲	خلافت امیر میں تفسیر کہ بہتان کا پس منظر	۲۱۶	حضرت علی باوجود پیش شجاعت کے سید کو نہ دیکھ سکتے تھے
۱۷۳	حضرت امیر و اس کے بھائی کے لئے بھی انہماک اور	۲۱۷	حضرت ام کلثوم کے کج کج بحث
۱۷۴	صدیق نے بے سرو سامانی میں انہماک کر لیا۔	۲۱۸	فادق سے ام کلثوم کا کج حضرت عباس نے برصا
۱۷۵	مقران اپنی کا طریقہ انہماک کرنا اور حقائق اچھا	۲۱۹	ابو عمر شیعہ حضرت عباس اعراف میں ہوں گے
۱۷۶	تفسیر عرب اور دستور کی کوئی پر	۲۲۰	محبوب سول اعراف میں اور یہودی دلعزیزیت میں
۱۷۷	حضرت صدیق کو صدیق نہ کہنے والے کے لئے	۲۲۱	حضرت علی کا خاموشی بوجہ رضا مندی تھی
۱۷۸	حضرت جعفر کی بد دعا	۲۲۲	فادق اگر کفر میں تو امام ہیں ہوں گے۔ معاویہ
۱۷۹	امام جعفر پر تفسیر حرام تھا	۲۲۳	تذویع ام کلثوم کا کتب شیعہ سے نبوت
۱۸۰	امام جعفر کی بد دعا سے حقانیت ہشت ظاہر ہوگی	۲۲۴	شیعوں کو اہلبیت سے محبت نہیں صحابہ سے عداوت
۱۸۱	امام جعفر پر ایک عرض جو خود کسی کی نوعیت لکھا	۲۲۵	حب علی اگر کو کجبت میں سے جلسے تو قرات بھی
۱۸۲	نقل خط موسوی عباسی شیعہ	۲۲۶	لے جائے گی
۱۸۳	جواب خط	۲۲۷	حضرت ام کلثوم سے فادق کی اولاد
۱۸۴	نبات طبیات از دوسے کلام اللہ شریف	۲۲۸	باب مباحثہ مذکر
۱۸۵	نبات طبیات کی تعداد دوسرے کتب شیعہ	۲۲۹	حب اہل بیت و حب صحابہ ایمان کے دو ہیں
۱۸۶	مذکورہ جو نام معدوم ہونے کی دلیل نہیں ہے	۲۳۰	حب اہلبیت و صحابہ ایمان کی دو اچھیں ہیں
۱۸۷	عمار علی کی تاریخ دانی	۲۳۱	شیعوں نے عزت میں سے بعض کتب پر کیم کی اور کفر
۱۸۸	مسلمان عورتوں کو قید کفار سے رہائی دلائے حکم	۲۳۲	پر تبرک
۱۸۹	ذی النورین کے فضائل اور شجاعت کی تفصیل	۲۳۳	اہل بیت سے مراد کون ہیں۔
۱۹۰	عمار علی کی تھن عرب میں مبادت	۲۳۴	خاندان امام کو بھائیوں کے کو دعا کرینی وجہ
۱۹۱	ذی النورین کے چاؤ کے لئے صحابہ اور اہلبیت	۲۳۵	شیعہ اولاد فاطمہ کی اکثریت کے دشمن ہیں
۱۹۲	کی جان کا ہی۔	۲۳۶	شیعوں کی امیر سے محبت جو دشمنی سے بھی بدتر ہے

۲۳۱	انبیا ائمہ سے بلکہ تمام مخلوق سے افضل ہیں	۲۳۱	اہلسنت کے ہاں روایت کے صدق و کذب میاں
۲۳۲	انصافیت انبیا و کتب شیعہ سے	۲۳۲	قرآن مجید ہے
۲۳۳	شیعہ نے خدا اور ائمہ کی گواہی صدیق کے ہاں	۲۳۳	روایت مذکور آیت کے سیاق و سباق کے خلاف ہے
۲۳۴	میں رد کردی	۲۳۴	و آت ذالقرنی کا مخاطب خطاب عام ہے
۲۳۵	حضرت موسیٰ اور حضرت خضر کا واقعہ کہ ہوں	۲۳۵	حقہ کا معنی مذکر کی طرح بھی صحیح نہیں ہو سکتا۔
۲۳۶	کے لئے عبت ہے۔	۲۳۶	ابن سبیل اور سبیل بھی استحقاق میں ذالقرنی ہے
۲۳۷	بالغرض اگر صدیق سے گناہ ہو تو وہ یہی بن چکا	۲۳۷	کے ہم بلہ ہیں۔
۲۳۸	ورد ائمہ تعریف نہ فرماتے۔	۲۳۸	آیت ذالقرنی اگر مدنی ہے تو واضح ہو کہ طوط
۲۳۹	گناہ سے تو یہ رحمت میں داخلہ سب کو مسلم ہے	۲۳۹	اشارہ ہے۔
۲۴۰	نیکیاں زیادہ ہونے پر جنت میں داخلہ متفق علیہ ہے	۲۴۰	فصل کتاب و مصنف کتاب کے قابل قبول ہوں
۲۴۱	ہابریں اولین سے جنت عدن، مغفرت، رضا	۲۴۱	کی چھ شرطیں۔
۲۴۲	کا وعدہ ہو چکا۔ اور خدا وعدہ فلاں نہیں	۲۴۲	اہلسنت کی کتب میں اہل شیعہ کے الحاقات
۲۴۳	حضرت کلیم کا پھڑپھڑے کو جلاتا مبنی حرکت تھا	۲۴۳	اہلسنت کا نظام حفاظت
۲۴۴	غضب مذکر پر آت ذالقرنی سے استدلال	۲۴۴	مصنف معتبر ہو تو ضروری نہیں کہ تصنیف بھی معتبر ہو
۲۴۵	غضب مذکر کے بہتان کا تاریخی جائزہ	۲۴۵	مصنف محقق قدس سرہ کی ایک جلد
۲۴۶	آت ذالقرنی کے مکہ میں مذکر کہاں تھا؟	۲۴۶	عمار علی نے بعض کتب شیعہ بھی اہلسنت کی طرف
۲۴۷	کسی آیت کے کسی یا مدنی ہونے سے کیا مراد ہے؟	۲۴۷	منسوب کر دی۔
۲۴۸	ذالقرنی سے سیدہ اور حقیقہ سے مذکر مراد ہو تو	۲۴۸	عمار علی کی تصانیف پر مصنف کتاب کی رائے
۲۴۹	کئی غصہ لازم آئے گی۔ پلاخند و خوش بردی	۲۴۹	واقعی کے بارے میں ائمہ محدثین کی رائے۔
۲۵۰	دوسرا غصہ بلاغت کی مخالفت امیر اہلبیت پر	۲۵۰	عمار علی کی تاریخ دانی
۲۵۱	چوتھا غصہ حضرت کی طرف ادائیگی حقوق میں کوتاہی کی	۲۵۱	مذکر کی تھا۔ مہربوب و مملوک نہ تھا
۲۵۲	نسبت پر باخواس محمد و زنی ہاشم کے لئے نفس حرم	۲۵۲	مذکر کے مختلف تاریخی دور
۲۵۳	چھرا بعد وفات سیدہ جو غنائم آئیں وہ ان کی	۲۵۳	بہ اور عطاء میں فرق
۲۵۴	مذکر تھیں تو حقہ کیوں فرمایا۔	۲۵۴	اہل شیعہ کی مستندات ربط و باس سے زیادہ ہیں
۲۵۵	ساتواں مال غنیمت ائمہ کے لئے حرام ورد دیگر	۲۵۵	اہل سنت نے جو روایات بغرض تردید نقل کی ہیں
۲۵۶	مستحقین کے لئے بھی جائز	۲۵۶	شیعہ ان کو مندرجہ ذیل ہیں۔
۲۵۷	آٹھواں سیدہ کے لئے صرف مذکر اختیار کے	۲۵۷	دو منشور کے حوالہ کی حقیقت
۲۵۸	لئے سب کچھ	۲۵۸	سبوطی نے اس رقابت کو موضوع ہکھ
۲۵۹	نواں۔ خدا پر بے انصافی کا الزام	۲۵۹	نقل ہی نہیں کیا

۳۸۱	۳۸۲	۳۸۳	۳۸۴	۳۸۵	۳۸۶	۳۸۷	۳۸۸	۳۸۹	۳۹۰	۳۹۱	۳۹۲	۳۹۳	۳۹۴	۳۹۵	۳۹۶	۳۹۷	۳۹۸	۳۹۹	۴۰۰	۴۰۱	۴۰۲	۴۰۳	۴۰۴	۴۰۵	۴۰۶	۴۰۷	۴۰۸	۴۰۹	۴۱۰	۴۱۱	۴۱۲	۴۱۳	۴۱۴	۴۱۵	۴۱۶	۴۱۷	۴۱۸	۴۱۹	۴۲۰	۴۲۱	۴۲۲	۴۲۳	۴۲۴	۴۲۵	۴۲۶	۴۲۷	۴۲۸	۴۲۹	۴۳۰	۴۳۱	۴۳۲	۴۳۳	۴۳۴	۴۳۵	۴۳۶	۴۳۷	۴۳۸	۴۳۹	۴۴۰	۴۴۱	۴۴۲	۴۴۳	۴۴۴	۴۴۵	۴۴۶	۴۴۷	۴۴۸	۴۴۹	۴۵۰	۴۵۱	۴۵۲	۴۵۳	۴۵۴	۴۵۵	۴۵۶	۴۵۷	۴۵۸	۴۵۹	۴۶۰	۴۶۱	۴۶۲	۴۶۳	۴۶۴	۴۶۵	۴۶۶	۴۶۷	۴۶۸	۴۶۹	۴۷۰	۴۷۱	۴۷۲	۴۷۳	۴۷۴	۴۷۵	۴۷۶	۴۷۷	۴۷۸	۴۷۹	۴۸۰	۴۸۱	۴۸۲	۴۸۳	۴۸۴	۴۸۵	۴۸۶	۴۸۷	۴۸۸	۴۸۹	۴۹۰	۴۹۱	۴۹۲	۴۹۳	۴۹۴	۴۹۵	۴۹۶	۴۹۷	۴۹۸	۴۹۹	۵۰۰
۳۸۱	۳۸۲	۳۸۳	۳۸۴	۳۸۵	۳۸۶	۳۸۷	۳۸۸	۳۸۹	۳۹۰	۳۹۱	۳۹۲	۳۹۳	۳۹۴	۳۹۵	۳۹۶	۳۹۷	۳۹۸	۳۹۹	۴۰۰	۴۰۱	۴۰۲	۴۰۳	۴۰۴	۴۰۵	۴۰۶	۴۰۷	۴۰۸	۴۰۹	۴۱۰	۴۱۱	۴۱۲	۴۱۳	۴۱۴	۴۱۵	۴۱۶	۴۱۷	۴۱۸	۴۱۹	۴۲۰	۴۲۱	۴۲۲	۴۲۳	۴۲۴	۴۲۵	۴۲۶	۴۲۷	۴۲۸	۴۲۹	۴۳۰	۴۳۱	۴۳۲	۴۳۳	۴۳۴	۴۳۵	۴۳۶	۴۳۷	۴۳۸	۴۳۹	۴۴۰	۴۴۱	۴۴۲	۴۴۳	۴۴۴	۴۴۵	۴۴۶	۴۴۷	۴۴۸	۴۴۹	۴۵۰	۴۵۱	۴۵۲	۴۵۳	۴۵۴	۴۵۵	۴۵۶	۴۵۷	۴۵۸	۴۵۹	۴۶۰	۴۶۱	۴۶۲	۴۶۳	۴۶۴	۴۶۵	۴۶۶	۴۶۷	۴۶۸	۴۶۹	۴۷۰	۴۷۱	۴۷۲	۴۷۳	۴۷۴	۴۷۵	۴۷۶	۴۷۷	۴۷۸	۴۷۹	۴۸۰	۴۸۱	۴۸۲	۴۸۳	۴۸۴	۴۸۵	۴۸۶	۴۸۷	۴۸۸	۴۸۹	۴۹۰	۴۹۱	۴۹۲	۴۹۳	۴۹۴	۴۹۵	۴۹۶	۴۹۷	۴۹۸	۴۹۹	۵۰۰
۳۸۱	۳۸۲	۳۸۳	۳۸۴	۳۸۵	۳۸۶	۳۸۷	۳۸۸	۳۸۹	۳۹۰	۳۹۱	۳۹۲	۳۹۳	۳۹۴	۳۹۵	۳۹۶	۳۹۷	۳۹۸	۳۹۹	۴۰۰	۴۰۱	۴۰۲	۴۰۳	۴۰۴	۴۰۵	۴۰۶	۴۰۷	۴۰۸	۴۰۹	۴۱۰	۴۱۱	۴۱۲	۴۱۳	۴۱۴	۴۱۵	۴۱۶	۴۱۷	۴۱۸	۴۱۹	۴۲۰	۴۲۱	۴۲۲	۴۲۳	۴۲۴	۴۲۵	۴۲۶	۴۲۷	۴۲۸	۴۲۹	۴۳۰	۴۳۱	۴۳۲	۴۳۳	۴۳۴	۴۳۵	۴۳۶	۴۳۷	۴۳۸	۴۳۹	۴۴۰	۴۴۱	۴۴۲	۴۴۳	۴۴۴	۴۴۵	۴۴۶	۴۴۷	۴۴۸	۴۴۹	۴۵۰	۴۵۱	۴۵۲	۴۵۳	۴۵۴	۴۵۵	۴۵۶	۴۵۷	۴۵۸	۴۵۹	۴۶۰	۴۶۱	۴۶۲	۴۶۳	۴۶۴	۴۶۵	۴۶۶	۴۶۷	۴۶۸	۴۶۹	۴۷۰	۴۷۱	۴۷۲	۴۷۳	۴۷۴	۴۷۵	۴۷۶	۴۷۷	۴۷۸	۴۷۹	۴۸۰	۴۸۱	۴۸۲	۴۸۳	۴۸۴	۴۸۵	۴۸۶	۴۸۷	۴۸۸	۴۸۹	۴۹۰	۴۹۱	۴۹۲	۴۹۳	۴۹۴	۴۹۵	۴۹۶	۴۹۷	۴۹۸	۴۹۹	۵۰۰
۳۸۱	۳۸۲	۳۸۳	۳۸۴	۳۸۵	۳۸۶	۳۸۷	۳۸۸	۳۸۹	۳۹۰	۳۹۱	۳۹۲	۳۹۳	۳۹۴	۳۹۵	۳۹۶	۳۹۷	۳۹۸	۳۹۹	۴۰۰	۴۰۱	۴۰۲	۴۰۳	۴۰۴	۴۰۵	۴۰۶	۴۰۷	۴۰۸	۴۰۹	۴۱۰	۴۱۱	۴۱۲	۴۱۳	۴۱۴	۴۱۵	۴۱۶	۴۱۷	۴۱۸	۴۱۹	۴۲۰	۴۲۱	۴۲۲	۴۲۳	۴۲۴	۴۲۵	۴۲۶	۴۲۷	۴۲۸	۴۲۹	۴۳۰	۴۳۱	۴۳۲	۴۳۳	۴۳۴	۴۳۵	۴۳۶	۴۳۷	۴۳۸	۴۳۹	۴۴۰	۴۴۱	۴۴۲	۴۴۳	۴۴۴	۴۴۵	۴۴۶	۴۴۷	۴۴۸	۴۴۹	۴۵۰	۴۵۱	۴۵۲	۴۵۳	۴۵۴	۴۵۵	۴۵۶	۴۵۷	۴۵۸	۴۵۹	۴۶۰	۴۶۱	۴۶۲	۴۶۳	۴۶۴	۴۶۵	۴۶۶	۴۶۷	۴۶۸	۴۶۹	۴۷۰	۴۷۱	۴۷۲	۴۷۳	۴۷۴	۴۷۵	۴۷۶	۴۷۷	۴۷۸	۴۷۹	۴۸۰	۴۸۱	۴۸۲	۴۸۳	۴۸۴	۴۸۵	۴۸۶	۴۸۷	۴۸۸	۴۸۹	۴۹۰	۴۹۱	۴۹۲	۴۹۳	۴۹۴	۴۹۵	۴۹۶	۴۹۷	۴۹۸	۴۹۹	۵۰۰
۳۸۱	۳۸۲	۳۸۳	۳۸۴	۳۸۵	۳۸۶	۳۸۷	۳۸۸	۳۸۹	۳۹۰	۳۹۱	۳۹۲	۳۹۳	۳۹۴	۳۹۵	۳۹۶	۳۹۷	۳۹۸	۳۹۹	۴۰۰	۴۰۱	۴۰۲	۴۰۳	۴۰۴	۴۰۵	۴۰۶	۴۰۷	۴۰۸	۴۰۹	۴۱۰	۴۱۱	۴۱۲	۴۱۳	۴۱۴	۴۱۵	۴۱۶	۴۱۷	۴۱۸	۴۱۹	۴۲۰	۴۲۱	۴۲۲	۴۲۳	۴۲۴	۴۲۵	۴۲۶	۴۲۷	۴۲۸	۴۲۹	۴۳۰	۴۳۱	۴۳۲	۴۳۳	۴۳۴	۴۳۵	۴۳۶	۴۳۷	۴۳۸	۴۳۹	۴۴۰	۴۴۱	۴۴۲	۴۴۳	۴۴۴	۴۴۵	۴۴۶	۴۴۷	۴۴۸	۴۴۹	۴۵۰	۴۵۱	۴۵۲	۴۵۳	۴۵۴	۴۵۵	۴۵۶	۴۵۷	۴۵۸	۴۵۹	۴۶۰	۴۶۱	۴۶۲	۴۶۳	۴۶۴	۴۶۵	۴۶۶	۴۶۷	۴۶۸	۴۶۹	۴۷۰	۴۷۱	۴۷۲	۴۷۳	۴۷۴	۴۷۵	۴۷۶	۴۷۷	۴۷۸	۴۷۹	۴۸۰	۴۸۱	۴۸۲	۴۸۳	۴۸۴	۴۸۵	۴۸۶	۴۸۷	۴۸۸	۴۸۹	۴۹۰	۴۹۱	۴۹۲	۴۹۳	۴۹۴	۴۹۵	۴۹۶	۴۹۷	۴۹۸	۴۹۹	۵۰۰
۳۸۱	۳۸۲	۳۸۳	۳۸۴	۳۸۵	۳۸۶	۳۸۷	۳۸۸	۳۸۹	۳۹۰	۳۹۱	۳۹۲	۳۹۳	۳۹۴	۳۹۵	۳۹۶	۳۹۷	۳۹۸	۳۹۹	۴۰۰	۴۰۱	۴۰۲	۴۰۳	۴۰۴	۴۰۵	۴۰۶	۴۰۷	۴۰۸	۴۰۹	۴۱۰	۴۱۱	۴۱۲	۴۱۳	۴۱۴	۴۱۵	۴۱۶	۴۱۷	۴۱۸	۴۱۹	۴۲۰	۴۲۱	۴۲۲	۴۲۳	۴۲۴	۴۲۵	۴۲۶	۴۲۷	۴۲۸	۴۲۹	۴۳۰	۴۳۱	۴۳۲	۴۳۳	۴۳۴	۴۳۵	۴۳۶	۴۳۷	۴۳۸	۴۳۹	۴۴۰	۴۴۱	۴۴۲	۴۴۳	۴۴۴	۴۴۵	۴۴۶	۴۴۷	۴۴۸	۴۴۹	۴۵۰	۴۵۱	۴۵۲	۴۵۳	۴۵۴	۴۵۵	۴۵۶	۴۵۷	۴۵۸	۴۵۹	۴۶۰	۴۶۱	۴۶۲	۴۶۳	۴۶۴	۴۶۵	۴۶۶	۴۶۷	۴۶۸	۴۶۹	۴۷۰	۴۷۱	۴۷۲	۴۷۳	۴۷۴	۴۷۵	۴۷۶	۴۷۷	۴۷۸	۴۷۹	۴۸۰	۴۸۱	۴۸۲	۴۸۳	۴۸۴	۴۸۵	۴۸۶	۴۸۷	۴۸۸	۴۸۹	۴۹۰	۴۹۱	۴۹۲	۴۹۳	۴۹۴	۴۹۵	۴۹۶	۴۹۷	۴۹۸	۴۹۹	۵۰۰
۳۸۱	۳۸۲	۳۸۳	۳۸۴	۳۸۵	۳۸۶	۳۸۷	۳۸۸	۳۸۹	۳۹۰	۳۹۱	۳۹۲	۳۹۳	۳۹۴	۳۹۵	۳۹۶	۳۹۷	۳۹۸	۳۹۹	۴۰۰	۴۰۱	۴۰۲	۴۰۳	۴۰۴	۴۰۵	۴۰۶	۴۰۷	۴۰۸	۴۰۹	۴۱۰	۴۱۱	۴۱۲	۴۱۳	۴۱۴	۴۱۵	۴۱۶	۴۱۷	۴۱۸	۴۱۹	۴۲۰	۴۲۱	۴۲۲	۴۲۳	۴۲۴	۴۲۵	۴۲۶	۴۲۷	۴۲۸	۴۲۹	۴۳۰	۴۳۱	۴۳۲	۴۳۳	۴۳۴	۴۳۵	۴۳۶	۴۳۷	۴۳۸	۴۳۹	۴۴۰	۴۴۱	۴۴۲	۴۴۳	۴۴۴	۴۴۵	۴۴۶	۴۴۷	۴۴۸	۴۴۹	۴۵۰	۴۵۱	۴۵۲	۴۵۳	۴۵۴	۴۵۵	۴۵۶	۴۵۷	۴۵۸	۴۵۹	۴۶۰	۴۶۱	۴۶۲	۴۶۳	۴۶۴	۴۶۵	۴۶۶	۴۶۷	۴۶۸	۴۶۹	۴۷۰	۴۷۱	۴۷۲	۴۷۳	۴۷۴	۴۷۵	۴۷۶	۴۷۷	۴۷۸	۴۷۹	۴۸۰	۴۸۱	۴۸۲	۴۸۳	۴۸۴	۴۸۵	۴۸۶	۴۸۷	۴۸۸	۴۸۹	۴۹۰	۴۹۱	۴۹۲	۴۹۳	۴۹۴	۴۹۵	۴۹۶	۴۹۷	۴۹۸	۴۹۹	۵۰۰
۳۸۱	۳۸۲	۳۸۳	۳۸۴	۳۸۵	۳۸۶	۳۸۷	۳۸۸	۳۸۹	۳۹۰	۳۹۱	۳۹۲	۳۹۳	۳۹۴	۳۹۵	۳۹۶	۳۹۷	۳۹۸	۳۹۹	۴۰۰	۴۰۱	۴۰۲	۴۰۳	۴۰۴	۴۰۵	۴۰۶	۴۰۷	۴۰۸	۴۰۹	۴۱۰	۴۱۱	۴۱۲	۴۱۳	۴۱۴	۴۱۵	۴۱۶	۴۱۷	۴۱۸	۴۱۹	۴۲۰	۴۲۱	۴۲۲	۴۲۳	۴۲۴	۴۲۵	۴۲۶	۴۲۷	۴۲۸	۴۲۹	۴۳۰	۴۳۱	۴۳۲	۴۳۳	۴۳۴	۴۳۵	۴۳۶	۴۳۷	۴۳۸	۴۳۹	۴۴۰	۴۴۱	۴۴۲	۴۴۳	۴۴۴	۴۴۵	۴۴۶	۴۴۷	۴۴۸	۴۴۹	۴۵۰	۴۵۱	۴۵۲	۴۵۳	۴۵۴	۴۵۵	۴۵۶	۴۵۷	۴۵۸	۴۵۹	۴۶۰	۴۶۱	۴۶۲	۴۶۳	۴۶۴	۴۶۵	۴۶۶	۴۶۷	۴۶۸	۴۶۹	۴۷۰	۴۷۱	۴۷۲	۴۷۳	۴۷۴	۴۷۵	۴۷۶	۴۷۷	۴۷۸	۴۷۹	۴۸۰	۴۸۱	۴۸۲	۴۸۳	۴۸۴	۴۸۵	۴۸۶	۴۸۷	۴۸۸	۴۸۹	۴۹۰	۴۹۱	۴۹۲	۴۹۳	۴۹۴	۴۹۵	۴۹۶	۴۹۷	۴۹۸	۴۹۹	۵۰۰
۳۸۱	۳۸۲	۳۸۳	۳۸۴	۳۸۵	۳۸۶	۳۸۷	۳۸۸	۳۸۹	۳۹۰	۳۹۱	۳۹۲	۳۹۳	۳۹۴	۳۹۵	۳۹۶	۳۹۷	۳۹۸	۳۹۹	۴۰۰	۴۰۱	۴۰۲	۴۰۳	۴۰۴	۴۰۵	۴۰۶	۴۰۷	۴۰۸	۴۰۹	۴۱۰	۴۱۱	۴۱۲	۴۱۳	۴۱۴	۴۱۵	۴۱۶	۴۱۷	۴۱۸	۴۱۹	۴۲۰	۴۲۱	۴۲۲	۴۲۳	۴۲۴	۴۲۵	۴۲۶	۴۲۷	۴۲۸	۴۲۹	۴۳۰	۴۳۱	۴۳۲	۴۳۳	۴۳۴	۴۳۵	۴۳۶	۴۳۷	۴۳۸	۴۳۹	۴۴۰	۴۴۱	۴۴۲	۴۴۳	۴۴۴	۴۴۵	۴۴۶	۴۴۷	۴۴۸	۴۴۹	۴۵۰	۴۵۱	۴۵۲	۴۵۳	۴۵۴	۴۵۵	۴۵۶	۴۵۷	۴۵۸	۴۵۹	۴۶۰	۴۶۱	۴۶۲	۴۶۳	۴۶۴	۴۶۵	۴۶۶	۴۶۷	۴۶۸	۴۶۹	۴۷۰	۴۷۱	۴۷۲	۴۷۳	۴۷۴	۴۷۵	۴۷۶	۴۷۷	۴۷۸	۴۷۹	۴۸۰	۴۸۱	۴۸۲	۴۸۳	۴۸۴	۴۸۵	۴۸۶	۴۸۷	۴۸۸	۴۸۹	۴۹۰	۴۹۱	۴۹۲	۴۹۳	۴۹۴	۴۹۵	۴۹۶	۴۹۷	۴۹۸	۴۹۹	۵۰۰
۳۸۱	۳۸۲	۳۸۳	۳۸۴	۳۸۵	۳۸۶	۳۸۷	۳۸۸	۳۸۹	۳۹۰	۳۹۱	۳۹۲	۳۹۳	۳۹۴	۳۹۵	۳۹۶	۳۹۷	۳۹۸	۳۹۹	۴۰۰	۴۰۱	۴۰۲	۴۰۳	۴۰۴	۴۰۵	۴۰۶	۴۰۷	۴۰۸	۴۰۹	۴۱۰	۴۱۱	۴۱۲	۴۱۳	۴۱۴	۴۱۵	۴۱۶	۴۱۷	۴۱۸	۴۱۹	۴۲۰																																																																																

ہر قسم کے

قرآن مجید مترجم و معرا، اور تفاسیر عربی و فارسی

اور اردو

نیز کتب درس نظامی کے علاوہ ہر قسم کی کتابیں و

قاعدے، سپارے اور تبلیعی نصاب وغیرہ

بہترین کتابت و طباعت مزین

ملنے کا پتہ: نعمانی کتب خانہ، حق ٹریڈ اردو بازار لاہور

اعتذار

ناشر

بِسْمِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

نَحْمَدُكَ وَنُصَلِّي عَلَى رَسُولِكَ الْكَرِيمِ

اَمَّا بَعْدُ! زیر نظر کتاب "ہدیۃ الشیعہ" کے بارہ میں کچھ لکنا غیر ضروری بلکہ بے ادبی ہے کیونکہ اس کتاب کے مصنف حجت الاسلام استاذ الاساتذہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہ بانی دارالعلوم دیوبند ہیں اور ان کا نام نامی اس کے مستند ہونے کی پوری ضمانت ہے۔

در اصل یہ کتاب ایک شیعہ عالم مولوی عمار علی صاحب کے خط کا مفصل جواب ہے جس میں مسئلہ خلافت اور مسئلہ فدک کے موضوع پر بحث فرما کر حضرت نے اہل سنت کے موقف کو خوب واضح فرمایا ہے۔ یہ کتاب حضرت نانوتویؒ کے وہی علوم کا منظر ہے۔ یہ کتاب مسئلہ میں تصنیف ہوئی اور اس کے متعدد ایڈیشن شائع ہو کر مقبول خاص عام ہوتے۔ لیکن اس وقت کی طباعت میں پیرا گراف اور عنوانات نہیں تھے جس کی وجہ

سے استفادہ مشکل تھا۔ اللہ تعالیٰ جودائے خیر عطا فرمائے۔ حضرت مولانا محمد اسلم صاحب سابق خطیب مسجد ہند کراچی کو کہ انہوں نے پوری کتاب میں پیرا گراف اور عنوانات اسس تحریر سے لگائے کہ کتاب کے سارے مضامین فہرست کے آئینے میں نظر آنے لگے اور کتاب کی ذاتی ماوریت نمایاں ہو گئی۔ نیز مولانا موصوف نے اس بات کی بھی پوری کوشش فرمائی کہ حضرت مصنف کی اصل عبارت میں تعارف بھی نہ کیا جائے۔

مولانا موصوف نے عربی عبارات کے تراجم بھی ساتھ دے دیئے ہیں تاکہ اُردو خواں حضرت کے لئے بھی استفادہ آسان ہو جائے۔

عنوانات صرف اصل معنوں کی مناسبت سے رکھے گئے ہیں اور پوری کتاب کی اصل عبارت جوں کی توں ہے۔ یہ فہرست والا ایڈیشن مولانا محمد اسلم صاحب تقریباً ۱۹۶۲ء میں اپنے مکتبہ حنائیہ کراچی سے شائع کیا تھا لیکن اب عرصے کی غفلت سے اس لئے اس کو جدید طباعت کے ذریعہ اب "نعمانی کتب خانہ لاہور" سے شائع کیا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس کو قبول و منظور فرمائے آمین۔

بندہ نابھیز بشیر احمد نایم نعمانی کتب خانہ، لاہور

نایب و شریف خادم اہل سنت مولانا بشیر محمد علوی

وعدت سوڈ۔ لاہور

۱۵ ذی الحجہ ۱۳۹۶ھ مطابق ۲۷ نومبر ۱۹۷۷ء

تقدیم الکتاب

ان ناشر

الحمد لله رب العالمین والصلوة والسلام علی سید المرسلین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین
اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے جس نے محض اپنے فضل و کرم سے میرے جیسے بے بغاقت اور
کم سواد طالب علم کو اس عظیم الشان علمی یادگار کے ایسا کی توفیق بخشی۔ ایک مدت
مک کو طباعت کا خیال ہی خیال رہا۔ کیونکہ طباعت سے پہلے خود کتاب کا موجود ہونا بھی ضروری
ہوا۔ اور کتاب کا کہیں پتہ نہ تھا۔ کان لکھنؤ۔ اچانک ایسا ہوا کہ ایک علم دوست بزرگ
تشریف لائے۔ اور کچھ کتابیں میرے سامنے رکھیں۔ کہ ان کی جلد بندی مطلوب ہے۔
کتابیں دیکھیں تو ان میں وہ مقصود بھی موجود تھا جس کی خشن عرصہ دراز سے دل
میں رہتی تھی۔

اس وقت تو ان کو بہت اچھا کہہ کر رخصت کیا۔ اور پھر مختلف تدابیر عمل میں لانی پڑیں
جن سے وہ بزرگ بہت منت سماجت کے بعد کتاب دینے پر آمادہ ہو گئے۔ کام بڑا تھا۔
جس کے لئے بڑی ہمت درکار تھی۔ اور یہاں ضعف ہی ضعف تھا۔ کتاب پڑی رہی۔
اور سوچ بچار میں کافی وقت گزر گیا۔ اس درمیانی وقفہ میں ایک بڑے ادارہ نے طباعت
کا ارادہ کیا۔ اور کتاب بھی لے لی۔ مگر کچھ عرصہ بعد مصروفیت کا غدار کر کے واپس کر دی گویا
ع۔ قرعہ فال بنام من دیوانہ زردند

جس طرح کتاب ہاتھ آئی۔ ہاتھ سے نکلی۔ نکل کر پھر ہاتھ آئی۔ اس سے صاف
ظاہر تھا۔ کہ اب پس و پیش کی مزید گنجائش نہیں۔ کام شروع ہونا چاہیے۔ لیکن جب کتاب
کا مطالعہ شروع کیا۔ تو معلوم ہوا۔ ع۔ کہ عشق آساں نمود اول ولے افتاد مشکلہا۔
کیونکہ کتاب مسلسل تھی۔ کوئی پیرا اگر اند کوئی عنوان یا فصل اور باب وغیرہ اس میں موجود
نہ تھا۔ جیسا کہ عقد میں کا طریقہ تھا۔ اور یہ طریقہ اس وقت کے لئے ناموزوں بھی نہ تھا۔ وہ لوگ

مختص تھے۔ کتابوں کے کیڑے تھے۔ علوم کے دروازوں کے دروازے تھے۔ مسائل اور کتب
میں ان کے لئے تفریح و نشاط لالچے درالچے تھے۔

مگر اب جبکہ ہمیں پست برکتی۔ ذہنی سکون و اطمینان بجائے علمی مشاغل کے
جھوٹی روایتوں اور قصوں میں تلاش کیا جائے لگا۔ تو ضروری ہوا کہ اب علوم کو سہل و خوبصورت
بنکر پیش کیا جائے تاکہ شائقین کو استفادہ میں کوئی دشواری پیش نہ آئے۔ اس لئے ایک
صاحب کی خدمات حاصل کی گئیں کہ وہ کتاب کی ترویج و ترویج کریں۔ مگر شرمندگی کے
ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ انہوں نے جو کچھ لکھا۔ عن ظہر الغیب ہی لکھا۔ یعنی کتاب دیکھے بغیر اپنی علمی
قوت اور زور سے لکھا۔ یہ ایک نئی شکل تھی جس سے بجاؤ کی یہی صورت نظر آئی۔ کہ دست
خود ہاں خود پر عمل کیا جائے۔ چنانچہ ترویج کا کام خود کرنا پڑا۔ مضامین کی مناسبت سے چند
ابواب قائم کئے۔ اور ان کے ذیل میں عنوانات لکھے۔

مگر اس کے باوجود بھی کتاب کے مضامین کا احاطہ نہیں ہو سکا۔ کیونکہ کتاب کی
علمی شان کچھ اتنی وسیع اور عالی ہے کہ ہر دوسطر کے بعد ایک نیا استدلال، نیا نکتہ، نیا
مفہوم موجود ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کثرت سے عنوانات نہیں لکھے جاسکتے تھے۔ اس لئے
کتاب کی وسعت اور جامعیت کو فہرست بھی تمام و کمال پیش نہ کر سکے گی۔ ہاں شوقی و سخیب
کام ضرور دے گی

کتاب میں مصنف قدس سرہ کی اپنی ایک خاص شان جلوہ گر ہے۔ سوز و گداز اس جہ
ہے گویا تڑپ رہے ہیں کہ مخاطبین حق کو کیوں قبول نہیں کرتے یا مصنف خود ہی ان کے قلوب
میں کسی طرح یہ حقائق کیوں نہیں ڈال سکتے۔ علوم عالیہ کی اس رفعت کے باوجود جنزل کلیہ
حال ہے کہ بے انتہا بلندیوں سے اتر کر مشقت کے ساتھ ایک بات کو عام فہم اور سادہ بنا کر پیش
فرما رہے ہیں۔ آمد کا یہ حال ہے کہ مضامین ہاتھ با دے چلے آ رہے ہیں۔ ادبات سے بات
پیدا ہوتی چلی جا رہی ہے۔ مگر اس اعظم علمی شرف کے باوجود ہر جگہ تواضع اور انکسار دکھلا ہوا
نظر آتا ہے۔ کہیں نقل اور اذعان نہیں ہے۔ پھر خاص بات یہ ہے کہ اہل بیت اور صحابہ رضوان اللہ
علیہم اجمعین کے متعلق تمام مباحث میں ادب و احترام بہت ہی نمایاں ہے۔ ورنہ آج کل تو

کتاب کی خصوصیات کے بارے میں اگرچہ عرض کیا جائے تو سب سے پہلی اور بڑی خصوصیت تو یہی ہوگی کہ بانی دارالعلوم قدس سرہ کی تالیف ہے۔ اور یہ کسی عقیدت مندی کا اظہار نہیں ہے۔ بلکہ حقیقت ہے کہ مولانا کی علمی اور تحقیقی رفعت و امتیاز کے اپنے اور پرانے سبب ہی قائل تھے۔ اور ہیں۔ دوسری خصوصیت یہ ہے کہ استدلال میں دونوں پہلوؤں کا لحاظ کیا گیا ہے یعنی روایت کے ساتھ درایت اور نقل کے ساتھ عقل کا سلسلہ پوری کتاب میں قائم ہے۔ بلکہ اس سے زیادہ عرف اور محاورہ بھی مد نظر ہے۔

تیسری خصوصیت صحابہ کرام سے متعلق آیات کی تفسیر و تشریح ہے جو سراپا الہامی ہے آیات کے لفظی اور معنوی فوائد ایسے عجیب و غریب ہیں کہ بڑی بڑی تفاسیر ان سے خالی ہیں۔ اور مالاہدین رأت ولا اذن سمعت کے مصداق ہیں چوتھی خصوصیت بعض ایسی آیات اور احادیث پر محققانہ بحث ہے جن کو فریق ثانی استدلال کے طور پر پیش کرتا ہے۔ مگر اس بحث کا امتیاز یہ ہے کہ مصنف قدس سرہ کی تحقیق کے بعد یوں معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث یا آیت کو فریق ثانی نے اپنی دلیل کیسے سمجھ لیا ہے، یہ تو ہماری دلیل ہے نہایت دھم کا بیان اس پر مزید ہے جو انسانی علم و ادراک کا شکار نہیں بلکہ محسوس طور پر عطا کئے ربانی ہر۔

پانچویں خصوصیت کتاب کے مباحث و مضامین کا تنوع اور توسع ہے جس کے ضمن میں ذیلی علوم و معارف کافی مقدار میں آگئے ہیں جو بے حد قیمتی اور نادر و نایاب ہیں۔ جن سے کتاب کی افادی حیثیت بہت زیادہ ہو گئی ہے۔ اور حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری مدظلہ کا یہ ارشاد بالکل بجا اور درست ہے کہ حدیث الشیعہ میں تحفہ بمع زوائد ہے۔ چھٹی خصوصیت کتاب کی سلاست اور سادہ بیانی ہے۔ جو مولانا قدس سرہ کی باقی کتب کے مقابلہ میں بالکل نمایاں ہے۔ کتاب اگرچہ تھوڑی دیر مزہ کی زبان ہے۔ بعض مقامات میں (جو بہت قلیل بلکہ اقل ہیں) علمی زبان کی وجہ سے کچھ دشواری پیدا ہوئی ہے۔ اور اس کی وجہ ظاہر ہے کہ خالص فنی مسائل کے بیان میں یہ دشواری ہر ایک

کوشش آتی ہے۔

آخر میں اپنی اس حقیر کاوش کے متعلق یہ عرض ہے کہ اس امر کی کوشش تو بوری پوری کی گئی کہ عنوانات کو کتاب کے ساتھ کامل ارتباط و مناسبت ہو۔ اور کتاب کی علمی شان کا عکس اور پرتو ہوں مگر چہ نسبت خاک را عالم پاک ہے۔ کہاں یہ کتاب اقد اس کی رفعت اور کہاں ہم اور ہماری کاوش؟ بس مقصد اتنا تھا کہ پڑھنے والے کو کچھ اندازہ ہو جائے کہ کتاب میں کیا ہے۔ وہ کسی قدر انشاء اللہ ضرور حاصل ہو جائے گا اس کے بعد یوں جی چاہتا ہے کہ سولہ قاضی میں سے سرسید کا وہ بیان نقل کر دیا جائے جس میں مولانا سے اہلہار عقیدت کیا گیا ہے۔

حضرت مولانا نانوتوی سرسید کی نظر میں

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کی وفات پر سرسید مرحوم نے، علی گڑھ انسٹیٹیوٹ گورنمنٹ، کی اشاعت مورخہ ۱۲ اپریل میں ایک مضمون لکھا تھا۔ اس مضمون میں حضرت نانوتوی کی متعلق سرسید نے اپنے تاثرات کا جن الفاظ میں اظہار کیا ہے، وہ الفاظ معاصرانہ چٹنگ مبر ہونے کے علاوہ حضرت نانوتوی کے علم و عمل اور صلاح و تقویٰ کا جو مقام متعین کرتے ہیں، اس کے متعلق یہ کہنا بے جا نہیں ہوگا کہ وہ عقیدت مند جذبات کے غلو سے قطعاً پاک ہیں کسی ایسے شخص کا اپنے کسی ایسے معاصر کے بارے میں اظہار رائے کرنا جو اس شخص کے عقائد و افکار اور رجحانات سے شدید اختلاف رکھتا ہو ظاہر ہے کسی بے لاگ حیثیت کا حامل ہو سکتا ہے، یہ حضرات ایک دوسرے کو ذاتی حیثیت سے کس نظر سے دیکھتے تھے۔ اس کا اندازہ تصنیف العقائد کی اس مراسلت سے ہو سکتا ہے۔ جو ان حضرات کے مابین ہوئی ہے۔ اس مراسلت میں سرسید اپنے ایک دوست (منشی محمد عارف صاحب) کو خط میں لکھتے ہیں۔

”و اگر جناب مولوی محمد قاسم صاحب تشریف لائیں تو میری سعادت ہو میں ان کی کفش برداری کو اپنا فخر سمجھوں گا“

سے تصنیف العقائد صفحہ ۳ مکتوب سرسید نام منشی محمد عارف

میرزا جلال الدین صاحب نے اس سرسید کے ان ہی دقت کو حضرت مولوی رفیع الدین صاحب نے بیکر پر لکھا تھا کہ

میرزا ان اس میں کچھ شک نہیں کہ سنی سنائی سید صاحب (سرسید) کی اولوالعزمی اور دُمدی اہل اسلام کا معتقد ہوں۔ اور اس وجہ سے ان کی نسبت اہلارحمت کر دیا تو بجا ہے مگر اتنا یا اس سے زیادہ ان کے فساد عقائد کو سن کر ان کا شکی اولوں کی طرف سے رنجیدہ خاطر ہوں۔

اس مختصر تقریب کے بعد سرسید کا متذکرہ صدر مضمون درج ذیل ہے۔

”انفوس ہے کہ جناب ممدوح (حضرت مولانا محمد قاسم صاحب) نوکریٰ نے ۱۵ اپریل ۱۸۸۷ء کو فیض النفس کی بیماری میں بمقام دیوبند انتقال فرمایا زمانہ بہتوں کو رو رہا ہے۔ اور آئندہ بھی بہتوں کو روئے گا۔ لیکن ایسے شخص کے لئے رہنا جس کے بعد کوئی اس کا جانشین نظر نہ آوے۔ نہایت رنج اور غم اور انفس کا باعث ہوا ہے۔ ایک زمانہ تھا کہ دلی کے علماء میں سے بعض لوگ جیسے کہ اپنے علم و فضل اور تقویٰ اور دُرع میں معروف اور مشہور تھے ویسے ہی نیک مزاجی اور سادہ وضعی اور مسکینی میں بھی بے مثل تھے۔ لوگوں کو خیال تھا کہ بعد جناب مولوی محمد اسحق صاحب کے کوئی شخص ان کی مثل ان تمام صفات میں پیدا ہونے والا نہیں ہے مگر مولوی محمد قاسم صاحب مرحوم نے اپنی کمال نیکی اور دینداری اور تقویٰ اور دُرع اور مسکینی سے ثابت کر دیا کہ اس دلی کی تعلیم و تربیت کی بدولت مولوی محمد اسحق صاحب کی مثل اور شخص کو بھی خدا نے پیدا کیا ہے۔ بلکہ چند باتوں میں ان سے زیادہ۔

بہت لوگ زندہ ہیں جنہوں نے مولوی محمد قاسم صاحب کو نہایت کم عمر میں دلی میں تعلیم پاتے دیکھا ہے انہوں نے جناب مولوی ملک علی صاحب جویم سے تمام کتابیں پڑھی تھیں، ابتدا ہی سے آثار تقویٰ اور دُرع اور نیک نیتی اور

خدا پرستی کے ان کے افہام اور احوال سے بلایاں تھے اور یہ خیران کے حق میں بالکل صادق تھا۔

بالائے سرش زہد شہندی۔ پ۔ مئی یافت ستارہ بلند سی۔ زمانہ تحصیل علم میں جیسے کہ وہ ذہانت اور عالی دماغی اور نرم و فراست میں معروف و مشہور تھے، ویسے ہی نیکی اور خدا پرستی میں بھی زبان زد اہل فضل و کمال تھے ان کو جناب مولوی مظفر حسین صاحب کا مرحلوی کی صحبت نے اتباع سنت پر بہت زیادہ راغب کر دیا تھا۔ اور حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے فیض صحبت نے ان کے دل کو ایک نہایت اعلیٰ مرتبہ کا دل بنا دیا تھا، خود بھی پابند شریعت اور سنت تھے۔ اور لوگوں کو بھی پابند شریعت اور سنت کرنے میں زائد از حد کوشش کرتے تھے۔ بابت ہمہ عام مسلمانوں کی بھلائی کا بھی ان کو خیال تھا۔ انہیں کی کوشش سے علوم دینیہ کی تعلیم کے لئے نہایت مفید مدرسہ دیوبند میں قائم ہوا اور ایک نہایت عمدہ مسجد بنائی گئی۔ علاوہ اس کے اور چند مقامات میں بھی ان کی سعی اور کوشش سے مسلمانانِ مدر سے قائم ہوئے۔ وہ کچھ خواہش پیر و مرشد بننے کی نہیں کرتے تھے۔ لیکن ہندوستان میں اور خصوصاً اصلاح شمال و مغرب میں ہزار ہ آدمی ان کے معتقد تھے اور ان کو اپنا پیشوا اور مقتدا جانتے تھے

مسائل خلافت میں بعض لوگ ان سے ناراض تھے اور بعضوں سے وہ ناراض تھے مگر جہاں تک ہماری سمجھ ہے ہم مولوی محمد قاسم مرحوم کے کسی فعل کو خواہش سے ناراضی کا موضوعہ کسی سے خوشی کا ہو، کسی طرح ہوائے نفسانی یا ضد اور عداوت پر محمول نہیں کر سکتے۔ ان کے تمام کام اور افعال جس قدر کہ تھے بلاشبہ لہیت اور ثواب آخرت کی نظر سے تھے۔ اور جس بات کو وہ حق اور سچ سمجھتے تھے۔ اس کی پیروی کرتے تھے، ان کا کسی سے ناراض ہونا صرف خدا کے واسطے تھا۔ اور کسی کو خوش ہونا بھی صرف خدا کے واسطے تھا۔ کسی شخص کو مولوی محمد قاسم اپنے ذاتی تعلقات کے سبب اچھا یا برا نہیں جانتے تھے بلکہ صرف اس خیال سے کہ وہ بر

کلام اللہ کا خاص ان کے برتاؤ میں تھا ان کی تمام خصلتیں فرشتوں کی سی
 خصلتیں تھیں ہم اپنے دل سے ان کے ساتھ محبت رکھتے تھے۔ اذہا ایسا شخص
 جس نے ایسی نیکی سے اپنی زندگی بسر کی ہو بلاشبہ نہایت محبت کے لائق ہے۔
 اس زمانہ میں سب لوگ تسلیم کرتے ہیں۔ اور شاید وہ لوگ بھی جو ان سے بعض
 مسائل میں اختلاف کرتے تھے تسلیم کرتے ہوں گے کہ مولوی محمد قاسم اس دنیا میں
 بے مثل تھے۔ ان کا پایہ اس زمانہ میں شاید معلومات علمی میں شاہ عبدالعزیز سے
 کچھ کم ہو۔ الا اور تمام باتوں میں ان سے بڑھ کر تھا۔ مسکینی اور نیکی اور سادہ مزاجی
 میں اگر ان کا پایہ مولوی محمد اسحق سے بڑھ کر نہ تھا۔ تو کم بھی نہ تھا۔ درحقیقت
 فرشتہ سیرت اور ملکوتی خصلت کے شخص تھے۔ اور ایسے شخص کے
 وجود سے زمانہ کا خالی ہو جانا ان لوگوں کے لئے جو ان کے بعد زندہ ہیں نہایت
 بے گناہ اور افسوس کا باعث ہے۔

افسوس ہے کہ ہماری قوم بہ نسبت اس کے کہ عملی طور پر کوئی کام کرے۔
 زبانی عقیدت اور ارادت بہت زیادہ ظاہر کرتی ہے۔ ہماری قوم کے لوگوں کا یہ
 کام نہیں ہے کہ ایسے شخص کے دنیا سے اٹھ جانے کے بعد فخر چند لمحے حسرت و
 افسوس کے کہہ کر خاموش ہو جائیں یا چند آنسو آنکھ سے بہا کر اور رو ملے۔ یہ بوجھ
 کہ چہرہ صاف کر لیں بلکہ ان کا فرض ہے۔ کہ ایسے شخص کی یادگار کو قائم رکھیں،
 وہ بندگان ہیں ان کی ایک نہایت عمدہ یادگاری ہے۔ اور سب لوگوں
 کا فرض ہے کہ ایسی کوشش کریں کہ وہ مدرسہ ہمیشہ قائم اور مستقل رہے۔ اور اس
 کے ذریعہ سے تمام قوم کے دل پر ان کی یادگاری کا نقش جاری ہے۔

انقل باصلہ از علی گڑھ انسٹیٹیوٹ گورٹ

مؤرخہ ۲۴ اپریل ۱۸۸۵ء صفحہ ۲۶۷ و ۲۶۸

نوٹ۔ فہرست کتاب کے آخر میں ملاحظہ فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله رب العالمين الرحمن الرحيم مالك يوم الدين والصلاة والسلام على من لا نبي بعده
 محمد بنی الرحمة والدہ ازواجہ و اہل بیتہ و ذریتہ و اصحابہ اجمعین۔

سبب تالیف بعد حمد و صلوة کے بندہ محمد ان کا محمد قاسم نام متخلص تھا پچھلے زمانہ طران اور ارق کی خدمت
 میں عرض پر دانیہ کہ او آخر رجب ۱۲۸۵ھ بارہ سو ترسی پجری میں مخدوم العلماء مطاع الفضل علیہ السلام
 منبع الحسانت زب طریقت حامی شریعت فخر احباب افتخار اصحاب ملجاء انام مرجع خاص و عام معلم
 قوانین اطاعت و انقیاد محرک سلسلہ رشد و ارشاد جامع کمالات ظاہری و باطنی مخدوم مستاد
 مولانا مولوی رشید احمد گنگوہی دام رشده و ارشادہ نے ایک خط متضمن بعضہ خرافات
 شیعہ جو مولوی عمار علی صاحب کی طرف سے بنام میر نادر علی صاحب ساکن کر تھل نواح الور تھا،
 لکھی محمد ان کے پاس بایں غرض بھیجا کہ ان خرافات کے جوابات لکھ کر روانہ خدمت مولانا ممدوح
 کر دے۔ اتفاقات سے ان ایام میں حسب ایما بعض احباب کہ ان سے اشتراک فہمی بھی حاصل ہے
 اوقات فرصت میں دربارہ اثبات تو حید و رسالت بدلائل عقلیہ و اوراق سنیاہ کرتا تھا، سو
 کچھ تو اس وجہ سے، اور کچھ بوجہ کالی طبع زاد، اس کے جوابات کا لکھنا سخت دشوار معلوم ہوا اور پھر
 بوجہ بچہ دانی اور بے سرو سامانی اور کثرت مشاغل روزمرہ اس خیال سے اور بھی دل تنگ ہوتا
 تھا، القصد یہ طور یہ کار دشوار تھا مگر مولانا ممدوح کے ارشاد سے ناچار تھا لہذا تحریر مضامین
 تو حید و رسالت کو اور وقت پر موقوف رکھ کر خط مذکور کے پہنچنے سے دو تین روز ہی بعد تحریر
 سابق کے عوض میں خط مذکور کے جوابات لکھنے شروع کئے۔ محکمہ کچھ ہی پجراتی اور بے سرو سامانی
 اور کچھ قلت فرصت اور کچھ سرگردانی اس لئے ایک دفعہ تو زین پڑا، ہر اوقات متفرقہ میں لکھ لکھ کر
 پانزدہم صفر ۱۲۸۵ھ بارہ سو چوراسی میں تمام کیا اور بعد اختتام۔ ہدیۃ الشیعۃ
 اوراق کا نام رکھا۔

انتخاب نام کلام اور وجہ اس نام رکھنے کی دعا لاکھ یہ رسالہ بظاہر مفید ثابت ہے اور اس وجہ سے ہدیہ اہل سنت ہر نامناسب تھا یہ ہے کہ نسبت اہل سنت شیعوں کے حق میں یہ رسالہ زیادہ تر مفید ہے، اہل سنت کے لئے تو اس میں اتنا ہی فائدہ ہے کہ کچھ کے لئے مفید یقین اور کچھ کے لئے باعث اطمینان ہے، پر شیعوں کے حق میں اگر انصاف کریں تو ذریعہ حصول ایمان ہے، کیونکہ ان ادراقی میں اگر استدلال ہے تو تین چیزوں سے استدلال ہے قرآن مجید احادیث صحیحہ معتبرہ شیعہ یا دلائل عقلیہ واضحہ الدلائل سو ان تینوں کا علم ہونا شیعوں کے نزدیک مسلم کتاب کی کھلی صداقت مگر یہ سکر بوجہ گمنامی احقر شاید کسی کو یہ بدگمانی ہو کہ استدلال صحیح کرتے ہیں، پر استدلال کرنا کسی کی کو آملہ ہے سو اس کا جواب یہی ہے کہ یہ رسالہ موجود ہے۔ چنانچہ ہمارا بار نہ کیجئے۔ اس سلسلے کی کو دیکھ لیجئے۔ صاحبو درویشوں ولیکن بات کہنا ہوں ٹھکانے کی۔ بہرکت اہل بیت کرام اور صحابہ عظام امیدوں پر کہ انشاء اللہ منصفان فہمید افریں ہی کہیجئے اور کوئی کہے تو یہ کہے گا

گاہ باشد کہ کو دکب نادان

بخط بر بدف دند تیرے

سورہ سب صحیح ہے۔ اپنے آپ کو کون نہیں جانتا۔ غرض اپنی نسبت جو کچھ کہئے بجلہ ہے پر اس رسالہ کے مضامین کی حقانیت کا دعویٰ بھی بجا نہیں۔ انشاء اللہ بعد ملاحظہ معلوم ہو جائے گا۔

کتب کے جواب کی صحیح راہ ہاں نادان متعصب اگر دوچار باتوں میں تکرار کریں، تو نادانوں کا کام ہی ہے، ان کہ زمان سے قرآن تو چھوڑی نہیں یہ پچھداں تو کس شمار میں ہے۔ البتہ دانشمند ہی علم الیہا کریں، تو ہمیں بھی شکایت ہے کیونکہ کچھ رسالہ ایسی کتاب کے جواب کے یہ معنی ہیں کہ تمام استدلال کو باطل کر دیجئے۔ صیحا کہ اس پچھداں نے نسبت خط مولوی عمار علی صاحب کیا ہے چنانچہ انشاء اللہ واضح ہو جائے گا ورنہ ایک دو بات تو ہر کسی کی قابل گرفت ہوتی ہے جناب من شہرہوں اور بشر بھی سب کے کتر، خدا نہیں سول نہیں جو غلطی کا احتمال نہ ہو، بھول چوک کا اندازہ نہیں کیا جاتا، پر کتاب کی صحت اور اعتبار باعتبار اکثر کے ہوتی ہے۔

سو اگر کسی صاحب کو خیال جواب ہو تو بندہ پچھداں کی روش چلیں یعنی ہر مضمون کے ہر پہلو پر گرفت کریں نہیں تو اس سے بھی کیا کم کہ موافق قواعد علم مناظرہ ہر دعوے کے استدلال پر اعتراض

بدعت الشیعہ کریں دندنہ دوچار باتوں کی قلیط سے کام نہیں چلیا۔ اس کا تو میں بھی خود مقرر ہوں کہ خطا انبیان سے بہتر نہیں کیا عجیب ہے کہ کچھ غلطی ہوگئی ہو القصد اہل انصاف سے امید تو یہی ہے کہ قطع نظر پریشانی تقریر اس رسالہ کے دعووں اور دلائل پر بحث کریں ہوں۔ بلکہ آفرین و تحسین ہی سے پیش آئیں۔ ایک شب کا ازالہ اور اگر نسبت انبیاء و مرسلین یا بزرگان اہل بیت و اصحاب سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم اس رسالہ میں کوئی حرف نامناسب دیکھ کر انھیں تو مجھے اس سے بری الذمہ سمجھیں البتہ کہ انھیں کہیں ناچا رہی بغرض الزام شیعہ آگیا ہے اس کا بالائی کی گردن پر ہے یہ سب انہوں نے ہی کرنا یا کر خدا شاہد کہ ایسے عقائد سے میں ہزار جان و ہزار زبان سبزا ہوں۔ محبت بزرگان مذکور کو اپنی سعادت اور ان کے حسن اعتقاد کو ذریعہ نجات سمجھتا ہوں مگر مردمان فہمید سے یوں امید ہے کہ میرے خدا سے پیشتر ہی بشہادت مذہب مجھے مژدہ سمجھیں۔

نقل روایات میں مصنف کا رویہ ہاں بوجہ سروسامانی احقر کسی شیعہ کو نقل روایات میں کچھ مامل ہو تو البتہ چند وجہ سے بجا ہے، اول تو کتب شیعہ کے میسر مینوں کو کیا غرض جو فراہم کریں شیعوں کو حکم مثل مشہورہ اہل البیت ادبی بمانیہ یعنی گھر والے گھر کی بات کو خوب جاننا کرتے ہیں۔ بلحاظ فنی مضمون مینوں کے دینے میں دار و گیر اور طعن و تشنیع اور مفہم کا اندیشہ پھر کوئی سنتی لائے تو کہاں سے لائے۔ جو کوئی روایت مفید مطلب میناں کسی رسالہ میں درج کی جائے دوسرے کتاب میں اگر غرض کر و طیس بھی تو بچہ ہے مگر سامان کے طے کی تو کوئی صورت ہی نہیں کیونکہ اپنی کتابیں جب پاس نہ ہوں تو دوسروں کی کتابیں کیا ہونگی تیسرے نقل مشہور۔ المدعی یقین علی نفسہ شیعوں کی دوسری مذہبی نے شیعوں کے نزدیک سنتوں کا اعتبار بھی نہیں رکھا پھر حسب مثل مذکور اگر شیعہ اس سختی مشرب کو بھی جھوٹا سمجھیں تو سمجھ کی بات۔ بالجمہ بوجہ مذکور خاص کردہ اول اس بات میں کسی شیعہ کو مامل ہو تو بجلہ خود ہے

تحفہ اثنا عشریہ پر اعتماد اس لئے یہ استباز بھی عرض پر داز ہے کہ۔ الصدق یحییٰ والکذب یخلد یعنی یسح میں نجات براد جھوٹ میں تباہی، واقعی اس کتر سامان کی پاس اس قسم کا سامان کچھ نہ تھا، پر ایک تحفہ اثنا عشریہ تھا اور جب تحفہ تھا تو جاننے والے جانتے ہیں کہ سب کچھ تھا۔ موافق مصرعہ مشہور

کافی ہے تسلی کو تری ایک نظر بھی

اور کتب میں نہ سہی۔ ایک تحفہ ہی بہت ہو کہ مولف تحفہ حجتہ اللہ علی العالمین خاتم المؤمنین المفترین

میں نے اس بار میں ان شاء اللہ تعالیٰ اور اللہ تعالیٰ کے نام سے لکھا ہے کہ میں نے اپنے دل میں تو
 جی رہا ہوں کہ میں جس کتاب کے کتب و تحقیق کو بہ نسبت دونوں مذہبوں کے اپنے دل میں تو
 خوب ہی جانتے ہیں، زبان سے کہیں یا نہ کہیں سو جو روایت روایات کتب شیعہ میں سے اس رسالہ
 میں منقول ہوئی ہے یا خدا اس کا یا متن تحفہ مطبوعہ دہلی ہے، یا اس کے حواشی ہیں جو غالباً مہنبہ معلوم
 ہوتے ہیں۔ سو تحفہ کا حوالہ اہل انصاف کے نزدیک خود ان کتب کے حوالے سے کم نہیں جن کا نام اس رسالہ
 میں لکھا گیا۔ اسی وجہ سے اس حق پر پلے پامل ان کتب کا حوالہ رقم کر دیا ہے۔

شیعہ کو عہدہ مشرف اور صاحب تحفہ کی راست بازی اور تھری کے بھروسے مصنفان شیعہ کی خدمت
 میں عرض پر دانیوں کو فقط میری بے مہر سامانی کے خیال سے بے دماغی نہ فرمائیں نقل کو اصل سے
 مطابق کر دیجیں، اکثر کتب منقول ہیں کتب مشہورہ معتبرہ شیعہ میں، اور الوجود کیاب نہیں اس کا اندیشہ
 نہ کریں کہ مطابقت ہوئی تو ماننا پڑے گا۔ خدا نے خود فرمایا ہے: **يُضِلُّ اللَّهُ فُلًا كَهَٰذَا لِيُذِلَّهُ**
 پھر کیا اندیشہ ہے، خدا کی فرمائی ہوئی باتوں میں تو یہ بات پائی نہیں جاتی کہ کچھ میں آجائے تو ماننا ہی
 پڑے۔ اس گھبراہٹ بھڑکال کی بات میں یہ بات کہاں؟

مہذب الحق تو ماننے ہی کے لئے ہے۔ اگر حق کو تسلیم ہی کر لیا تو کیا نقصان ہے۔ الخضر
 تطبیق میں کلامی نہ کریں، بعد مطابقت اگر فرق نکلے تو وہ میرے ذمہ

شیعہ کی دلیرانہ غلط بیانی | مگر میں جانتا ہوں کہ میرے بے کہے شیعہ اس بات کو جانتے ہو گئے کہ کون
 جانتا کہ اہلسنت کے نزدیک جھوٹ بولنا خصوصاً دین کے مقدمہ میں سخت ممنوع اور منجملہ کبار ہے ہم
 وہ نہیں کہ مثل مولوی عمار علی صاحب مشار الہ مشہور و پیش امام شیعہ کہ وہ بظاہر مولوی عمار علی صاحب
 سوئی ہی معلوم ہوتے ہیں غلط اور موصوف کو صحیح اور ضعیف کو قوی اور غیر معتبر کو معتبر کہیں یا محض بے اصل
 کے جھوٹ پر کوئی اصل گھڑیں جتنا بچی ناظران رسالہ خدا پر واضح ہو جائے گا کہ مولوی صاحب موصوف
 نے غلط مذکور میں کیا کیا ستم کئے ہیں۔ ہم کو یہ گمان تھا کہ شیعوہ و دروغ بندی زمانہ سابق کے علامہ شیعہ پر
 ختم ہو چکا، مگر غیبت ہو کہ ان کے خلف الرشید اب تلک بہت باقی ہیں۔ دعوے بہ فک حضرت زہرا کی
 طرف سے شیعوں کی معتبر کتابوں کے حوالے سے بیان کرنا اور حضرت رقیہ اور حضرت ام کلثوم اور حضرت
 زینب رضی اللہ عنہن و حزان رسالت پناہی صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقطع

کرنا مولوی عمار علی صاحب سے مقتدا و پیشوا شیعہ ہی سے ہو سکتا ہے کیونکہ متابعت ہر گاہ ایسے ہی
 بزرگواروں کا کام ہے۔

اگر جھوٹ ہی بولنے کو جی چاہتا تھا تو ایسا بولتا تھا کہ پیشوا جاسنہ اور کسی کے خیال میں آسنا
 مگر ایسا طوفان کیوں نہیں سنا تھا کہ ایک شخص کے منی ہو جانے کے اندیشہ سے نہ خدا تعالیٰ اور رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم سے شر لائے اور نہ آئمہ معصومین کا کچھ پاس و لحاظ کیا حضرت ام کلثوم بنت
 سیدہ النساء کے خلیفہ ثانی نے نکاح کو ذکر نہ کرنا تو اس پر بھی تب تکلف محمول ہو سکتا ہے کہ اگر ایک ذکر
 نہیں کیا تو باتوں سے انکار بھی تو نہیں کیا، پر یہ بات کہ حضرت رقیہ غیر عارضی اللہ عنہن دختران مرفر
 عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہی نہ تھیں اور حضرت زہرا کا دعویٰ بہ فک کرنا اہلسنت کی معتبر کتابوں میں
 ایسا دروغ صریح ہے کہ کسی اقبال صحیح پر کسی طرح منطبق نہیں ہو سکتا چنانچہ بعد ملاحظہ رسالہ خدا انشاء اللہ
 میرے اس قول کی صحت بخوبی معلوم ہو جائے گی۔ یہ وہی مثل ہی "دروغ گویم بر دے تو"۔

مولوی صاحب کی دروغ گوئی کا ایک پس پس ہوا | لیکن انور دیکھے تو مولوی صاحب کی بھی اس میں کچھ قصہ نہیں
 آخر مذہب اہل سنت و جماعت کلام اللہ اور عزت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحیح اور مذہب شیعہ و مشاہد
 کلام اللہ اور عزت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سراسر غلط ہے۔ اور باوجود اس کے پھر اپنے پیروؤں کو
 دیکھا کہ مذہب شیعہ کو حق اور مذہب اہل سنت کو باطل کہتے ہیں، تو مولوی صاحب موصوف جس اعتقاد بزرگ کا
 یہ سمجھ بیٹھے کہ حق غلط ہی باتوں کو کہا کرتے ہیں، اور کیونکر نہ سمجھیں۔ آخر مولوی صاحب عدوہ علماء شیعہ ہیں۔

بعد ازیں کلام اللہ کی تلاوت کا جو بھولے چوکے اتفاق ہوا تو سورہ احزاب میں یہ آیت نکل آئی۔
 واللہ لایستحی من الحق یعنی اللہ تعالیٰ حق بات سے شرم نہیں کرتا چونکہ مولوی صاحب کو جو ہم خود
 کمال اتباع خداوندی مد نظر ہے تو اپنے عقیدہ میں غلط باتوں سے پرہیز کرنا اخلاق خداوندی سمجھ کر کچھ
 بولنے کی شرم طاق میں اتحاد دھری اور بے ساختہ مثل مشیوایان قدیم کہ ان کی متابعت بھی بڑے مولوی
 صاحب موجب سعادت ہے اور حضرت آئمہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے ان کے حق میں بددعا نہیں کی ہیں
 اور ان کو جھوٹا بتلایا ہے اور ان کی باتوں سے ربک اٹھایا ہے، انہوں نے بھی افتراء پر داریوں پر کربا بدھی
 تاکہ ان کی متابعت کے صدقے حضرت آئمہ رضوان اللہ علیہم اجمعین بددعا ہی میں شریک ہو جائیں۔
 پس کہ جس کی اے سخی تیرے دونوں مددگار تھے تھی تیری نیرجوں دونوں آگ بجھائے

مذہب شیعہ کے اصول و عقائد

باب

مذہب اہل سنت موافق قرآن مجید و حدیث پاک، اور مذہب شیعہ مخالف ہندو

اہل سنت اہل حق اور شیعہ اہل باطل ہیں۔ دلائل تفصیل اس بات کی کہ اہل سنت کا مذہب موافق نقلیں یعنی کلام اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے موافق ہے اور شیعوں کا مذہب مخالف نقلیں اور یہ بات کہ شیعوں میں شیعہ کے حق میں حضرات ائمہ نے کیا کیا کچھ کہا ہے اس رسالہ مختصر میں سمجھ نہیں سکتی لیکن بطور نمونہ ایک ایک دو دو باتیں عرض کرنی ضرور ہیں اہل انصاف اسی سے سمجھ جائیں گے، مشتبہ نمونہ خدایا بعد ازاں اس خط کی تردید مناسب وقت کی جائیگی۔ مخدوم من کلام اللہ میں سورہ بقرہ میں پہلے سیارہ میں یہ آیت ہے۔

الَّذِينَ آمَنُوا هُمْ أَكْثَرُ ذُنُوبٍ كَبِيرَةٍ
تِلَاوَتِهِ أَوْ لَوْ كُنْتُمْ بِهِ
مَنْ يَكْفُرْ بِهِ فَإِنَّ لَهُ جُحُومًا
أَعْمَارًا سَبْعُونَ مِائَةً

احاصل اس کا یہ ہے کہ جن کو ہم نے دی ہے کتاب وہ اسکو پڑھتے ہیں جو حق ہے پڑھنے کا وہی اس یقین لانے ہیں اور جو کچھ ہو گا اس سے سو نہیں کو نقصان ہے

اس آیت کے مضمون کے دیکھنے کے بعد تصور میں نہیں آتا کہ کسی کو دوبارہ حقیقت مذہب اہل شیعہ کا مذہب اور جب اس میں شک ہے تو اس کا پہلے یقین ہو جائے گا کہ مذہب شیعہ باطل ہے۔

مضمون آیت پر تفسیری نظر تفصیل اس اجمال کی ہو کہ یہ آیت ہر چند بعض اہل کتاب کے حق میں نازل اور حق تلاوت ہے، ایمان کا انحصار ہوئی ہے لیکن اس آیت میں گو کسی کی شان میں نازل ہو کہ اس آیت پر ایمان لائے کو انہیں میں منحصر کر دیا ہے جو اسے خوب پڑھتے ہیں حق پڑھنے کا جب یہ بات انہیں میں منحصر ہوئی تو معلوم ہوا کہ کتاب اللہ پر ایمان کی علامت یہی ہے کہ اس کو خوب تلاوت کیا کرے کوئی ہی خدا کی کتاب کیوں نہ ہو نورات ہو یا انجیل یا قرآن شریف۔ اس کی مثال ایسی ہو کہ کوئی زمین آدمی کی مثل بات نہ سمجھ جائے اور خوب سمجھے۔ اور دوسرا اس کی تفسیر میں یوں کہیں کہات کو زمین سے سمجھتے ہیں تو گو یہ تعریف اسی کے سامنے کے لئے کی گئی ہے پر حقیقت میں سارے ہی زمینوں کی تعریف ہو

مذہب قرآن شریف کے یہ نشانی سوا اہل سنت کے اور کسی فرقے میں پائی نہیں جاتی شیعوں کا مذہب ان کا تلاوت کرنا تو سب ہی جانتے ہیں۔

اہل سنت سے ادائیگی حق تلاوت یہاں تک کہ کلام اللہ کے یاد نہ ہونے میں مزید مثل ہو گئے ہیں اور شیعہ کی اس سے قطعی معذرت سوا اس کا باعث بجز اس کے اور کیا ہے کہ جیسی تلاوت چاہیے ان سے ویسی تلاوت نہیں ہو سکتی جبکہ کلام اللہ کے پڑھنے میں محنت چاہیے ان سے محنت نہیں ہو سکتی باقی اہل سنت کا ایسا تلاوت کرنا، جیسا تلاوت کا حق ہے۔ عیاں ہے اور عیاں راجح بیان، اس کو زیادہ اور کیا ہو گا کہ پڑھتے پڑھتے ہندو بان ہو جائے۔

بڑے آیت قرآنی قرآن کا حفظ اس آیت سے اشارتاً معلوم ہوا کہ جتنے فرقے اہل اسلام میں معذور ہونا حق ہونے کی نشانی ہیں ان میں سے جو نہ فرقہ حقانی ہو گا۔ اسی کو کلام اللہ یاد ہو گا اور نہ کو یاد نہیں ہو سکتا، ورنہ لازم آئے کہ باطل پر ہو کر ممدوح خداوند کریم ہوں، سو محمد اللہ تعالیٰ یہ دولت نصیب اہل سنت ہوئی ماسوا ان کے اور سب فرقے اس نعمت عظمیٰ سے محروم رہے چنانچہ آج حکمت مسوع نہیں ہوا کہ سوائے اہل سنت کے کسی اور کو دفاع و خواص میں سے یاد ہوا ہو اور فرقوں کا تو ہندوستان میں وجود ہی نہیں، پر سوائے اہل سنت، بدافض البتہ بکثرت ہیں کوئی قبیلہ اور کوئی شہر نہ ہو گا کہ وہاں ان کے غول کے غول نہ ہوں، علاوہ بریں لوح لکھنے اور اطراف دکن اور اضلاع سندھ میں باوجود کثرت کے تسلط بھی انہیں کا ہے یہاں تک کہ اسی باعث سے شیعہ کو ہندوستان میں کمال درجہ کو شیعہ حاصل ہوا، ہزاروں عالم شیعہ مذہب موجود، پر حافظ نام کوئی دیکھا نہ سنا اور کسی کے دہمہ اگر شیعوں نے حفظ قرآن کی تہمت لگا بھی دی تو اسے یوں ہی کہتے ہوئے سنا کہ یاد تو تھا پھر آج کل کچھ یاد ہو گیا جو اسلئے فی الحال تناسخ معذور ہوں۔ اور جو سنائے پر آئیں بھی تو ایک ایک سیارہ کے سامنے پڑتے ہیں، یہ نہیں کہ ایک جلسہ میں یا دو جلسہ میں پڑھ کر ادھر سے ادھر کر دیں۔

شیعوں کے حافظ نہ ہونے کا واقعہ ثبوت منہلہ حفاظ شیعہ مولوی جعفر علی صاحب پیش امام دہلی جو درعہ و تقریر و علم و فضل میں مجتہد زمانہ نہیں تو مجتہد ثانی تو بیشک مشہور ہیں ان کے حفظ کی یہ کیفیت ہے کہ رمضان شریف میں غزوہ سے پہلے ہجرت خود اس حشر نے دیکھا ہے کہ جلسہ تلاوت قرآن میں جو دن کو نواب حامد علی خاں کی مسجد میں ہوا کرتا تھا، مثل دگر حضرات شیعہ مذہب حامل میں

کے لئے کہہ رہے تھے۔ یہ ساری دوسری غلط بات تھی۔ اور اہل اذکریم کی حق مائیاں دیکھئے کہ
 اسی طبقہ میں حفاظ اہل سنت جو بطور سیر آجاتے تھے اور اہل تشیع وہ کران کو بھی بڑے ہتھے
 کیے لے سکتے تھے۔ تو وہ بزبان ہی پڑھتے تھے۔ مگر تمام دیدہ و عبرت شیعوں کا وہ نہیں ہوتا تھا۔
 ایک شخص سنی المذہب مولوی حافظ عبدالعزیز نام ساکن نجیب آباد کہتے تھے کہ میں کچھ کتب
 درسیہ میں سے مولوی جعفر علی صاحب سے پڑھا کرتا تھا۔ اتفاقاً کچھ اس کا مذکور آگیا کہ شیعوں کو
 کلام اللہ یاد نہیں ہوتا، مگر فرمانے لگے کہ تم سنو گے؟ میں نے عرض کیا کیا مفاد ہے؟ اگر ایک جملہ
 میں ہو، یا یوں کہنا زیادہ زیادہ پڑھئے تو کیا مفاد ہے؟ مگر پھر مولوی صاحب کہاں تھے۔ پھر
 اس کے نہ بن پڑی کہ ایک ایک سیارہ ہر روز سن لیا کرو، جائے غور ہو کہ ایک ایک سیارہ روز تو بعضے
 بعضے ہنگام خدا از سر نو یاد کر سکتے ہیں؟ وہ حافظ ہی کیا ہوا کہ جس نے ایک جملہ میں کلام اللہ
 نہ پڑھا لیا، اور میں جانوں کہ مولوی صاحب سے ایک ایک سیارہ بھی نہ سنایا جاتا، یہ بھی ایک صحت
 تھی، مولوی عبدالعزیز صاحب مذکور یوں سمجھ کر کہ شاید اب یاد کر کر سنادیں اور پھر یاد نہ رہے، ہو
 اتنی بات میں سر دست میرا دعویٰ تو غلط ہو جائے گا یا دو چار سیارہ ان کو یاد دیں اور ان کو جو
 توں سنا کر پھر کچھ حیلے بہانے لے دیں، اور ان کو کہنے کو جگہ ہو جائے اس بات پر پکے نہ ہوئے اور نیز
 یہ بھی مرکوز خاطر ہو گا کہ سب پر عیاں ہو جائے کہ مولوی صاحب کو یاد نہیں، ان کا حافظ کہنا ایک حرف
 غلط ہے کہ منجملہ اور دروغوں کے زبان زد شیعوں ہو گیا۔ اور اگر ماما کر ایک ہونے بالقرض بغرض محال
 کچا پکا یاد بھی کر لیا، تو غیرت مندان شیعوں کے لئے تو یہی بات ڈوب مرنی کو بہت ہے۔ کون نہیں جانتا کہ ایک
 ایک شہر بلکہ بعضے بعضے ایک قصبہ میں اہل سنت میں سو سو بلکہ زیادہ زیادہ حافظ ہوتے ہیں اور طرفہ
 یہ کہ بعضے بعضے قصبہ میں اہل سنت ہی کے برابر پیشی ہوتے ہیں، لیکن اہل سنت میں سینکڑوں حافظ
 ہوتے چلے جاتے ہیں اور شیعوں میں ایک بھی نہیں ہوتا، چنانچہ سہارنپور اور پانی پت اور لارہ میں ہی
 حال ہے اور جو اس یاد نہ ہونے کی (حالانکہ متقفا طعن اہل سنت یہ تھا کہ کلام اللہ چور شیعی تفسیر کمر
 بھی یاد کر لیتے، یہی بات ہے کہ جیسا تلاوت کا حق ہوتا ہے ان کو میسر نہیں آتا۔

شیعہ ادا کی تلاوت سے کیوں محروم ہیں اور باعث اس کا واللہ اعلم یا تو یہ ہے کہ طرائق انسانی و حیوانی
 شیعوں کو کلام اللہ سے طبعی لگاؤ نہیں با اعتبار غلے کیے مختلف ہیں کہ کسی کو میٹھا بھاتا ہے۔ کسی کو ٹیکٹن

کسی کو ایک جہتی طرف رغبت ہوتی ہے کسی کو نفرت۔ اکثر یوں کہہ سکتے ہیں کہ سنیوں کو بھی
 اجاب سے ہے سو سمجھ بھی لیجئے تو دماغ چھوڑ جان کی جڑ میں رغبت یا خاندان کے کٹرے کندی
 میں خود و شاد و عیش و آرام سے رہیں اور خوشبو سو گھیں اور مائیں۔ ایسے ہی باعتبار امور دینی
 کے جو غلہ ارواح ہیں۔ ارواح بنی آدم مختلف ہیں کسی کو رغبت ہے کسی کو نفرت، کسی کو لذت
 آتی ہو کسی کی جان نکل جاتی ہے۔ سو حضرات شیعہ کو بھی کلام اللہ پر محنت کرتے موت نظر آتی ہے
 شیعہ اپنے اساتذہ کے حق میں گستاخ اور بے ادب ہیں اور یہ ہے کہ جو شاگرد استاد کی خدمت میں گستاخ
 ہوتا ہے۔ عادت الہی یوں جاری ہو کہ علم سے بہرہ ور نہیں ہوتا، وجہ اس کی شاید یہ ہو کہ شکر پر وعظ مزید
 نعمت، چنانچہ فرمایا ہے لکن شکر تمل لا ریب نہ کتہ یعنی اگر شکر کر گئے تو البتہ ہم اور زیادہ دیں گے۔
 تو اس صورت میں بہتاد عقل کفران پر زوال نعمت متفرغ ہونا چاہیے اور ہر حد میں ہے میں
 نہ نیشکر اندامیں نہ نیشکر آتش یعنی جو کوئی آدمیوں کا شکر نہ کرے گا وہ اللہ کا بھی شکر نہ کرے گا،
 اور ظاہر ہے کہ ہر چند منہم حقیقی خداوند کریم ہے پر دولت علم بواسطہ اسامی حاصل ہوتی ہے اور
 نعمت عظمیٰ کلام اللہ کے استاد حضرات صحابہ میں جنہیں سے فیض اول اور ثالث کو تو بوجہ تالیف
 مصنف مجازی کیسے تو بجا ہے پھر ان گستاخوں کو یہ نعمت عظمیٰ عطا ہو کر کون کر۔؟

تلاوت کا حق ادا کرنے والوں کے سپرد مگر جیسے اشارہ خداوندی کی نکتہ مذکورہ مضمون ہوا کہ یہ ایمان
 بھی حصہ ایمانی میں شامل ہیں کا ان لوگوں میں منحصر ہونا جو خوب ہی تلاوت کرتے ہیں اور جو
 حق تلاوت ہے وہ بجالاتے ہیں، تو یہ نسبت ان لوگوں کے ہے جو کلام اللہ کی تلاوت میں تو مقصر ہیں
 اور باہمیہ مانی ہی سمجھ کے موافق اس پر عمل کرتے ہیں، یا ان لوگوں کے حق میں جو ان کے اتباع و تابع
 ہیں اور مطلق کم پڑھنے والوں کی بالکل نہ پڑھنے والوں کی نسبت حصر نہیں کیونکہ وجہ اس حصر کی ان
 لوگوں میں جو حق تلاوت ادا کریں۔ بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ جو کسی کتاب کو کثرت سے دیکھے بھالے گا
 وہی اس کو خوب سمجھے گا اور اس کی حقیقت کو پہنچے گا۔ اور کتاب اللہ پر ایمان اسی کا نام ہے کہ اس کے
 احکام اور مضامین کو حق سمجھے جو لوگ ان لوگوں کے متبع ہوں گے کہ وہ جیسا تلاوت کا حق ہے تلاوت
 کیا کرتے تھے اور اس سبب سے اس کی اصل حقیقت کو پہنچ گئے ہیں اور ان کے قتلانے موافق عمل کرینگے
 وہ بھی ایمان سے محروم نہ ہوں گے اور فرقہ و مشائخہ بلفظ و سنن نہ ہو گئے، ہاں جو

اس میں اس کی تلاوت میں مقرر کیا اور بے تعلیق کسی اور کے اپنی ہی سمجھ کے موافق اس پر عمل کرنے کا ارادہ کیا تو ایسی محنت والے تو قانون انگریزی میں بھی بیٹھتے ہیں، جس میں چنداں دقتاں نہیں ہوتے، کلام اللہ کو جو عربی تمام علوم اور مجموعہ جملہ دقائے ہے کیا خاک کھیں گے بلکہ بالیقین کچھ کا کچھ سمجھ جائیں گے، سو ایسے لوگ جو کتاب اللہ کچھ کے اور وہ کچھ کہیں، گو اپنے عقیدے میں کتاب اللہ پر ایمان رکھتے ہوں کتاب اللہ پر ایمان نہیں رکھتے اور ان پر یہ قول خداوندی سرایطابق ہو وہیں بکفر و کفر فاذلک ہم یعنی ہستی ہے جو لوگ کتاب اللہ پر ایمان نہ لائے۔ سو وہی لوگ میں ہیں اور اس آیت میں بھی ان کی طرف اشارہ ہے فیصلہ بہ کثرت یعنی خدا تعالیٰ اس قرآن سے بہت لوگوں کو بہکا بھی ہے جو آیت کے شان نزول سے بیان مذکور کی شہادت اور اس تقریر کی صحت کا موید قطع نظر اس کے کظاہر ہے ایک یہ بھی ہے کہ یہ آیت ان لوگوں کی شان میں نازل ہوئی جو کتاب اللہ کو خوب تلاوت کیا کرتے تھے اور اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی علامتیں جو اس کتاب میں تھیں خوب یاد ہو گئی تھیں اور ان کے مطابق سب پہلو ان کے ذہن نشین ہو گئے تھے اسی سبب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے ہی سمجھ گئے کہ یہی ہیں ہر طرح کے ان اوصاف کو آپ کے مطابق پایا میں اختلاف ہو کہ و کتاب لہی تھی تو رت یا نہیں اور وہ لوگ ان کے پیرو یا نصاریٰ اور ان کی حق تلاوت میں سنی اور شیعہ دونوں کی کثرت کا لحاظ بائیں ہمہ یہ بھی اہل فہم پر پیش ہو کہ ہیئت مجموعی کی رو سے تمام فرقہ اہلسنت اور علیٰ ہذا القیاس تمام فرقہ شیعہ ایک گنا جاتا ہے۔ سو ہیئت مجموعی اہلسنت کو جدا لحاظ کیجئے اور ہیئت مجموعی شیعہ جدا پیش نظر رکھئے۔ اور دیکھئے کہ اس فرقہ میں کثرت تلاوت اور تلاوت کا جیسا حق ہے پائی جاتی ہے یا فرقہ شیعہ میں اور ہیئت مجموعی کی رو سے سب کا ایک ہی حال ہوتا ہے ایک کی بات رنگ کی طرف منسوب ہوتی ہے تھوڑی ہے تھوڑی اور بہت ہے تو بہت ہاتھ پاؤں آکھٹے تاکہ کے احوال کو تمام عالم مجموعہ کی طرف یعنی اپنی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔ ہاتھ میں کچھ تکلیف ہو تو یوں کہا کرتے ہیں کہ میں بیمار ہوں، یا قلنا بیمار ہے، علیٰ ہذا القیاس، میں نے کسی کو مارا یا جھکو کسی نے مارا یا میں نے کسی کو دیکھا یا جھکو کسی نے دیکھا یہ ساری اضافیتیں چیز کی کل کی طرف باعتبار مجموعہ کے ہوتی ہیں، یعنی مجموعہ کو ایک کچھ کہہ کر جزو کے حال کو کل کی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔

مبہدا اکثر حکم الکمل سب ہی کا شاہو جملہ اور سب ہی کے نزدیک مسلم جو اکثر کی بات و صفات کل ہی طرف منسوب ہوتی ہے سو اکثر و زید ان اہلسنت کثرت تلاوت میں مشغول ہوتے ہیں بخلاف شیعہ کہ ان کا حال

خود عیان ہے۔

شیعوں کی ایک شاہ گریہ اور اس کا اسناد اس تقریر کے بعد شاید فاضلان شیعہ اپنے بچاؤ کی یہ سبیل کریں کہ حق تلاوت کے ہمارے نزدیک یہ معنی ہیں کہ خشوع و حضور و حضور قلب تدبر آیات تلاوت کی جائے۔ سو اس بات کی تینوں میں ہونگی اور شیعوں میں نہ ہونے کی کیا دلیل ہے اس لئے بندہ کمتر بن بھی بطور پیش بندی یہ گدازش کرتا ہے کہ موافق مثل مشہور یا ارادہ صریح لیکھا ہے اس بات کے تسلیم سے بھی ہیں انکار نہیں کیونکہ خشوع و حضور کا باعث بجز حسن عقیدہ یا کثرت تلاوت بہ نسبت کلام اللہ کے اور کچھ نہیں ہو سکتا جس عقیدت کا باعث خشوع و حضور ہوتا تو بلاشبہ یہی کثرت تلاوت سو اس کی یہ وجہ ہے کہ اکثر بنی آدم خدا سے غافل دنیا کی طرف مائل ہوتے ہیں تو ساعت دو ساعت کے ذکر یا تلاوت سے ان کی غفلت اور رغبت نازل نہیں ہوتی، ہاں تیسرا دراز تک اگر ذکر کی مشق کیجئے تو مثل اور کاموں کے البتہ بعد پر یادداشت اور حضور کا حکم پیدا ہو جائے اس وقت خشوع و حضور آپ پیدا ہو جائے گا مگر ان فرقوں کو ذکر کرنے والے اور تلاوت کرنے والے ہی جائیں تو جائیں شیعہ کیا جائیں۔ ؟

اہلسنت کو کلام اللہ سے حسن عقیدت، شیعوں کو نہیں، غیر غرض یہ کہ باعث خشوع و حضور یا حسن عقیدت یا کثرت تلاوت، بلکہ دونوں مل کر باعث حصول خشوع و حضور ہوتے ہیں، سو حسن عقیدت کا ان دونوں کے دلوں میں ہونا معلوم ہو کہ کلام ربانی کو یا حسن عثمانی سمجھتے ہوں ہاں اہلسنت کے لئے جو کلام اللہ کو بلا کم و کاست و بغیر تبدیل حرفاً و جہتہ کلام اللہ منزل سمجھتے ہیں، جتنا کہیے تھوڑا ہے مہذب موافق نقل عربی الإِنَاءُ بِتَوْفِيقِہِ یعنی برتن میں سے وہی چیز چھلک کر نکلے گی جو اس کے اندر ہوگی۔ احوال شیعوں اور سنیوں کو معائن کر کے دیکھ لیجئے کس کو اس کلام سے زیادہ اعتقاد ہے اہلسنت کا حال تو ظاہر ہے اس سے زیادہ کیا ہو گا کہ حزر جان سمجھتے ہیں اور جہاں شیعہ جزدانوں اور مکانوں میں رکھتے ہیں۔ سنی بوجہ محبت بینوں میں اور جانوں میں رکھتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ کلام اللہ کی تعلیم و تعلم سے زیادہ اور کسی چیز کی تعلیم و تعلم کا اہتمام نہیں۔ سب میں پہلے بچوں کو کلام اللہ ہی پڑھاتے ہیں اور تا مقدر حفظ ہی کرتے ہیں، کلام اللہ کے سامنے کسی کی نہیں سنتے یہاں تک کہ عادت یا کو بھی اس پر مطابق کر کے دیکھتے ہیں اگر موافق نکلی تو فیماوردہ موافق مثل مشہور کلامائے زبور پریش

خداوند اس کو دلوں کے سرشار بنائے اور جان لیتے ہیں کہ کچھ نہ کچھ دلوں کا قصور ہے اللہ عقل و
 فضل کی کسوٹی اور دین و دنیا میں امام مجتہد ہیں چنانچہ سب جانتے ہیں۔ باقی ہے حضرات شیعہ ان
 کی بے انتہائی بھی اسی درجہ کی ہے اور کیونکہ ہو، علامہ کلینی اپنی کتاب کافی میں جو شیعوں کے نزدیک
 اصح الکتاب بعد کتاب اللہ ہے، وہ وہ روایتیں رقم فرماتے ہیں کہ جن کے دیکھنے سے کلام اللہ کی طرف سے
 نمودار اللہ بالکل جی ٹھنڈا ہو جاتا ہے شافعیوں کی نظر سے انشاء اللہ جلد ہی گذرتی ہیں
 شیعوں کی نظر میں کلام اللہ کی حیرت ناک عظمتی | بالجملة کلام اللہ کی بے اعتباری و تورات و انجیل کی بے اعتباری
 سے بھی چند ہزار زیادہ ہر ناظرین روایات مثالیہ انشاء اللہ اس قول کو آپ تسلیم کریں گے غرض تو یہ
 یہاں تک پہنچ رہے ہیں کہ کلام ربانی کا نام ہی ان کی اصطلاح میں بیاض عثمانی ہو گیا ہے۔ اور اپنے
 آپ بے کہے سننے اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ منہج تہذیب کلام اللہ کے ساتھ تو میں تمسک مہم نہیں
 اور عقائد کلام ربانی کے انداز اور مجلس مرثیہ و کتاب خوانی کی تعظیم و توقیر کے موازنہ سے
 خود ظاہر ہے کہ شیعوں کے دل میں کلام اللہ کی مرثیوں کے برابر ہی قدر و منزلت نہیں گوزبان سے
 نہ کہیں ورنہ اس کے کیا معنی کہ کلام اللہ کے پڑھنے والے کو بھی حقہ پی لینے میں کچھ دریغ نہ ہو اور محفل
 مرثیہ و کتاب میں کیا مقدمہ جو کوئی حقہ کی طرف دیکھ بھی سکے، ہر حال اکثر شیعہ اس بات پر شہادتیں
 کہ کلام اللہ کی عظمت ان کے دلوں میں چنداں نہیں گواہی قلیل اہل سنت میں بھی ایسے ہوں گے کہ ان کا
 حال ان کے حال کے موافق نہ ہوتا ہی کثرت تلاوت اس کے کہنے کی کچھ حاجت نہیں یہ تو شیعوں کے
 اقرار سے بھی بغضہ تعالیٰ نصیب ہست ہی ہوا ہے۔

حق تلاوت سے خشوع و خضوع مراد لینے میں شیعہ کی مطلب ہے | القصہ اگر علامہ شیعہ حق تلاوت کو بعض خشوع و
 اور یہ آیت شریفہ پر چسپاں ہوتا ہے | خشوع رکھیں تو میں لو کچھ انکار نہیں کیونکہ خشوع
 و خضوع بھی اگر ہے تو اہل سنت ہی میں ہے پراس کو کیا کہیے کہ نظم و نسق کلام اللہ اسی طرف ہے کہ
 حق تلاوت سے کثرت تلاوت ہی مراد ہے کیونکہ اول تو حق تلاوت متینونہ مکفول مطلق ہے اور مفعول
 مطلق سب جانتے ہیں کہ معنی فعل مذکور یا اس کے اقام میں سے ہوتا ہے سو کثرت تلاوت تو میثاق
 آسا تلاوت میں سے ہے پر خشوع و خضوع داخل تلاوت نہیں بلکہ اور خارجہ میں سے ہے، مگر انہیں
 جانتا کہ تلاوت زبان کا کام ہے اور خشوع و خضوع دل کے احوال میں ہے اور یہی نہ اسی اولیٰ

کونہوں بدکارانہ انشائیہ منہج پر عمل کرنا اس بات کو مقتضی ہے کہ ایمان تلاوت موصوفہ پر متغیر ہو
 چنانچہ جو لوگ فنون بلاغت سے آشنا ہیں وہ اس بات سے بھی آشنا ہیں اور اسی واسطے یکتونہ یعنی
 استقبال فرمایا آئندہ فرمایا۔

حق تلاوت سے خشوع و خضوع مراد لینے کی | طرفہ ہے کہ در صورتے کہ حق تلاوت بعضی خشوع و خضوع ہو
 صورت میں ترتیب معانی کا الٹ جتنا | معاملہ برعکس ہو جائے گا تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ ایمان سے
 لیا تو معنی مشہور مراد لیں یعنی معنی کمال انقیاد و تسلیم جسے ایمان کامل کہتے ہیں رکھیے یا تصدیق معانی
 مقصودہ جو مراد خداوندی پر قرار دیکھے سو ہر صورت معاملہ برعکس ہے ایمان یعنی مشہور یعنی تصدیق لا الہ
 الا اللہ معنی رسول اللہ کا خضوع و خشوع سے پہلے ہونا کسی پر غرضی ہیں سب جانتے ہیں کہ ایمان ہی
 سے بقدر ایمان خضوع و خشوع پیدا ہوتا ہے نہ کہ برعکس۔ رہا ایمان مجتہد کمال انقیاد سودہ بھی اسی طرح خضوع
 و خشوع تلاوت سے مقدم ہے کیونکہ وہ سبب، اور یہ سبب ہند آیت

الَّذِينَ آمَنُوا وَالْكَافِرِينَ قُلُوبُهُمْ مُنْزِلُ اللَّهِ إِلَيْهِمْ أَلَمْ تَرَ أَنَّهُمْ لَمَّا نُهُوا عَنِ الْمَدْيِ وَالْبَازِرِ
 وَاللَّهِ يَدْرُسُ عَنْهُمْ الْقُلُوبَ۔

بھی اسی طرف مشیر ہے کہ ایمان کامل باعث کثرت ذکر اور موجب حصول اطمینان قلب جو عین توحید الہی
 و خضوع قلب ہے، ہوتا ہے کیونکہ اطمینان قلب کا حاصل ہونا جو نفس مطہر کے جو کامل الایمان ہوتے
 ہیں مقصود نہیں چنانچہ یہی ہے باقی رہا ایمان یعنی تصدیق و علم مراد خداوندی، سو وہ بھی بشہاد آیت
 إِذْ سَمِعُوا بِمَا أُنْزِلَ إِلَى الرَّسُولِ تَرَىٰ أَعْيُنُهُمْ
 تَفِئُصُ مِنَ الْمَدْيِ عَمَّا عَرَفُوا مِنَ الْحَقِّ | اور جب سنتے ہیں اس کو جو آزار رسول پر تو دیکھے
 تو ان کی آنکھوں کو ابلی ہیں آنسوؤں، اسوجہ
 سے کہ انہوں نے پہچان حق بات کو۔

حال خضوع سے جو اس آیت میں نصیب تری اَعْيُنُهُمْ تَفِئُصُ مِنَ الْمَدْيِ عَمَّا عَرَفُوا مِنَ الْحَقِّ
 وجہ اس کی یہ ہے کہ اس آیت کا حاصل یہ ہے کہ جب نہیں وہ لوگ کہ جن کا اوپر ذکر ہے اس کلام کو جو رسول
 پر نازل کی گئی ہے تو دیکھے تو ان کی آنکھوں کو کہ آنسوؤں سے بہ رہی ہیں بسبب اس کے کہ جہان لیا
 انہوں نے حق بات کو۔ سو اس سے یہ بات صحت و روشن ہے کہ انہوں نے کلام اللہ کو سکر مضامین حق
 دریافت کئے اس سبب ان کا یہ حال ہو گیا کہ آنسوؤں کا تار بندہ گیا ہے یعنی بسبب حق کے دریافت

روحانی سیرت کے بارے میں معلوم ہو گیا، نیز یہ کہ روحانی اور شریعت و فروع کے باعث ان کو حق بات معلوم ہو گئی، غرض درموردہ کے حق تلاوت بمعنی شریعت و فروع ہو تو بہر طور ترتیب بالکس برآی جاتی ہے۔

مستفہنا لیکن اس کا کیا جواب کہ بیان علامات سے تو عرض یہی ہونی چاہئے کہ وہ جس کی یہ علامات

اس کے لئے کہ اکثر ائمہ کرام نے ان کو میراث قرار دیا ہے۔ وفاق کلام اللہ کو نہ سمجھئے مگر چونکہ آیت مذکورہ کے ذکر کرنے سے بحث معلوم ہوگی۔ تو اہل عقل بالا جال سمجھ جائیں گے کہ بیگ کیات ربانی مخالفت مذہب شیعہ ہے۔ اہل سنت تمام ہما موافق قرآن مجید تو قطع نظر اس کے کہ آیت مذکورہ حقیقت مذہب اہل سنت و اہل طہان مذہب شیعہ پر جدا گانہ بھی دلالت کرتی ہے چنانچہ ملاحظہ فرمائیے بالا سو واضح ہو جائیگا اولیٰ کے لئے کہ وہ بھی حقیقت مذہب اہل سنت و اہل طہان مذہب شیعہ پر دلالت کرتی ہے چونکہ اس آیت کے بعد آیت اور آیت کی بھی نیابت کرتی ہے تو اس کو کیا بیان کیا گیا یا نہ کیا گیا اس پر سو اور آیات کے بیان سے مقرر ہوں۔ مگر اگر کمالیت مخالف مذہب شیعہ کو لیجئے تو ایک دفعہ یہیں جو پہل ہو بکثرت بلکہ اکثر آیات کلام اللہ عقائد و احکام و اصول و فروع مذہب شیعہ کو رد کرتی ہیں اور مذہب اہل سنت کی حقیقت اور عقائدت پر شاہد ہیں۔ اس رسالہ اختصار میں سب کی گنجائش کہاں؟ خصوصاً جبکہ بقدر فہم انکی شرح بھی کیجئے اور ان کے اہل سنت کی حقیقت اور ان کے مذہب کی حقیقت اور اہل تشیع کے مذہب کے بطلان پر استدلال بھی لائیے۔

استدلال آیت مذکورہ پر شیعوں کی طرف سے ایک پورے شبہ | لہذا ایک ہی آیت پر کہ وہ ایسا سب کے قائم مقام اور مفید خاص و عام ہے لکھا کر کے اس قدر اور گداز کر دیا ہوں کہ شاید کسی شیعہ ائمہ مذہب کو اس آیت کی ہدایت کو نہ کہ سبب کی طبیعت اور ضلالت طبع زاد اور تعصب و یہ شبہ ہو کہ یہ آیت ہے تو کیا ہوا ایک جملہ قرآنی ہے سو قرآن کا نونو بالذات منہ کیا اعتبار ہمارے اعتقاد کے موافق کی کا تو کچھ شمار ہی نہیں۔ بیشی اور افزائش اور تبدیلی الفاظ بھی ظہور میں آئی ہے۔ پھر عجیب نہیں کہ یہ آیت بھی مغلطہ الحاقات اہل سنت ہو وے

شبہ کا ایک پہلو سے جواب | سو اس کا جواب اول تو یہ ہے کہ مذہب متحققین شیعہ اس بات میں یا کو یہ ہے کہ کلام اللہ میں نہ کی ہوئی نہ بیشی چنانچہ استاد علامہ کلینی حضرت صدوق اس کے قائل ہیں یہاں ہے کہ کسی تو ہوئی ہے زیادتی نہیں ہوئی۔ غرض زیادتی کا نہ ہونا اجماعی۔ اور آیت مرقومہ سے انکار نہیں ہو سکتا مگر یہ چونکہ دونوں مذہب مخالفت مرویات کلینی میں جو اصح الکتاب شیعہ ہے۔ اور نیز وہیں نشین اکثر شیعہ بھی یہی ہے کہ کلام اللہ میں کمی زیادتی دونوں ہوئی ہیں۔ اور ہمارے بعض مطالب مذکور بھی اسی پر مبنی ہیں اس جواب پر قناعت نہیں ہو سکتی۔

شبہ کا دوسرا پہلو سے جواب | اس لئے کہ سر جواب یہ ہے کہ یہ شبہ اور شیعوں کے مذہب کے بطلان

ہی کی دلیل ہے۔ محمد اللہ باقر شیعہ ائمہ و علوم ہو کہ مذہب شیعہ کا اعتبار نہیں کریں گے۔ بلکہ کلام اللہ میں اس سب میں اول کلام اللہ ہی تھا جب اس کا اعتبار نہیں تو جو باتیں شیعی بزم خود کلام اللہ سے ثابت کرتے ہیں اگر بعض محال ثابت بھی ہو جائیں تو بدترہ اولیٰ قابل اعتبار نہ ہوں گی۔

کلام اللہ پر بے اعتباری ظاہر کرنا خود اپنے خیال کی بے کفی ہے | مہذبہ عقلمن جو متفق علیہ طرہین ہیں اس بات پر شاہد ہیں کہ کلام اللہ اور عزت و دو کوئی ساتھ نہ رہے گا تو گمراہی پیش نہ آئے گی۔ پھر جب کلام اللہ سے جو موافق حدیث مذکور دونوں میں اعظم جو تمسک میسر نہیں تو بہت شہادت عقل سلیم ہدایت بھی نہیں سراگمراہی ہے۔ غرض حضرات شیعہ اگر احتمال پیش کریں تو یہ تو اور الٹے اپنے ہی پاؤں میں تیشہ مارنا ہے۔

کلام اللہ سے اعتبار رکھنا احادیث پر اعتبار کو پہلے کھڑتا ہے | اور بالہدایت اور بالا جماع کسی فرقے کی کوئی حدیث اس درجے کو شائع و ذائع نہیں ہوئی۔ جن درجے کو کلام اللہ شائع و ذائع ہوا ہے اور نہ اس طرح سے کسی حدیث کے سائے راوی اس کی روایت میں متفق اللفظ پھر جب کلام اللہ کا اعتبار نہیں اس کا کا ہے کو ہوگا۔ پھر جس روایان احادیث شیعہ کے احوال کو اور ان احادیث کے لغاض کو دیکھئے تو بے اعتباری میں نہایت ہی کو پہنچ جائیں گی بہر حال اگر یہ شبہ ظاہر شیعہ پیش کریں اور اکثر مواقع میں پیش کرتے ہیں تو ہمارے لئے بہت تخفیف تصدیق ہے۔

ع۔ عدد شود سبب خیرہ گر خدا خواحد

کلام اللہ میں کمی و بیشی کا خیال تلاوت اور حفظ قرآن کا فائدہ کر دیتا ہے | مہذبہ اشیعوں ہی کے اقراء سے ہمارا وہ دعوے جو تقریر شیعہ آیت مسطورہ میں گذرا ہے۔ خدا ساز ثابت ہوگا کیونکہ جب قرآن میں اس درجہ کی کمی و بیشی ہے تو پھر جسے قرآن کہتے ہیں قرآن ہی نہ ہوا۔ اب اگر شیعہ اسے یاد بھی کریں۔ اور تلاوت کا جیسا حق ہے وہی طرح تلاوت کریں تب بھی فی الواقع تلاوت قرآن اور حفظ قرآن نہ ہوگا حضرات اہل بیت کامل قرآن میں کمی و بیشی کے خیال کو لغو ثابت کر لیں | دوسرے تمام روایات امامیہ میں موجود کہ تمام اہلیت اسی قرآن کو پڑھتے تھے اور اسی کے عام و خاص سے تمسک کرتے تھے اور بطور استدلال ہی قرآن کی آیات کو پیش کرتے تھے اور اسی کی آیات کی تفسیر کرتے تھے اور حضرت امام حسن عسکری کی طرف جو تفسیر منسوب ہے تو اسی قرآن کی ہے لفظاً و معنیاً اور اہل بیت اپنے لڑکوں اور بیویوں اور خادموں اور

اہل و عیال کو یہی قرآن تعلیم فرماتے تھے۔ اور اسی قرآن کے پڑھنے کا نمازوں میں حکم فرماتے تھے قرآن کا ہر جہ شائع ہونا خود اس میں کیونٹی کے خیال پھر کیا ہی گفتہ ہے | معنی قرآن مجید کا موافق نزول کے لوگوں کو پہنچانا امدان کو سکھانا باجماع امت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستہ فرض تھا اور یقیناً معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو کوئی مشرف باسلام ہوتا تھا، اولیٰ کلام اللہ سیکھتا تھا۔ بعد ازاں لوگوں کے سکھانے میں مشغول ہوتا تھا یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی ہزاروں نے کلام اللہ سیکھ لیا تھا، چنانچہ بعضے بعضے غزوات میں ستر ستر حافظ شہید ہوئے ہیں بعد ازاں آج تک تمام اطراف میں یہاں تک کہ دیہات میں اہل اسلام کلام اللہ کی تلاوت کو سب عبادتوں میں بڑھ کر سمجھتے ہیں اور رات دن نماز میں اور نماز سے باہر کلام اللہ کے پڑھنے میں مشغول رہتے ہیں۔ اور ہر لڑکے کو اول جو مکتب میں بٹھلاتے ہیں تو سب سے پہلے کلام اللہ ہی یاد کرانا شروع کراتے ہیں۔ بالجمہ قرآن مجید مثل کلینی تہذیب نہیں کہ براہ یقینہ کسی کو نے میں محدوق میں عقل بند ہے کبھی ہستی میں ڈرتے ڈرتے کہ مہاد کوئی سستی نہ آجائے ایک دو صفحہ مطالعہ کر لیا اور پھر اپنے کثیر الوجود کر ہر شہر و دیار میں سینکڑوں ہزاروں ہیں کلینی تہذیب کو ہندوستان میں تلاش کیجئے تو کہیں کہیں مکمل گی علی خدا یقیناً اس ایران میں سمجھے کو کوکل اول تو رعایا سلطانی میں اہل سنت بکثرت ہیں ساقیوں ہے کہ شیعہوں سے زیادہ ہوں۔ آئندہ خدا جانے، اور شیعہوں میں سے بھی کلینی تہذیب نہ ہر کسی کے کام کی نہ ہر کوئی اسے سمجھے جو خواہ مخواہ بہم پہنچائے، باقی سوان کے اور مالک میں کلینی تہذیب کا پتہ تو کیا ملے نام بھی کوئی نہیں جانتا ہوگا۔ بالہند اگر ایک دو نسخہ کہیں مل بھی جائے تو بیشتر غلط ملتے ہیں، صحیح تو قیمت ہی کہتا ہے بخلاف کلام اللہ کے ہر دیار میں بکثرت موجود یہاں تک کہ کوئی کتاب کسی مذہب کے ہو یا کسی علم عقلی کی ایسی کثیر الوجود نہیں پھر عام و خاص کو اس کی ضرورت ایک ایک کھر میں متحد کلام اللہ رکھے ہوئے ہیں حفظ و تفسیر کا یہ اجماع کہ ہزاروں حافظ حرف حرف گنا ہوا بزرگ تعداد معلوم ہم خط میں بیسیوں کتابیں موجود پھر باہم کسی قائل کی عقل میں آسکتا ہے کہ کلینی اور تہذیب میں تو الحاق نہ ہونے پائے اور شیعہوں کے نزدیک میں کل الوجود معتبر اور معتبر ہے اور اصح الکتاب کہنا اور کلام اللہ میں الحاق ہو جائے۔ اور اس کا کچھ اعتبار نہ رہے۔

قرآن مجید کی بے پناہ قیمت عقل کے نزدیک غلیظ ثلث کے امن کو الزام سے پاک کر دیتی ہے | جس زمانہ فرض کیجئے

کہ اس میں فلاں غفلت نے کلام اللہ میں سے کم کر دیا یا اس میں کچھ بڑھادیا۔ جیسے بھول کر خلیفہ ثالث کی طرف بدگمانی ہے تو ایک دو کلام اللہ میں بڑھادیا کھایا ہوگا تمام ملک عرب ملک روم اور ملک ایران اور یمن کے مصاحف میں رکھ ان کے غلیظ ہونے سے پہلے یہ تمام ممالک تحت تصرف اسلام آچکے تھے اور سوائے ملک عرب کے کہ وہ مارا کا سالہ اسلام ہو چکا تھا اور مالک کے باشندوں میں سے بھی لکھو کھا آدمی مسلمان ہو چکے تھے اور قرآن کو فرمان خداوندی سمجھ کر ہر کوئی حذر جان بچھتا تھا اور مجروح ایمان تصور کر کے اس کی یاد دہاری اور تلاوت میں مشغول تھا کی ویشی ہرگز قرین عقل نہیں، علاوہ بریں اس زمانہ میں حفاظ کی نوبت لکھو کھا کو پہنچی تھی غلیظہ ثالث نے ان کے سینوں سے کیونکر نکال دیا ہوگا۔ کہ تمام عالم میں قرآن محض ہی مخرج ہو گیا ان وجوہ کے نظر کرنے کے بعد اہل عقل کا تو یہ کام نہیں کہ قرآن مجید کی نسبت اس بات کے قائل ہوں کہ اس میں کچھ کی یا بیشی و قورع میں آئی ہو اور جب قرآن مجید اس درجہ کو صحیح اور معتبر ہوا، کوئی کتاب اس کے ہم سنگ نہیں اور تفسیر امام حسن عسکری میں اول سے آخر تک تمام آیات بچھسا موجود ہیں تو اول تو آیت اللہ زین العابدین علیہ السلام سے استدلال کرنا صحیح اور درست ہوا۔

قرآن کی حفاظت کا ثبوت خود قرآن کی زبانی | دوسرے اگر کلام اللہ ہی کی آیات سے کلام اللہ کے مجتہد محفوظ ہونے پر استدلال کریں تو در صورتیکہ طریقہ استدلال صحیح ہو واجب التسلیم ہوگا۔ اس لئے کلام اللہ کو جو ہم نے تجسّس کیا تو آیات کثیرہ اس پر شاہد کلیں کہ کلام اللہ تائید موافق نزول کے بچھساتی ہے کسی قسم کا تغیر یا تبدل اس میں وقوع میں نہیں آیا نہ کی ہوئی اور بیشی ہوئی نہ کسی لفظ کے حذف میں دوسرا لفظ مشہور و معروف ہو گیا۔ سب کو لکھ کر اس مضمون کو ثابت کیجئے۔ اس کی تو گنجائش نہیں۔ فقط ایک آیت کا لکھنا ضروری سمجھ کر ایک ہی پر اکتفا کرتا ہوں سورہ حج میں ارشاد ہے اِنَّا نَحْنُ نُحْيِي الْمَيِّتَ وَنَاْتِئُهُ لِحَاثِغُفُوْن۔ یعنی ہم نے آپادری ی نصیحت اور ہم ہی اس کے جہان میں غفلت اب جائے غور ہے کہ باوجود اس پختہ وعدہ کے جو کہ تجدید تاکید ہے۔ چنانچہ واقعات ظم معانی واقعت ہیں پھر نہ جانے غلیظہ ثالث نے کیا ستم کئے ہیں۔ کہ قرآن اصلی کا بالکل نام و نشان مٹا دیا۔ اللہ اللہ کیا کچھ قدرت و طاقت تھی کہ تو زبانی خدا کی بھی نہ چلنے دی۔ سورتیں کی سورتیں لکھا لکھ لیں اور آیتیں کی آیتیں بدل دیں۔ نہ ہے نصیب ہلست جن کے ایسے پشوا ہوں۔

شیعوں کے خلاف خیال کے مشرکات تاریخ باقی رہا یہ احتمال کہ خداوند ذوالجلال وعدہ کر کے پھر

گئے ہوں۔ سو یہ خیال خود خیال ہے۔ خداوند صادق القول ایسی تاکیدوں سے وعدہ مکمل فرماتے اور پھر پھر جاتے اور حفاظت نہ کرے مہذب اکلام اللہ ہی میں یہ بھی آیت ہے

إِنَّ اللَّهَ لَا يَخْلِفُ الْمِيعَاتِ یعنی اللہ تعالیٰ ہر گز خلاف وعدہ نہیں کرتا

مگر شاید کسی شیعہ مذہب کو یہ احتمال پیش آئے کہ خلیفہ ثالث کے زمانے میں یا جس کو یوں کہتے کہ اس نے کلام اللہ میں کمی بیشی کی ہے اس کے نام میں خداوند کریم ٹول گیا ہو یا اپنے وعدہ کو بھول گیا ہو، سو اس کا جواب خداوند کریم نے اپنے آپ کلام اللہ میں فرمادیا ہے۔ آیت الکرسی تو شیعوں کو بھی یاد ہوگی اس میں یہ جملہ موجود ہے۔ لَا تَأْخُذْكَ أَشْيٌ وَلَا تَخْذُ لِعِزَّتِكَ لَئِنْ فَرَغْتَ لَلْإِنشَاءُ يَوْمَ يُنْفَخُ الْأَشْجَارُ وَمِمَّا كَانَتْ تُرْبَتُهَا أَنْ يَكُونَ لَهَا مِنْهَا شِجَرَةٌ أَوْ كَعَسَىٰ أَنْ يَكُونَ مِنْهَا سَبْعُ خِزَالٍ

سورہ طہ میں یوں ارشاد ہے کہ فیض ربی وَلَا تَنْسِيْ۔ نہ بھکتا ہے میرا رب نہ بھولتا ہے۔ اس آیت نے اس احتمال کو بھی مرتفع کر دیا کہ خداوند کریم نے نگہبانی قرآن کا قصد تو کیا ہو، پرندہ سیریں غلطی ہوئی ہو یا جو جملہ قرآن کے بدلے کسی اور چیز کی حفاظت کر بیٹھے ہوں جب یہ سب احتمالات مرتفع ہو چکے تو اب اس غلام خاندان نبوی کی علیہ علی آکا الصلوٰۃ والسلام حضرت شیعہ کی خدمت میں یہ گزارش ہے کہ بعد اس وعدہ مکمل اور عدم موانع کے جو خداوند کریم سے حفاظت نہ ہو سکی تو بجز اس کے کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ تمہارے نزدیک خلیفہ ثالث میں تو خداوند کریم نے ہذا القول خدا سے بھی زیادہ ضرور اوہل تھا کہ خدا کا ارادہ پیش نہ گیا اور حالیکہ تم خلیفہ ثالث کے اس قدر معتقد ہو کہ خدا کو بھی اتنا نہیں سمجھتے تو خلیفہ ثالث ہی کے ساتھ ہی کیوں نہیں ہوتے (نفوذ باللہ نقل کفر کفر نہ) اگر یہی تمہارے خیال میں تو خدا تعالیٰ کے ساتھ ہو کہ کیا اور اپنے گامناہ قیامت کو خلیفہ ثالث تمہیں بھی خدا تعالیٰ کی حفاظت سے نکال کر کبھی کبھی کے بدلے لینے لگے اور خدا کو شیعیان علی سے شرنا پاڑے۔ اسی سلسلے میں کلین کی انبراہیم داری اور مرتبہ قرآن میں خلل اندازی یا یوں کہو کہ یہ ہمارا عقیدہ غلط ہے اور کلینی جو تمہارے نزدیک صحیح الکتاب، اس کی یہ روایت سراسر بہتان اور دروغ ہے۔

عن هشام بن سالم عن ابی عبد اللہ اللہ عن النعمان بن سالم عن حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ
القرآن الذی جئنا بہ حبیبنا الی محمد ہے روایت کرتا ہے کہ وہ قرآن جو حضرت جبرائیل صلی اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے تھے اس کی سبعة عشر الف آیات سترہ ہزار آئین نہیں فقط

اب دیکھئے کہ یہ کلام اللہ جواب موجود ہے اس میں کئی قریب چھ ہزار آیاتوں کے ہیں تو شیعوں کی اس روایت کے موافق کوئی دو تہائی کلام اللہ چوری گیا، اس سے بہتر تو یہی تھا کہ خداوند کریم ذمہ کش حفاظت نہ ہوتے۔ اس کی حفاظت کے بھروسے امتیان محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی بے فکر ہو بیٹھے، ورنہ بہت ہوتا تو اتنا ہی نقصان ہوتا جتنا تورات و انجیل میں ہوا تھا۔ سو جو لوگ کہ تورات و انجیل کی تحریف کے اثبات کے درپے ہوئے ہیں وہ بھی یوں نہیں کہتے کہ تورات انجیل میں اتنا کچھ نقصان ہوا ہے بلکہ بعد تحقیق یوں معلوم ہوتا ہے کہ علماء یہود و نصاریٰ نے قدر قلیل کمی بیشی کی ہے۔ سو وہ بھی جہاں کہیں کوئی بات مسلمانوں کے مفید مطلب دیکھی ہے یا کوئی ایسا حکم ہوا کہ اس کے مروج رہنے میں امراء کو دشواری ہوتی ہے ایسی کچھ امراء سے کچھ لے دیکر بدل دیا اور اللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔ القصہ حسب مقولہ شیعہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ باوجود اس اہتمام اور اس انتظام کے کہ قرآن مجید کی خداوند کریم نے خود حفاظت کی، قرآن مجید غیر محفوظ اور غیر معتبر ہونے میں تورات و انجیل سے بڑھ گیا، حالانکہ ان کا حافظہ محفوظ نہ تھا نہ کوئی پیغمبر یاں علما دینا پر کہ آیات خداوندی کا بچہ دینا، اور احکام کا بدل ڈالنا اور تحریف کا کرنا ان کا کام ہی تھا، اس کے فقط پڑھنے پڑھانے والے اور جانتے پہچاننے والے تھے حافظہ و نگہبان ہونا کجا۔ شاید اس فرقہ کے نزدیک کلام اللہ کے تورات و انجیل سے بڑھ کر ہوتے کے ہی معنی میں کہ بے اعتباری میں ان سے بڑھا ہوا ہے۔

حفاظت قرآن کے دو یہ احتمالات اور ان کے دندان شکن جوابات یہاں علماء شیعہ دو احتمال پیش کریں۔ تو کریں۔ ایک تو یہ کہ کلام اللہ لوح محفوظ میں محفوظ ہو، دوسرے احتمال کہ غار سرمن رائے میں حضرت امام ہدی حافظ قرآن موجود ہیں۔

سو اول احتمال کا پوچھ ہوتا تو ظاہر ہے اول تو یہ ہے کہ اگر بالفرض ابتداءً لِحَافِظُونَ کا یہی مطلب ہے تو ہمیں کیا۔ ہم سے اس سے کچھ کرنے کے کیا معنی، ہمارے مفید مطلب تو یہ بات ہے کہ اس قرآن کی حفاظت کرتے جو ہمارے پاس ہے۔ تاکہ احکام خداوندی کے معلوم ہونے میں

حفاظت کا معنی ہے اس کی حفاظت کرنے کی کیا ضرورت تھی اگر کوئی محفوظ رکھ دے
 ہے دین کی دسترس ہوئی تو البتہ حفاظت کا موقع بھی تھا میرے آیت مذکورہ اول منزل کا ذکر فرمایا
 بعد ازاں حفاظت کا وعدہ کیا ہے اس ترتیب سے بلاغت شناسان قرآنی کو خود معلوم ہے کہ
 قرآن منزل کی حفاظت پر نظر ہے نہ کہ اس قرآن کی جو لوح محفوظ میں محفوظ ہے جو تمہے اگر بھی
 ہے تو یہ فضیلت تو ثورات و انجیل میں بھی موجود ہے۔ قرآن میں کیا فوقیت ہوئی مجہذا یہاں حفاظت
 کا وعدہ کیا وہاں نہ کیا۔ اس کا کیا ثمرہ نکلا۔ پانچویں یہ ہے کہ اس آیت میں اسماء قرآنی میں سے
 ذکر کو ذکر کیا۔ لفظ قرآن یا کتاب وغیرہ ذکر نہ فرمایا تو یہ بھی اسی عرض سے ذکر فرمایا ہے کہ قرآن میں لکھا
 کی دینی تغیر و تبدل کا کسی کو احتمال باقی نہ رہے۔

قرآن مجید کے نام ذکر کا موقع استعمال اور اس کی مفید شرح | چونکہ بات تہمید طلب ہے تو ہمیں لازم ہے کہ اس
 کی تہمید بیان کر کے اصل مطلب کو روشن کر دکھلائیں، اس لئے یہ گزارش ہے کہ بسبب قہارات
 اور اوصاف مختلفہ اور حیثیات متعدد کے ایک چیز کے متعدد نام سوا کرتے ہیں۔ اور پھر وہ نام اپنے
 اپنے موقع ہی میں استعمال ہوتے ہیں، ایک کو دوسرے کی جگہ استعمال کرنا صحیح نہیں ہوتا مثلاً ایک
 شخص کسی کا باپ بھی ہوتا ہے اور کسی کا بیٹا بھی اور علیٰ هذا القیاس کسی کا بھائی کسی کا چچا کسی کا بھائی
 کسی کا ماموں ہوتا ہے۔ عرض ایک شخص ہوا اور اس کے لقب بہت ہیں، پر وہ سب القاب یکساں
 برابر نہیں بولے جاتے اپنے اپنے موقع میں مستعمل ہوتے ہیں مثلاً اپنے باپ کو بیٹا کہے نہیں پکار سکتا۔
 گودہ کسی کا بیٹا ہے، اور اسی طرح باپ بیٹے کو باپ کہہ نہیں پکار سکتا اگرچہ وہ اپنے بیٹے کا باپ ہے
 دوسری مثال یہ ہے کہ ایک کام کلکٹری بھی ہوتا ہے، مجسٹریٹ بھی ہوتا ہے، مگر چونکہ کلکٹری، مجسٹریٹ کا
 کام مختلف اور جدا جدا ہے تو کلکٹری کے کاغذات میں بلقب کلکٹری لکھتے ہیں اور مجسٹریٹ کے کام
 کاغذات میں بلقب مجسٹریٹ اور برعکس نہیں کر سکتے، اسی طرح قرآن شریف کے بھی بہت تو
 القاب اور کما ہیں اور ہر ایک لقب کا مدار ایک جدا اعتبار اور نئے نئے اوصاف پر ہے، قرآن
 تو لحاظ مقرر ہونے کے کہتے ہیں یعنی قرآن کو قرآن اس لحاظ سے کہتے ہیں کہ اس کی قرأت کا اتفاق
 ہوتا ہے اور مصحف اور کتاب باقی لحاظ کہتے ہیں کہ اس میں صرف یعنی اوراق ہوتے ہیں۔ اور ان
 اوراق میں اس کو لکھتے ہیں، علیٰ هذا القیاس ذکر بایں وجہ کہتے ہیں، کہ غافلوں اور جاہلوں کیلئے

مذکر اور گنہگاروں کے واسطے چند دہندے یعنی باہت یادگاری یا دلی ہے اور چند خداوند ہے۔
 اس لقب کا استعمال جب ہی صحیح ہوگا کہ تعالٰیٰ میں غافل اور جاہل اور گنہگار ہوں۔ مگر سب جانتے ہیں کہ
 موصوفہ وصف غفلت و جاہل و گناہ اگرچہ تو یہ انسان ہے ملائکہ ان عیوب مبرا ہیں تو جب تک کلام اللہ
 لوح محفوظ میں تھا، اس لقب کا بولنا صحیح نہ تھا کیونکہ اس موقع میں نہ کوئی غافل تھا نہ جاہل تھا نہ گنہگار
 تھا ہاں تک کہ رسائی تھی تو فقط ملائکہ کو بھی سنوان کو ان باتوں سے کچھ سزا دہی نہیں ہاں جب نبوت
 تنزیل کی پہنچی اور محاط حضرت انسان سے پڑا البتہ اس لقب کا استعمال صحیح ہوا کیونکہ عرض انزال
 و تنزیل سے پہلے ہی ہے کہ غافلان نور بشر کے لئے مذکر اور اعظ ہو۔ پھر جب اِنَّا لَنُحِیْ وَنُظْوَنُ فرمایا، تو
 خیر سراسی لفظ کی طے راجح فرمائی اس لئے لازم پڑا کہ حفاظت بھی اسی موقع میں ظہور میں آئے کہ جب ان
 اس لقب کا استعمال صحیح ہو۔

دوسرے سوال کا حکمت جواب | باقی رُحاد و سوا احتمال، اس کا یہ حال ہے کہ اول تو حضرت امام ہمدی کا غاء
 سرمن رائے میں محض ہونا ہی ایک فساد غلط ہے جبکہ امام اللہ کا باوجود اس قدر تواضع کے کچھ اعتبار نہ رکھا
 ایسی مذہبیات بے سر و پا کا جن کے راوی فقط دوچار نکار ہوں کیا اعتبار اور در صورتیکہ وہ بات بھی
 قرین قیاس نہ ہو تب تو قابل قبول عقل کسی عاقل کے نزدیک بھی نہیں اور جن روایات سے حضرت امام
 ہمدی کا یہ افسانہ مردی ہے وہ کچھ ایسی ہی ہیں، بلکہ اس سے بھی کثیرا البتہ یہ بات تو ہرگز متصور
 ہی نہیں کہ حضرت امام ہمدی کو کلام اللہ یاد ہو یہ کام تو اہلسنت جماعت کا ہے حضرت امام ہمدی کو
 ان کا شبہ کا ہے گو گوارا ہو کائنات تَشْبِہُ بِقَوْلِهِمْ مَنْهُمْ۔ ہاں ان کے پاس کلام اللہ ہو۔

اور حضرت امام اس کلام اللہ کو لیکر ہی اندیشے سے اس غبار میں جا چھپے ہوں کہ مبادا ان کے پاس کا
 کلام اللہ معتقدان خلیفہ ثالث کی نظر نہ پڑ جائے تو البتہ ایک ٹھکانے کی بات ہے لیکن اہل فہم
 سے سوال ہے کہ یہ جمال پہلے احتمال سے اس بات میں کیا کم ہے کہ ہمارے حساب سے ویسا ہی لوح
 محفوظ میں ویسا ہی غار سرمن رائے میں نقل مشوبہ ویسا ہی کنواں ویسی ہی کھائی، بلکہ لحاظ وجہ
 پنجم اس کلام اللہ کی حفاظت کا وعدہ ہی نہیں جو بزم شیعہ حضرت امام کے پاس ہوا اہل فہم کے
 نزدیک اس کا ذکر کتنا ہی صحیح نہیں ذکر کتنا تو جب صحیح ہو کہ امتی اسے پڑھیں پڑھیں غار سرمن رائے
 میں کون جائے اور کون اس سے فائدہ اٹھائے بلکہ وعدہ ہے تو اسی کلام اللہ کی حفاظت کا ہے

کلام اللہ اگر ایسی کلام اللہ کے مطابق ہے۔ تو
 نبی اور ائمہ میں صورت میں حضرت امام ہی کا کلام اللہ غلط ہو گا بالجہد ایسے لغویات کو خداوند کریم
 کی طرف نسبت کر کے مفت دین اسلام کو بٹا لگاتے ہیں۔ سبحان اللہ یہ عجیب تماشہ ہے۔
 کہ جناب بادی نے وعدہ حفاظت کو اس لئے کیا تھا کہ امت محمدی کو کل کو دوبارہ علم احکام کچھ
 دقت نہ پیش آئے دین محمدی میں کوئی رخنہ نہ پڑے یہ دین قیامت تک برابر روشن رہے۔
 مگر انہوں نے کہ تاہم وہی خرابی کی خرابی اور سرکاری نمود باللہ غار سرمن رائے میں محفوظ ہونے کے
 یہ معنی ہونے کے خداوند کریم حفاظت کے وقت اتنا بھی نہ سمجھے کوئی اجنبی آدمی سے گا تو کیا کہے گا۔
 شیعوں کا لغوی خیال یہ تو اور نہ ہونے کے لئے مقابلے کے لئے پکا لکھنا ہے ہماری صلاح یہ ہے کہ اس بات کو
 شیعہ کسی یہودی نصرانی کے سامنے تو زبان پر بھی نہ لائیں، ہمارے سامنے کہیں تو شاید ہم پاسل اتحاد
 کلمہ گوئی یوں سمجھ کر شیعوں کی خفت فی الجملہ اپنی ہی خفت، ہی سکوت بھی کر جائیں کیونکہ اول تو
 یہ ہوں گے کہ اس قسم کی خرافات کو سن کر اس بات کے کہنے کی گنجائش ملے گی کہ ہماری تورات بھی آخر
 لوح محفوظ میں محفوظ ہے۔ سو اس کے کورہ احتیاط سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ جنات کے پاس تورات
 بجنسہ موجود تھی اور اس میں بنی آدم کی طرح انہوں نے کچھ تغیر و تبدل نہ کی بھی ورنہ وہ یوں کہتے
 اِنَّا سَمِعْنَا كَلِمًا بَابًا اَنْزَلَ مِنْ رَبِّهِ مَوْحًى
 مَصْدَقًا قَالِمًا مِنْ يَدِ نَبِيِّهِ
 یعنی ایک ہم نے سنی ہے ایک کتاب جو نازل کی گئی ہو
 موصی کے بعد تصدیق کرنا والی اس کتاب کی جو اس
 پہلے ہے یعنی تورات کی تصدیق کرتی ہے۔

سو اس بات کا یقین کہ کلام اللہ تورات کی تصدیق کرتا ہے جب ہی ہو سکتا ہے کہ ان کو تورات
 کے جنسہ ہونے کا یقین ہو یا کلام اللہ تورات محض کا مصدق ہو دوسرا احتمال تو شیعوں کے
 نزدیک بھی غلط ہے کیونکہ جنات نے جو کلام اللہ تھا تو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا۔
 حضرت عثمان سے یا ایسے ہی کسی اور سے نہ سنا تھا۔ اور اگر یہودیوں کی پر خاش کا کچھ اندیشہ نہ
 ہو۔ اور یہ سمجھ کر کہ کچھ تورات بجنسہ باقی ہو اور فقط اس میں تحریف نہ ہوئے گا ان کو ایسا یقین ہو
 جیسے امامیہ کو الحمد للہ وقل ہو اللہ کے جنسہ ہونے کا یقین ہے فخریہ یوں کہنے لگیں کہ ہمارا قرآن
 تو غار سرمن رائے میں محفوظ ہے ہماری تورات بتلا کہاں محفوظ ہے یا اتفاقات سے وہ آیات سنی ہوئی

تورات کی ان عبارات کے جواب تک صحیح و سالم ہیں موافق اور مطابق ہیں اور فقط اسی موافق
 اور مطابق کے باعث انہوں نے کلام اللہ کو مصدق تورات سمجھا ہو تو اس صورت میں ہو سکتے ہیں کہ
 تورات محض بھی ہو اور کلام اللہ غار سرمن رائے میں محفوظ ہو اور اس وجہ سے کلام اللہ کو
 تورات پر فوقیت ہو اور یہود سے نہ شرمائیں لیکن قطع نظر اس کے کہ یہ فوقیت کس درجہ کو
 بنا کر وہ فوقیت پر مشتمل ہی رہے گی۔

اگر یہود سے بالا جیت بھی گئے تو نصاریٰ ان کی نہیں پلے دینگے یہودیوں سے بالا جیت بھی گئے تو انگریزوں
 سے کس منہ سے بات کرینگے۔ کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام حافظ انجیل بالفاق شیعہ و سنی
 آسمان چارم پر زندہ موجود ہیں۔ غار سرمن رائے میں تو حضرت امام کو اس بات کا بھی شاید
 اندیشہ ہو کہ مبادا کوئی مستعد خلیفہ ثالث رضی اللہ عنہ پھر تاجپہرہا یہاں نہ آکھلے اور ان کے کلام اللہ
 کو جین کر جلادے یا معاذ اللہ دشمنان امام کو شہید کر دے اور جو مصلحت کہ اخفا اور خفا سے بھی
 مانجھ سے نکل جائے حضرت عیسیٰ السلام تو بے شک ہیں جو تجھے آسمان تک کس کے مقدور جو چاہے
 بٹھکے ہاں البتہ ایک بات ہو سکتی ہے کہ ان سے یوں کہا جائے حضرت عیسیٰ کا اول تو حافظ انجیل
 ہونا غیر مسلم ہو۔ مگر یہی بعینہ احتمال بہ نسبت حضرت امام موجود ہے بلکہ درجہ اولیٰ کیونکہ حضرت
 عیسیٰ علیہ السلام پر خود انجیل نازل ہوئی، ان کو یاد نہ ہونا نہایت مستبعد بخلاف حضرت امام کے
 کہ قرآن ان پر نازل نہیں ہوا۔ مہذا کلام اللہ کے یاد ہونے میں اہلسنت کی مشابہت لازم
 انجیل کے یاد ہونے میں کوئی خرابی نہیں، دوسرے ہم نے مانا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل بھی
 ہوں گے اور ان کو انجیل یاد بھی ہو لیکن چونکہ انجیل منسوخ ہوئی ہو اور وہ نازل عیسیٰ علیہ السلام
 وہ یاد ہو نہ کہ مفید نہ ہو گا بخلاف حضرت امام کے کہ ان کا کلام اللہ یاد رکھنا بعد ان کے فوج کے
 کام آدے گا۔ اور شیعیان علی کو جو مدت دراز سے بنا چاری میاں عثمانی پر عمل کرتے ہیں کلام اللہ اہل
 ہاتھ آئے گا اور دیرینہ تمنا پوری ہوگی۔

عیسائیوں سے خبر دانی کے لئے اس عید سے دست بڑا رہا ہے مگر یہ تدبیر جب مفید ہے کہ شیعہ
 کو طعنت و حرمت کی تبدیلی احمد کے دست قدرت میں ہے ہمارا کہنا سہرہ و ہر اس احتیاط
 سے کہ ناموں کو تبدیل احکام حلت اور حرمت وغیرہ کا اختیار ہے اول اس سے دست بردار ہوں

ابن کثیرؒ نے بیان کیا ہے کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہماری انجیل اگر کلام اللہ سے منسوخ ہو گئی ہو تو سارے احکام تو منسوخ نہیں ہوئے آخر اخلاق کی باتیں اور بہت سے احکام طہارت اور حرمت کے بدستور باقی ہیں اور عقائد میں تو مسلمانوں کے مقولہ کے موافق کچھ فرق پڑا ہی نہیں حضرت آدم کے وقت سے لے کر اب تک وہی عقائد چلے آتے ہیں چنانچہ کلام اللہ میں سورہ مائدہ میں خود موجود ہے

وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتَابِ
یعنی نازل کی گئی ہے اس کے لئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تیری طرف سے یہی کتاب کہ وہ پہلے کتابوں کی بھی تصدیق کرے ہے

سو تمہارے کلام اللہ کا بھی یہی حال ہے کہ اماموں نے مناسب وقت دیکھ کر بہت سے احکام تبدیل و تغیر کر دیئے چنانچہ پہلی روایت سے یہ خوب واضح ہوا ہے کیونکہ اختلاف شیعہ کی وجہ حضرت امام باقر علیہ السلام نے یہی بیان کی ہے پھر حضرت امام ہمدی کے پاس اگر وہ کلام اللہ محفوظ بھی ہو تو کیا حاصل وہ دین تو بدل ہی گیا کوئی اور ہی کلام اللہ بنانا پڑا کہ نہیں تو آیا ہی قصہ ہے جیسا حضرت عیسیٰ تمہارے عقیدے کے موافق آخری زمانہ میں نازل ہوں گے اور ما جو دیکھ انجیل کے حافظ میں پھر بسبب اپنے دین کے منسوخ ہو جائے کے انجیل پر عمل نہ کریں گے بلکہ کلام اللہ پر عمل کریں گے تفویض کی شکل میں ہو حضرت امام ہمدی کے وقت قرآن کی باقی رہا یہ احتمال کہ شاید حضرت امام ہمدی ہی حیثیت ہوگی جو انجیل کی وقت نزول حضرت عیسیٰ ہوں گے۔ انجیل احکام پر عمل کریں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرر کئے ہوئے ہیں ہوا اس کا جواب یہ ہے کہ محمد بن ابوبکر رضی اللہ عنہما حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کر رہے ہیں

وَعَنْ أَبِي عَبْدِ اللَّهِ قَالَ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى أَنِّي بَيِّنُ الرُّوحَ فِي الْأَزَلِ قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَ الْأَجْسَامَ بَالِي عِلْمٍ فَلَمَّا قَامَ قَائِمُ الْبَيْتِ وَرِثَ الْأَمْرَ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا بِتَحْمَاتِي الْأَزَلِ وَلَمْ يُؤْمَرْ بِالْأَمْرِ مِنَ الْوَلَادَةِ
یعنی حضرت امام ابو عبد اللہ نے جو حضرت امام جعفر علیہ السلام کا لقب ہے یوں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ازل میں روحوں کے پیدا کرنے سے پہلے ہی اس پر جو روح ہیں آپ میں بھائی بند کی یاد ہے۔ سو جب امام ہمدی نکلیں گے ازل کی بھائی بند کی حساب وراثت جاری فرمائیں گے اور جو نسل کی رو سے بھائی ہو جائے وراثت نہیں دلائیں گے۔

اب دیکھئے کہ اہل روایت سے صفات یوں ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت امام ہمدی کلام اللہ کے احکام کے موافق بالکل عمل کر چکے اور یہ حکم جو نبی بھائی کے وارث ہونے کا ہے اسے موقوف کر دینے اور اس روایت سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ بھائیوں کی وراثت کا حکم جو سورہ نسا میں یوسف علیہ السلام کے رکوع میں ہے وہ کوئی خلیفہ ثالث کی نعوذ باللہ کچھ کر توت نہیں بلکہ عین حکم الہی ہے ورنہ اس کے موقوف ہونے کی حضرت امام ہمدی کے وقت پر کیا تخصیص تھی الغرض جب تک اہل عشرہ اس مذہب کے امام کو سب احکام منسوخ کر دینے کا اختیار ہی دست بردار نہ ہوں گے تب تک اگر نبیوں کے سامنے اپنے کلام اللہ کے محفوظ ہونے کے مقدمہ میں جو آیت (وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتَابِ) سے مستفاد ہوتا ہے منہ نہ کر سکیں گے۔

تفویض سے انکار میں نصاریٰ وہودے کے گھوٹلا بھی نہیں کر نصاریٰ اور یہود سے جیت جائیں نہیں ملنے کے علاوہ ختم نبوت پر ایمان بختہ ہوتا ہے۔

بلکہ لفظ خاتم النبیین جو سورہ احزاب میں ہے اس پر بھی ایمان درست ہو جائے گا۔ نہیں تو یہودیوں کی طرح یہ عقاب ان پر بھی رہے گا اَنَّا نَحْنُ مُخْتَارُونَ بَعْضُ الْكِتَابِ وَنَحْنُ فَخْرُونَ بَعْضُ بَعْضُ یعنی کیا تم ٹھوڑی سی کتاب پر تو ایمان لاتے ہو اور ٹھوڑی پر نہیں لاتے وجہ اس کی یہ ہے کہ یہ بات تو انبیاء میں سے بھی کسی کسی کو میسر آتی ہے کہ نئی شریعت لائے اور پہلے احکام بدل جائیں بنی اسرائیل میں حضرت موسیٰ کے بعد حضرت عیسیٰ تک جتنے بنی ہوئے سب تورات ہی پر عمل کرتے رہے اور پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی یہ بات میسر نہیں آئی کہ خدا نے دین کا مقدمہ انہیں سپرد کر دیا ہو بلکہ جو کچھ انہوں نے احکام مقرر کئے سب حسب فرمان خداوندی مقرر کئے حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ تو درکنار کلام اللہ سے تو یوں معذور ہوتا ہے کہ خود سید المرسلین محمد رسول اللہ علیہ السلام کو بھی یہ اختیار نہ تھا کیونکہ سورہ انعام میں یہ آیت موجود ہے (وَلَا يَجْعَلُ فِيمَا افْوَحَىٰ اِلٰى تَحَرُّمًا اِلَّا بِمَا هِيَ حَرَامٌ) کہ جس کا ماہل ہے کہ کہہ اسے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہ نہیں پاتا ہوں یہ اس چیز کے جو میری طرف وحی کی گئی ہو کوئی چیز حرام کسی کھانے والے کو مطلقاً اور مطلقاً اس آیت کے مضمون کا معلوم ہو کر کہ مطلقاً اور مطلقاً کہنا کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی نہ تھا صحت حدیث کے مدد سے کہ جو حدیث میں آیا ہے اِنَّكُمْ لَا تَدْرُوْنَ اَمَّا يَوْمَ تَكُونُ الْاَرْضُ كَالْاَرْضِ الْاُولٰٓئِ

اس کا نام نہیں اور اگر ان فرض خواتین کے احکام ان کے سپرد بھی کر دیئے ہوں تب
 بھی ہمارے امام پھان سے اس بات میں کم نہ رہے اور یہی احکام کی تبلیغ کے لئے رسول اور
 نبی ہو کر تھے میں چنانچہ خداوند کریم ارشاد فرماتا ہے۔
 يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ بَلِّغُوا مَّا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُم بِمَا سَمِعْتُمْ لَعَلَّكُمْ تَخْشَوْنَ
 الغرض اس طریق سے یہود اور نصاریٰ کی پرفاش سے بھی نجات ہو جائے گی اور اپنا
 ایمان بھی درست ہو جائے گا
 حق کے اندر سے بن باویہ آخر سینوں کا چرمان ہو گیا اور شاید کچھ ہی سوچ بھکر شیخ صدوق اعنی
 ابن بابویہ نے کتاب الاعتقادات میں اس عقیدے کا تھکا تھایا اور ہمارے نزدیک اس حساب سے
 وہ صدوق اسم باستی ہو گئے مگر سینوں سے دامن چھڑانے کے لئے سب اہل تشیع کی طرف سے
 نیابت یوں کہ اٹھے مَن حَسِبَ إِلَيْنَا أَنْ نَقُولَ إِنَّهُ الْكُفْرُ مِنْ ذُنُوبِهِ فَهُوَ كَاذِبٌ۔
 یعنی جو یوں کہے کہ شیعوں کو کہیں نہیں کہ کلام اللہ اس سے زیادہ تھا جواب لوگوں کے پاس ہے
 اور جس کی ایک سوچوہ سورتیں ہیں وہ جھوٹا ہے انہوں نے چاہا تھا کہ سینوں کو جھوٹا بنائیں
 پر خدا بچوں کو سچا ہی کرنا ہے خدا سزا عطا مگھنی نے اس دروغ کا بار اپنے سر اٹھایا یوں کہیے
 علامہ صدوق کو جھوٹا بنایا چنانچہ ان کی روایت کلام اللہ کے سترہ ہزار آیت ہونے کے باب میں
 اوپر مرقوم ہو چکی کسی نے سچ کہا ہے حق خدا بن جاری شود خیر کہاں تک حضرات شیعہ کی انصاف
 اس باب میں بیان کیے مفسرین کے لئے اس قدر بھی بہت ہے میں کوئی عاقل منصف ایسا
 نظر نہیں آتا جو اِنَّا خَلَقْنَاهُ نَزَّلْنَا إِلَيْكَ كُرْ وَاِنَّا لَهُ لَخَافِظُونَ۔ سے بجز اس کے کچھ اور معنی
 سمجھے کہ اس میں پہرے کوئی کمی بیشی نہیں کر سکتا۔ خلیفہ ثالث ہو یا خلیفہ اول اور دوم
 آیت مذکورہ سے سینوں کی فضیلت کا نکلتا بلکہ انسان سے دیکھیے تو بشہادت صرف اس
 آیت میں سینوں کی بڑی فضیلت نکلتی جو بشر اس اجمال کی یہ کہ جو کام کسی کے اہتمام
 اور انتظام اور حکم سے ہو اگر تا ہے اگرچہ حقیقت میں اسے اور ہی کوئی کرے پر عین میں ہمت
 ہی کی طرف اور منتظم اور حاکم ہی کی جانب منسوب ہوا کرتا ہے مثلاً کوئی بادشاہ کسی رسالہ یا
 پلٹن کو خزانہ کی حفاظت کے لئے مقرر کرے۔ سور سالار یا صوبہ دار دس پانچ سپاہیوں کو پہرہ

مقرر کر دیتے ہیں اور پھر لو بہت بوجہ اور بوجہ بہت دار اس پہرہ کو بدلتے رہتے ہیں اور ایک آرام
 کرتے ہیں اور سپاہی پہرہ دیا جو بدلتے رہتے ہیں اب دیکھئے کہ حقیقت
 میں محافظت سپاہی پہرہ دار کرتے ہیں پر چونکہ رسالہ اور صوبہ داروں کے حکم سے کرتے ہیں۔ تو
 ہری سرکاروں میں رسالہ داروں اور صوبہ داروں کی کام ہوتا ہے اور سپاہیوں کا کیا ہوا رسالہ داروں
 اور صوبہ داروں کی کیا سمجھا جاتا ہے۔ اس واسطے اگر کہیں ایسے موقع پر کوئی سرکار کا کام بن پڑتا ہے
 تو گو سپاہیوں کو بھی قدر قلیل انعام ملے پر رسالہ داروں اور صوبہ داروں کو بیش قرار انعام ملتا ہے۔
 اور عہدوں کی تسلی جوتی ہے اسی طرح سنی بھی موافق حکم الہی کے اس خزانہ بیش بہا کی محافظت
 کرتے ہیں اور چونکہ اوراق میں فقط خوب حفاظت نہ ہو سکتی تھی تو اس لئے اس کو اپنے سینوں میں
 گویا جان کے ساتھ رکھتے ہیں تاکہ بے دینوں اور شیاطین کو اس کے چرانے کی دسترس نہ ہو
 سوائے چور کو تو ان کو ڈانڈیں شیعہ سینوں ہی کو چور بتانے لگے سورہ وہی مثل ہے نیکی برباد گناہ
 لازم اگر شیعہوں سے سنی کچھ نعماد اکرام اس خدمت کا مانگتے جب ہی یہ ہمت لگائی جوتی خدا
 کے دینے میں آنا بخل کیوں ہے تیل بے سرکار کا کلچر بھٹے مشعلی کا ہم جو دنیا میں دیکھتے ہیں تو
 کلام اللہ کی محافظت سنی ہی کرتے ہیں ایک ایک لبتی میں بعضی بعضی جاپان پان سون حافظ موجود
 ہیں مگر چونکہ ان کی حفاظت موافق ارشاد خداوندی کے ہے تو یہ ان کا کیا خطری کا کیا بھنا چاہیے
 اور سینوں کو لازم خاص اور محکوم بااختصاص سمجھے اس لئے خداوند کریم نے اس محافظت کو
 طرف نسبت کیا اور یہ فرمایا وَاِنَّا لَهُ لَخَافِظُونَ یعنی ہم ہی اس کے محافظ ہیں لیکن شیعہوں کو
 محکومان غرمان کی مانند جانتے بلکہ بمنزلہ باغیوں کے یا جو ردوں کے قرار دیجئے کیونکہ یہ فرقہ
 محافظان کلام ربانی کے جو ایک خزانہ ہے بہا ہے دشمن ہیں اور خزانوں کے محافظوں کے فراق
 اور باغی اور چور ہی دشمن ہوتے ہیں جو خدا کی آیت اِنَّا خَلَقْنَاهُ نَزَّلْنَا إِلَيْكَ كُرْ وَاِنَّا لَهُ لَخَافِظُونَ
 بھی باور بند ہی ہوتی ہے کہ مذہب اہل سنت حق ہے اور مذہب شیعہ باطل۔ پر سننے کے لئے
 کان ستر ہیں جن کانوں پر ختم اللہ علی قلوبہم وعلی سمعہم کی ہر لگی ہوئی ہو
 یعنی یہ مضمون ان پر صادق آتا ہے کہ اللہ نے ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر پھر لگائی ہے
 وہ کیا سنیں اور کس کی سنیں مگر ہمیں اپنی طرف سے سمجھانے میں مصروف کرنا چاہیے جیسے شیخ صدوق

ایک بات مان لیے ہیں ایسے ہی شاید مولوی محمد علی صاحب یا کوئی اور عالم یا جاہل اس بات کو بھی مان جائے مگر چونکہ متعصب کو حق بات کا ماننا برعینہ کتنی ہی صاف و روشن کیوں نہ ہو بہت دشوار پڑتا ہے تو اس تقریر کو سرشار کیا کوئی شیعہ مذہب یوں کہنے لگے ہم نے مانا کہ کلام اللہ سارا کا سارا صحیح اور سنیوں کی روش کی خوبی بھی اس سے ہو بلکہ پرہیز گوئیں نہیں کہ ابو بکر کو بھی ماننا ہی چاہیے۔ اس لئے یہ آیت سوم مع اپنے ماحصل کے کہی جاتی ہو میری آیت

إِنَّا نَنْصُرُ مَا قَعَدَ نَصْرُهُ اللَّهُ إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا

یعنی تم لوگ اگر ہمارے پیغمبر مدد نہ کر دے تو کیا ہو گا اللہ اس کی مدد کرنے والا ہے پہلے بھی اس کی اس نے مدد کی ہے جب کہ لاہوروں نے اے نکال دیا تھا جبکہ وہ ساتھ ایک اس سے ساتھ اور تعجب و دوا غلامیں تھے کب جس وقت وہ اپنے ساتھ دینے والے سے یوں کہنا تھا کہ تو غلین مت ہو جا سنا ساتھ تو اللہ ہے

اس آیت میں بنظر انصاف غور کیجئے۔ اور منہ زوری کو چھوڑ دیئے دیکھئے یہ آیت کہ صہ کو لئے جاتی ہے سنیوں کی طرف کھینچتی ہے یا شیعوں کے گھر کا راستہ بتلاتی ہے ہیں اس جگہ مرزا کاظم علی صاحب لکھنوی کا مقولہ جو بڑے مبارک علماء شیعہ میں سے تھے اور دوق الزماں مولوی دلدار علی صاحب مجتہد بھی ان کے معتقد تھے یاد آتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ یہ آیت کسی کو تو جس کسی کا جو کچھ جی چاہے سو کہے پر خلیفہ اول کا بلکہ والدہ اللہ ہمارے نزدیک بھی کافر ہے اہل محفل میں سے کسی نے عرض کی کہ قبل آپ کیا فرماتے ہیں، مذہب تو اس کے خلاف ہے انہوں نے جواب دیا کہ میں کیا کہتا ہوں خدا کہتا ہے صحابی اور صاحب کے معنی میں کچھ فرق نہیں۔ سو خدا بھی خلیفہ اول کے صحابی ہونے کا گواہ ہے کیونکہ صاحب کے لفظ سے جو اس آیت میں موجود ہے شیعوں سنیوں کے اتفاق سے ابو بکر صدیق ہی مراد ہیں سبحان اللہ اہل انصاف ایسے ہوتے ہیں جیسے مرزا کاظم علی صاحب تھے اور وہ کچھ ایسے دیئے نہ تھے علم و زہد میں شیعوں کے نزدیک وہ بھی شہرہ آفاق تھے کہ ان کا عالم شیعہ مذہب سے جو ان کو نہیں جانتا اور ان کو نہیں ماننا اور ان کا بھی اس بات میں کچھ قصور نہیں اس آیت کو جس پہلو سے بٹ کر دیکھئے کہیں گنجائش گفت و شنود کی نہیں ہر طرف

سے سنیوں ہی کا مطلب نکلتا ہے۔

آیت سوم کی بصیرت اور تشریح | شرح اس معنی کی یہ کہ اول تو لفظ صاحب جو صاحب میں ہے وہ عربی زبان میں صحابی کے ہم معنی ہے دوسرے لفظ لا تحزن جس کا یہ مطلب ہے کہ غلین مت ہو۔ وہ اسی پر دلالت کرتا ہے کہ ابو بکر صدیق عاشق صادق صادق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مومن با افعال تھے ورنہ ان کو غلین ہونے کی کیا ضرورت تھی بلکہ محل خوشی تھا کہ ان کے دشمن موافق عقیدہ شیعہ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت خوب تابو میں آئے ہوئے تھے کفار جو اس وقت پاس آگئے تھے بچار کے بھی نہیں تو کسی قسم کی گھڑی ہی تو نہیں مطلع کر دیتے۔ مگر ان کو اللہ ہنسا وہ اپنا کام کرتے اگر کہیں انصاف کی آنکھیں مولیں تو ہم حضرات شیعہ کے لئے مول لیں اور ان کو دین سنا کہ وہ کچھ تو پاس زلفت خلیفہ اول کریں

۵۔ جو پاس ہر دو محبت یہاں کہیں ملتا تو مول لیتے ہم ایک اپنے مہرباں کیلئے اور جو یہ بھی نہ ہو تو یہی ہمیں کہ ان کو اس وقت اپنی جان کا خوف نہ ہوا بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تنہائی کا افسوس طر اور غم ہوا تو اس بات کا کہ دیکھئے یہ دشمن حق یعنی کفار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا کر چکے ہیں اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی نسلی فرمائی اور فرمایا کہ غم کی کیا بات ہے اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے تو غلین مت ہو۔

حزن کے معنی کچھ ہیں بعض غیر مسنفون کی فاش غلطی | اس جگہ بعضے نا انصافیوں کہتے ہیں کہ ابو بکر صدیق کو اس وقت اپنی جان کا ہراس تھا کچھ پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ تھا غور کرنے کی جگہ ہے اس بات کا یہ مطلب ہو کہ خداوند کریم کو نفع و اللہ عز و جل بولنی بھی نہیں اتنی فصاحت و بلاغت تو درکنار اور یہ جو کلام اللہ کے اعجاز و بلاغت کا شہرہ ہے یہ فقط یاروں کی گھڑی ہوئی بات تفصیل اس کی یہ کہ جو کچھ بھی عربی جانتے ہیں وہ بھی اتنی بات تو جانتے ہیں کہ عربی زبان میں حزن کا لفظ غم کی جگہ اور فراق محبوب یا مملکت فوت ہوجانے کے عمل میں استعمال کرتے ہیں اور جنہاں جہاں پر غم ہے اور ڈر کا مقام ہوتا ہے خون کا لفظ استعمال کرتے ہیں کلام اللہ سے زیادہ تو کوئی کتاب عربی زبان کی فصیح اور بلاغت ازین نہیں دیکھیے حضرت موسیٰ جب کہ طور پر گئے اور خداوند کریم نے پوچھا کہ موسیٰ تیرے ہاتھ میں کیا ہے انہوں نے عرض کی کہ یہ میری لاش ہے چلتے پھرتے اس پر

ہستار رکھوں ہوں اور کچیوں کے لئے اس سے چتے تھاروں ہوں اور اس میں میرے اور
 بھی بہت سے فائدے ہیں اور میرے حکم ہوگا اسے ڈالو انہوں نے جو ڈالا تو وہ ایک اڑو تھا
 یہ اڑے پاؤں ایسے بھاگے مڑے بھی نہ دیکھا۔ اس وقت خداوند کریم نے فرمایا۔

اَقْبِلْ وَلَا تَخَفْ اِنِّیْ لَا یَخَافُ لَدَیَّ
الْمُسْلِمُونَ۔

یعنی تو اُدھر آ اور ڈر مت میرے پاس رسول
ڈرا نہیں کرتے۔

اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ کو اس ارادہ سے اپنی جان کا اندیشہ ہوا
تب بھاگے اسی لئے خدا نے تسلی فرمائی کہ درمیت یوں نہ فرمایا لا تحزن یعنی رنجیدہ نہ ہو اور
اسی طرح جب انہوں نے ایک قطبی کو مار ڈالا اور نمرعون کے لوگوں نے ان کے دار دہانے کا
ارادہ کیا تو یہ وہاں سے ڈر کے بھاگے اس موقع میں فرمایا ہے فَمَنْ جَاءَهُ فَنُحِشْ مِنْهَا فَإِنَّهَا لَفِي رُحْنٍ
موتے وہاں سے ڈرتے ہوئے اور سو اس کے اور بیسیوں جگہ خوف کا لفظ کلام اللہ میں موجو
ہے جہاں کہیں یہی معنی ہیں اور جہاں غم کا مقام دیکھا وہاں یہی حزن کا لفظ استعمال کیا ہو سکتا
یوسف میں جس موقع میں حضرت یعقوب غم فراق یوسف میں ہائے یوسف ہائے یوسف ہائے یوسف
کہا کرتے تھے اور انیس یا د کیا کرتے تھے اور حضرت یعقوب کے اور بیویوں نے بوں کہا کہ تم
یوسف کو ماہی کرتے کرتے مر جاؤ گے حضرت یعقوب کی طرف یہ جواب منقول ہے۔ اَلَمْ يَكُنْ
أَنْفَكَ نَبِيٍّ وَخَشِيَ إِلَهَ اللَّهِ لَعَلَّكَ لَاحِظٌ لِّمَا يَكُونُ لَكَ اِنَّا نَجِدُكَ فِي غَمٍّ
بلکہ بہت سی آیات سے یوں ثابت ہوتا ہے کہ حزن کے اور معنی ہیں اور خوف کے اور معنی
ہیں ایک دوسرے کی جگہ نہیں بولا جاسکتا فَتَقَوَّلْ عَلَيْهِمْ الْمَلَائِكَةُ اِنْ لَا تَعْلَمُوْا
وَلَا تَخْشَوْنَ اِلٰهَ الْعَالَمِيْنَ یعنی جب بچے مسلمان مرنے لگتے ہیں تو فرشتے رحمت کے ان پر اترتے ہیں
اور یہ کہتے ہیں کہ تم ڈرو اور تم علیکں ہوا اگر خوف اور حزن کے دونوں کے ایک معنی ہوتا
تو مکرر کہنے کی کیا ضرورت تھی صحیح یہی ہے کہ غم اور حزن کے اور معنی ہیں اور خوف اور حزن کے
کے معنی ہیں کہ کچھ آگے کو اندیشہ ہو اور غم یہ جو کہ بالفعل دل کی تمنائات سے بھل جانے غم خوشی
کے مقابلہ میں بولتے ہیں خوف اطمینان کے مقابلہ میں خوشی اور اطمینان اور غم اور خوف کے
معنی بیان کرنے میں مجھے یہ شرم آئی ہے کہ کوئی کیا کہے گا یہ کوئی مشکل محض باتیں ہیں جنہیں کوئی

نہ سمجھتا ہو پر کیا کیجئے ایسے نا انصافوں سے پالا پڑا ہے کہ شاید اب بھی ان کی سمجھ میں نہ آئے
لہذا اتنا اور کہنا پڑا کہ جب کسی کا کوئی مرنا تا ہے تو اس پر جو حالت پیش آتی ہے اسے غم تو کہتے
ہیں پر خوف اور ڈر کوئی نادان بھی نہیں کہتا، ہاں مرنے سے پہلے جس موقع میں موت کا اندیشہ
ہوتا ہے اس اندیشہ کو البتہ خوف کہتے ہیں پر رنج کوئی نہیں کہتا اگر کسی کا لڑکا کسی دیوار پر
چڑھ جائے اور وہاں سے اندیشہ گر کر مر جائے گا تو اس اندیشہ کو البتہ خوف کہتے ہیں لیکن
کوئی نادان بھی اسے غم نہیں کہتا۔ القہم غم میں مصیبت کے وقت جو حالت ہوتی ہے اسے
کہتے ہیں اور خوف مصیبت کی آمد آمد کی کیفیت کا نام ہے۔ ایک کو دوسرے کو کچھ لگاؤ نہیں
جو حضرات شیعہ ہٹ دھرمی کر کے لا محزون کے معنی لا تخف گھڑ لیں۔

شیعوں کی کہ نہی کی ایک پُرمدق توجیہ مگر ایک طرح وہ بھی سچے ہیں ان کے یہاں تو ناعدہ کلیہ ہو کر
الے معنی سمجھتے ہیں مولوی سمار علی صاحب نے ناسخ کے معنی حق سمجھے چنانچہ اس کا بیان گذر
چکا اور تمام شیعوں نے غافلوں کا نام چور رکھا علی التقیاس یہاں بھی اگر وہ ایسا کریں تو
سینوں کو کیا شکایت ہو بلکہ خوش ہونے کی جگہ ہے کیونکہ اصل مطلب میں تو شریک ہی نکلے
غفلوں اور اصطلاح ہی کا فرق رہا سو یہ کیا بڑی بات ہے مصرع
ہر کے را اصطلاح دادہ ایکم۔

حاصل تہا یہ ہے ان کے اختلاف کا یہ نکلا حق کا نام ان کی اصطلاح میں ناحق ہے اور محافظ کا نام ان کی اصطلاح میں راور حران کا نام ان کے نزدیک خوف ہو مگر جیسے کوئی شخص نابینا مسلمانوں کی محفل میں کسی کو کسی کی نسبت بابا کہتے ہوئے سنا ہے تو اپنی اصطلاح کے موافق اس وقت انگریزی بٹی کے معنی اور بنیاد ادا کے معنی سمجھتا ہے ایسے ہی حضرات شیعہ نے اگر لَاتَحْنَن کے معنی لَاتَخَف کے سمجھ لئے تو ان کا کچھ قصور نہیں سنیں گے کہ لَاتَحْنَن کے معنی لَاتَخَف کے موافق ان سے باتیں کریں آخر حدیث میں تو یہ یقینوں ہے کَلِمَاتُ النَّاسِ عَلَى قَدَرِ عُقُولِهِمْ یعنی لوگوں سے ان کی عقل و فہم کے موافق گفتگو کیا کرو اور اگر پاس خاطر شیعہ لَاتَحْنَن کو بھی بَرِّمِنے لَاتَخَف ہی سمجھیں تب بھی ہمارا چنداں نقصان نہیں ہمارا دھر بھی لیکھا ہے اس لئے کہ اس صورت میں یہ معنی ہوں گے کہ اے ابو بکر مت ڈر۔ سو ظاہر ہے کہ ابو بکر جو خوفناک ہو گئے

اور ان کو اپنی جان کا خطرہ ہوگا تو اسی سبب سے ہوگا کہ کفار کو ان کے ساتھ دشمنی ہوگی اور وہ دشمنی بھی بوجہ اسلام اور ایمان ہوگی نہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کے کیا معنی اور وہ بھی پھر استدلال کہ خدا ہمارے ساتھ ہے۔ خدا تو مسلمانوں کی طرفداری اور حمایت کرتا ہے
 اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰدِقِيْنَ۔ اور اس قسم کے کلمات سے کلام اللہ بھرا ہوا ہے سبک حاصل ہی ہے کہ اللہ اچھوتوں کے ساتھ ہے مومنوں کے متقیوں کے اچھے کاموں کے کرنا والوں کے ساتھ ہے کہیں اول سے آخر تک کلام اللہ میں یہ نہیں کہ اللہ کافروں کے مژدوں کے منافقوں کے ساتھ ہے۔

اللہ کی معیت کی وضاحت اور کوئی کہے کہ اللہ سب کے ساتھ ہے مومن ہو یا کافر کلام اللہ میں موجود ہے اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ خَبِيرٌ۔ یعنی اللہ ہر چیز کو محیط ہوا تو ہر چیز کے ساتھ بھی ہوا تو اس کا جواب یہ ہو کہ ساتھ ہونا دو طرح کا ہوتا ہے ایک تو یہی اگلے ایک مکان میں رہنا اس میں فقط تن بدن کا ساتھ ہوتا ہے اگرچہ دونوں میں فرق ہو، اس قسم کی ہمراہی تو طوطے اور زانغ کی سی ہو۔ دوسرا دونوں سے ساتھ رہنا جیسے کوئی بادشاہ کسی سبکس کو جس کے سبب شمن ہوں روں کہے کہ تو اندیشہ نہ کر ہم تیرے ساتھ ہیں اس کے ہی معنی ہوتے ہیں کہ ہمیں تیرا خیال ہو چکا رول میں تیرا دھیان ہے گا ہم تیری حمایت پر ہیں۔ اس صورت میں کچھ لازم نہیں کہ بادشاہ اور وہ ایک مکان میں ہوں تو وہ اس کے ساتھ ہوں نہیں تو نہیں ہاں البتہ تا مفعول امداد و اعانت چاہیے۔ سو جہاں ہمیں اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ یا اسی طرح اور کچھ آیات تو اس سے دوسرے معنی مراد ہیں چنانچہ سب جانتے ہیں نہیں تو اس میں متقیوں ہی کی کیا تعریف کلی اور انہیں کی کیا تسلی ہوگی۔ سنو خاص کر اس آیت میں تو محض تسلی ہی کے لئے یہ کہا گیا ہے اور پھر کو مدد گاری ہی کا بیان ہے۔

آیت معیت سے حضرت ابوبکر کی مدد کا ثبوت باقی یہ کوئی شبہ نہ کرے کہ اوپر سے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کرنے کا بیان ہے۔ ابوبکر صدیق کی مدد تو نہیں۔ سو اس کا جواب یہ ہو کہ اتنی بات تو بازاری بلکہ جولا ہے کی لڑنیاں بھی جانتی ہیں کہ غلام کی اہانت اور اس کی رسوائی وہ میاں ہی کی رسوائی گئی جاتی ہے اگر نیردوں کی رعیت کو اور ملازموں کو اگر ان کے غنیم ستاتے ہیں تو انہیں کیوں اتنا برا معلوم ہوتا ہے کہ فوج کشی کرتے ہیں اور ہزاروں آدمیوں کا خون کراتے ہیں مہلکہ ہم نے غزو کے

ایک میں دیکھا ہے کہ جس نے مہلکہ لڑا یا پولس اور کو بچا لیا تھا وہ غیر خواہ سرکار گنا جاتا تھا سو ابوبکر صدیق کی مدد گاری بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد گاری ہو اسی لئے ہمارے سناتے وقت تو یوں فرمایا فَقَسَّ نَصْرُكَ اِنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مَدَدَكَ دقت دونوں ہی کی مدد کی۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر صدیق کو جو خدا کی مدد کی اطلاع کی تو یوں کی اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا یعنی خداوند کریم خبر سانی میں اس قصہ کی تو فقط رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا ذکر فرماتے ہیں اور یوں کہتے ہیں فَقَدْ نَصَرَكَ اللّٰهُ یعنی اللہ نے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی فلائے وقت مدد کی اور جس وقت کہ مدد کی تو دونوں کی مدد کی چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مدد کی اطلاع کی تو یوں کی اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا یعنی اللہ تعالیٰ ہم دونوں کے ساتھ ہو اور چونکہ ایک لفظ یعنی معنہ سے دونوں کی مدد گاری کا بیان فرمایا اور دو لفظ نہ کہے یعنی مَعْنٰی وَمَعْنٰکَ نہ فرمایا جس کے یہ معنی ہوتے کہ خدا میرے بھی ساتھ ہے اور تیرے بھی ساتھ ہے تو اس سے اور بھی واضح ہو گیا کہ جس طرح سے خدا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا اسی طرح حضرت صدیق اکبر کے ساتھ تھا سو اس میں تو ہم جانتے ہیں کہ شیعہ بھی بنا چاری ہمارے شریک ہوں کہ خداوند کریم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ امداد اور عنایت اور محبت اور اعانت سے تھا تو حضرت صدیق کے ساتھ بھی اسی انداز سے سمجھنا چاہیے مہلکہ لفظ ثانی الثانی جس کا یہ مطلب ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت اکیلے نہ تھے بلکہ ان کے ساتھ ایک اور بھی تھا یعنی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ضمیر مفعول الا تنصروا سے حال واقع ہوا ہے۔ سو اس صورت میں یہ لفظ بھی با واز ملندہ ہی کہتا ہے کہ حضرت صدیق بھی مدد گاری خداوندی میں شریک ہیں۔

آیت معیت میں شیعہ کی طرف ایک عبارت دھوکا اور اس کا جواب اور اگر شیعہ یوں کہنے لگیں کہ یہ لفظ اَخْرَجَهُمُ الدِّیْنُ کے ساتھ مربوط ہے اور اس کی ضمیر مفعول سے حال واقع ہوا ہے اور یہ مطلب ہے کہ جس وقت کفار نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو کہ مہلکہ لڑا لیا تھا اس وقت وہ اکیلے نہ تھے ان کے ساتھ ان کا ایک رفیق بھی تھا اور اس کو نصرت سے کچھ تعلق نہیں نصرت سے تعلق جب ہو کہ اس لفظ کو لفظ نَصْرُ اللّٰهِ سے علاء ہو تو اس اعتبار پر ہماری طرف سے یہی جواب ہے

اگر یہ مطلب ہو تو جاری میں رہنا ہے کیونکہ ان لوگوں کو معلوم ہوا کہ کفار کو جیسے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے عداوت تھی ویسے ہی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بھی عداوت تھی باقی کوئی یوں کہے کہ ابوبکر صدیق کو تو کفار نے نہیں نکالا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ہلاک کر دیا تھا۔ سو اس کا جواب شیعہ دیں کیونکہ یہ معنی تو ہم نے انھیں کی طرف سے بیان کئے ہیں اور اگر کہیں سے پوچھتے ہو تو ہمیں سے سنئے۔ جناب من بشہادت کلام اللہ کفار نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس طرح سے نہیں نکالا کہ ہاتھ پچھ کر باہر کر دیا ہو یا دھکے دینے کا اتفاق ہوا ہو۔ مثلاً

واللہ کے واسطے کہ اصل شکل بلکہ صورت یہ ہوتی تھی کہ در اندوہ میں جو ابو جہل کی بیچک کا نام تھا اور وہ خانہ کعبہ کے پاس تھی جہاں اب حنفی مصلے بنا ہوئے اور اب وہ جگہ داخل حرم حرم ہو گئی ہے وہاں کفار جمع ہوئے اور اس بات کا مشورہ کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قید کرنا چاہیے یا مار ڈالنا مناسب ہے یا کہیں انہیں نکال دیجئے اس مشورہ کی اطلاع خداوند کریم نے اپنے حبیب محرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کر دی آپ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو رفیق دلی سمجھ کر ساتھ لیا اور غار ثور میں تشریف لے گئے پھر تین دن کے بعد سواری اور راہ کا بندوبست کر کے دونوں صاحب مدینہ منورہ کو روانہ ہوئے چنانچہ اس بات کی طرف بطور اختصار سورۃ انفال میں جناب خداوند کریم اشارہ فرماتے ہیں

وَإِذْ يَمْكُثُ ذِي الْقُرْنَيْنِ
لِيَنْبَغِيَ لَكَ أَنْ يَكُونَ
وَمَعَكُمْ ذُنُوبُكُمْ وَاللَّهُ
خَبِيرٌ الْعَاكِفِينَ

یعنی وہ بھی یاد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کفار کے قریب سے گزر کر چاہتے تھے اعلان کا یہ ارادہ تھا کہ تجھے قید کر لیں یا قتل کر دیں یا نکال دیں اور وہ یہ کر رہے تھے اور خدا ان کے ساتھ مکر رہا تھا یعنی تجھے اطلاع کر دی پھر غار میں تیری حفاظت کی یہاں تک کہ مدینہ منورہ غریب سے پہنچا دیا اور کیوں نہ ہو اللہ تو سب سے زیادہ مکر جانتا ہے۔

اس قصہ کو غور کیجئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ہاتھ پچھ کر نہیں نکالا تھا اور اگر یوں کہیں کہ ایذا کے درپے ہونا نکالنا ہی ہے تو ابوبکر صدیق کے ہونے کی انہیں کو کسی راحت تھی بلکہ اس سے پہلے بھی انہیں تو نکال دیا تھا ابن دغنا انھیں ہٹانے کے لئے۔ اور کفار سے ان کے باب میں گفت و شنود کرے نہ وہ بیٹیں یہ روایت سنیوں کی کتابوں میں تو موجود ہے پر عقل بھی یوں کہے ہے کہ یوں ہوا ہو تو کچھ عجیب نہیں کیونکہ خداوند کریم نے اِذْ يَقُولُ بِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَكَ کے ضمن میں اس بات سے متنبہ کر دیا کہ ابوبکر صدیق سے بھی کفار دشمنی رکھتے تھے نہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی کیوں قتل کرتے اور خدا کیوں ان کے ساتھ ہوتا اور ہیں تو اتنا بھی بہتہ کہ خدا ان کے ساتھ اسی طرح ہے جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوا اس تفسیر کے سننے کے بعد یقین یوں ہو کہ شیعہ اس احتمال کو زبان پر بھی لائیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر کو اس لئے ساتھ لیا تھا کہ وہ کہیں کفار کو اطلاع نہ کر دے کیونکہ اس احتمال کی جڑ بنیاد تو اس آیت کے ہر لفظ نے ایسی اٹھا دی ہے کہ شیعہ اپنے سر کو قیامت تک پیٹیں تو نہ جھگی معاذ جناب سالت اب صلی اللہ علیہ وسلم نفوذ باللہ کچھ ایسے کم فہم نہ تھے انہی عقل کا تو ایک عالم دیوانہ ہے کیا وہ اتنی بھی نہ سمجھے کہ اس اندیشہ کے سود فیض ہیں کہ ابوبکر صدیق کو جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کی اول سے اطلاع ہی نہ کرتے کہ میں غار ثور میں جا کر چھپوں گا تو ابوبکر صدیق کچھ شیعوں کے نام تو نہ تھے کہ ان کو علم ماکان و مایکون یعنی ازل ابد کے سبب قانع کی خبر تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بتلاتے یا نہ بتلاتے ان کو آپ اطلاع ہو جاتی ماسوا اس کے تعلقہ تو ایسے وقت میں ضرور ہی ہو جاتا ہے چنانچہ شیعوں کے نزدیک ایک تعلقہ کی اصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غار میں چھپ جانا بھی ہے خیر یہ قصہ تو تعلقہ کی اصل جیسی ہے سو بے اثر اللہ کے معلوم ہو جائے گا۔ پر شیعوں کے مذہب کے موافق تو ایسے وقت میں تعلقہ فرض ہو جاتا ہے اور جھوٹ بولنا مباح بلکہ ضرور چنانچہ اماموں نے جو اصحاب ثلاثہ یا اور اصحاب کی تعریف کی ہے اور وہ ان کی کتابوں میں موجود ہے اس کو شیعہ یوں کہتے ہیں کہ اماموں نے بوجہ تعلقہ جھوٹ کہہ دیا تھا نفوذ باللہ نہا۔

نقص حضرت زین العابدین علیہ السلام نے کچھ جھوٹ بول کر ابو بکر کے دل سے غار
 توڑی طرف جانے کا اجمال نکال دیا ہوتا کہ اس کی کیا ضرورت تھی کہ ان کو ساتھ لیا جائے اور
 ایک جان کا وبال خریدتا ہوتا تو بے کھٹکے ہوتے ان کے ساتھ وہ اندیشہ جن اندیشہ کے
 لئے انہیں ساتھ لیا تھا اور دل بالا ہو گیا اگر وہ کسی بہانہ سے وہاں سے نکل کر کفار کو اطلاع
 کر دیتے تو بظاہر کون مانع تھا جس وقت کفار وہاں اکھڑے ہوئے اس وقت بول اٹھتے
 تو وہی مثل ہوجاتی کہ منہ سے بھاگے پر تلے کے نیچے جا کھڑے ہوئے دھوپ سے بچے براگ میں
 گر پڑے، قصہ اگر ابو بکر کے ساتھ لینے میں یہی مصلحت تھی تو یہ تو مصلحت سے کوسوں دور ہے
 ملا عبد اللہ مشہدی کی یہ اختیار نہ تھی کہ اسی واسطے ملا عبد اللہ مشہدی نے اظہار الحق میں
 لاپرواہی کر انصاف کی راہ سوچی کہا کہ نفس الامر تو بول ہے کہ یہ اتنا ہی بعید ہو کہ وہ
 نقل مشہور ہو کہ تیرہ برس کا ام جی میں بیٹھا ہوا نکلتے ہی نکلتے ہے اتنی توفیق نہ ہونی کہ حق
 بول اٹھیں اور اپنے بیگانہ کا کچھ لحاظ نہ کریں اب ہم سے سنتے کہ ملا عبد اللہ مشہدی کا کہنا
 بجا اور درست اور اس کے حق ہونے میں کچھ شک نہیں اور اس وجہ سے اگر ان کی کتاب کو
 کو اظہار الحق کہیں تو پیچھے ہے اور ہم کو بھی اس بات کی تسلیم ہے انکار نہیں اگرچہ ملا عبد اللہ مشہدی
 مذہب ہیں۔ ص ۷۰ متاع نیک ہر دوکان کہ باشد

مگر ستم تو یہ ہے کہ شیعہ حتیٰ کہ علماء بھی باوجودیکہ ملا عبد اللہ مذکور کو اپنا معتز و دین سمجھتے
 ہیں اس بات ان کی بھی نہیں سنتے ہر چند ملا مذکور آخر کو یہی کہ اٹھکے عجب کیا ہے جو خلیفہ اول
 کو جناب سرکار کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری دھندنی کے لئے اس لئے اختیار کیا ہو کہ انہوں
 نے اپنی بیٹی کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھاج کر دیا تھا اور اکثروں سے پہلے مسلمان
 ہوئے تھے اور اکثر ملازم خدمت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم رہتے تھے لیکن کیا امکان جو حضرت
 شیعہ و براء ہوں بلکہ عجب نہیں کہ مجتہد الزماں کے یہاں سے ان کے لئے بھی حکم تیرا ہا در ہو
 سفر ہجرت کی حقیقت حال خیر کوئی مانے یا نہ مانے پر دل سب کا سستی ہوں یا شیعہ میری گواہی
 دیتا ہے کہ ابو بکر صدیق کا ہمراہ لے جانا فقط اس وجہ سے تھا کہ ان کو کفار رسول اللہ صلی اللہ
 علیہ وسلم کا ذریعہ اور معین اور مددگار سمجھتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا محبت

خاص اور ہمہ با اختصاص جانتے تھے اور کیوں نہ سمجھیں شیعہ سنی کون نہیں جانتا کہ انہوں نے
 ابتدا سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت سے کفار کے ہاتھ سے کیا کیا ایذاں پہنیں اور
 کس قدر جفا میں اٹھائیں اور کس قدر مال لٹایا اور کیا کیا کر دکھلایا بلال رضی اللہ عنہ کو لکھ لیا اور قید
 کفار سے چھڑا کر آزاد کیا اور علیٰ ہذا القیاس اللہ اور رسول کی خوشنودی کی اور سب اپنا خاندان
 برباد کیا پس اور صورت ان کے مکہ میں چھوڑ جانے کے ایک تو جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم
 کو یہ یقین کامل تھا کہ کفار ان کو اور مجھے کجاں سمجھتے ہیں جو کفار نابکار نے میرے لئے جو بکر کیا
 ان کے لئے ہے انہوں نے بیشتر کفار سے مقابلہ کیا ہے اور ان کو بار بار یہ وعظ و پند کیا ہے کہ دین
 اسلام دین حق ہے بت پرستی چھوڑو اگر سادات مد نظر ہے اتباع نبوی اختیار کرو اگر ان کو یہاں
 ہی چھوڑ گیتا تو کفار ان کو ہرگز زندہ نہ چھوڑیں گے۔ ہاں غم کو اگر ساتھ نہ لوں تو کچھ مضائقہ نہیں کہ ان
 کفار کو چنداں پر خاش نہیں اور بایں ہمدان کے طرح طرح کے لحاظ پاس ہیں منجملہ ان کے یہ بھی ہے
 کہ ابو جہل کے جو رئیس کفار ہو جابجے ہیں باقی اور اصحاب کو کفار گنونا کچھ راس و رئیس دین و ایمان
 نہیں سمجھتے پھر تیسرا ان کے بچاؤ کے اور بہت وجہ ہیں پر ابو بکر کی رفاقت کفار کی آنکھوں میں غریبی
 ان کو دیکھ دیکھ ہو کہ گھونٹ پیتے ہیں یہ اگر مارے گئے تو بڑا رکن ایمان و اسلام دھج جائے گا۔
 اور ایسا رفتی تیغی اور ایسا شخص کہ اس کا اخلاص و محبت دل میں اثر کرتا ہے ہاتھ سے جاتا رہیگا۔
 بایں ہمہ ایسے سفر پر خط میں بے ریت کے نہیں گذرتی پھر ریت بھی ایسا پایسے کہ نہ جان سے دینغ
 ہو نہ پاس آبر ہو نہ دوزخ و فرزند کی محبت سے خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اس کے دل پر غالب
 ہو اور تیسرا گرم و سرد زمانہ دیکھئے ہر گز کارسیر و سفر مردہ و شہیدار بیکانہ روزگار بلند ہمت عالی فطرت
 یار بنے تکلف محب صمیم مازہ دار قدیم ہو جس سے دل کی بات کھلے دل خالی ہو غم و حیرانی و حشت و
 پریشانی اس کی محبت سے دور ہو۔ سو مجموعہ اوصاف کو سوار جناب صدیق کے کسی اور میں نہ پایا اسی
 لئے عین دہر کے وقت آپ ان کے گھر شریف لائے اور عاضری بچو اگر دونوں محذوم عالم
 اور خادم ہمدرد و فانی غار نور ہوئے اور عبد اللہ بن ابی بکر کو کہ فرزند ارجمند سپر کلان حضرت
 صدیق کے تھے جاسوسی کے لئے مقرر کیا کہ مشورہ کفار سے جو کچھ وہ مدباب طلب و ملاش حضرت
 صلی اللہ علیہ وسلم کریں شب کو آگاہ کرتے رہیں

داستان سے شیخ کے نام چنانچہ جواب اگر خاندان صدیقی کو کچھ بھی عدالت ہوتی تو یہ معاملے کہیں ہو سکتے اور اگر بالفرض واقعہ بغرض محال ایسے مشورے پیش بھی آتے تو اس سے بہتر کینہ کشی کا وقت ان کے پھر کو نہا تھا آنا ان کا کفار جہالتیے اور اپنا کام جدا کرتے حضرات شیعہ ہی اپنی کتابوں کو دیکھ کر فرمائیں کہ میں نے اس قصہ میں کیا بھوٹ ملا دیا ہے بسرواگر فرق پائیں تو جو چاہیں سو کریں۔ منصفوں کو تو بے اس کے کہے نہیں بن پڑتی کہ ایسے وقت کی ہمدی اور ہمزی اور اس اتہام اور انتظام سے ان کا ساتھ لینا ایسی بڑی فیصلت ہو کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اس شب بستر پر سو رہنا بھی اس کے جسٹس نہیں ہو سکتا۔

غدر میں شیبہ دیکھا ہو گا کہ تلاشی کے وقت اگر مجرم نہیں ملا تو حکام نے ان لوگوں سے کچھ پر خاش نہیں کی جو اس مقام پر ملے ہاں جس کو رفیق و مددگار مجرم دیکھا اس کو بھی مجرم ہی سمجھا انفسوس کہ خدا تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت حضرت صدیق کے حق میں مقبول نہ ہو فقط اس شہم سے کہ مسلمان کہلاتے ہیں اگر خدا کے کلام کو نہ مانیں گے تو جواب کیا دیں گے۔ اس آیت کو جبراً اگر ہر سر دھرتے ہیں تو ہزار طرح کی نامعقول تاویلیں گھڑتے ہیں پر چند مختصر بیان یہ باطن تیرہ دروں کی گھڑی ٹھری تاؤں کو ایسا دل و جان سے بے جلد و حجت قبول کرتے ہیں کہ اگر اس کے قبول کرنا کلام اللہ کے قبول کرنے سے موازنہ کریں تو کلام اللہ کا تسلیم کرنا اس کے پاس گئی نہیں رہتا۔

آیت میت کی منصفانہ ترجمانی | ہمیں اس میں شک بھی نہیں کہ حضرات شیعہ کے دل میں اس آیت سے اول و ہدیہ ہی معنی آتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق کو اگر اس وقت رنج تھا تو یہی تھا کہ جناب سرکار کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت بے بس و یکس ہیں میں ایک تنہا کیا کر سکتا ہوں مبادا دشمنان دین جو پاس پاس کو پھرتے ہیں اس طعن کو جھانک انھیں اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کو ملا کر جائیں اور ہماری حسرتیں اور تمنائیں سب دل کی دل میں رہ جائیں مگر چونکہ کمال درجہ کی بے بسی اور بے سرو سامانی کو امداد و اعانت لازم ہے چنانچہ کلام اللہ میں ہے۔

حَتَّىٰ إِذَا اسْتَيْسَسَ السُّلُّ وَنَفَثُوا فِيهِمْ فَلَمْ يُنَسِّتُوا بِمَا جَاءَهُمْ نَفْسًا نَّافِلًا
یعنی جب کہ نامید ہو گئے رسول اور انھیں یہ دم ہوا کہ یہ دم جو دیاب نصرت اور مدد دہاری کے نہ سے تھا وہاں حال شیطانی ہوں ہم اپنی غلطی سے اس کو مدد خداوندی سمجھتے ہوں۔ آئی ان کو ہماری مدد۔

اس مالوسی میں جو حضرت ابوبکر کو باعتبار ظاہر کے پیش آئی تھی نزول امداد ہوا اور یہ بشارت ہوئی کہ لا تَحْزَنَنَّ إِنَّ اللَّهَ مَعَنا اے ابوبکر یا یوس اور علی بن نہ ہو تمل رکھ ہمارے ساتھ خدا ہے انقصہ اس وعدہ صادق نے ظہور فرمایا اور کفار کنگو شمار کے شہر سے ان دونوں بندگان غاص کو بجا کر حفظ تمام مدینہ میں پہنچایا اور پھر دین کو یہ رونق دی کہ اظہر من الشمس سود عادی چاہیے ابوبکر صدیق کی جان کو کہ وہ اتنے غلین ہوتے نہ اس کا یہ عمرہ مترتب ہوتا کہاں ان کے صدقہ سے یہ نصرت ہو کہاں ملک ایران وغیرہ قبضہ کفار سے پھوٹیں اور بیسوں کو ٹھکانے ملے مگر اس نااہلی کو دیکھ کر کشک اند کے بدلے ان کے ساتھ وہ کرتے ہیں کہ کوئی اپنے حق کے ساتھ نہ کرے

ع۔ مہاجنہ تر تو امید نیست بدرسان

آیت میت میں شیعوں کی ایک اور منکر خبر تاویلی اور اس کا اطلاق اس مقام میں بعض متعصب لاپچار ہو کر بہت بیج و تاب کھا کر شاید کہیں تو یہ کہیں کہ واقعی اس زمانہ تک تو ابوبکر ایسے ہی تھے جیسے خدا کے کلام سے سمجھا جاتا ہے مگر وہ بات پھر نہ رہی ہوگی یہ شبہ اس قابل نہیں کہ کوئی اس کے جواب کی طرف متوجہ ہو بلکہ شیعوں کو لازم ہے کہ اس بات کو منکر نہ لائیں مبادا کوئی ہندو انگریز یا کریول بچنے لگے کہ ایسے خدا ہی کو سلام جسے چار دن کے بعد کی خبر نہ ہو اور اگر بغرض محال حسب گفتار شیعہ نقل کفر کفر بشارت خدا کو ابوبکر صدیق کے ان الطوادر کی جو ان سے بعد میں ظہور میں آئے خبر انہیں بھی تھی اور بھولے جو کے منہ سے یہ بات نکل گئی تھی تب لازم تھا کہ اپنی اس بات کی پکارتا اور جمل توں ابوبکر صدیق کو راہ راست پر لانا خدا تھا کچھ نا خدا تو نہ تھا کہ باء مخالفت میں لپچا ہو کر بیٹھ رہے نہ دوں کو تو اپنی بات کی پکارتا ہو تو خدا اور ابوبکر صدیق کے حق میں تپو یوں کہا کہ تم اس کے ساتھ ہیں اور وہ یوں سنایا کہ لا تَحْزَنَنَّ إِنَّ اللَّهَ مَعَنا اے ابوبکر یا یوس اور علی بن نہ ہو تمل رکھ ہمارے ساتھ خدا ہے ان دونوں بندگان غاص کو بجا کر حفظ تمام مدینہ میں پہنچایا اور پھر دین کو یہ رونق دی کہ اظہر من الشمس سود عادی چاہیے ابوبکر صدیق کی جان کو کہ وہ اتنے غلین ہوتے نہ اس کا یہ عمرہ مترتب ہوتا کہاں ان کے صدقہ سے یہ نصرت ہو کہاں ملک ایران وغیرہ قبضہ کفار سے پھوٹیں اور بیسوں کو ٹھکانے ملے مگر اس نااہلی کو دیکھ کر کشک اند کے بدلے ان کے ساتھ وہ کرتے ہیں کہ کوئی اپنے حق کے ساتھ نہ کرے

آیت میت کے الفاظ بھی شیعوں کو منکر تو جواب دے رہے ہیں یہ نہیں سمجھتے کہ آول تو ان اللہ مَعَنا یہ ایسا جملہ ہی کہ عربی کے محاورہ کے موافق اس میں سے ہمیشگی کی پو آتی ہے جو لوگ عربی جانتے ہیں ان کی فہم لغت کے قواعد سے واقف ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ اتنی بات تو یقین یوں ہے مولوی علی

صاحب بھی قانتے ہوں دوسرے کم نے مانا اس مجلس کی پیشگی نہیں پہنچی پر اتنی بات تو شیعوں کو بھی تسلیم کرنی ہی پڑے گی کہ اس وقت خاص میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیقؓ اس خدا کی ہماری اور ہماری میں شریک تھے اور یہ ممکن ہی نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خدا بھی علیحدہ ہو گئے ہوں اور ان کی ہماری اور پرنداری چھوڑ دی ہو سو ان اللہ معنا میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا حصہ تو دایہ نکلا اس صورت میں ابوبکر صدیق کا حصہ بھی دایہ ہو گا کیونکہ دونوں کے حصے ملے ہوئے ہیں بٹے ہوئے نہیں ایک مع کا لفظ دونوں کے واسطے ہے دو لفظ جدا جدا نہیں یعنی معی و معنہ نہیں فرمایا میرے ہم اس سے بھی درگزر ہے ہم یوں کہتے ہیں کہ شیطان کا مقولہ سورہ قس میں یوں منقول ہے

فَبِعِزَّتِكَ لَا غُورِيَهُمْ أَجْعِلْ
الْأَعْيَادُ مِنْهُمْ الْخَالِصِينَ

یعنی شیطان قسم کھائے کہ آج ہے
قسم ہے تیری عزت کی کہ سب بنی آدم کو بیکار
اُن کا مگر جو ترستے تھے ہوئے بندے ہوتا تو نے
انہیں اپنے لئے بھانٹ لیا ہے۔

کیونکہ وہ میرے دست قدرت سے باہر ہیں وہ تیری پناہ میں آگئے ہیں سو چونکہ تو ان کے ساتھ ہے اگر وہ تیری پناہ میں ہیں وہاں میرا کچھ قابو نہیں چل سکتا اور سورہ حجر میں الْاَعْيَادُ مِنْهُمْ الْخَالِصِينَ کے بعد بطور تصدیق کے شیطان کے مقولہ کے جواب میں خداوند کریم کی طرف سے یوں ارشاد ہوا اِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ یعنی شیطان کو کہا جاتا ہے کہ تو اس بات میں سچا ہے جو میری پناہ میں آگئے ہیں ان پر تیرا بس نہیں چل سکتا اب بعد اس کے غور فرمائیے اور حضرت ابوبکر صدیق کا پناہ خداوندی میں آجانا تو اس آیت ہی سے ثابت ہے یعنی اِنَّ اللہَ مَعَنَا سے صاف اتنی بات ثابت ہوتی ہے کہ ایک دفعہ تو صدیق اکبر پناہ خداوندی میں آگئے اور خدا کے دربار میں اور صبر میں گویا داخل ہو گئے پھر بعد اس کے جو وہاں سے نکلے تو شیطان کے نکالے تو کچل ہی نہیں سکتے اور کس نکال اور اگر یوں کہیے کہ خدا ہی نے اپنی پناہ سے نکال دیا تو خیال خود غلط ہے کیونکہ خداوند کریم ارشاد فرماتا ہے

اِنَّ اللہَ لَا یَغۡیۡرُ مَا یَقۡوۡمُ حَتّٰی

یَغۡیۡرُ وَاَمَّا بَٰلۡغُہُمَا

جب تک ہمیں بڑا جب تک کہ وہ اپنے طور پر
داندلا کر بد دل ہیں

معیت حق صدیق کی ذات کے ساتھ تھی اور خود حضرت ابوبکر صدیقؓ بے اغواء شیطان اور بے استدراج خداوندی اپنی روش بدل لیں یہ حالات میں سے ہے اس واسطے کہ یہ بدیہات میں سے بلکہ انہر من الشمس ہے کہ ہر قسم کے کام کے لئے ایک استعداد ہے۔ دائرہ ہوش کے لئے سخاوت چاہیے۔ مار مرنے کے لئے شجاعت چاہیے۔ ہوا لیسے ہی برے کام اور گناہ کی باتوں کے لئے بھی ایک استعداد اور قابلیت چاہیے۔ سو وہ قابلیت اگر تھی تو خدائے جہاننا ہی تھا کس خوبی پر نغور بال اللہ وغیرہ سلام ربانی ہی میق موجود ہے۔

اَلْخٰیۡطَاتُ لِّلۡخٰیۡطِیۡنَ وَالۡخٰیۡطُوۡنَ لِّلۡخٰیۡطٰتِ
وَالۡطٰیۡفَاتُ لِّلطّٰیۡفِیۡنَ وَالتّٰطِیۡفُوۡنَ
لِلطّٰیۡفٰتِ۔

یعنی بڑی چیزیں بڑوں کے لئے اور برے بڑی
چیزوں کے لئے اور اچھی چیزیں اچھوں کے لئے
اور اچھے اچھی چیزوں کے لئے۔

بلکہ اس موقع میں جو یوں ارشاد ہوا اِنَّ اللہَ مَعَنَا یعنی اللہ ہمارے ساتھ ہے اس کے یہ ثابت ہو گیا کہ اللہ ان سے جدا نہ ہو گا۔ سو وجہ اس کی یہ ہے اگر اِنَّ اللہَ مَعَ الْمُؤْمِنِیۡنَ۔ یعنی اللہ مومنوں کے ساتھ ہو بعد لفظ اَلۡخٰیۡطُوۡنَ کے فرماتے تو یوں بھی گمان ہوتا کہ اللہ کی ہماری ایمان کے ساتھ مشروط تھی۔ جب ایمان کیا۔ پھر ہی بھی ساتھ گئی اور در صورتیکہ بے کسی شرط کے ہماری ہو تو وہ دائمی ہوگی اس میں زوال کا احتمال نہیں۔ قرابت کی وجہ سے جو ارتباط ہوتا وہ قابل زوال نہیں ہوتا اور آپس کی دوستی میں جو بوجہ اخلاق اور احسانات باہمہ گیری کے ہوتا ہیں وہ جب ہی تک رہتے ہیں کہ اخلاق اور احسان باقی رہیں اسی واسطے دوستی ٹوٹ جاتی ہے رشتہ بنی نہیں تو اتنا قصہ کسی کے حقوق جان کے ساتھ ہوتے ہیں اور دوستی کے حقوق احسان کے ساتھ سو چونکہ اِنَّ اللہَ مَعَنَا فرمایا ہے اور اِنَّ اللہَ مَعَ الْمُؤْمِنِیۡنَ وغیرہ جو کسی وصف پر دلالت کرے نہیں فرمایا تو معلوم ہوا کہ ابوبکر کے ساتھ خدا نے تعالیٰ کی ہماری جان کے ساتھ ہے کسی وصف کے ساتھ نہیں پھر اگر خدا کی ہماری بدل جائے تو موافق آیت مذکورہ بالا اِنَّ اللہَ لَا یَغۡیۡرُ وَاَمَّا بَٰلِغُہُمَا کے کسی وصف میں تغیر نہ ضروری اور جب اوصاف کے تغیر اور تبدیل پر محبت

ہر آدمی میں بھی تعزیر کا تو معلوم ہوا کہ وہ معیت اور ہمراہی ان اوصاف ہی کے سبب بھی ہے وجہ
 یہ بھی اس صحت میں لازم آئے گا کہ خدا سے بڑی چوک ہو گی کہ اس وصف کا نام نہ لیا یا خداوند کریم
 بھول گیا اور ان اللہ مع المؤمنین کی جگہ مثلاً ان اللہ معنا فرمایا انہو با اللہ من سوء العہم
 خداوند کریم اور چوک جائے یا بھول جائے فدا کی تو یہ شان ہے جیسے کلام اللہ میں آیا ہوا فیصل فی
 ذلک انشی یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میرا رب نہ جو کہ نہ بھولے
 آیت میں منا کا لفظ حضرت ابوبکر صدیق کے رتبہ کا آئینہ دار ہے انصاف اگر جو تو اس لفظ معنا سے ہوں سمجھ
 میں آتا ہو کہ ابوبکر صدیق کا رتبہ کچھ لگ بھگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رتبہ کے ہے جو ایک
 قسم کی معیت ان دونوں کے واسطے خداوند کریم نے بیان فرمائی ہو یہ بات بجز اس کے نہیں
 ہو سکتی کہ صدیق اکبر ان کو کہا جائے اور تمام امت محمدی اور سوائس کے اور امتہائے مانیتہ وان کو
 افضل سمجھا جائے جب کہیں ان کے رتبہ اور مقام کی حستہ اعظم مقام بنو شکی سرحد اسفل سے متصل ہو
 اور یہ لیاقت ہم پہنچے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی بات میں شریک ہوں ہو یہ بات شیعہ سنی
 سب جانتے ہیں کہ ایسا مقام جو مقام نبوت سے متصل ہو بجز صدیقیت اور کوئی نہیں کیونکہ کلام اللہ
 میں بعد انبیاء کے صدیقین ہی کو ذکر کرتے ہیں سو اس سے معلوم ہوا کہ ہر نبی کی امت کے صدیق اکبر کا
 رتبہ اس ہی کے رتبہ سے متصل ہی نیچے ہوتا ہے سو چونکہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت
 تو اور نبیوں کی نبوت سے بالاتر ہے تو اس امت کے صدیق اکبر کا رتبہ اپنی امت کے صدیقیوں کے مرتبہ
 سے تو بڑھ کر ہی ہو اور امتوں کے صدیقیوں کے مرتبہ سے بھی بالاتر ہو گا اب بس کیجیے کہ منفعتوں کے لئے
 یہ بھی بہت بڑا اور متعصبوں کو خداوند کریم اگر سمجھائے تو شاید انہیں ہم جیوں کی کاہے کو مانیں گے
 مگر ہمیں بطور نصیحت اس قدر کہنا لازم ہے کہ خداوند کریم جس کے ساتھ ہوتا ہے اس کے دشمنوں
 کی خیر نہیں ہوتی۔

شیعہوں کی ایک اور روایت اور اس کی مدد تمام اس کے بعد کوئی کہے گا تو یہی کہے گا کہ لا تحزن ان اللہ
 معنا حقیقت میں خدا کا مقولہ نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقولہ ہو خداوند کریم فقط ناقل
 اور راوی ہے کچھ اپنی طرف سے نہیں فرماتے جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے
 اس وقت صادر ہوا اسے بعینہ نقل کر دیا جیسے فرعون کا انذار تکما لا نعظکنا یعنی میں تمہارا بڑا برا

ہوں دیا ابلیس کا انکار خیر متکہ کہنا یعنی میں آدم سے بہتر ہوں بعینہ نقل کرنا ہے اور رسول
 اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر چند رسول ہیں لیکن پھر بھی انسان ہیں اور یہ مثل شہور ہی الانسان تک
 منی الخطاء والذنیات سو اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ غلطی ہو گئی ہو تو کیا بعید ہے جواب
 اس کا یہ ہے کہ واقعی شیعوں کی یہ بڑی مایہ افتخار ہے لازم تو یوں ہے کہ عید بابا شجاع سے اس
 کی خوشی کم نہ ہو اگرچہ کسی سنی ہی کی تہلانی ہی مطلب کے وقت تو گدھے کو بھی باپ بنالیا کرتے ہیں۔
 سنی تو ان کے قدیمی استاد ہیں اور استاد بھی کو نے جن سے کلام اللہ سیکھا جس کا رتبہ حقیقی باپ سے
 بھی بڑھ کر یہ بات بھی اگر ان سے سیکھ لی تو کیا مضائقہ ہے مگر اتنا کہنا میرا بھی ماننا چاہیے کہ سورہ نجم کو
 ساری کی ساری نہیں تو اتنے ہی کلمہ کو ساقط کر دو۔

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۚ اِنْ هُوَ اِلَّا
 وَحْيٌ يُوحَىٰ | یعنی ہمارا پیغمبر جو کچھ ہمارے حوالہ سے کہے ہے وہ
 کچھ اپنے جی سے نہیں تراش لیتا بلکہ وہ وحی ہے
 اس میں کسی طرح کا راء نہیں نہ کچھ دخل فیصل ہو نہ وہم کا یا عقل کا کچھ دخل ہو غلیفہ
 ثالث نے امیر المؤمنین علی مرتضیٰ وصی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل کے کلمات اور آیات کیا
 سو دس کی سورتیں جو خلافت پر دلالت کرتی تھیں کلام اللہ سے محال ہیں تم اس کی پاداش میں ایک
 آیت جو فی الجملہ اثبات فضیلت خلیفہ اول میں کارآمد ہو اگر نکالو تو از قبیل جزاء سنیہ سنیہ
 مثلثا کے ہوگی بلکہ اس سے بھی کم کیونکہ اس آیت کے معنے تو فقط اتنے ہی ہیں کہ بدی کا بدلہ دلی
 ہی بدی ہے سو یہاں برابری کیا آدھوں آدھ کی بھی نسبت نہیں تقریباً گیارہ ہزار آیت کے بدلے میں
 ایک آیت کو کون برابر کرے گا اور پھر وہ بھی ایسی کہ اس کے جانے رہنے سے کوئی حق تلف نہیں ہوتا
 خلیفہ ثالث نے تو یہ کمال کیا کہ اتنی آیتیں بھی نکال دیں اور آیتوں کو نکال کر عوام کی آنکھوں میں
 حضرت علیؑ کا حق بھی نہ رکھا خیر یہ بات تو درجہ پڑی حاصل یہ ہو کہ آیت وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ
 اس بات پر دلالت کرتی ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کہا خدا ہی کا کہا ہے فاعلم ایسی بات کہ جو منجملہ
 اخبار غیب ہے کیونکہ خدا کی معیت تو کچھ آنکھوں سے نظر نہیں آتی بلکہ اخبار غیب میں سے بھی اولیٰ
 قسم اس لئے آیت اِنَّ اللہَ مَعَنَا مَعْنَا آیات متشابہات ہے ان میں عقل کو کسی طرح دخل
 نہیں ہو سکتا جو کوئی تو نہیں کہے کہ عقل کے وسیلے سے بہت سے وقائع آئندہ کی اطلاع ہو جاتی ہو

اللہ تعالیٰ کے رسول اکرم ﷺ کو معلوم ہو جاتے ہیں کہ اگر ایک واقعہ بالفعل کی کچھ
 اطلاع عقل کے وسیلے سے ہوگی تو کیا عجب ہاں اگر کوئی حکم علت حرمت کا ہو تاویہ اس میں اجتہاد
 کی گنجائش تھی احتمال ہو سکتا تھا کہ جیسے پچھلے اماموں نے اجتہاد کئے ہیں اگر کسی بات میں رسول
 صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کیا ہو تو کیا عجب چنانچہ سنی اجتہاد نبی کے قائل ہیں بمعنون ان اللہ
 صَحَّاح میں کوئی احتمال مجاز اس کے نہیں کہ جو کچھ آپ کی زبان پر جاری ہوا وہ سب القلے ربانی
 تھا کوئی احتمال مفید مطلب شیعہ اس آیت کے پاس کو بھی نہیں بھٹکتا چسپیدگی تو چیز دیگر حق
 یہی ہو کہ اگر ابو بکر حسب اعتقاد شیعہ مقبولان بارگاہ الہی میں سے نہ ہوتے اور انجام ان کا اتنا
 اور کفر پر ہوتا تو اول تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی تسلی ہی نہ فرماتا کیا ضرورت پڑی تھی کہ
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر جھوٹ بولتے۔

تقریباً ۸۰۰۰ اور تقریباً ۸۰۰۰ کہتے تو اول تو قید ہاں ہوتا ہے جہاں اندیشہ کسی قسم کا ہو۔ ابو بکر
 صدیق کچھ پہلوان نہ تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ کمزور نہ تھے ان میں تو ایک پہلوان کیسا
 بہت سے پہلوانوں کا زور تھا۔ تنہائی میں ابو بکر کے مار ڈالنے کا بہت عمدہ موقع نہ آگیا تھا وہاں
 کون پوچھتا تھا مار کر کہیں چلے جاتے۔ دوسرے تغیر کرنا تھا تو لطف اور اخلاق زبان کی گفتیت کرتے
 تھے۔ سو وہ کچھ تسلی اور تشفی ہی الفاظ میں مختصر نہیں ہم جیسے جنیں گفتگو کا سلیقہ نہیں بہت سے
 تلمظ کے الفاظ تراش سکتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو فصیح العربی لہجہ تھے اور اگر تسلی ہی
 کے الفاظ کی ضرورت تھی تو اور بہت سی صورتیں تھیں اس جھوٹ کی کیا ضرورت تھی اور لغو و با اللہ
 مہنا ہم سے تو نہیں کہا جاتا اگر شیعہوں کے کہے موافق جھوٹ ہی ہوتا تھا تو کچھ تو یہ کر لینا تھا اگر
 ان اللہ معنا کی جگہ ان اللہ مع المؤمنین فرمادیتے تو تسلی کی تسلی ہو جاتی بات کی بات بن
 جاتی ان کی تسلی ہو جاتی آپ جھوٹ بچ جاتے، ابو بکر لغو و با اللہ اگر منافق تھے تو یوں سمجھ جاتے کہ مجھے رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم مومن اور اپنا رفیق سمجھتے ہیں اور اگر مومن تھے اور پھر مرتد ہو گئے تو اپنے کلام
 میں سچے رہتے خدا کی قسم بھول چوک کا احتمال نہ ہوتا کیونکہ جب تک وہ مومن رہے جب تک
 اللہ تعالیٰ بھی ان کے ساتھ ہے جب ان کے دل سے ایمان نکل گیا۔ حنبل نے بھی ان کی
 ہمزی چھوڑ دی۔

بعض نے متعلق لطیف و دقیق تشریح اور صحابی و صاحب کا مفہوم اس فقرہ کے بعد ایک تنبیہ پر قائم
 کیا ہے۔ امتیاز اور ہے کہ شاید بعض عقل کے دشمنوں کو یہاں یہ خلیان پیش آئے۔ کہ کلام اللہ
 میں یوں ارشاد ہے

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا
 بِلِسَانٍ قَوْمِهِ۔ | یہی نہیں بجا ہم نے کوئی رسول گلاس کی زبان دہی تھی
 جو اس کی قوم کی زبان تھی

سو جواب سالت تاب صلی اللہ علیہ وسلم بھی موافق اس قاعدہ کے عرب کے محاورہ میں گفتگو
 کرتے ہوں گے اور چونکہ اس بات کی علت یہ معلوم ہوتی ہے کہ تفہیم مطالب میں فرق نہ ہو تو یوں
 سمجھ میں آتا ہے کہ کلام اللہ بھی عرب کے محاورے میں ہوا اور یہ ظاہر ہے کہ صاحب عربی زبان میں
 فقط بمعنی ہمراہی ہے اس کو صحابی کے ہم معنی سمجھنا ایک طرح کی نا انصافی ہے کیونکہ صحابی تو اصطلاح
 شرع میں اس شخص کو کہتے ہیں کہ ایمان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھوڑی دیر یا
 دیر رہا ہو اور بعض علماء کا یہ مذہب ہے کہ قول صحبت بھی شرط ہے ہر حال ایمان داخل مفہوم صحابی ہو
 ہو لفظ صاحب اول تو اصطلاح میں معروف نہیں۔ بلکہ اصطلاح شرع میں لفظ صحابی مستعمل
 ہوتا ہے دوسرے مستثنیٰ کہ صاحب بھی مستعمل ہو لیکن کلام اللہ تو عرب کے محاورہ موافق قرآنی
 اصطلاح کے موافق نہیں اگر تیسرے ہم نے مانا کلام اللہ سے ابو بکر صدیق کا صحابی ہونا بھی ثابت
 ہوا اور اس وجہ سے بد لالت التزامی ان کے ایمان کا بھی پتہ لگا کر کوئی یہ تو بتائے کہ اس
 آیت سے تادم مرگ ان کا ایمان پر قائم رہنا کہاں سے نکلا۔ سو جو شخص ان کے ارتداد کا قائل
 اس آیت سے اس کا التزام معلوم۔

صاحب ہن صحابی نہ ہو تو بھی کچھ دفع نہیں جواب اس وہم کا یہ ہے ان کا ایمان اور پھر ایمان
 پر قائم دائم رہنا تو بایا کلمات طبعیات (الْأَجَادَاتُ عَنْهُمْ الْخَالِصِينَ) اور ان عیالوی
 لیسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ اور قوم ہو چکا۔ حاجت مکرار نہیں پھر جب ایمان تو یوں
 ثابت ہوا اور عہدی اور مصحبت لفظ صاحبہ کو ثابت ہوئی تو صحابیت میں کیا کسر باقی رہ
 گئی جس کا انتظار ہو اس صورت میں اگر صاحب مراد صحابی بھی نہیں تو نہ ہو مہلک لفظ
 صاحب کا مشہور ہونا اور صحابی کا اصطلاح شرع میں مشہور ہونا تو باعتبار اس زمانہ کے ہے

اندک اکر اس زمانہ میں بھی یوں ہی تھا تو یہ ایسا قصہ ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
 بنام محمد شہود تھے اور حضرت علی علیہ السلام نے جو آپ کی بشارت دی تو احمد کے نام سے
 بشارت دی چنانچہ سورہ صدف میں مذکور ہے القصد جب دو لفظ مراد اور ہم معنی ہو کر تے
 ہیں گو ایک مشہور ہو مگر گہرے گاہ اس کی جگہ دوسرا لفظ بھی بول دیا کرتے ہیں، باقی یہ کہنا کہ
 کلام اللہ عربی معاویہ میں ہے اس کا کہنے انکار ہی پر اس کے یہ معنی نہیں کہ جو لفظ کلام اللہ میں
 ہے اس کے وہی معنی مراد میں جو عرب کی زبان میں اس کے معنی تھے صلوات زکوٰۃ مہوم۔
 حج یہ جتنے اس قسم کے الفاظ ہیں سب کے سب اپنے معانی اس سے منقول ہیں اور اصطلاح
 شرعی مراد ہے سو ایسے ہی لفظ صاحبہ کو سمجھنا چاہیے۔
 نقل معنی کی حقیقی صورت اور قاعدہ کلیہ اس کا یہ ہے کہ جب کوئی رسول آتا ہے تو وہ کچھ نہ کچھ نئے
 احکام لاتا ہے اور ایک کارخانہ بنایا ہو جاتا ہے اور اکثر ایسے نئے نئے مضمون پیش آتے ہیں
 کہ اس کو اور اس کے تابع کو ان کی تفہیم کی اکثر ضرورت پڑتی ہے مگر چونکہ وہ احکام اور وہ مضمون
 پہلے سے معلوم نہیں ہوتے تو ان کے مقابلہ میں کوئی لفظ موضوع اس زبان میں نہیں کرنا چاہا
 آپ وضع کرنا پڑا ہے لیکن ہر زبان کا دستور ہے کہ جب اس زبان کے مشاغل کو کسی نئی وضع
 کی ضرورت ہوتی ہو تو پہلے ہی الفاظ مستعمل میں سے کسی ایسے لفظ کو مقرر کر لیتے ہیں کہ اس کے
 معنی اول سے نئے معنی کو کچھ مناسبت ہو چنانچہ واقفان فن عربیت کو لفظ صوم صلوات کے
 دونوں معنوں قدیم اور جدید کے تصور سے یہ عقیدہ ابھی طرح واضح ہو جائے گا۔ سو ایسا ہی لفظ
 صاحب اور لفظ صحابی کو سمجھئے مگر چونکہ لفظ صاحب کے اصلی معنی کی تفہیم کی بھی اکثر ضرورت
 پڑتی ہے اور علیٰ ہذا لیتا اس لفظ کے معنی شرعی کی بھی اہل زبان کو اکثر ضرورت ہوتی ہے
 تو بایں لحاظ فرق کے لئے صاحب کو اکثر پہلے معنوں میں بولتے ہیں اور صحابی کو اکثر دوسرے
 معنوں میں مگر بارہمہ صاحب دوسرے معنوں میں بھی بلاق کیا جاتا ہے لیکن اضافہ کے وقت
 چونکہ تو ہم التباس نہیں ہوتا تو لفظ صاحب ہی کو اصطلاح شرعی میں استعمال کرتے ہیں چنانچہ
 جو لوگ احادیث پر اور خطبہ ائمہ پر عبور رکھتے ہیں وہ خوب جانتے ہیں۔ فقہ اصطلاحات
 شرعی سے کلام اللہ خال نہیں بلکہ جو لفظ کہ شرعی میں کسی معنی کے لئے مقرر ہے جب کلام اللہ

یا حدیث میں پایا جائے گا تو معنی شرعی ہی مراد ہوں گے احتمال معنی اصلی کا کرنا محض سہولت
 ہوگی صوم صلوات زکوٰۃ سے کلام اللہ میں معنی شرعی کے مقابل میں مستعمل ہوا ہے اور اس سے
 معنی لغوی مراد لینے درایت سے بہت دور میں اور سلنا کہ لفظ صاحب سے جو صاحب ہیں ہے معنی
 شرعی مراد ہوں تب عربی معنی اس لفظ کے وقتکار یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مضاف
 ہو معنی شرعی کے مطابق ہوں گے کیونکہ کفار زمانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں جو اصل
 زبان تھے جب اس لفظ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مضاف کرتے تھے اور اس سے
 کسی کی طرف اشارہ کرنا نہ نظر ہوتا تھا تو یہی معنی مراد لیتے تھے کہ فلانا شخص ہمارے ساتھ سے نکل گیا
 اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوا۔ اور ان کے زمرہ میں داخل ہو گیا ہمارے دین
 سے نکل بھاگا محمدی دین اختیار کر لیا۔ اس معنی کا حاصل علماء شیعہ و فرائس کہ کیا ہوتا ہے پچھلے
 جائے حیف ہے کہ کفار تک اس لفظ سے وقت اضافہ ہی معنی سمجھتے ہوں حالانکہ ان کی اصطلاح
 نہیں۔ نہ سمجھیں تو حضرات شیعہ نہ سمجھیں مگر ہم جانیں بزعم خود اچھا کرتے ہیں کفار سے مطابقت
 اور موافقت تو آخر منوعات شرعی میں ہے اور یہ کیا ابھی تو شرع ہے رفتہ رفتہ کفار سے یہ
 غلات پیدا کریں گے کہ برخلاف ان کے صوم و صلوات وغیرہ الفاظ سے بلکہ سارے کلام اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 کچھ لوہری معنی سمجھا کریں گے اور ہم اس سے بھی درگزر سے صاحب کے لغوی ہی معنی ہیں اور کسی طرح
 معنی شرعی کے مراد لینے کی گنجائش نہیں تب لفظ لا تحزن اور ان اللہ معنا کو کہاں کھو گئے
 صاحب کے لفظ سے نہیں ان دونوں سے ایمان ثابت ہو گیا چنانچہ اوپر مذکور ہو چکا ہم حال ان کا
 صحابی ہونا بطور اصطلاح شرعی کے اس آیت سے ثابت ہو گیا
 لفظ صاحبہ میں یہ نسبت لفظ صحابی زیادہ فضیلت ہے بلکہ ہمارے نزدیک اس صورت میں اور ذہنی
 افضلیت ہو جائے گی۔ لفظ صاحبہ اصطلاح شرعی مراد ہوتی تو وہ بات ہرگز نہ ہوتی شرح
 اس کی یہ کہ اس صورت میں صاحب کے لفظ سے جو ہماری مراد ہوگی تو ایسی ہماری کی طرف اشارہ
 ہوگا جو اخذ ہائی العنا سے ثابت ہوتی ہے چنانچہ لفظ آئی جو اذ یقول میں ہے وہ پہلے
 اذ کا جو اذ ہوائیں ہے بلکہ ہے مطلب ہو کہ یہ ہماری نصرت اس وقت ہوتی جب دونوں
 غار میں تھے اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہمراہی سے یوں کہہ رہے تھے اور یہ تو ظاہر ہے کہ

یہ وقت کی ہمراہی اسی کا کام ہے کہ اس سے زیادہ کوئی مخلص نہ ہو اور سچ بھی تو ہے۔
ابو بکر صدیقؓ کی جانبازی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں خاص کر اس وقت دشواری
ہمراہی اور رفاقت ایسی نہیں کہ اس کا انکار کیا جائے۔ اگر خداوند کریم اس کی طرف اشارہ نہ
فرماتے تب کچھ حاجت نہ تھی ابو بکر رضی اللہ عنہ کی رفاقت اور ان کا اخلاص ایسا شہرہ
آفاق ہے کہ ضرب المثل ہو گئے ہیں شیعہ زبان سے انکار کریں تو کیا ہو اول میں ان کے بھی یہی
ہے کہ ابو بکر صدیقؓ کے برابر دنیا میں کوئی کسی کا رفیق نہیں ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے
رفیقوں میں کچھ ان کا رتبہ بڑھ کر نہیں دیکھتے نہیں بلکہ جس کی رفاقت اور اخلاص نہایت کو
پہنچ جاتے ہیں تو عرف میں اسے خیمہ سنی ہندو مسلمان سب یا رخا کہتے ہیں رفاقت میں ایسا
رتبہ کہ ضرب المثل اور مشبہ ہو جائے بجز اس کے نہیں ہو سکتا کہ اوروں کی رفاقت کو ان کی رفاقت
کے ساتھ ایسی نہایت ہو جیسے نور چہرہ کو نور قمر یا نور خود شید کے ساتھ نسبت ہو کون نہیں
جاتا کہ کجا آفتاب کجا آدی کا چہرہ۔ آدی کی سہاوی خوبصورت کیوں نہ ہو آفتاب کے نور و لاطوں
درجہ کم اس کا نور رتبا ہے اس کے شرف کے لئے یہی بہت ہو کہ اس کے ساتھ تشبیہ دیتے
ہیں۔ ایسا ہی اوروں کی رفاقت اور دوستی کو ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی رفاقت اور
دوستی سے ہمارے کم سمجھا جائیے ان کو یہی شرف نہایت ہے کہ ان کے ساتھ اوروں کو
تشبیہ دیتے ہیں اور جس کی رفاقت اور دوستی کی تعریف کرتے ہیں تو اس کو یا رخا کہتے
ہیں القصہ اس تقدیر پر وہ صحابہ بھی فرد اعلیٰ ہوں گے اور کیوں نہ ہوں۔ زبان خلق نقارہ
خدا ان کا یا رخا دہونا اور صدیق ہونا سب عام و خاص پر روشن ہے دوست و دشمن سب
ان کو اسی لقب سے پکارتے ہیں اب یہاں بس کہجئے۔

شیعوں کی طائفہ جو خلافت مدعی بنتے ہیں اگر شاید کسی کو یہ شبہ ہو کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اگر فضل بھی
ہوئے تو کیا ہو خلافت تو بظاہر علی رضی اللہ عنہ ہی کا حق تھا کیونکہ وہ چچا کے بیٹے اور داماد تھے
اور مشہور ہو کہ داماد بہتر ہے از پدر و تبا ہے تو اس صورت میں خلافت بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کے اگر پہنچتی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پہنچتی ابو بکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کون ہوئے
تھے جو خلافت دیا بیٹھے اور اس سے بھی قطع نظر کہجئے اپنے بعد ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلافت

کر دینا تھا وہ بھی نہ ہوا وصیت کی تو علفہ ثانی کے لئے کی۔

جواب | سو اس تو ہم کا جواب اول تو یہی ہے کہ خلافت کو سلطنت پر قیاس کیجئے تو البتہ یہی
تو ہم پیدا ہو تبا ہے لیکن اہل فہم پر پوشیدہ نہ ہو گا کہ خلافت نبوت اور کان دین میں سے بھی بڑی عظیم
اور سلطنت دنیا کے امور میں بھی نہایت درجہ بزرگ ہے پھر جب حقیقت دنیا اور دین ہی میں اتنا
تفاوت ہو کہ اس سے زیادہ اور کیا ہو گا تو اس کے اعلیٰ درجہ اور اس کے اعلیٰ درجہ میں کچھ لگاؤ
ہی نہ ہو گا جو ایک کو دوسرے پر قیاس کیا جائے

۷۔ بین تفاوت رہ از کجاست تا کجا

ہاں خلفائے انبیاء کو اگر خلفاء علماء اور علماء فقہاء پر قیاس کیا جائے تو البتہ قیاس کا موقع بھی ہے
علم و فقر بھی امور دینی میں سے ہیں مگر یہ بھی سب جانتے ہیں کہ خلافت علم اور خلافت فقر میں یکساں
اور قربت کی وجہ سے ترجیح نہیں ہوتی فضیلت اور کمالات کے باعث ترجیح ہوتی ہے چنانچہ لفظ
خلافت ہی خود اس بات پر دلالت کرتا ہے خلافت بمعنی نیابت ہو اور نیابت کا استحقاق اس
کے لئے ہوتا ہے جو کہ منیب کا کام دے سکے اور اگر خد آدی موصوفت بایں صفت ہوں تو وہ ان
میں مقدم ہو گا جس میں کمالات اور فضائل منیب اوروں سے زیادہ تر ہوں گے بموجب حضرت
صدیق اکبرؓ کی فضیلت مابعد انبیاء کے سب پر ثابت ہو گئی تو پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق
کے ہونے کے کیا معنی ہاں یہ مسلم کہ خلافت کی لیاقت حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی رکھتے تھے لیکن
افضل پھر افضل باقی رہا وہاں بیٹھا ہم پوچھتے ہیں کہ جب سب میں زیادہ استحقاق خلافت حضرت
ابو بکر صدیقؓ نہ ہی میں ہو تو خلافت کو اگر وہاں ہی لیا تو کیا بیجا کیا اپنا حق تھا دوسروں کا حق چھینتے تو
جائے گرفت بھی تھی۔ معذرت آفتان فن سیرت جو حضرت ابو بکر صدیق کے خلیفہ ہونے کے قصے
کی خبر ہے خود جلتے ہیں کہ انہوں نے خلافت خود رہائی بھی یا مجبوراً کر ان کو سرور صحرانی پڑی۔
باقی رحا حضرت عمر کا خلیفہ کر دیا اس کا جواب بھی ہے کہ خلافت میں قرابت کو مداخلت نہیں
ورنہ حضرت فاطمہؓ زہراؓ اور حسنین رضی اللہ عنہم حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی مقدم تھے۔ رخصا
حضرت فاطمہؓ زہراؓ رضی اللہ عنہما کا عورت ہونا اور علیؓ رضی اللہ عنہما حضرت حسنین رضی اللہ عنہما کا
لڑکا ہونا موافق آئین سلطنت کچھ مانع جانشینی حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نہ تھا سلطنت

ہیں وقت مروت اکثر عورتوں اور لڑکوں کو تمام مقام کر دیتے ہیں گو وہ ہی کوئی بگڑا حال رہے
 القصد اگر حال نبوت مثل حال سلطنت دینا ہے اور قرابت باعث ترجیح ہے تو حضرت علی رضی اللہ
 عنہ پھر بھی مستحق تھے نہ وقت و ذات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کا حق تھا نہ اپنی خلافت
 کے وقت اس وقت حق تھا تو حضرت حسین رضی اللہ عنہما کا تھا اور اگر حال نبوت مثل حال سلطنت
 نہیں اور قرابت کو اس میں کچھ دخل نہیں بلکہ افضلیت باعث تقدیم ہونی چاہیے تو پھر حضرت
 ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر کو خلیفہ کر دیا تو کیا بجا کیا کسی اپنے کو کر دیتے یا حضرت عمر ان کے
 نزدیک اوروں سے افضل نہ ہوتے تو ابستہ جائے اعتراض تھی۔

باب

وعدہ خلافت و استخلاف

مہند کلام اللہ سے بھی یہی کتاب ہے کہ جو کچھ ہوا یا ہو اوریسی عین مطلوب تھا اگر یقین
 نہ ہو تو یہ آیت چہارم موجود ہے۔

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ
 وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ
 فِي الْأَرْضِ هِيَ كَمَا تَخْلُفُ الَّذِينَ
 مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ
 الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ
 مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا يَعْبُدُونَنِي
 لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا وَمَنْ كَفَرَ
 بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ

یعنی وعدہ کیا ہے اللہ نے بعض ان لوگوں سے
 جو تم میں سے ایمان لائے ہیں اور اچھے اچھے عمل کئے
 ہیں انہیں ان کا ان کو زمین کا خلیفہ اور بادشاہ
 بنادے گا جیسا ان سے پہلوں کو اور ان کے لئے
 اس دین کو جو ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے چھارٹ
 دکھا ہے اور پسند کر رکھا ہے خوب جاہد کیا اور انکو
 بعد ان کے کا دین اسلام اور خوف رکھا تھا ان میں دے گا
 کہ وہ پھر میری ہی عبادت کیا کریں گے اور میری
 برابر عبادت میں میرا شریک نہ کریں گے اور جو لوگ
 بعد اس نعمت کے کفران نعمت کریں اور ناشکری
 کریں وہی ہیں اہل فاسق طاعت سے نکلے ہوئے

اس آیت کا حاصل یہ ہوا جو کلام اللہ کو سمجھتے ہیں وہ تو سمجھتے ہی ہیں۔ اور جو نہیں سمجھتے وہ
 ترجموں سے مطابق کر دیکھیں آج کل سینکڑوں ترجمے کلام اللہ ملتے ہیں کچھ کی نہیں۔

آپہنکین مقتدر شیعہ کسی طرح مطابق نہیں | اب میری سنئے یہ وعدہ ہر کسی سے نہیں ہوا اس
 زمانہ کے مومنوں سے ہوا ہے یعنی صحابہ سے ہوا ہے کیونکہ اَلَّذِينَ آمَنُوا کے بعد مَنکُم بھی
 بڑھایا ہے۔ اس کا حاصل یہی ہوا کہ یہ وعدہ انہیں سے ہے کہ جو تمہارے زمانے میں مومن ہیں
 پچھلوں کو اس لفظ کے ذکر کرنے سے اس وعدے سے علیحدہ کر دیا ہے تو اب حضرت امام مہدی
 کا تسلط روئے زمین پر اس وعدہ سے علیحدہ ہے اور پھر تفسیر یہ وعدہ بھی اس زمانہ کے تمام
 مومنوں سے نہیں ہوا بلکہ بعض سے چنانچہ لفظ مَن جو مَنکُم میں ہے اس کا حاصل یہی ہے
 بلکہ جب لفظ مَن ضمیر کے اوپر داخل ہوگا۔ اس کا یہی مطلب ہوگا یا ابدا کے معنی ہوں گے۔ جو
 اس جگہ ابدا کے معنی کسی کے نزدیک بن ہی نہیں سکتے تو بیشک بعض ہی کے معنی ہوں گے کیونکہ
 بیان کیلئے توضیحائے کلام میں ضمیر پر آتا ہی نہیں اور اگر بالفرض بغرض حال یوں ہی کہیں کہ مَن
 یہاں بیان کے لئے ہے اور اس کا ہم ہرگز خیال نہ کریں کہ کلام اللہ خدا کا کلام ہے اور وہ بھی مجز
 نظام کسی ایسے گنوار بندوستانی کا نہیں کہ بذات ان خود وغیرہ رسالے عربی زبان کے پڑھ کر عربی کی
 زبان کو توڑنے لگے تب بھی شیعوں کی مشکل ہی رہے گی اس صورت میں تمام صحابہ مراد ہونگے حتی
 کہ خلفائے ثلاث بھی اس لئے کہ جب تک تو وہ بھی مسلمان ہی تھے مرتد نہ ہوئے تھے اور اگر وہ منافی
 میں سے تھے اور کبھی مسلمان ہوئے ہی نہ تھے تب بھی وہ تو داخل ہی رہیں گے جو ان کے عقیدہ کے
 موافق بعد وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مرتد ہوئے ہیں اور جو آیات مرتدین کے بیان میں
 آئی ہیں شیعوں کے نزدیک ان کے حق میں وارد ہوئی ہیں اس صورت میں اول تو یہ لازم آئے گا
 کہ جو مرتد ہو گئے ان سے اس بات کا وعدہ تھا کہ ان کے لئے دین پسندیدہ کو جا دینگے وعدہ
 کر کے خدا نے خلافت وعدہ کیا کیونکہ اگر خدا دین کو جا دیتا تو پھر نفس اور شیطان سے کہیں اکھر سکتا
 جو وہ مرتد ہو گئے بہمندان کے حال میں یوں بھی بیان فرماتے ہیں کہ جب ان سے یہ وعدہ پورا
 ہوگا اس وقت وہ میری ہی عبادت کریں گے یہاں تک ذرہ برابر کسی کو میری طاعت میں شریک نہ
 کریں گے یا یوں کہیے کہ یہ بھی ایک وعدہ ہے اجنا نہیں بہر حال اس صورت میں لازم آئے گا کہ تمام

باز پسین وہ اسی حال پر تھے جین کے انعام میں یہ وعدہ ہوا تھا یعنی ایمان اور عمل صالح چنگ
 اَلَّذِیْنَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سے ہی معنی سمجھتے ہیں کہ
 باعث اس وعدہ کا ایمان اور عمل صالح ہیں پھر نہ معلوم کہ باوجود ان سب باتوں کے وہ کیونکر
 مرتد ہو گئے دو حال سے غلطی نہیں یا یوں کہو کہ خدا نے خلافت وعدہ کیا یا خدا سے آئندہ
 کی خبر میں غلطی ہوئی۔

جن سے وعدہ تھا ان کو تمکین ہی حاصل نہ ہوگی لہذا وعدہ پھر ہی غلط نکلا اور یہ سب ہی اَلَّذِیْنَ آمَنُوا
 مِنْكُمْ سے وہ چار پانچ صاحب ہی مراد ہیں جو بزعم شیعہ بعد وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 مسلمان رہے اور مثل دیگر صحابہ مرتد نہ ہوئے اس صورت میں من اگر مِنْكُمْ میں بیان کے لئے
 ہو گا تو بیشک ان سب کے ساتھ اس وعدہ کا پورا ہونا چاہیے کیونکہ وہ سب صاحب اس آیت کے
 نازل ہونے سے پہلے مسلمان ہوئے تھے حالانکہ ان میں سے یہ سب وعدے سے حضرت امیر المومنین
 علی رضی اللہ عنہ کے اور کسی کے لئے پورے نہیں ہوئے حضرت ابوذر غفاری اور سلمان فارسی
 اور حضرت بلال بلکہ حسین رضی اللہ عنہم تک یہ بات نصیب نہیں ہوئی حضرت امام حسین
 رضی اللہ عنہ کا حال تو ظاہری ہے اور حضرت امام ہمام سبط اکبر کا حال یہ ہے کہ چھ ہجرت کے لئے وہ
 خلیفہ تو ہو گئے پر چاہیے ان کو کسی طرح کی تمکین دین حاصل ہوئی ہو مگر نہ ہو میں نہیں آئی۔
 خاص کر شیعوں کے نزدیک کیونکہ امیر معاویہ جو ان کے نزدیک بالاتفاق کفار اور منکرین ائمہ
 انہیں سے ہیں تمام خلافت پر غالب اور متولی تھے اور پھر اس تو ہرگز میسر ہی نہیں آیا نہیں
 تو خلافت ہی کیوں ان کے حوالہ کرتے اور کیوں ساری عمر تفسیر گدازتے اور حضرت علی مرتضیٰ
 رضی اللہ عنہ کو بھی سینوں کے نزدیک خلافت اور تمکین کچھ حاصل تھی شیعوں کے نزدیک تو ہرگز حاصل
 نہیں کیونکہ دین شیعہ اس زمانہ میں بھی مخفی ہی رہا اور حضرت کو تفسیر ہی کے بنی شیخین کی
 تعریف ہی کیا تھے یہ کبھی نہ ہو کہ کھل کھیلے اور بے کھٹکے ہو کر خلوت خلوت میں برابر یکساں
 گدازیں چنانچہ اس کی سند آگے انشاء اللہ تعالیٰ معلوم ہو جائیگی اور علی ہذا القیاس اس موعود
 یعنی کفار کے شر سے حضرت امیر کو بھی بطور شیعہ حاصل نہیں ہوا وہی امیر معاویہ ہمیشہ
 تنگ کرتے رہے اور آپ کے ہاتھ سے اکثر ملک نکال لیا بہر حال سب کے اگر وعدہ ہو تو کلام

بالکل لغو ہو جائے گا۔

استخلاف یعنی تو ان کسی طرح موزوں نہیں اور اگر من کے بیان نہ ہونے کے ساتھ استخلاف کو بھی بمعنی
 تو ان لیجے جیسا کہ بعض علماء شیعہ نے تاویل کی ہو اور بمعنی تسلط نہ لیجے تو قطع نظر اس کے کہ من
 کا ضمیر یہ بیانہ ہونا خلافت استعمال عربیہ اول تو یہ شکل ہر کہ استخلاف کے ساتھ جب لفظ
 فی الآخر ہی ہوتا ہے تو تسلط ہی کے معنی مراد ہوتے ہیں دوسرا صورت میں قید و غم
 الصالحات محض بے معنی ہو جائے گی زمین میں تو من کو صالح اور فاسق کو برابر حاصل ہوتا ہی بلکہ
 فاسق کو بوجہ حسن بلکہ آمنوا کی قید بھی بیکار ہی نظر آتی ہے کیونکہ کفار کے تو من میں کیا کمی ہے
 القصہ ان لغویات کا کلام اللہ کی تفسیر کی جاتی ہے یہ نہیں جانتے کہ لغو کلام کا کلام اللہ میں ہونا
 منجملہ محالات ہے۔

استخلاف بمعنی تسلط بدلات فی الارض اور بعض علماء شیعہ بہت کوشش کر کے یہ بات نکال کر
 لاتے ہیں کہ اَلَّذِیْنَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سے حضرت امیر مراد ہیں اور جمیع کاصینہ تعظیم
 کے لئے ہے یا حضرت امیر اور ان کی اولاد مراد ہیں مگر ہم کہتے ہیں کہ قطع نظر اس بات کے کہ
 جمیع سے واحد مراد لینا بے ضرورت بیجا ہے اور باوجودیکہ جمیع کے معنی بن سکیں واحد کے
 معنی مراد لینے اہل سخن کے نزدیک بالقطع ممنوع شیعہ اس کا کیا جواب دیں گے کہ تمکین دین اور
 زوال خوف تو کسی کو بھی میسر نہیں کیا اس لئے ضرور ہو کہ مِنْكُمْ کے من کو تیس فیض قرار دیجئے
 اور استخلاف سے تسلط مراد لیجے مگر چونکہ اَلَّذِیْنَ آمَنُوا جمع ہے تو کم سے کم تین تو ہونے ضرور
 ہوئے اور زیادہ ہوں تو فہم۔

القصہ ابتداء سے اس آیت کے اتنی بات نکلی کہ صحابہ سے خداوند کریم نے یہ وعدہ کیا تھا
 کہ تم میں سے کم سے کم ایسے تین شخصوں کو کہ وہ ایمان اور عمل صالح رکھتے ہوں گے ضرور ہم خلیفہ
 بنا کر دے زمین کو ان کے تسلط میں کر دیں گے اور اس دین کو جو علم الہی میں اس سے بہر کوئی دین
 نہیں اور خدا نے ازل سے انہیں کے لئے چھانٹ کر رکھا ان کے واسطے جمادیں گے کہ ان کے جیتے
 جی اس میں رخنہ نہ پڑے گا اور ان کے خوف و ہراس کو کہ جو کفار سے رکھتے تھے بالکل امن اور
 اطمینان سے بدل دیں گے پھر بعد اس کے یا تو وعدہ میں دخل ہے یا فقط بطور اخبار بالغیب کے

بیان کرتے ہیں کہ وہ باوجود ان خرخشوں کے جو ایسی غلاتوں کو لازم میں ہرگز عبادت میں سستی نہ کریں گے اور پھر وہ عبادت بھی ایسی اخلاص کی ہوگی کہ ہرگز اس میں بوسے شرک اور ملاؤریا کا نہ ہوگا

آیت استخلاف کی صحیح تفسیر اب اس کمترین کی اتنا اس حضرات شیعہ کی خدمت میں یہ ہے کہ وعدہ الہی میں تو تخلف ہو ہی نہیں سکتا سو جن کے ساتھ اس وعدہ کا الفاظ ہوئے آئے وہی مصداق ان اوصاف مذکورہ کے ہوں گے اور وہ بیشک شہادت خداوندی ایمان کامل اور اعلیٰ صالح رکھتے ہوں گے بلکہ سب ائمان و امثال میں ان دو باتوں میں بڑے ہوتے ہوں گے کیونکہ جب ایمان اور عمل صالح کے انعام میں یہ تیس ملی ہیں تو انہیں کو ملی ہوں گی جن کا ان دو کمالات میں نمبر اول ہوگا ورنہ لغو ذبا اللہ خدا کے یہاں بھی بڑا اندھیر ہے کہ استحقاق کسی کام اور انعام کسی کو مل جائے سینوں کے طور پر تو خدا کو اختیار بھی ہے کہ کسی کا حق کسی کو دیدے لیکن اسکی حکمت کی شان ہی ہے کہ جس چیز کو کسی کے لائق دیکھے اسے ہی دے اور یہی معنی ہے اس کے کہ خدا کسی پر ظلم نہیں کرتا اور اس آیت کے معنی بھی محققین کے نزدیک ہی ہو سکتے ہیں۔

عَطَىٰ كُلَّ شَيْءٍ خَلْقًا ثُمَّ هَوَّاهُ یعنی ہر چیز کو اسی کے مناسب طور پر پیدا کیا پھر اُتار دیا مناسب ہی مناسب کاموں کی انہیں سوچائی لیکن شیعوں کے نزدیک خدا کو اختیار نہیں کہ کسی کا حق کسی کو دیدے اس لئے کہ ان کے نزدیک خدا پر عدل واجب ہے اس صورت میں ممکن ہی نہیں کہ جن کو خدا نے عظیم بنا یا وہ اوروں سے خلافت کے استحقاق میں کم ہوں بلکہ ان کا فائق ہونا استحقاق خلافت میں ضرور پڑے۔

مذہب استحقاق خلافت بلکہ ترتیب خلافت کا یہ بھی اس آیت سے چلا اور نیز اسی تقریر سے یہ بھی نکل آیا کہ ان میں سے جو ایمان میں اور عمل صالح میں دوسروں سے بڑھ کر ہوگا وہ اس انعام میں مقدم رکھا جائے گا کیونکہ تقسیم انعام کی خوبی یہ ہے کہ اول نمبر والے کو اول دیں مگر چونکہ یہ انعام خلفائے راشدین پر ہوا اور وعدہ خلفائے اربعہ کے ساتھ ترتیب معلوم و فائز آیا تو شہادت خداوندی معلوم ہوا کہ یہ اصحاب اربعہ ایمان اور عمل صالح میں اوروں سے بڑھ کر تھے اور وہ بھی استحقاق ان کے ہوتے قابلیت اس انعام خاص کی ان کے سوا کسی میں نہ تھی اور باہم ترتیب

خلافت ایک دوسرے سے ایمان اور عمل صالح میں مقدم تھا اول اول اور دوم دوم اور سوم سوم اور چار چار

آیت استخلاف کا مصداق صرف خلفاء اربعہ ہیں اور بعد اس کے ہر چند حضرت سبط کبر امام ہمام امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلفاء راشدین میں معدود ہیں مگر ان کو جو خلافت پہنچی تو اس وعدہ کے سبب نہیں پہنچی کیونکہ یہ قول نزول اس آیت کے کسب خوف ہوا تھا ورنہ ان کے لیکن کا تھا دشمنوں سے ایسا شہرہ نہ ہوتا ہے بلکہ ان کو نہیں ہوتا بلکہ وصول اس نعمت کا ان تک زائد از قدر وعدہ تھا اسی لئے ان کی خلافت کے لئے تمکین اور جہاد لازم نہ ہوا باقی رہے امیر معاویہ ہر خیدان کو بظاہر تمکین میرا کی لیکن حقیقت میں وہ تمکین دین نہ تھی تمکین ملک و سلطنت تھی چنانچہ و افغان فن سیر پر پوشیدہ نہیں کہ خلفاء اربعہ کے احوال اور انداز اور امیر معاویہ کے احوال اور انداز میں زمین آسمان کا فرق تھا ان کی گزراں فیراد اور زہد تھی اور امیر معاویہ کا طور لوگ کا ساتھ اس لئے اہل سنت ان کو باوجودیکہ صحابی سمجھتے ہیں خلفائے نہیں گئے ملوک ہیں شمار کرتے ہیں لیکن ملوک ملوک ہیں بھی فرق ہی ایک نو شیر و ان تھا ایک چنگیز خاں۔ سو یہ ہر چند ملوک ہیں سے تھے لیکن اس کے یہ معنی ہیں کہ خلفاء راشدین کے مقابلے میں دنیا دار معلوم ہوتے تھے جیسے حضرت سلیمان علیہ السلام اور انبیاء کے مقابلے میں مالدار معلوم ہوتے ہیں نہ یہ کہ ظلم و ستم کے روادار تھے غمراہ کے حق کیا ستمگار تھے ان کا ظلم اور رعایا پروری اور دلوئی خلافت شہرہ آفاق ہر چند ملوکوں کو ملوک سے نہیں کہ جن کو قرار واقعی کفار سے کبھی خوف ہوا ہو یہ بات فقط مہاجرین اولین کے حق میں صادق آتی ہے نہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو یہ بات پیش آئی کہ امیر معاویہ کو اور مہاجرین اولین میں سے بھی جیسا خوف تھا اربعہ کو ترتیب ہوا ہے اور کسی کو بھی نہیں آیا چنانچہ کتب تاریخ سے خوب واضح ہے ہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ انعام مذکورہ خاص انہیں کو ملا اور یہ وعدہ انہیں کے ساتھ چلے گیا کیونکہ یہ خوف اصل سے بوجہ ایمان اور عمل صالح تھا کفار کی دشمنی کی بنا دیکھتے و انہیں دواؤں پر بھی پھر جس میں ایمان اور عمل صالح زیادہ ہوگا دشمنی کفار بھی اسی کا زیادہ ہوگی خوف کفار بھی اسی کو زیادہ ہوگا دوسرے محبت اور اخلاص جو ایمان اور عمل صالح کا خلاصہ ہیں خوف ہی کے وقت معلوم ہوتے ہیں اور خوف ہی سے پرکھے جاتے ہیں تو جس کو اس قسم کا خوف زیادہ ہوگا اسی

بسبب اپنی تیرہ درونی کے حضرات خلفاء راشدین پر کرتے ہیں منفع ہو گئے اگرچہ چوں اور سو اس کے اور مطاعن بظن غور اہل بصیرت کے نزدیک معترضوں کی تیرہ درونی سے پیدا ہوتے ہیں چنانچہ دوبارہ فدک کو اوراق مابعد سے انشاء اللہ یہ حال واضح ہو جائے گا تفصیل اس اجمال کی نسبت جہاں مطاعن کے اس جلد پر گریے موقع اور بے جا نہ ہوتی تو لغت پر گنجائش وقت درج اوراق کرنا مگر چونکہ کاغذ دوات قلم کے نہ آنے دینے کا طعن بھی نہ عم میں کلاثرین مطاعن خلفاء راشدین ہے تو نظر سکین خاطر بعض نبی نوع اگرچہ اس بحث بلیے موقع ہے مختصر مختصر عرض کرتا ہوں تاکہ اس بڑے طعن کا اندفع موجب اندفاع دیگر مطاعن صغیرہ ہو جائے۔

فرمان نبوی کی تعمیل نہ ہو سکنے کے اسباب حضرت من اول تو کسی روایت میں یہ نہیں کہ کاغذ قلم دوات کے آنے کے مانع اول حضرت عمرؓ تھے التہجہ سرور کائنات علیہ علی الصلوٰۃ و التسلیمات نے کاغذ دوات قلم منگایا تو فرمایا تو حضرت عمرؓ بھی اس محفل میں موجود تھے حاضرین مجلس کی رائے اس وقت مختلف ہوئی کسی نے کہا کہ امتثال امری کیجئے کوئی بولا کہ اس شدت مرض میں یہ تکلیف نہ دیجئے۔ اس رد و کد میں ایک شور برپا ہو گیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے میں یہ آیا کہ یہ ارشاد مہربانہ اور مشفقانہ ہے بطور احباب ہیں جس کی تعمیل واجب ہو کیونکہ خداوند کریم اس سے پہلے فرما چکا ہے۔

الَّذِينَ آمَنُوا أَكْثَرُ نَكْثٍ دِينِكُمْ وَ
أَتَمَّمْتُ عَلَيْكُمْ نَهْيِي
یعنی جہاں اوداع کے دن خلاوند کریم کی طرف سے یہ اشارت آئی کہ آج کے دن میں نے اپنے دین کو تمہارے لئے پورا کر دیا اور تمام کردی ہیں نے تم پر اپنی نعمت

پھر جب خداوند کریم دین کو کامل کر چکا ہو تو اب یہ امر کسی نے امر دینی کے لکھوانے کے لئے تو نہیں ہو ہو ہو ہوا کی تفصیل ہوگی سو یہ بات چنداں ضروری نہیں جو اس امر کی تعمیل واجب ہو بلکہ بوجہ شفقت کامل آپ یہ ارشاد فرماتے ہیں سو جب باوجود شدت مرض کے اپنے ہمارے لئے یہ تکلیف گوارا فرمائی تو کیا اس کی مکافات ہی ہو کہ ہم بھی آپ کے لئے اس تکلیف کو

لو لکھیں جہاں مقتضی ادب ہی ہے کہ آپ کے فرمانے کا کچھ خیال نہ کیجئے اور اس قلعہ کو جانے دیجئے اور سبھی تو بے اگر کسی کا باب بھوک کی شدت میں آپ کو نہ کھلے اور بیٹے کو بوجہ شفقت اپنے عصہ کے کھانے کو فرمانے کو کیا مناسب ہے کہ فرزند عاقل دیدہ دانستہ پند مہربان کو بھوکا چھوڑ کر سب نکل جائے بلکہ ایسے وقت میں مقتضی ادب ہی ہے کہ والد مہربان کا ہنسا مانے اور اس نافرمانی ہی کو اپنی سعادت جانے غرض حضرت عمرؓ نے بوجہ مذکور اور میر بایں غرض کسی طرح یہ شور موقوف ہو جائے حسب کتاب اللہ کہا یعنی کافی ہے ہم کو قرآن شریف پھر اس تکلیف کے دینے کی کیا ضرورت اور اگر کسی کتاب نادر الوجود کی کوئی ایسی روایت جو حضرت عمرؓ کے مانع اول ہونے پر اس طرح دلالت کرے کہ اس میں گفت و شنید کی گنجائش باقی نہ رہے کوئی شدید پیش بھی کرے تو قطع نظر اس کے کدہ روایت واقعی صحیح ہے کوئی جلسہ بازی نہیں تب بوجہ مذکور کوئی گرفت کی بات نہیں بہر حال منشاء اس اعتراض کا علت ہم وفرست اور نقصان عقل و روایت ہے اور انہما کو بکھا تو حضرت عمرؓ کی رائے ٹھیک تھی آخر جب یہ شور ہو تو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تمام مجمع کی نسبت یہ ارشاد فرمایا کہ یہاں سے کھڑے ہو جاؤ اگر کاغذ دوات قلم کے منگائے کا ارشاد پیام خداوندی ہوتا اور ضروری ہو و واجب ہی ہوتا تو میرا آپ بتا کید فرماتے اور علیہذا القیاس اگر یہ شور حبیب حضرت عمرؓ نے سمجھا موجب آزاد خاطر حضرت سیدالابرار صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوتا تو کھڑے ہو جائے کو نہ فرماتے۔

حضرت عمرؓ کی رائے کا وزن بلکہ یوں کہیے کہ جسے اور بہت مواقع میں باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کے حضرت عمرؓ کی رائے خدا کی مرضی کے موافق پہلی ہو اور اسی وجہ سے ان مواقع میں ان کی رائے کے موافق دہی آئی اگر وہی نہ آتی تو بوجہ مخالفت رائے نبوی اہل اسلام کے نزدیک حضرت عمرؓ کے برا کوئی نہ تھا یہاں بھی حضرت عمرؓ کی رائے خلاوند کریم علیہ السلام کی مرضی کے موافق تھی ورنہ جیسے کفار کی تکذیب کے وقت دہی آسانی شاہد صدق رسول ربانی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوتی تھی یہاں بھی دہی آئی اور آپ کی رائے کی تصدیق ہو جاتی، ہاں آئی کمی کہ گئی کہ بعد اس واقعہ کے حضرت عمرؓ کی تصدیق کے لئے دہی نازل نہ ہوئی غالباً پندرہ سورہ واقعہ کی تصدیق کو کافی سمجھا کہ ایک اس واقعہ میں بفرض تصدیق عمری دہی نازل نہ فرمائی اور نیز یہ واقعہ بدلائل آیت

اکتھ لکھت لکھت چنانچہ ان ضروریات دینی میں سے نہ تھا چنانچہ مذکور ہوا اور یہاں
 ہم آخر زمانہ حیات نبوی میں جو وقت کمال توجہ الی اللہ اور استعراق تمام کا ہے کیا مناسب تھا
 کہ ایسے امور غیر ضروری کی طرف اپنے نبی کو مصروف کیا جائے یاں وجہ غالباً اس واقعہ میں وہی ربانی جو
 مصدق عمر اور شاہد حقیقت قول غیظہ دوم ہو جائے نہائی قدر نہ یہ وہاں خود مدفع ہو جاتے
 بالجملہ حضرت عمر کا بولنا تو عقل سلیم کے نزدیک قابل تفسیر ہے اور اس پر بھی بوجہ تیرہ درونی اور
 بغض ذاتی کے اگر کوئی برا کہے جائے تو اس کا جواب بجز اس شعر کے اور کچھ نہیں
 چشم بدامیش کہ بر کند باد عیب نماید ہنرش در نظر
 کاغذ نظم دولت دلائل میں سبھی شریک تھے صرف نادوں کیوں اور اگر ارشاد نبوی کو در بارہ طلب کاغذ
 فلم و دوات شفقت پر محمول کرنا کسی تعصب کو حکم المس و یفیس علی نفسہ کے تعصب نظر آئے
 اور باد جو داس تو صبح کے اس ارشاد کو ارشاد و وجوب ہی کہے جائے تو یہ اعتراف فقط حضرت عمر
 ہی پر نہ ہوگا بلکہ اس کے پر مغضے ہوئے کہ تمام اہل بیت اور تمام صحابہ اس جرم میں حضرت عمر کے
 شریک نکلے اور وہ قصہ ہو گیا مرگ انہو جسنے دارد بلکہ اہل بیت اس تفسیر میں اول درجہ کے
 تفسیر دار ہوئے کیونکہ اول تو مریض کی امر و نہی کے مخاطب اس کے گھولے ہی ہوا کرتے ہیں
 دوسرے حضرت عمر تو غیر تھے عیادت کے لئے ساعت دو ساعت کے لئے آئے تھے اگر ان کی شہادت
 کے وقت کچھ اندیشہ تھا تو جب وہ اٹھ کھڑے ہوئے پھر کون مانع تھا آخر اس قصے کے بعد رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم کوئی دوزخ نہ رہے بلکہ غور سے دیکھے کہ تو در صورتیکہ اس ارشاد کو اللہ و ابائی
 اور امر و وجوب کیے جیسے شیعوں کا خیال تھا تو پھر جناب سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی کوئی
 باللہ اس جرم کے شریک ہو گیا کیونکہ جس قدر ہم پر طاعت خدا و رسول واجب ہے اس سے زیادہ نبی
 پر تبلیغ احکام واجب ہے چنانچہ آیت

یَا أَيُّهَا النَّاسُ اسْمَعُوا لِقَوْلِ رَسُولِ اللَّهِ
 مِمَّنْ شَرِّتُمْ فَإِنَّ لَهُمُ نَفْعًا لَا تُفْلَكُونَ
 میں سائل

اس پر دلائل ترتیب سے اس لئے کہ حاصل آج
 مذکور کیا ہے کہ رسول پنجاب جو کچھ تیری طرف
 نازل کیا گیا ہو اور اگر کام نہ کرے تو پھر تم نے کوئی
 پیغام بھی خدا کا نہ پہنچایا۔ آمین

اور اور سر سے سنا ہوگا کہ نزدیکیاں را پیش کو ذی طریقی چنانچہ اشانت کلام اللہ و طریش بھی اس پر
 شاہد ہیں تو اب لاجرم ہی کہنا پڑے گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر تبلیغ احکام اس سے زیادہ
 واجب ہے کہ ہم پر تعمیل احکام اور ادھر یہ بھی ظاہر ہے کہ تبلیغ جب ہی کہہ سکتے ہیں کہ احکام کا
 بیان بھی کیا جاتے آتی بات کو کہ کاغذ دولت فلم لاؤ میں ہمیں وہ باتیں نکھدول کہ اگر ان پر عمل کرو
 تو گمراہ نہ ہو تبلیغ حکم کہنا اسی کا کام ہے جو برائے نام ہی انسان ہے اور عقل سے محروم اور دانش
 سے ناکام ہے الغرض اس صورت میں حضرت عمر سے اگر تفسیر بھی ہوئی تو اتباع نبوی پھر بھی ہاتھ سے
 نہیں گیا اگر حضرت شیعہ جناب سرور کائنات علیہ و علی آلہ افضل الصلوات و تسلیات اور اہل بیت کرم
 رضوان اللہ علیہم اجمعین کی نسبت اس تفسیر کو نفوذ باللہ منہ تجوز کر سکیں تو ہمیں بھی حضرت عمر کے
 اس قدر گناہ گاری کا چنداں بچ نہیں اول تو مرگ انہو جسنے دارد دوسرے

شادم کہ از دقباں دامن کشاں گذشتے گوشت خاک با ہم بر باد رفتہ باشد
 شعیول کر یہ خواب کہاں سے آگیا کہ مشاہیری تحریر مسند خلافت حضرت علی تھا مہندادوات فلم کاغذ کے منگنا
 سے یہ کہاں لازم آگیا کہ فرمان خلافت حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کی تحریر فرماتے ظاہر عبارت
 سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم تو اس کو تلقاضا کرتا ہے کہ دین اسلام کی باتوں کا خلاصہ جو تمام ارکان کی جز
 ہو تحریر فرماتے یا احکام دین میں سے وہ احکام کہ ان کی تعمیل کو تمام احکام کی تعمیل لازم ہو لکھواتے
 چنانچہ آپ کا یہ فرمانا کہ ان پر عمل کرے تو گمراہ نہ ہو گے اس بات پر گواہ ہے سو کسی ایک خلافت
 معین کرنے میں یہ بات ظاہر ہے کہ حاصل نہیں ہوتی یوں تا ویس گھڑنے کو ہر کسی کے منہ میں
 زبان ہے اور اگر تکلف اس مضمون کو حضرت علی کی خلافت کو لازم بھی سمجھتے تو پھر کب تک حضرت
 علی کے بعد پھر کب نہیں حالانکہ روایت کے الفاظ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ پھر کبھی گمراہی
 پیش نہ آئے گی اور یہ بھی نہ ہی بیاس خاطر شیعہ جو ہم نے اس پر خاک ڈالی اور اسی کو
 تسلیم کیا کہ فرمان خلافت کی تحریر ہی مد نظر تھی لیکن پھر بھی یہ کہاں سے نکل آیا کہ حضرت علی ہی کی
 خلافت کی تصریح کے لئے حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اضطراب تھا کہ ہدیل نقلی و
 عقلی فرمان خلافت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مرکزاً حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم تھا نقل
 کی بات پوچھتے تو صحاح اہل سنت میں کچھ ایسا موجود ہے کہ حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم

ہے یہ ارشاد فرمایا کہ میری بی بی کی ابو بکر کے لئے لکھ دوں تاکہ کسی متنازعے کو
پھر متنازعہ نہ رہے مگر نہ خدا کو سوا ابو بکر کے کسی کی خوشی ہے نہ مومنین ان کے سوا
کسی اور کے روادار انتہی۔

مصران بنی سے خلافت مدینہ کی طرف اشارہ عرصہ اس روایت کا حاصل اسی پر دلالت
سمجھانے تو میں قسریں قیاس ہے کرتا ہے کہ اگر لکھنے کا ارادہ تھا۔

تو ابو بکر صدیق کے لئے تھا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لئے نہ تھا اور عقل سے پوچھتے ہو
تو سنئے کہ دستور کے موافق آپ کو غالباً یہ اندیشہ ہوگا کہ حضرت علی کو بوجہ قرابت شاید
خیال جانشینی ہو۔ اور ان کے احباب و اقارب اس باب میں سہمی ہوں تو اس صورت
میں حق حقد یعنی ابو بکر کو نہ پہنچے گا اور اس قسم کا خیال بہ نسبت ابو بکر اہل عقل کے
نزدیک متصور نہیں نہ قرینہ ہے نہ احتمال وراثت ہی ہو تو حضرت علی ہی کی نسبت ہو
بالجملہ اس وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ صحابہ تھا اور اس قدر اس کی عظمت
میں اضطراب تھا سو بحمد اللہ بزم شیعہ آج کا یہ خیال بھی راست ہو حضرت علی رضی اللہ عنہ
خواستگار خلافت رہے پھر اس پر آپ کی پسین لونی بھی صحیح ہوئی خدا تعالیٰ کو اور مومنوں کو
کو سوا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے اور کوئی پسند ہی نہ آیا قصہ اگر لکھنے کا ارادہ تھا تو حضرت
ابو بکر کے لئے تھا حضرت عمر کی شکایت کریں تو صدیقی کریں شیعیان حضرت علی کو کیا
کام بکروہ نقل ہے کہ سب کے دوا و دو چار روئیاں ہی سمجھ میں آتی ہیں اور بلی کو خواب
میں چھپڑے ہی نظر پڑتے ہیں کوئی بات کیوں نہ ہو حضرت شیعہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ
کی خلافت ادا اماموں کی امامت ہی نظر آتی ہے۔ خیر اس جگہ یہ بات اتفاقی تھی مطلب
اصلی یہ تھا کہ جملہ صحابہ سے بالا جمال تمام مطاعن خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم کا جواب
نکلتا ہے اب یہاں بس کیجئے کہ خلافت خلفاء ثلاثہ بوجہ احسن اس آیت سے ثابت ہوگئی
اور ان کا فضل و کمال اور ان کی بزرگی کیا یعنی اس آیت سے ظاہر ہوگئی اور ہستیوں کے
مذہب کی حقیقت اور ان کی حقانیت اور شیعوں کے خیال دگمان کا بطلان اور ان کے
طریقہ کی مذمت بخوبی روشن ہوگئی۔

خلافت و نعمت خلافت سے اصالت فارغ ہے کہ درود سحران کے طفیل تھے | مگر تنبیہ کے
لئے اس قدر اور گزارش ہے کہ اس آیت میں اول کلمہ کلمہ اس
بات پر دلالت کرتا ہے کہ اصل حقیقت میں دین پسندیدہ انہیں اشخاص کے لئے
جایا جائے گا جو خلیفہ بنائے جائینگے اور یہ نعمت عظمیٰ اولاً بالذات انہیں کو عطا
ہوگی جو خلیفہ ہوں گے مقصود اصلی وہی محبوب ہوں گے اور دین کو وہ دولت اگر ملے گی
تو انہیں کے تصدیق لینی مگر استخلاف اور تبدیل خوف میں ان کا اصل الاصول ہونا عام
فہم سمجھ کر الفاظ موجودہ پر انکشاف فرمایا پر دین کا ایک کے لئے اصلی ہونا اور باقیوں کیلئے
اس کا تصدیق ہونا چونکہ ایسا عام فہم نہ تھا کہ شیعہ بھی مان جائیں تو یکتا کے بعد
لفظ لھم بھی بڑھایا غرض اس عہد میں ادبھی اگر اس دین پر ہونگے تو وہ انہیں کی جوتوں
کا صدقہ ہوگا اس سے یہ ثابت ہوگا کہ تسلط اہل اسلام اور حکمین دین پسندیدہ اور ازالہ
خوف اور تبدیل امن جو کچھ تھا سب کا سب اصل میں انہیں چار یار کے لئے تھا
لیکن جیسے کسی امیر کی کوئی دعوت کرتا ہے تو اس امیر کے اقربا اور اس کے حشم خدم
کی دعوت بھی اُس امیر کے طفیل میں کر دیتا ہے پھر جو امیر مذکور کو کھلاتے پلاتے ہیں
اُس کے اقربا و حشم خدم کو بھی وہی کھلاتے ہیں فرق ہوتا ہے تو اصالت اور رعیت
کا اور اعزاز و اکرام کا ہوتا ہے ایسے ہی یہ نعمت عظیمہ اور دولت جلیلہ خلافت وغیرہ
بھی ہر چند اصل میں انہیں چار یار کے لئے ہیں لیکن ان کے طفیل میں اس نعمت عظمیٰ سے
تمام اصحاب بہرہ ور ہوئے جو صحابہ کہ کبھی عرب اور فقراء صحابہ میں معدود تھے وہ
بھی مناصب حکومت پر مامور ہوئے تھے اور کفار پر حکم اور حکمرانی تو ہر کسی کو حاصل تھی
ادنیٰ ادنیٰ صحابی کا ناز امراء اہل کتاب کو اٹھانا پڑا قصہ نعمت خلافت ہر چند
بالذات چار یار ہی کے لئے تھی مگر سب ہی اُس میں شریک تھے اور ساری نعمتوں سے
جو اس آیت میں مندرج ہیں صحابہ اور غیر صحابہ بطفیل خلفاء اربعہ حسب لیاقت بہرہ ور
ہوئے اس میں صحابہ کو بمنزلہ اقربا سمجھے اور ان میں بھی ان کو جو وقت نزول اس
آیت کے مشرف باسلام درگاہان ہوئے تھے زیادہ تر قریب سمجھے پھر ہاجرین اولین

کریب سے اقرب بلکہ بہتر از خلقی بھائیوں کے مقرر رکھے اور تابعین کو بچائے امتناع اور
غلام کے تصور کیجئے اس صورت میں یہ نعمت کو سب میں مشترک ہوگی لیکن اعزاز
واکرام میں درجہ بدرجہ فرق ہوگا۔

وَمَنْ كَفَرَ سَعْيُهُ كَفَرَانِ نعمت کی طرف اشارہ ہے جو عجز قرآنی ہے اور یہ بھی ظاہر ہے
کہ خویش واقارب اگر طفیل امیر کے نعمت سے کامیاب ہوتے ہیں تو امیر کچھان سے خواہشگار
شکر گزاری یا طالب خدمت گاری نہیں ہوتا ہاں غلام اور خدام اور ذلہ برداروں کی
طرف البتہ جو یہ نظر رہتی ہے سوان میں سے قدر شناس اور عاقل اور سلیم الطبع
ہوتے ہیں وہ خدمت گزاری اور شکر گزاری سے پیش آتے ہیں اور مجبداصل اور ناقدر
ہوتے ہیں وہ شکر گزاری تو درکنار اپنے آقا نعمت اور وسیلہ راحت کی جزاکاٹنے
کے درپے ہوتے ہیں۔

سوا اس نعمت عظمیٰ خلافت کا حال بھی یہی ہو کہ ہر چند خلفاء اربعہ کے صدقہ
میں اس زمانہ تک کے اہل اسلام کامیاب ہیں جس قدر دین کو وسعت اور شوکت ہوئی
یا بسبب حقیقت میں سب انہیں کی خلافت کا پھول پھل ہے لیکن صحابہ کے زمانہ
سے لیکر آج تک جیسے اس نعمت کے شکر گزار ہیں ویسے ہی اس زمانہ سے لیکر آج تک کا فر
نعمت بھی برابر چلے آتے ہیں مگر جو کلمہ الہی تو قائل گذشتہ اور قائل آئندہ کو برابر محیط ہو
تو بطور اخبار بالغیب کے ان کافران نعمت کی طرف بھی اشارہ کرنا ضرور پڑتا کہ خلفاء
اربعہ کی بزرگی اور ان کے اعداء کی برائی قرار واقعی ثابت ہو جائے اور ان کا اور ان کے
اعداء کے مرتبہ کا حال سب کو بخوبی واضح ہو جائے اسی واسطے بعد تمام وعدہ اور
بیان حال خلفاء اور صحابہ کے جو آگے ہوتے والا تھا اسناد اور ارشاد فرمایا وَمَنْ كَفَرَ سَعْيُهُ
كَفَرَانِ فَؤُودٌ هُمْ اَنْفُسُهُمْ یعنی جو طفیل اور تابع خلفاء کے اس نعمت میں ہوں اور پھر
حق نعمت نہ پہنچائیں اور خدمت گاری اور اطاعت فرمان تو درکنار زبان سے شکر گزار
نہ ہوں بلکہ اپنے بدی سے پیش آئیں تو وہ اصل فاسق ہیں کہ کوئی فاسق ان کے برابر
نہیں اور یہ تو خود ظاہر ہے کہ اس آخر آیت کے مصداق بجز شیعیہ اور نوامیب اور خواجہ

اور قاتل خلیفہ ثانی اور قاتلان خلیفہ ثالث اور قاتل حضرات امیر رضی اللہ عنہم کے اور
کوئی معلوم نہیں ہوتا مگر جو کلمہ شبی ان کے دشمن ہیں جو اس نعمت کے حق میں اصل
اصول ہیں تو اس فتنہ میں جو اس ناشکری کا شرف ہے سب میں پیشرو ہوں گے اگرچہ کسی
اور وجہ سے وہ دوفرقتے اور دوں سے بڑھ جائیں۔

اور امیر معاویہ اور بعض اور صحابہ کو مخالف حضرت امیر رضی اللہ عنہ ہے
لیکن ان کا جگہ دنیا ایسا تھا جیسا بھائیوں کا بگڑنا کیونکہ وہ اور چار یا اس نعمت خلافت
میں ہمنزلہ امیر اور غریب بھائیوں کے ہیں کہ باوجودیکہ سب اپنے امیر بھائی کے طفلی
ہوتے ہیں پھر اس سے بگڑتے رہتے ہیں معرض شکر رنجی برادرانہ کو ہر چند ایک دوسرے
کا طفیل ہو مگر نعمت نہیں سمجھا جاتا اس کو عرف میں ناز کہتے ہیں اسی واسطے اگر ایک
بھائی کو دنیا میں ثروت ہو جاتی ہے اور اس کے اور بھائیوں کو اس کے طفیل سے
ہمشموں میں عزت اور گونہ ثروت حاصل ہو جائے تو غریبی اسی کی سمجھتے ہیں کہ
وہ بھائی جس کے سب طفیلی ہوتے ہیں اپنے اور بھائیوں سے منیت اور سماجت
پیش آیا کرے نہ کہ غرور اور تکبر کیا کرے بلکہ اس کے بھائی اگر اُن کے حکم کریں تو سب
سے اور مدارات سے ہمیش آئے اور مکافات کے درپے نہ ہو اور نہ ان سے انتقام
لے بلکہ اگر کوئی شخص اس کے متوسلوں میں سے ان سے کسی قسم کی پر خاش
کرے تو یہ سمجھا دے کہ میرے بھائی ہر چند مجھ سے منحرف ہیں پھر بھائی ہیں اور
تم ہر چند دوست ہو پھر خیر ہو۔

القصہ حق شناسوں کا دستور یہی ہے کہ باہم کی شکر رنجیوں کی وجہ سے
یہ گوارا نہیں ہوتا کہ غیر (خاص کر اپنے نوکر غلام) انکو ایذا پہنچائیں بلکہ خدا اگر کچھ
لیاقت دین یا دنیا کی دیتا ہے تو اسکی جفا اٹھاتے ہیں اور زبان پر نہیں لاتے بلکہ
الئے احسان کیا کرتے ہیں ہاں اگر اپنا نوکر یا غلام ان کی اہانت یا ایذا کے
درپے ہوتا ہے تو اسکو البتہ سزا دیا کرتے ہیں۔

شیعوں کا شیوہ تمہارے امیر کی اطاعت سے کمال کران کا قدم امیر معاویہ کی تقلید پر چما ہے

بجائے خود ہے تو شیعوں کے مفید مطلب نہیں بلکہ مضر ہے کیونکہ اگر وہ من کفر سے صحابہ ثلاثہ ہی مثلاً مراد ہیں تو ان کا کفر بعد آسمان نعمت موعودہ ہونا چاہیے تو اس صورت میں انکار امامت حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جو شیعوں کے نزدیک بحج و ذنات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ خصوصاً خلفاء ثلاثہ سے ظہور میں آیا کفر لازم نہ آوے سوائے تو یہ شیخ علی کا کفر مبنا بنایا ڈھ جائیگا کہ انکار امامت اور انکار رسالت دونوں سے آدمی کافر ہو جاتا ہے دوسرے خلفاء ثلاثہ کے استحقاق خلافت کے انکار سے جو اس آیت سے ثابت ہوتا ہے خود کافر بننا پڑیگا خیر اس صورت میں میں بھی شکایت نہیں ہے

شام کہ از رقیباں دامن کشاں گزشتے پاد گوشت خاک ہم برباد رفت باشد
وَمَنْ كَفَرَ كَفَرَ اِلٰهًا مَعْلُوْمًا اِلَّا جُلْدًا مِّمَّ مَعْصُوْمًا يَوْمَ يَكْفَرُ لِمَنْ يَكْفُرُ
وَمَنْ كَفَرَ اِلٰهًا مَعْلُوْمًا اِلَّا جُلْدًا مِّمَّ مَعْصُوْمًا يَوْمَ يَكْفَرُ لِمَنْ يَكْفُرُ
گو متکلف بن سکے کیونکہ اس وقت مطلب یہ ہو جائے گا کہ جو شخص ایسی الہی امدادیں نظر کی طرف سے غلبت دین محمدی کے دیکھے اور پھر بھی کفر ہی اختیار کرے تو وہ اصلی فاسق ہے لیکن نعمت کے مقابلہ میں کفران نعمت ہی ہو اگر تا ہے کفر حقیقی کا موقع نہیں ہوتا عرض صحیح یہی ہے کہ من کفر کے مصداق اعداء خلفاء ہیں لیکن ہم نے رعایت کی تھی کہ کفران نعمت مراد رکھا وہ اس کی سے ناخوش ہیں اس گناہ کو پورا کر لیں اور اپنے آپ کو کافر حقیقی ہی سمجھیں رعنا و ماہم انت کان رضاشامت بہ

باب

مناقب صحابہ بدیل تفسیرات آیہ محمد رسول اللہ
یہاں پہونچکر شاید بعض شیعہ مذہب یوں حجت کریں کہ ہم نے مانا تھا ثلاثہ خلیفہ برحق اور اپنے زمانہ میں افضل الناس تھے لیکن بعد ان کے جب حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا وقت آیا تو اس وقت موافق اشارات آیہ وعد اللہ الخ کے و افضل الناس اور خلیفہ برحق ہو چنانچہ اس بات کے سنی بھی معتقد ہیں تو اس صورت میں

ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ ان کے مخالفین کیوں کر مقبولان بارگاہ الہی ہوں حالانکہ اہل سنت سب صحابہ کے خواہ انہوں نے حضرت امیر رضی اللہ عنہ کی مخالفت کی یا نہ کی مستقد میں خصوصاً طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما اور حضرت عائشہ کو تو بمشربان جنت بھی جاتے ہیں اس لئے لازم پڑا کہ کلام اللہ کی شہادت ان بزرگواروں کے لئے ادا کی جائے اور منشاء غلطی حضرت شیعہ کا بیان کیا جائے سورۃ فتح میں خداوند کریم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے باب میں یوں ارشاد فرماتا ہے

حُمِدٌ لِلّٰهِ الَّذِي
مَعَهُ اَشِدَّاءُ الْكٰفِرِ
وَهُمَّاءُ بَيْنَهُمْ شَرَاهُمْ
رَكْعًا سَجْدًا يَنْبَغُونَ
فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا
سَلِيمًا هُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ
مِّنْ اٰثَرِ السَّجْدِ

حاصل اس آیت کا یہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رسول ہیں ساحر کا ہیں نہیں اور اسے ہمراہی کافروں پر تو بڑے تیز و تند اور ایک دوسرے کے ساتھ نرم اور ایک دوسرے کے دوست تو انہیں بچھے تو رکوع میں بچھے ہوئے بچھوئے ہیں پورے ہوئے اللہ کے فضل اور اس کی رضامندی سے غرض ہے ان کے چہروں میں علامتیں موجود ہیں سجود کے اثر سے۔

اس امت میں حضور کے بعد صحابہ کا درجہ ہے اور رسالت کے بعد بغض فی اللہ کا یہاں تک آیت کے معنوں کا بیان تھا اب اس بچھان کی سننے کو اول جناب باری تعالیٰ نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف فرمائی بعد میں اصحاب کی تو قرینہ عقیدہ سے معلوم ہوا کہ بعد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس امت میں اصحاب کا رتبہ ہے علیٰ ہذا القیاس جو وصف کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح میں ہو گا اس کے بعد اس وصف کا رتبہ ہو گا جو صحابہ کی مدح میں بیان ہوا ہو گا مگر ہم نے جو دیکھا تو حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح میں رسول اللہ کا غلبہ اور اصحاب کی مدح میں اشداء علی الکفار و جماعہ سنیہم تو اس لف و نشر سے معلوم ہوا کہ بعد رسالت کے رتبہ بغض فی اللہ اور حب فی اللہ کا ہے کیونکہ بغض فی اللہ یعنی خدا کے سبب کسی سے

عداوت کرنی یہ بعینہ دینی شدت علی الکفار ہے اور حب فی اللہ عبیدہ رحمان بنیم کا ترجمہ ہے اس اشارہ سے زیادہ تر تصدیق اس حدیث کی ہوگی جو سنہوں کی کتابوں میں پائی جاتی ہے اور اس کا ماحصل یہ ہے کہ جس شخص نے خدا واسطے دیا اور خدا واسطے کسی سے ہاتھ کو کھینچ لیا اور خدا واسطے کسی سے محبت اور خدا واسطے کسی سے بغض رکھا تو بیشک اس نے اپنے ایمان کو کامل کر لیا واقعی سنہوں کی حدیثیں سب کلام اللہ پر مطلق آتی ہیں پر سنہوں کی حدیثوں کا حال یہ ہے کہ کلام اللہ کچھ کہتا ہے اور ان کی حدیثیں کچھ ایک دو حدیثیں جو بیان کی گئیں انکا حال ناظرین رسالہ ہذا پر پوشیدہ نہ رہے گا۔

صحابہ کی غیبت میں اشرا علی الکفار کو باقی اوصاف پر مقدم کرنیکی حکمت پر یہاں ایک لطیف قابل بیان ہے وہ یہ ہے کہ حدیث میں جہاں کہیں حب فی اللہ بغض فی اللہ کا بیان آیا ہے تو حب فی اللہ کو مقدم کیا ہے اور کلام اللہ میں بغض فی اللہ پر جو لفظ دلالت کرتا ہے یعنی اشرا علی الکفار اسے مقدم بیان کیا حکمت اس میں کیا ہے؟ اس کم فہم کے فہم میں یوں آتا ہے کہ حب فی اللہ اور بغض فی اللہ دونوں انکار کمال محبت خداوندی میں سے ہیں یعنی حب کسی کو خداوند کریم سے محبت کمال درجہ کی ہوگی تو وہ محبت چاروں طرف کو پھیلے گی جہاں جہاں خدا کے ساتھ کسی چیز کو کچھ خصوصیت ہوگی تو اس خصوصیت ہی کے موافق اس چیز سے بھی محبت ہوگی۔

عبریک متعلقین کی محبت محبوب ہی کی محبت ہے۔ | مثلاً رسول اللہ صلی علیہ وآلہ وسلم کو نبی کا میں سے خدا کے ساتھ زیادہ علاقہ اور اختصاص ہے تو جس شخص کو خدا کے ساتھ محبت کامل ہوگی اور اس علاقہ کو سن لے گا تو بیشک اس کو بعد خدا کے رسول اللہ صلی علیہ وآلہ وسلم ہی سے محبت ہوگی علی ہذا القیاس جسکو بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خدا سے زیادہ اختصاص ہوگا تو محب خداوندی کو بھی اس سے اسی قدر محبت ہوگی علی ہذا القیاس مکانات میں مثلاً خانہ کعبہ کو زیادہ تر اختصاص ہے تو محب خداوندی کو بیشک سب مکانات سے زیادہ خانہ کعبہ سے محبت ہوگی پھر اس کے بعد رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مسجد کا رتبہ ہے اسکے بعد بیت المقدس کا تو اس شخص کو بھی علی حسب المراتب محبت ہوگی استیطرع اعمال اور اخلاق اور عادات میں خیال کر لو اللہ جتنا کسی چیز کو جناب باری سے قرب ہوگا اتنا ہی مجتہد خداوندی کو اس چیز سے علاقہ ہوگا۔

متعلقین محبوب کی محبت محبوب کی محبت کا جزو ہے | مثلاً ظاہر کی محبت میں ظاہر ہے جب کسی کو کسی سے محبت ہو جاتی ہے تو اس کے اقربا اور خیر خواہوں بلکہ کوچہ کے رہنے والوں کے ساتھ بھی محبت ہو جاتی ہے سو جیسے روشندانوں میں گودھوپ بمقدار روشندان کے آتی ہے ایسے ہی محبت بھی بمقدار علاقہ محبوب متعلقان محبوب سے پیدا ہو جاتی ہے مگر جیسے جو دھوپ باہر ہوتی ہے اسی کا ٹکڑا اندر ہوتا ہے اور جو نور خارج از دیوار ہے اسی نور کا شعبہ اندر ہے ایسے ہی متعلقوں کی محبت بھی محبوب ہی کی محبت کا شعبہ ہوتا ہے اور اسی کا ٹکڑا اسکو سمجھنا چاہیے۔

بدخواہان محبوب کی دشمنی محبت کا جزو نہیں اسکا لازم ہے | بخلاف بدخواہان محبوب کی عداوت کے کہ وہ محبوب کی محبت کو لازم ہوتی ہے اس کا ٹکڑا اور اس کا شعبہ نہیں ہوتی یعنی جو لوگ کہ محبوب کے بدخواہ ہوتے ہیں ان سے بتقاضا محبت محبوب عداوت ہوتی لازم ہے مگر یہ عداوت محبوب کی محبت کا ٹکڑا اور اس کا شعبہ بلکہ جہنم تک نہیں ہاں اسکو لازم ہے جیسے دھوپ کو بشرطیکہ دیوار وغیرہ کوئی شے نور کے روکنے والی حامل ہو سایہ لازم ہے حالانکہ اس کے جہنم تک نہیں اس قیاس پر جو لوگ اعداء خدا ہوں گے محبان خداوندی کو ان سے عداوت لازم ہوگی لیکن بہر حال یہ عداوت غیر محبت ہے اگرچہ اسکو لازم ہے ہاں اولیاء خدا اور مقربان الہی کی محبت وہ حقیقت میں خدای کی محبت کا ٹکڑا ہے کوئی غیر شے نہیں اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جہاں حب فی اللہ اور بغض فی اللہ کی مدح اور ثناء بیان فرمائی وہاں تو مقدم کو مقدم رکھا موخر کو موخر اور خداوند کریم حب فی اللہ اور بغض فی اللہ کی تعریف نہیں فرماتے بلکہ ان لوگوں کی تعریف کرتے ہیں جن میں یہ وصف پائے جاتے ہیں

یہی درجہ ہے کہ ہر صحابہ اور صحابی بیان کرنا صحیح ترتیب ہے اور دستور یوں ہے کہ کسی صاحب کمال یا موصوف باوصاف مختلفہ کی اگر تعریف کیا کرتے ہیں تو اس کے حالات میں سے کمتر کو پہلے لیا کرتے ہیں بعد میں اس سے زیادہ کو پھر بعد میں اس سے زیادہ کو تاہر وصف کی قدر اور عزت ہو در اگر ترتیب کو بالعکس کر دیجے تو بعد عمدہ اوصاف کے سن لینے کے کمتر اوصاف کیا قدر دہ جائے گی جو محل تعریف میں بیان کیا جائے غرض یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ اوصاف کی خوبی اور برائی تو اصلی ہے اور اوصاف والوں کی بھلائی بُرائی اوصاف کے سبب سے ہے در صورتیکہ اوصاف کی بھلائی بُرائی بیان کی جائے تو اول کو اول بیان کیا جائے اور دوم کو دوم اور در صورتیکہ اوصاف ولے کی بھلائی بُرائی مد نظر ہو اور اس شخص کے اوصاف یہ ترتیب ذکر کئے جائیں تو ترتیب مذکور کو عکس کر دینا چاہئے ہاں جہاں دو چیز کا فرق مراتب باعتبار مجموعہ اوصاف کے دریافت کیا جائے یعنی کس میں زیادہ اوصاف ہیں اور کس میں کم اور کس میں عمدہ تر ہیں اور کس میں نہیں تو یہ حقیقت میں اوصاف ہی کی تعریف ہے اس لئے انکی ترتیب دی ہوگی جو اوصاف کی ترتیب ہے اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اول ذکر کیا بعد میں صحابہ کا مذکور شروع کیسا القہ صحابہ کی تعریف میں ادنیٰ وصف جو بیان کیا گیا ہے تو اشداء علی الکفار ہے یعنی وہ کافر دل پر بڑے ہی تیز و تند ہیں۔

محبت کرنا آسان ہے اور دشمنی دشوار خصوصاً قریبے اور چونکہ محبت کرنا آسان ہے کیونکہ طبعی بات انسان کی یہ ہے کہ جب کوئی اس سے محبت کرے تو یہ بھی اسی طرف مائل ہو تو اس صورت میں خدا واسطے کی محبت سے ایمان خوب نہیں پرکھا جاتا ہاں عداوت کرنی البتہ دشوار ہے کہ عداوت کے قرعہ میں دوسرا بھی عداوت ہی سے پیش آئے گا محبت تو کر معلوم ہو اگر کسی کو خدا واسطے کسی سے بغض ہو تو یہ نشان کمال ایمان ہی سمجھا جائے گا خاصہ کہ خدا واسطے کی عداوت بھی اقربا سے کہ یہ دشوار اور دشوار ہے سو در صورتیکہ مطلق عداوت نشان کمال ہو تو اقربا کی عداوت تو نشان کمیت

اور ہم جو قرینہ مقام کو لحاظ کرتے ہیں تو محل اقربا ہی کی عداوت کا معلوم ہوتا ہے کیونکہ ماسبق کی آیت یعنی لَقَدْ صَدَقَ اللَّهُ رَسُولَهُ حُجُومًا صحابہ کرام کی تسلی اور تسکین خاطر کے لئے نازل ہوئی ہے سو جس قسم کے سبب تسلی کی جاتی ہے وہ علم ہی تھا کہ غزوہ حدیبیہ میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار مکہ معظمہ سے صلہ کر کے مراجعت فرمائی اور صحابہ کی آرزو میں خاص کر مہاجرین کی جو در باب جہاد کفارین میں لبریز تھیں دلوں کی دلوں میں رہ گئیں اور جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ابتدا میں اس سفر کے یہ خواب دیکھا تھا کہ ہم جمع جماعت امن چین سے کہ معظمہ میں داخل ہوئے اور اس خواب کے باعث باین خیال کہ اسی سال میں ہم مکہ میں داخل ہوں گے صحابہ کے دل میں یہ سرور بھرے ہوئے تھے کہ کچھ کہا نہیں جاتا وہ سب سب حسرت و غم سے بدل گیا اس وقت صحابہ کا یہ حال تھا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت نہ ہوتی تو آب تیغ صحابہ کفار مکہ کو عزاب فنا کر دیتی پاس قریبت کس کا اور شفقت نسبی کجا وہی مہاجرین جو مکہ والوں میں سے کسی کے بھیجتے تھے فقط جوش محبت خداوندی اور نیاز مندی رسول میں انہیں اپنے اقربا کے خون کے پیائے نظر آتے تھے اور آیت ماسبق اور آیت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر چسپیدگی میں دست و گریباں ہیں تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کیوں تو یہ کافر دشمن خدا و رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر غیظ و غضب آتا تھا لیکن اس آیت میں زیادہ تر اسی غیظ و غضب کی طرف اشارہ ہے جو انکو کفار کہہ پاس قصہ میں پیش آیا سو ان میں سے مہاجرین نہیں کفار کے اقربا میں سے تھے تو اسے حق میں لفظ اشداء علی الکفار نشان کمیت ایمان کا سمجھنا چاہئے اور در صورتیکہ ادنیٰ وصف ان کا اس بات پر گواہی دیتا ہے کہ انکا ایمان کامل تو کیا اکل ہے تو اعلیٰ اوصاف تو اعلیٰ ہیں اور چونکہ مومنان کامل الایمان گئے چنے ہوئے ہوتے ہیں کچھ ایسی سہل بات نہیں کہ دخل در معنولات کی طرح ہر کوئی کمال ایمان حاصل کرے۔

صحابہ کرام علیہم السلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر فرمایا پھر
 لہذا ان کی گمراہی کا خیال بھی کرتا رہی ہے۔
 صحابہ کا استنباط پر دلالت کرتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس
 امت میں اول نمبر پر اور صحابہ کا دوم تو ہم با یقین سمجھتے ہیں کہ صحابہ کرام اول قسم
 کے مخلصین میں سے تھے کہ شیطان بھی اُسے انھوں پر ہاتھ نہ دہرتا تھا بلکہ یوں
 نظر کہ شیطان اس درمیں کھارہے اور صحابہ اشد علی الکفار ہیں تو شیطان پر
 اور بھی اشد ہونگے علی ہذا القیاس نفس اعداؤں میں سے بلکہ سب میں بڑھ کر ہے۔
 شیطان بھی اُسی کے سہارے اپنا کام کرے ہے وہ اگر نہ تو شیطان کیا کرے
 بہر حال نفس و شیطان سے اُنکی عداوت اور بھی زیادہ ہوگی اور ان دونوں پر وہ اور
 بھی اشد ہونگے کیونکہ بغض فی اللہ یعنی خدا کے دشمنوں سے عداوت بقدر دشمنی
 ہوتی ہے جتنی دشمنوں کی دشمنی زیادہ تہا ہی بغض فی اللہ زیادہ ہو اور مخلصین پر شیطان
 کا فقط میں نہ چلتا تھا مگر کچھ اندیشہ بھی رہتا تھا صحابہ سے اسکی کوریجی دیتی تھی عجیب
 نہیں کہ ان سے بھاگتا پھرتا ہو۔

سو یہی وجہ ہوگی کہ حضرت عمر کے سایہ سے بھی شیطان بھاگتا تھا۔ کیوں کہ وہ سب صحابہ
 میں کانروں کے باب میں زہر قاتل تھے ان کے حق میں اشد علی الکفار ہونا سب میں زیادہ
 صادق آتا تھا بھلا شیطان جن سے خود بھاگے انہیں کیا گمراہ کرے گا شیطان کو
 ایسی جگہ اپنی ہی پڑ جاتی ہے اور نفس جن سے وہ بدہ کس سے دیں گے آدمی۔
 اور جو دیتا ہے تو اس نفس ہی کے پتے دیتا ہے اسی واسطے یلزام پڑا کہ ایسے لوگوں
 کی عبادات میں کچھ فرق نہ پڑے اعلان میں کسی قسم کا لاؤر یا وغیرہ کا نہ ہو کہ ان سب
 پیاریوں کی جڑ پی و آسید تھے جب بھی قابو میں آگے پیچ کیا کر پاتی رہ گئی۔
 نفس و شیطان کی آمیزش بغیر غلط فہمی سے ایسے وقت اگر ہوا کام ہوتا ہے تو فقط بسبب
 کوئی غلطی ہو تو امید ثواب ہے۔ غلط فہمی کے ہوتا ہے اس لئے اس میں بھی ثواب
 ملنا چاہئے مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون علیہ السلام کے جوہر کے

بال غصے میں پکڑ کر کھینچے حالانکہ حضرت ہارون کی کچھ تفسیر نہ تھی ہرگز عقل سلیم کے
 نزدیک داخل جراثیم نہیں یہ نہیں کہ اس پر کسی قسم کا سوا خذہ ہو بلکہ امید ثواب ہے کیونکہ
 باعث اس کا فقط خدا کی محبت اور بغض فی اللہ ہوا اور چونکہ یہ دونوں اوصاف محمودہ
 میں سے ہیں بلکہ اعلیٰ مقام میں سے اور ادھر اعمال کا مدار سے پر فقط صورت پر نہیں درہ
 سب کی نمازوں کا برابر ہی ثواب ہوتا تو ہم کو یقین کا مل ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام
 کو بھی اس پر ثواب ملے ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ بعد اطلاق غلطی کی بوجہ غلطی نداشت
 ہونی ضرور ہے سو اس مذمت سے یہ نہیں لازم کہ وہ کام ایسا برا ہو کہ انکو اس پر
 عذاب ہو بلکہ وجہ اسکی یہ ہے کہ وہ کام تو حقیقت میں برا ہوتا ہے پر نیت کے غلبہ سے
 اچھا ہو جاتا ہے جیسے وصول دھبہ اصل سے برا ہوتا ہے لیکن یا ران ٹکسار کا وصول
 دھبہ بھی بسبب اس کے کہ ازراہ محبت ہوتا ہے موجب نشاط خاطر محزون ہوتا ہے۔

مشاجرات صحابہ کا باعث نفس و شیطان نہیں بلکہ بغض فی اللہ تھا۔ انھیں صحابہ کرام کے سامنے جب
 نفس و شیطان مغلوب ہوئے تو اسوقت اگر کوئی کار بیوق اسے صادر ہوا تو بوجہ
 غلط فہمی صادر ہوا ہو گا اس صورت میں گودہ کام برا تھا لیکن چونکہ ہر طرح سے نہیں
 ہوا اور شیطان و نفس کو جو برے کاموں کی اصل اور بنیاد باندھنے والے ہیں اس میں
 دخل نہیں ملا بلکہ قوت ایمانی ہی باعث اس کا ہوئی ہے ثواب بوجہ غلبہ نیت اور قوت ایمانی
 ان کاموں کی بلوائی ایسی مغلوب ہو گئی ہے جیسے ماشہ دماشہ برابر میٹھے یا ننگ کا اثر
 کنوئیں یا دریا میں۔

سو جیسے حضرت موسیٰ کو حضرت ہارون پر غصہ ہونے اور انکے بال پکڑ کر کھینچنے کا
 باعث فقط بغض فی اللہ تھا ایسے ہی مشاجرات صحابہ بھی بغض فی اللہ پر مبنی ہوں لیکن
 جیسے حضرت موسیٰ سے یہ غلطی ہوئی کہ اُس بغض فی اللہ کو بیوق صرف کر دیا ایسے ہی
 صحابہ سے بھی یہ غلطی ہوئی ہو کہ جوش بغض فی اللہ میں مشا جوک گئے اور بگاڑ بیٹھے اور
 حقیقت الامر کو نہ سمجھے تو اس صورت میں ان پر سوا خذہ نہ ہو گا بلکہ باجور ہوں گے ہاں
 اگر بغض فی اللہ یا کوئی اور صنف محمود باعث اس کا فعل کا نہیں ہو کہ بلکہ کوئی ایسا

اس لیے کہ اس پر قابو نہ ہو سکتا اور اس کے اعمال بہت بڑے ہیں تو ان کے
 قلوب تو مرتب نہ ہو سکتے ہیں بسبب غلبہ ہی کے مانعہ دہی نہ ہوں گے۔
 نفس دہکتا ہے لیکن اسکا مزاج نہیں بدل سکتا اور احتمال یہ بھی ہے کہ گہرہ بیگاہ اقل دلیل
 یہ متفقہ مشریت کوئی حرکت نامزد صادر ہوئے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ ہر چند شیطان
 کو غلبہ میں پر قابو نہیں رہتا اور نفس بھی مغلوب اور مقہور ہو کر ان کا اس طرح مطیع فرمان
 ہو لیتا ہے جیسے ہاتھی باوجود اس عداوت کے کہ اسکو آدمیوں سے ہے مغلوب و مقہور
 ہو کر آدمیوں کی طرح سے اطاعت کرتا ہے لیکن جیسے ہاتھی پھر ہاتھی ہے آدمیوں کے
 غلبہ سے آدمی نہیں بن گیا کسی نہ کسی اپنی عادات اصلی پر آجاتا ہے ایسے ہی نفس گو
 غلبہ ایمان اور مصلحت محبت الہی کے باعث مقہور اور مغلوب ہو گیا ہے لیکن پھر نفس سے
 وہ طبع زائد برائی اور گناہوں کی رغبت کہاں جائے۔

نیکی کی اصل روح اور بدی کی اصل نفس ہے۔ [تفصیل اس جہاں کی یہ ہے کہ جیسے بدن
 چاروں قسم کی کیفیات یعنی حرارت سردت بیہوشی و رطوبت کے پائے جانے سے یہ
 دریافت ہوا ہے کہ بیشک بدن ان چاروں کیفیات کی اصولوں سے یعنی آگ ہوا پانی
 خاک سے مرکب ہے ایسے ہی بخلاف اس بات کے کہ آدمی کے دل میں کبھی نیکی کی طرف رغبت
 ہوتی ہے کبھی بدی کی جانب یوں معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی حقیقت ان دونوں کی
 اصولوں سے مرکب ہے لیکن جیسے اربع عناصر میں سے ہر ایک میں ایک کیفیت خاص
 ہے کہ اس کے مخالف اس میں نہیں پائی جاتی اور اگر پائی بھی جائے تو عارضی ہوتی
 ہے جیسے پانی کا گرم ہو جانا ایسے ہی نیکی اور بدی کی اصل میں بھی ان دونوں میں سے
 ایک ایک ہوتی چاہئے اور دوسری آجلے تو وہ عارضی ہے جب یہ بات مسلم ہو چکی
 تو ہم کہتے ہیں کہ نیکی کی اصل کا نام ہم روح کہتے ہیں اور بدی کی اصل کا نام نفس اور
 روح میں کیفیت اصلی نیکی ہوگی مغلوب ہو کر اگر بدی اس سے صادر ہو تو وہ عارضی
 ہے اور نفس کی اصلی خاصیت بدی ہوگی اور مغلوب ہو کر نیکی کرنے لگے تو وہ
 عارضی سمجھی جائے گی۔

روح عالم فکر کی ایک چیز ہے اور نفس طبقہ شیطانی ہے اس جگہ سے ہم یوں جاس کر سکتے ہیں کہ جیسے
 حرارت غریزی کے وسیلے سے ہم یوں دریافت کرتے ہیں کہ آدمی کے بدن میں ایک جزو ماری
 بھی ہے اور پھر اس کو یوں کہتے ہیں کہ اس کی اصل کرہ ماری ہے خدانے اپنے دور قدرت
 سے اسے یہاں لاکر قید کر دیا ہے ایسے ہی نیکی کے ارادہ کے وسیلے سے اول تو ہم زور دیتا
 کرتے ہیں کہ آدمی میں کوئی چیز ایسی بھی ہے کہ اس کی اصلی خاصیت نیکی ہے اور دوبارہ
 یوں سمجھتے ہیں کہ اس کی اصل طبقہ ملائکہ ہے جن کی شان میں خداوند کریم یوں ارشاد
 فرماتا ہے لَا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ یعنی خدا کی نافرمانی کرتے
 ہی نہیں جو حکم ہوتا ہے وہی کرتے ہیں سو اس کا حاصل یہی ہے کہ ان کی اصلی خاصیت نیکی ہو
 ایسے ہی انسان کے دل میں بدی کے ارادہ اور خواہش کے وسیلے سے اول تو ہم سمجھتے ہیں
 کہ اس میں کوئی جزا ایسا ہے کہ اس کی اصلی خاصیت بدی ہے اور پھر یوں خیال میں آتا ہے
 کہ اس کی اصل طبقہ شیطانی ہے جن کے حق میں جناب باری تعالیٰ یوں ارشاد فرماتے ہیں
 وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِلْإِنْسَانِ كَفُورًا حاصل یہ کہ شیطانی اپنے رب کے قیدی نافرمان ہیں سو
 اس کا حاصل یہی ہے کہ ان کی اصلی خاصیت بدی اور نافرمانی ہے۔ القصہ روح
 عالم الملكوت کی ایک چیز ہے اور نفس طبقہ شیطانی سے ہے۔ خداوند کریم نے
 اپنے نور قدرت سے ان کو ایک جگہ ایسا جمع کر دیا ہے۔ جیسا طوطی اور زلع کو ایک
 قفس میں بند کر دیں۔

انسان میں بھی بدی کے مختلف دور ملائکہ اور شیطانی کی تقویت و تاثر ہے جیسے بدن کے
 اربع عناصر میں ہر ایک کو اس کے محسوس سے تقویت ہوتی ہے۔ ایسے ہی روح اور نفس کو بھی اپنے
 اپنے محسوس سے یعنی ملائکہ اور شیطانی سے تقویت ہوتی ہے۔ چنانچہ بعض احادیث بھی اس پر شاہد ہیں
 اور زور عقل بھی ہم یوں ہی یقین کرتے ہیں کہ اوقات مختلفہ میں یہ نیکی اور بدی کے خیال کا غلبہ ہو
 ملائکہ یا بوجہ شیطانی ہو تو ہر دور جو انداز طبع زائد تھا وہی رہتا عرض طبعی کیفیت اگر جاتی ہے تو
 کسی خارجی شے کے غلبہ سے جاتی ہے سو کسی کے خیال کا غلبہ بظاہر مسلمان بجز اعانت ملائکہ معصوم نہیں
 علیٰ ہذا القیاس ہی کی جانب توجہ کی زیادتی بجز تاثیر شیطانی معقول نہیں۔

کی اول ہی بات معلوم کر دی ہے کہ حال ہر مسئلہ بازا اور انبیاء کے اصرار کو مسترد جانتے
 بازا میں کیا کیا ہے۔

ایضاً یہ معلوم کیا گیا ہے کہ شیطان کا تسلط نہیں ہے۔ یہاں تو فقط اتنی بات سے غرض ہے
 کہ یہ وصف کہ جو آئینہ علی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خدا نے معرض تعریف میں بیان کیا اور پھر
 تعریف بھی ایسے وصف کے ساتھ کہ بعد رسالت اسی کا ترجمہ ہوا۔ یہ وصف ایسا نہیں کہ صمد درگناہ
 یا صمد و خطا اس کے ساتھ محال ہو۔ حال البتہ جب ہوتا کہ اس وصف والوں کو حقیقت نفسی کے تبدیل
 کا اختیار ہوتا۔ سو تو معلوم ہے یہ بھی اس وصف والوں کو میر نہیں آسکتا کہ ایک حال پر برقرار رہیں
 اور کیونکر وہ یکس طرح میں مخالف ایک دوسرے کی دشمنی سے ان کو بالآخر ایک شے ہو تو ایک
 حال پر رہے۔ ان کے واسطے یہی بہت ہے کہ شیطان کا ان پر تسلط نہیں ہو سکتا خداوند کریم
 ان سے برائیوں کو ہٹاتا رہتا ہے، چنانچہ حضرت موسیٰ سے برائی اور فرعون کے ہٹانے کی وجہ یہی
 بیان فرمائی ہے کہ وہ چنے ہوئے ہیں سے ہیں۔ فرمایا ہے

كُنَّا لَكَ لِيُفَضِّلَ عِنْدَ السُّوءِ
 وَانْتَحِثْنَا اَنْ نَمْنِيَنَّ مِيَادِنَا الْخَالِصِينَ
 یعنی یوں ہی ہوا۔ اس واسطے کہ تمہاری اس
 سے برائی اور بے حیائی البتہ وہ ہے ہمارے
 چنے ہوئے بندوں میں سے۔

القصہ یہ لازم نہیں کہ جو آئینہ علی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوا کریں ان سے لغزش کا
 ہونا محالات میں سے ہو۔

آئینہ اور خطا کے لئے اخلاص لازم اور رہا ممکن ہے۔ ہاں البتہ یہ لازم ہے کہ عبادات میں
 فتور نہ ہو۔ ان کے کام میں یہاں کو دخل نہ ہو۔ طالب اگر ہوں تو رضا، خداوندی کے ہوں نظر
 ہو تو اس کے ایک انفصال پر ہو سو اسی لئے بعد ان دونوں وصفوں کے بطور علامات کے اور دلائل
 کے یوں بیان فرمایا کہ یہ وہ خطا ہے کہ

غلط فہمی کے سبب بڑوں سے خطا ہو جاتی ہے۔ جب یہ بات مقرر ہو چکی تو اب ہماری عرض علماء شیعہ کی
 خدمت میں یہ ہے کہ اول تو بسا اوقات یوں ہوتا ہے کہ بڑے بڑے کسی غلطی کے سبب سے ملے بات کو
 بری سمجھ جاتے ہیں جنہر کی کشتی توڑنے کو خدمت سے جیسے فی الواقعہ نے برا سمجھا اور خلافت

شریعت سمجھ کر یوں فرمایا کہ شیطان کا تسلط نہیں ہے۔ حاصل یہ ہے کہ کوئی نہ کوئی کام کیا حال انکے ہوں تو
 کچھ برا نہیں کیا تھا بلکہ سمجھا گیا تھا اگر نہ توڑتے تو وہ کشتی پر دھکی جاتی ہو اسی طرح حضرات شیعہ
 بلکہ حضرات ائمہ بعض صحابہ کے افعال کو مثلاً فکرت کے نہ دیکھنے کو اور سنی اس کے اور افعال کو نہ
 اگر برا سمجھ گئے ہوں۔ اور حقیقت میں وہ برے نہ ہوں تو یہ شیعہ حضرات ہی نقل کی رو سے
 فرمائیں کیا محال ہے۔

اور یہ بھی نہ سہی شاید کسی کو یہ گمان ہو کہ حضرت خضر اہل مکاشفہ میں سے تھے ان کی بات
 اگر سمجھ میں نہ آئی تو جیسا ہے ابو بکر کو ہم اہل مکاشفہ میں سے نہیں سمجھتے اس لئے یہ اتنا سہ ہے کہ
 حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کی باہم جو شکر و تجنی ہو گئی اور منشا اس کا یہ ہو
 کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام حقیقت الامر کو نہ سمجھے اور اس سبب دست و گریباں ہو گئے اور ایسے
 ہی حضرت زہرا رضی اللہ عنہا حقیقت الامر کو نہ سمجھی ہوں تو کیا ہر جہے حالانکہ یہاں کوئی
 مکاشفہ کی بات بھی نہ تھی اس لئے کہ حضرت ہارون نے تو کچھ خطا کی ہی نہ تھی اگر معصوم ہونے کی
 وجہ سے اس بات کو مستبعد سمجھتے ہو تو حضرت زہرا رضی اللہ عنہا تو فقط شیعہ ہوں ہی کے نزدیک معصوم
 تھیں حضرت موسیٰ تو بالاتفاق معصوم ہیں۔

اور مستثنیٰ یہ بھی نہیں تو یہ ناکارہ ابھی عرض کر کے آیا ہے کہ اور اہل اور غلطیوں سے چونکہ کبھی
 جاتی ہے اور خطا کا ہونا کچھ ان سے محال نہیں جو اس وجہ سے ان کی بزرگی کے منکر ہو جائے۔ بزرگی کو
 چیز اور صمد درگناہ اور چیز۔ وہ گناہ جو مخالف ولایت ہے وہ بے کفایت اپنی خاصیت اہلی پر باقی ہوا اور
 روح اس کے مغلوب ہو جائے، مذہب کہ مقتضای بشریت بھی نہ ہو۔ ورنہ ہم تو نہیں کہہ سکتے حضرت آدم
 کی شان میں جو یہ آیا ہے وَعَفَىٰ آدَمُ رَبَّهُ فَغَوَىٰ یا حضرت یونس کی طرف تعریف ہے۔
 لَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْخُوْبِ یا خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا جاتا ہے مَا كَانَ لِیَنْبِیَ اَنْ یَّکُوْنَ
 لَدَا اَسْرَی حَتَّی یُثْبِتَ فِی الْاَرْضِ اَنْ کَیَا مَعْنٰی ہو گئے، حالانکہ یہ سب قانع کلام اللہ میں
 مذکور ہیں گنہگار نہیں اور صحابہ کے زلات اگر زلات بھی ہوں اور از قبل غلط فہمی ہوں
 تب وہ کچھ کلام اللہ میں مذکور نہیں کسی حدیث متواتر میں نہیں ممکن ہے کہ غلط ہوں اور نہ سہی
 ہم کہتے ہیں کہ غلط نہیں لیکن جو ہم جواب انبیاء کی طرف سے دو گے وہی صحابہ کی طرف سے سمجھ لو کہ ان کی

مکتب سے ہی جلد بہت بڑے کوہ معصوم نہیں ہی نہیں، اگر خطا ہوئی تو بلا سے جب بائیں ہمد خدا
نے ان کی تعریف کر دی۔ تو پھر کیا حاجت جواب اور کیا عذر کی ضرورت۔

مصرع۔ ہر عیب کہ سلطان بہ پسند و ہنسرت

امکان خطا کے باوجود اتنی تعریف دلیل غفران و رضائے القصد اس قسم کے قصور
قابل گرفت نہیں۔ اور عقل سلیم ہرگز تسلیم نہیں کرتی کہ ان پر محاسبہ اور
اموا حسد ہو بلکہ ان اوصاف کے بیان ہی میں اس بات کی طرف اشارہ فرمادیا اس لئے کہ اشدّ اذی
عَلَى الْكُفَّارِ دَحْمًا وَيَنْهَيْهُمْ عَنْ نَافِثَاتِ بَابِهَا اس بات کو نہیں چاہتا کہ ان سے کوئی خطا نہ ہو اور جب
اس بات کا التزام نہ ہو اور خداوند کریم نے باوجود امکان صدور خطا ان کی تعریف فرمائی تو یہ معنی
ہوئے کہ یہ وصف ایسے نہیں کہ ان کے سامنے اس قسم کی باتوں کا حساب کیا جائے بلکہ یہ خوبی نقطۂ اعتدال
ہے کہ کچھ کچھ کے دیتی ہے تو گویا ختم اشارہ ان کی منفردت کی طرف ہوا اور جواب بھی وہ معذب ہو کہیں
تو پھر کیا تعریف جتنی سے تو سوز بلکہ باغادیشاہی بھی اچھے میں چنانچہ خطا ہر ہے۔

القصد نظر انصاف چاہئے خدا کی تعریف کے بعد پھر کہیں ہو سکتا ہے کہ صحابہ جنم میں جائیں پھر
اس صورت میں ایک کیا لاکھ گناہ ان کے ذمہ لگا دو جو کرے گا وہ اپنی عاقبت خراب کرے گا اور
بچھنے والے اسی کو تعریف سمجھیں گے۔

امکان خطا کے باوجود اتنی تعریف اصلے صحابہ کے مندرجہ بالا ہے اور حق بھی تو ہے جب کوئی بادشاہ دانشمند
انتظام مملکت کا خیال ہو اور وہ ملازموں کے حال کا کھراں ہو اپنے چند ملازموں کو باوجود خطا ان کے
کچھ نہ کہے تو ظاہر میں ہی کچھ میں آتا ہے کہ کوئی بہت پیارا ہے جس کو اس حال پر بھی ان سے مواخذہ
نہیں اور جو اتنی تعریف کرے اور ان کے غمازوں اور دشمنوں سے جو ان سے کینہ رکھتے ہوں۔ بری
طرح ہمیش آئے اور ان کے ان کمالات کو جو اپنے نزدیک اور ان کے دشمنوں کے نزدیک ان کی خوبی
مسلم البشوت ہو ان کے دشمنوں کو سنا کر کہے کہ ان میں سے جیسے یہ اوصاف پسے جائیں ہم سراسر
کی سب خطائیں معاف کیں بلکہ اس کے لئے اور انعام قرار واقعی تیار کیا ہے تو اس صورت میں جو اس
کے اور کوئی احتمال نہیں ہو سکتا کہ بادشاہ کو ان ملازموں سے محبت ہے اور اس کو ان کی تہج ہے جو ان کا
دشمن ہو وہ اس کا دشمن جو ان کا دوست وہ اس کا دوست ہے

نہایت سے صحابہ کرام کے فضائل و حسنات کا بیان کیا ہے اور بقصد اعلیٰ سارا اقصیٰ عین الایات کے
ملاحظہ سے سمجھ میں آتا ہے کیونکہ اول تو صحابہ کی تعریف ایسی بڑھ کر کرے کہ اس سے زیادہ کوئی
تعریف کی صورت امتیاز کے حق میں کچھ میں نہیں آتی، پھر بعد ازاں فرمایا لِيَقِظَ مِنْهُمْ الْفَاسِقُ۔
یعنی یہ جو کچھ صحابہ کے حق میں کہا گیا تو کفار یعنی ان کے دشمنوں کے جلاتے اور چڑاتے کے لئے کہا گیا ہے
سبحان اللہ کیا علم محیط خلقت مدی ہے کہ بعد کے تمام احوال کی طرف اشارہ فرمادیا، خدا کو تو پہلے
ہی معلوم تھا کہ شیعہ اور نواصب اور خوارج صحابہ کے حق میں عمار زمان کرینگے اور ان کی قدر و منزلت
کا جو خدا کی درگاہ میں ہے کچھ خیال نہ کرینگے۔

باقی یہی بات کہ لِيَقِظَ مِنْهُمْ الْفَاسِقُ۔ اے وہ کافر جو جانتے تھا تو اس کی وجہ
یہ ہے کہ کافروں کو بھی ان سے دشمنی ہو تو ہو مسلمانوں کا کام تو یہ نہیں کہ خدا ان کی تعریف کرے اور ان کی
سب خطائیں معاف کرے اور پھر بھی ان سے حسد کئے جائیں جن کی خدا تعالیٰ کرے اور خدا
کی بات بات سے ان کی محبت چمکے پھر کینہی ہے یا نہیں کہ ان کی بدی کرے اور برائیاں لگائے۔ اور
خدا کو اپنا دشمن بنائے

صحابہ کرام شیعوں کے بھی محسن ہیں ایلاول کیلے کہ منکران صحابہ کو جو نوبت کلمہ گوئی کی آئی اور بزم خود مکران
ہوئے تو یہ صحابہ ہی کی جو بیوں کا صدقہ ہے نہ وہ جہاد کرتے نہ اس طرح اسلام پھیلاتے اور نہ یہ کلام
کا دلویج ہوتا کہ شیعہ تک باوجود کلمہ اللہ کو ان سے کیا نسبت، کلام اللہ کی تلاوت سے مستفید
ہوتے ہیں۔ پھر بائیں ہمد اگر ان کے شکر گزار نہ ہوں تو پھر کس کے ہوں گے اور ان کے حق میں گستاخی
کریں گے تو پھر کس کا ادب کرینگے ان سے زیادہ بڑھ کر اور کون کا فر نعمت ہو گا اس لئے جناب
باری تعالیٰ نے دشمنان صحابہ کو کافر فرمایا۔

صحابہ کی تربیت قرآن کی پیش گوئی ہے کہ اندر صحابہ کے دشمن پیدا ہونگے پھر چونکہ علم غیبی صحابہ کی نسبت ہو گئی
اور گستاخی کا ہونا محقق تھا تو جیسے مثال مذکور میں غمازوں کے لئے بیان کیا گیا تھا ایسے ہی غمازان
صحابہ کو بھی سنا کر یہ ارشاد فرماتے ہیں دَعَا اللّٰهُ الَّذِينَ آمَنُوا لَوْ هُمَا انْصَلَحَتْ مِنْهُمْ
مُخْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِيمًا یعنی حاصل اس کا اس صورت میں یہ ہوا کہ انے منکران صحابہ یہ جماعت
صحابہ جن کی ہم تو توبہ کرتے ہیں اور ہم پھر بھی ان کی بدگوئی سے باز نہیں آتے اور نہ ہی نہیں سمجھتے

اگر ان فرض ایسے ہی ہیں جیسے تم کہتے ہو اور واقعی ان سے یہ خطا بین ہوتی ہیں تو کم محبت ہو کر
 ہو تب کیا ہو گا ہم اے تو یہ وعدہ کر لیا ہے کہ ان میں سے جو ایمان رکھتا ہو گا اور اس نے اپنے اپنے عمل کئے
 ہونگے ہم اس کی خطائیں بھی معاف کر دیں گے۔ اور ان کو اجر عظیم بھی دیں گے پھر جب وہ سب کے
 سب کافروں کے ساتھ تیز دندہ ہوں اور آپس میں محبت رکھتے ہوں نمازیں ہمیشہ مشغول
 رہیں سوا خدا کی رضا مندی اور اس کے افضال کے اور کہیں طلبکار نہ ہوں تو ایمان کے گناہ کو بیکار
 معاف نہ کریں اور انہیں کسی عذر سے ان کے ایمان اور اعمال صالحہ کا اجر کیوں نہ دیں اس سو
 زیادہ ایمان اور اعمال صالحہ کی اور کیا صورت ہے۔

صحابہ سے منفعت اور اجر عظیم کا وعدہ غیر شرط ہے اگر یہ شرط ہوتی کہ ایمان اور عمل صالح کے ساتھ گناہ
 بھی کسی قسم کا نہ کریں تب بھی ایک بات تھی۔ اس وعدہ میں تو یہ شرط نہ تھی اہل ایمان اس سے
 سمجھ گئے ہوں گے کہ منہم جو بوجہ عمل و سلوک کے بڑھاپے تو اس کی یہ وجہ ہے کہ یہ وعدہ
 حقیقت میں منکروں کے جواب کے لئے بیان کیا گیا ہے اور اس کی یہ صورت ہے جیسے مرقوم ہوئی۔
 ورنہ یہ معنی اگر ہوں کہ کوئی ان میں سے ایمان لایا اور عمل صالح کئے اور کوئی کافر رہا بخیر و اللہ
 تو اس کو ہم جانتے ہیں۔ شیعہ بھی باور نہ کریں گے۔ اس لئے کہ خدا کے اتنے تو یہ بھی مقتدر ہیں کہ خدا
 جسے مومن بنلا دے وہ مومن ہی ہے کافر نہیں سو خدا نے ان کے ایمان اور اعمال صالحہ کی
 پہلے ہی گواہی دے دی بلکہ ایمان اور اعمال صالحہ میں سے بھی اول قسم کے ایمان اور اول قسم کے
 اعمال صالحہ کی گواہی دی کیونکہ ایمان میں تو اس سے بڑھ کر کوئی ایمان نہیں کہ خدا سے محبت
 اس درجہ کو پہنچے کہ اس کے دشمنوں سے کئے باشند اپنا ہوا یا سیکانہ عداوت ہو جائے اور اس کے
 دوستوں سے کئے باشند محبت ہو جائے کیونکہ سب کے نزدیک بالاتفاق محبت اعلیٰ مقامات ایمان میں
 سے ہے اور پھر وہ بھی اس قدر۔

ایمان کے معنی اور مرتبہ یقین اور وجہ اس کی ظاہر ہے اس لئے کہ ایمان کہتے ہیں کسی چیز کے
 یقین کر کے تسلیم کر لینے کو۔ سو اصطلاح شرع میں خاص خدا کے کمالات پر یقین کر لینا اور پھر
 ان کو تسلیم کر لینا یعنی مثلاً خدا ہم کو ایمان ہے تو اس کے ایمان کے معنی ہونے کا دل تو خالی اس وقت
 کو یقینی سمجھ پھر تسلیم بھی کر لے سو حاکم کی حکومت کے تسلیم کرنے کے ہی معنی ہیں کہ اس سے خوش

نہ ہو جائے علیٰ ہذا القیاس سب کمالات کو سمجھو

علم یقین محکم یقین کے چند مرتبے ہیں۔ ایک تو علم یقین یہ تو ادنیٰ مرتبہ ہے اس کی مثال ایسی ہے
 جیسے کسی معتبر آدمی سے ہم سنیں کہ فلانی جگہ فلانی چیز ہے۔ ایسا یقین تو ہر ادنیٰ مسلمان کو حاصل ہے
 اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو بالاتفاق سچے ہیں۔ ان کی خبر سے معلوم ہوا کہ خدا میں کمالات
 ہیں اگر اتنا یقین بھی نہ ہو تو ایمان ہی نہیں۔

عین یقین دوسرا مرتبہ عین یقین یعنی جو کانوں سے سنا تھا وہ آنکھوں سے دیکھ لیا سو اس مرتبہ
 میں یقین پہلی مرتبہ سے زیادہ ہوتا ہے کیونکہ سن کر کوئی چیز کا یقین ہو جائے لیکن وہ بات نہیں
 ہوتی جو آنکھوں سے دیکھنے میں ہوتی ہے اسی واسطے خوبصورتوں کے قصے اکثر کانوں سے سنتے
 ہیں اور محبت نہیں ہوتی اور آنکھوں سے دیکھنے میں جو کچھ ہوتا ہے سب جانتے ہیں لیلے اور شیریں
 اور حضرت یوسف علیہ السلام سے ان کے مرنے کے بعد کسی کو محبت نہ ہوئی حالانکہ شہرہ انکے
 حسن و جمال کا قنا ہے جب نہ ہو گا۔ بلکہ اس سے صاف یوں معلوم ہو گیا کہ سننے سے کسی کو
 محبت ہوتی ہی نہیں ورنہ حضرت یوسف علیہ السلام سے کسی کو تو محبت ہوتی اپنے زمانہ کے خوبصورتوں
 سے تو محبت ہو جائے اور ان سے نہ ہو و جب اس کی اور کچھ نہیں کہ سننے سے بوجہ صورت محبت پیدا
 نہیں ہوتی ورنہ حضرت یوسف علیہ السلام تو حضرت یوسف ہی تھے۔

اور وہ کہیں سننے سے ہو بھی ہے تو وہ بھی دیکھنے ہی کا طفیل ہے یعنی آنکھوں سے جو
 خوبصورت نظر آتے ہیں اور ان کے دیکھنے سے ایک کیفیت ہوتی ہے تو پھر اگر سننے میں کہ فلاں
 خوبصورت ہے تو اسے اپنے تجربہ سابق پر قیاس کر لیتے ہیں اور اس وجہ سے گو نہ اشتیاق پیدا
 ہو جاتا ہے ورنہ فقط سننے سے کچھ نہیں ہوتا ہے۔ اس لئے مادر زاد اندھے کو جسے شکل و صورت کا
 تصویری نہیں ہوتا اور خوبصورت اور بدصورت کو ہرگز نہیں سمجھتا اس کو بوجہ صورت کسی کی
 محبت نہیں ہو سکتی چنانچہ سب جانتے ہیں بالجمہل عین یقین کے درجہ میں اگر کوئی چیز جمیل اور
 مجمل ہو رہی ہے تو اسے بشرط ماہیت طبیعت محبت ہو جاتی ہے

حق یقین پھر ایک مرتبہ یقین کا حق یقین ہے وہ یہ ہے کہ جس چیز کو آنکھوں سے دیکھ لیا ہے
 اس کے استعمال اور برتنے کا بھی اتفاق ہو جیسے پانی کا ایک تو دیکھنا پھر دیکھ کر اسے پی بھی

لینا، اب پینے کے بعد یہ احتمال ہے کہ شاید میرا بھائی دیکھنے میں کچھ غلطی ہوئی ہو یا پانی نہیں رہتا غرض یہ مرتبہ یقین ہونے میں عین یقین سے بڑھ کر ہے اس مرتبہ میں وہ محبت جو دیکھنے سے پیدا ہوتی ہے اور بھی بڑھ جاتی ہے۔

محبت حق یقین کے بعد ہی پیدا ہوتی ہے بلکہ حقیقت میں دیکھتے تو محبت اسی درجہ میں پیدا ہوتی ہے اس لئے کہ پانی سے جو محبت ہے تو اسی وجہ سے ہے کہ وہ پیاس کو بجھاتا ہے جو یہ بات تو پسینے ہی سے معلوم ہوتی، اگر کوئی شخص ایسا فرض کر کہ اس نے نہ کبھی پانی دیکھا ہو نہ سنا ہو نہ اس کی تاثیر معلوم ہو اور نہ اسے کبھی پانی کی ضرورت ہوئی ہو۔ پھر اسے ایک دفعہ ہی پیاس لگے اس وقت اس کے سامنے اگر پانی آجائے تو وہ کیا جائے کہ اس میں یہ تاثیر ہے اور اس سے میری پیاس بجھ جائے گی جو اس کے کیا تو خدا اس کے حق میں ڈال دے کہ اسے استعمال کیجے یا کوئی اسے تھلاوے اسے ہرگز پانی کی فضا نہ ہو گا۔ لیکن خود غیور توں کو وہ دیکھنا اس وجہ سے برتنا ہی ہے کہ جیسے گلزار کے دیکھنے سے جی کو راحت ہوتی ہے ویسے ہی ان کے دیکھنے سے جان و دل کو آرام ہوتا ہے۔ بالجمہ عقل سلیم یوں کہتی ہے کہ محبت حق یقین کے مرتبہ میں ہوتی ہے چنانچہ واضح ہو گیا۔ اگر اندیشہ تطویل ہو تو انشاء اللہ تعالیٰ اس بحث کو پورا بیان کرتا مگر ناچار جو فرصت کم پھر اپنا حشرج اوقات، اور جواب خط کی جلدی۔ ہندوان ہی پر اکتفا کرتا ہوں۔

صحابہ حق یقین کے مراتب پر نازل تھے اور مرتبہ بالجمہ محبت مرتبہ حق یقین میں پیدا ہوتی ہے اور یہ اعلیٰ قسم فی اللہ اور بغیر فی اللہ میں بھی راسخ ہے یقین کی ہے اور پھر محبت میں اعلیٰ قسم یہ ہے کہ محبوب کے لواحق و تواب تک محبت پہنچ جائے اور اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ اس کے دشمنوں سے عداوت ہو جائے سو جب جناب باری تعالیٰ نے سب صحابہ کے حق میں اس بات پر گواہی دی کہ ان کے دل میں ہمارے دشمنوں کی دشمنی اور ہمارے دوستوں کی دوستی ہے تو صاف واضح ہو گیا کہ ان کے دل میں خدا کی محبت پہلے ہے۔

باقی کوئی یوں کہے کہ مسلمانوں سے محبت ہونے کو کیا لازم ہے کہ خدا ہی کے سبب سے ہو، محبت کے بہت اسباب ہیں، نسب کی وجہ سے ہوتی ہے احسان اور سلوک اور دوستی

کے سبب سے ہوتی ہے، علاوہ اس کے اور بہت صورتیں ہیں اے لہذا اقیاس دشمنی کی نسبت وہ وہ ہیں۔ جب تک یہ تحقق نہ ہو کہ وہ محبت اور دشمنی خدا کے سبب سے، تب تک مطلب ثابت نہیں ہوتا۔

جواب اس کا اہل توبہ ہے کہ جب کسی وصف کے ساتھ محبت اور دشمنی کو متعلق کرتے ہیں تو غرض میں وہ محبت اور دشمنی اس وصف ہی کی وجہ سے سمجھی جاتی ہے مثلاً کوئی یوں کہے کہ مجھے خوبصورتوں سے محبت ہے یا عالموں سے محبت ہے۔ علیٰ ہذا اقیاس کوئی یوں کہے کہ مجھے متکبروں سے عداوت ہے یا کافروں سے عداوت ہے تو کوئی نا انصاف بھی اس کے کہنے میں تامل نہیں کرتا کہ یہ محبت اور یہ عداوت ان اوصاف ہی کی وجہ سے ہے اور یوں کسی کو احتمال بھی نہیں ہوتا کہ شاید کسی اور وجہ سے ہو جو خدا نے بھی اس قدر اعلیٰ انکشاف کیا ہے یعنی کافروں پر بڑے تیز و تند ہیں اور کافر کے بھی معنے ہیں کہ خدا کا دشمن ہو تو معلوم ہوا کہ ان کی عداوت جو وجہ کفر ہے کسی اور وجہ سے نہیں اور جب بوجہ کفر ہوئی تو خدا ہی کی محبت کے سبب ہوئی ایسے ہی سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ کو سمجھے، یعنی ایک درس کو جو آپس میں محبت ہے تو فقط رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور آپ کے نمرہ میں داخل ہو جانے کے باعث ہے اور اس کا حاصل بھی یہی ہے کہ خدا کے متعلقوں میں سے ہیں اور جب یہ سمجھ کر ہوئی تو وہی خدا واسطے کی محبت ہوئی۔

صحابہ کا مقصود منہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ایشعون فضلہم اللہ ورضو انزلے اس بات کو خوب ثابت کر دیا کہ ان کے ہر کام میں خدا کی رضامندی مد نظر ہے سو کفار سے سختی کی باتیں اور آپس کی عنایاتیں سب خدا کی رضامندی کے لئے کرتے ہیں اور خدا کی رضامندی کی طلب گاری عین نشان محبت ہے۔ سو محبت کے اور کوئی وجہ رضا کی طلب گاری کی ممکن ہی نہیں اور بہشت کی تمنا میں جو لوگ خدا کی مرضی کے کام کرتے ہیں تو وہ حقیقت میں مرضی کی طلب نہیں ہوتی جنت کی طلب ہوتی ہے جیسے فقیروں کی وجہ سے مالداروں کی خواہش کرتے ہیں تو وہ حقیقت میں ان کی رضا کے طالب نہیں مقصود اصلی ان کا روٹی ہی پڑتا ہے بالجمہ رضا جوئی نخب ہی کا کام ہے۔

الغرض صحابہ کرام کو جو کفار سے عداوت اور اپنے لوگوں سے محبت تھی تو وہ فقط خدا ہی کی محبت کا ثمرہ تھا۔

اور اگر یہ روایات کا قبول نہ ہو تو جو کچھ تسلیم کر لیں۔

میں روایات پر شیخ کی بنیاد ہے ان کے مہندہ ہم یوں پوچھتے ہیں کہ کتنی تو حسب اعتقاد شیعہ اس راویوں کی تعداد کا حال، قابل ہی نہیں کہ ان کی کتابوں کی روایات کو تسلیم کیا جائے باقی رہی شیعہوں کی روایتیں ان کا حال یہ ہے کہ جن راویوں سے شیعہ اپنے دین ایمان کی باتیں لیتے ہیں اور ماہین شیعہ اور حضرات ائمہ رضوان اللہ علیہم اجمعین وہ واسطے ہیں ان کا حال یہ ہو کہ ہناک بن سالم اور مثنیٰ اور صاحب طلق یعنی احوال طلق وغیرہم جو ان کے مقتدا اور پیشوا اور احادیث معلول بہا کے راوی ہیں ان کی جو کچھ خوبیاں اور بزرگیاں ہیں اور حضرات ائمہ نے ان کے فضائل بیان کیے ہیں وہ سب تو اس رسالہ میں نہیں آسکتے پر بطور نمونہ کچھ معروض ہے کلینی جوامع الکتاب شیعہ اس میں یہ حدیث ہے۔

عن ابراہیم محمد بن الحسن اور محمد بن الحسن
قَالَ أَخْبَرَنَا عَلِيُّ بْنُ أَحْسَنِ بْنِ مَعْلُودٍ السَّامِيُّ
قُلْنَا إِنَّ هَذَا مِنْ سَلَمَةَ وَآلِ شَيْبَةَ وَصَلَّى عَلَيْهِ
يَقُولُونَ إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى أَخْبَرَنَا بِهَذَا الْقَوْلِ
وَالْبَاقِي مُحَمَّدٌ بْنُ مُحَمَّدٍ سَاجِدٌ أَقْبَمَ خَالَ
سُجَّانَكَ مَا عَرَفْتُكَ وَلَا وَخَدَكَ وَكَ
فَمِنْ أَجْلِ ذَلِكَ وَصَفَوْكَ

حاصل اس روایت کا یہ ہے کہ ابراہیم بن محمد خوار
اور محمد بن حسین بیان کرتے ہیں کہ ہم امام ابو الحسن رضا
علیہ السلام کے پاس گئے تھے کہ کیا کہہ شیعہ بن سالم اور
مثنیٰ اور صاحب طلق یوں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہاتھ
تک تو کھو کھلا دی اور باقی انھوں سے آپ سنتے ہی جگہ
میں جا پڑے اور یہ فرمایا کہ اے اہل تو پاک ہم ان جو کچھ
ان لوگوں نے تجھے پہچانا اور نہ انہوں نے تجھے وعدہ
لا شریک لہ جانا اس سبب سے جو کچھ ان کے منہ میں آتا
ہے بک دیتے ہیں۔

دوسری روایت بھی کلینی ہی کی ہے۔

عن علی بن حمزہ قَالَ قُلْتُ لَأَبِي عَبْدِ اللَّهِ
عَلَيْهِ السَّلَامُ سَمِعْتُ هَاشِمَ بْنَ مُحَمَّدٍ يُرَوِّى
عَنْكَ إِنَّ اللَّهَ جَسَمٌ خَمْدٌ قِيَّ نَوْرِي مَعْرِفَتُهُ مَنْ رَوَى
بِحَقِّ جَهْلًا مَعْنَى بَشَاءٍ مِنْ عِبَادِهِ فَقَالَ سُجَّانُ مَنْ
حاصل اس روایت کا یہ ہے کہ ابن حمزہ کہتا ہے کہ
میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے کہا کہ ہاشم
بن حکم تم سے روایت کرے کہ خدا جسم ہے مٹھوس،
سراسر کے جواب میں حضرت امام بہام رضی اللہ عنہ

لَا يَقْلَمُ أَخَذَ كَيْفَ هُوَ إِلَّا هُوَ كَيْفَ كَيْفَ
وَهُوَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ لَا يَجِدُ وَلَا يَحْسُ وَلَا
يُخَيِّطُ بِهِ شَيْءٌ وَلَا جِسْمٌ وَلَا مَوْرَدٌ وَلَا حِدَّةٌ

نے کچھ لیا ہی فرمایا جیسا امام ابو الحسن رضائے
فرمایا تھا مطلب قریب قریب

الہ روایتوں کو دیکھ کر مقتدیان امامیہ نے کیا کیا معرفتیں تراشی ہیں پھر سہرا ماموں
کا جوالہ دینے ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس بعضے ان کے مقتدا اور پیشوا خدا کی نسبت یہ عقیدہ رکھتے تھے
کہ خدا ازل میں جاہل تھا جیسے درادہ بن اعین اور یحییٰ بن اعین اور سلیمان جعفری اور محمد بن مسلم
وغیرہم اور کہاں تک بیان کروں۔ ایسے ایسے بزرگوار جن سے دین کی باتیں روایت کرتے ہیں اور
پھر ان روایتوں کو صحیح سمجھتے ہیں اور ان کا نام صحاح رکھتے ہیں اور یہ افسانے انہی کی معتبر کتابوں
سے معلوم ہوتے ہیں یقین ہے کہ علماء تسلیم کرینگے

اور اگر موافق عادت بزرگان (دفع پسندگی) شیعوں کے سامنے جھوٹ بول جائیں۔ اور
انکار کر جائیں تو اپنے دل میں فری مٹھل ہونگے۔ سبحان اللہ اس بات کی رعایت تو شیعوں میں ہے
کہ جن کتابوں کا صحاح نام رکھتے اور انہیں معتبر سمجھتے ہیں ان میں بجز پارساؤں اور متقیوں اور دینداروں
کے اور کسی سے روایت نہیں لاتے۔ اور جولا تے بھی ہیں تو اس غرض سے کہ کوئی اس روایت کی وجہ
سے دھوکا نہ کھا جائے اسی لئے بتلا جاتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے یا مضموع یعنی بنائی ہوئی جھوٹی
روایت ہے الغرض شیعہوں کے دین کی روایتوں کا جب یہ حال ہے تو کتب تواریخ تو فور علیٰ نور ہی ہو
گی اور شیعوں کی روایت خود قابل اعتبار نہیں تو اس صورت میں جو روایتیں کہ نزاع صحابہ اور باہم کی
چفتش پر دلالت کرتی ہیں، کلام اللہ کے مقابلہ میں کیونکہ قابل اعتبار ہو گئی بہر حال کلام اللہ متواتر
تو ہے۔ جس صورت میں کلام اللہ میں رَحِمًا مَبْنِيَهُمْ ہو اور اس کے تمہارے نزدیک ہی معنی ہوں
کہ ان میں بزرگ کبھی ترجیح ہوتا ہی نہیں تو موافق قاعدہ اصول کے ان روایات کا اعتبار نہ ہو گا جو کلام اللہ
کے خلاف ہیں اب بفضاء تعالیٰ جمیع امور متعلقہ آیت مرقومہ بالا سے فراغت پائی لازم یوں ہے کہ
ایسی آیت بھی جو صحابہ کی بزرگی پر ایسے دلالت کرے کہ اظہر من الشمس ہو اور بہرہولت فہم میں آجائے
اور اس روایت سے ان کا حسن خاتمہ بھی معلوم ہو جائے بیان کی جگہ شاید کوئی راہ پر آجائے
لہذا آیت ششم معروض خدمت ہے۔

وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ
وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِلُحْظَائِهِمْ
وَالَّذِينَ آمَنُوا بِآيَاتِنَا
وَالَّذِينَ آمَنُوا بِآيَاتِنَا
وَالَّذِينَ آمَنُوا بِآيَاتِنَا
وَالَّذِينَ آمَنُوا بِآيَاتِنَا
وَالَّذِينَ آمَنُوا بِآيَاتِنَا
وَالَّذِينَ آمَنُوا بِآيَاتِنَا
وَالَّذِينَ آمَنُوا بِآيَاتِنَا

حاصل اس کے منوں کا یہ ہے کہ جو لوگ قدیم
میں پہلے وطن چھوڑنے والے اور مدد کر سولے
اور حمان کے پیچھے آئے کسی کا اللہ رضی اللہ عنہ
راہی اس سے اور تیار کر رکھے ہیں اللہ نے ان کے
لئے باج میں کچھ ہستی میں نہیں رہا کریا وہ ان
میں ہمیشہ ہمیشہ ہی ہے بڑی مراد ملتی۔

اس آیت کے بعد ہم جانتے ہیں کہ اگر حق پرستی مد نظر ہوگی تو مولوی عمار علی صاحب تو
کس گنتی میں ہیں شیعہ صد سالہ بھی جس کی رگ و پے میں شیعہ سا گیا ہو حق بول اٹھے اور کہو نہ کر
حق نہ بولے جناب باری تعالیٰ نے اس آیت میں سکوان اکابر صحابہ کے لئے حیلہ و حجت کی
گنجائش ہی نہیں چھوڑی۔

آیت ہجرت میں رضائے الہی کا مدار صرف ہجرت پر ہے اگر ایمان کا ذکر ہوتا یا اعمال صالحہ کا ذکر ہوتا تو شیعہ
ہذا اذلا والزام بھی مفید متعدد ہو گا اور غور اور انصاف آنکھیں بند کر کے یوں بھی کہہ
سکتے کہ صاحب اس میں مومنوں اور اچھے عمل والوں کے لئے خدا کا وعدہ ہے۔ سو ہم کہتے ہیں کہ
وہ دائرہ ایمان ہی سے خارج تھے سبقت ہجرت خلفائے ثلاثہ اور حضرت زبیر اور حضرت طلحہ وغیرہ
ہماجرین اولین کچھ ڈھکی چھپی بات نہیں جو انکار کر سکیں اور کہیں کہ صاحب کسی نے تہمت لگادی
ہوگی خصوصاً خلیفہ اول کی ہجرت کہ وہ حضرت علی کی ہجرت سے بھی سابق ہے اور ہماجرین اولین تو
انہیں لوگوں کی نسبت اول گئے جائیں گے جو بعد جنگ بدر کے آئے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ
تو ہماجرین اولین میں سے بھی ہماجر اول تھے اس صورت میں تو اسی آیت سے ان کی فضیلت
نکل آتی کیونکہ در صورتیکہ اس آیت میں وعدے ہیں وہ سب سبقت ہجرت پر (مثلاً
موقوف ہوئے تو جو کوئی سبقت میں بھی سابق ہو گا وہ استحقاق و فادہ وعدہ میں بھی اول نمبر
ہو گا اور ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو البتہ ابو بکر صدیق سے اتنے پہلے گھر چھوڑ
کر آئے کہ ابو بکر صدیق کے گھر تک پہنچنے باقی سب ان سے پیچھے ہی نکلے۔

ہجرت حبشہ مدینہ منورہ کے درمیان عجیب و غریب فرق اور ہجرت حبشہ اگرچہ ہجرت مدینہ منورہ

سے سابق ہے لیکن اس کی وجہ سے سابق ہونا چنداں موجب فضیلت نہیں اس ہجرت
کی ابا جت کا باعث تھا تو فقط قلت مہر تھا مکہ معظمہ میں رہ کر بچا رہنا اور احکام خداوندی کا
بجلا نا بہت دشوار تھا ثبات ایمان اور حفظ جان کے لئے ضغفا کو رخصت ہو گئی تھی اسی لئے
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہجرت حبشہ نہ ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے
حکم نہ ہوئی اگر کوئی وجہ تکلف نکال بھی لیجئے تو اس کا کچھ جواب ہی نہیں کہ جس نے حبشہ
کی جانب ہجرت نہ کی اس پر کچھ عتاب نہ ہوا اور مدینہ منورہ کی ہجرت بغرض امداد دین تھی اس
کو رخصت نہیں کہہ سکتے عزیمت ہی کیسے تو اول درجہ کی عزیمت کہنے اسی لئے اس کے تارکین
مور و عتاب رہے ہر چند ہجرت حبشہ کا رخصت ہونا اور ہجرت مدینہ منورہ کا عزیمت ہونا قطع نظر
ظاہر ہونے کے اس تقریر سے اور بھی واضح ہو گیا مگر مزید توضیح کے لئے استقر اور بھی محفوظ خاطر
رہے کہ ہجرت مدینہ میں جان پر کھیلنا تھا اور ہجرت حبشہ میں جان کا بچانا اس میں دین کا
بڑھانا تھا اس میں اپنی نماز روزہ کا بچالانا اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد و نصرت تھی اس میں
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تنہا چھوڑ جانا اس میں ماز نامنا، اقربا سے روستا سے جہاں درگنا۔ اس میں اعدا
کے ہاتھوں سے مجبور کر سلامت گزرنا، بیس تفاوت رہ از کجاست تا کجا، غرض ہجرت
حبشہ کوئی فضیلت قابل تعریف نہیں خصوصاً تعریف خداوندی۔

آیت السابِقُونَ میں ہجرت سے مراد اسی لئے فریقین میں سے کسی نے اس ہجرت کو مصداق آیا
مرت ہجرت مدینہ منورہ ہے۔ تاکہ ہجرت یا آیات فضائل ہجرت نہیں سمجھا اور یہی وہ معلوم
ہوئی ہے کہ یہ آیت اور نیز آیات ہجرت مدینہ منورہ کی ہجرت کے بعد نازل فرمائی ہیں اور پھر
اس آیت میں اور نیز آیات میں ہماجرین کے فضائل میں انصار کو پھر ذکر فرمایا اور سورہ
حشر میں ہماجرین کے حال میں لفظ فِئْتَنَہُ ذُنَّ اللہ بڑھایا تاکہ معلوم ہونا گے کہ یہ فضیلت ہی
ہجرت کے لئے ہے جو انصار کی نصرت کے ہمدش اور ان کے کام سے ہم آغوش ہے سو ایسی ہجرت
اگر ہے تو مدینہ منورہ کی ہجرت ہے حبشہ کی ہجرت میں نہ انصار تھے نہ نصرت تھی بہر حال
حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر اور حضرت عثمان اور حضرت علی اور حضرت طلحہ
اور زبیر رضی اللہ عنہم وغیرہم کی سبقت ہجرت میں کچھ کلام نہیں۔

آیت جبر سے صرف رضائے الہی ہی نہیں بلکہ اعلیٰ درجہ کا ایمان پھر اس سبقت سے ہجرت ہی کے سبب اور اعلیٰ درجہ کے اعمال صالحہ بھی خواست ہوتے ہیں۔ خداوند کریم یوں فرماتا ہے کہ اللہ ان سے

راضی ہوا، سو اول تو یہی کفایت کرتا تھا کیونکہ رضائے آگے کوئی مقام ارفع نہیں جب خدا ان سے راضی ہوا تو ان میں کمال ایمان بھی اس درجہ کو ہو گا کہ کہا نہیں جاتا، اور اعلیٰ صالحہ بھی ان کے قرار واقعی صالح ہوں گے، سو اول تو موافق کرتے وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْهُمْ مَغْفِرَةً وَّاجْرًا عَظِیْمًا مَرْتَبہ بالا کے ان کی مغفرت میں کلام کی گنجائش نہ رہی کیونکہ بزرگان مذکور سب کے سب غزوہ حدیبیہ میں رسول اللہ صلی اللہ وسلم کے ساتھ تھے۔

دعائے جنت کی خوشخبری سے بڑھ کر حسن معجزہ پھر یوں بھی ارشاد فرمایا کہ ان کے لئے جنتیں تیار خانہ کی دلیل اور کیا ہو سکتی ہے اگر رکھی ہیں پھر وہ بھی ہمیشہ کے لئے، اس پر بھی کوئی ان کی بزرگی میں شک کرے تو بجز اس کے نہیں ہو سکتا کہ بزرگی کے معنی اس کے نزدیک یہ ہوں کہ خدا اس سے ناخوش ہو اور اس کے لئے جہنم تیار کر رکھی ہو، سو حضرات شیعہ جو ان بزرگواروں کی بزرگی میں کلام کرتے ہیں اور ان کے دشمنوں کو اکثر بزرگ سمجھتے ہیں تو شاید اسی اصطلاح کے موافق سمجھتے ہیں لیکن صورت میں لازم آئے گا کہ حضرت امیر سے بھی دست بردار ہوں کیونکہ وہ بھی بشارت میں داخل ہیں۔ بہر حال ان اولیاء اللہ کے براہ کھنے والے ان کو کیا کہتے ہیں۔ خدا کو جھٹلاتے ہیں۔ سوان کا کافریا فاسق کہنا، اپنا کافریا فاسق کہنا ہے۔ آفتاب کو کوئی بے نور بتلائے تو وہ آفتاب کو کیا اپنی آنکھوں کو بے نور بتلا کر۔

آیات فضائل صحابہ میں ہوشیہات شیعہ پیش کرینگے۔ اس کے بعد اتنی اور گداز رہے کہ بعضے بہت دھرم وی بیبیہ فادجی بھی حضرت علی کے بارے میں پیش کرتے ہیں شاید یوں تنکرا کر ہیں کہ خدا پہلے راضی ہو گیا ہو اور پھر جب حضرت امیر سے مخالفت کی ہو تو ناراض ہو گیا ہو اور ان کیلئے جو جنائز تیار کر رکھی ہیں تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کو عذاب نہیں ہونے کا، بلکہ ہو سکتا ہے کہ اول عذاب ہوئے اور پھر وہ جنتوں میں چلے جائیں تو اس کا جواب ہر چند قابل جواب نہیں خصوصاً فیصلہ کے مقابلہ میں کیونکہ خواجہ بھی نسبت حضرت امیر کے اس قسم کی آیات میں بعینہ یہ احتمال پیدا کر سکتے ہیں

یہاں تک کہ جن آیات میں مغفرت کا ذکر آیا ہے اسے بھی یوں کہہ سکتے ہیں کہ یہ وہ مغفرت ہو جو بعد عذاب کے ہوگی۔ لیکن نقل مشہور ہے کہ جیسا جو رانا بدروازہ بلیدر سانیہ

صحابہ کے لئے قیامت میں رسالت میں اس اور کفار اس لئے کہا جاتا ہے کہ اول تو سورہ تحریم میں یوں ارشاد اور ساق کے لئے رضائے الہی نہیں ہے یَوْمَ لَا یُخْشِی اللّٰهَ النَّبِیُّ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهُ

تجس روز کہ نہ رسوا کریگا اللہ بنی کو اور ان لوگوں کو جو اس کے ساتھ ایمان لائے ہیں۔ سوان کے ایمان میں تو شیعہ بھی کلام نہیں کر سکتے اس لئے کہ کلام اللہ موجود ہے اِنَّ اللّٰهَ لَا یُزِیْعُ عَنِ النِّفْمِ اَنْ تَكْفُرُوْا یعنی اللہ راضی نہیں ہوتا کافروں سے بلکہ یوں بھی آیا ہے اِنَّ اللّٰهَ لَا یُزِیْعُ عَنِ النِّفْمِ اَنْ تَكْفُرُوْا یعنی اللہ راضی نہیں ہوتا فاسقوں سے سو جب خدا ان سے راضی ہوا تو ان کے رسول اللہ کے ساتھ ایمان لانے میں تو کچھ شک نہ ہوا بلکہ اس بات میں بھی تردد نہ رہا کہ وہ ایک زمانہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زمانہ حیات میں سے صالحین میں سے تھے فاسق تک نہ تھے تو بیشک موافق وعدہ الہی کے وہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قیامت کو معزز اور محترم رہیں گے۔ پھر عذاب آخرت کے کہ اس سے بڑھ کر کوئی رسالت نہیں کیا معنی دیگر شایدان الثوں سمجھ کے مارون کے نزدیک یہی معنی عذاب کے ہوں دوسرے یہ کہ سورہ انبیاء میں یوں ارشاد ہے

اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَ الْاٰیٰتِ
عَلَمًا مُّبِیْنًا وَّنَ لَا یَمْنَعُوْنَ حَسْبًا
وَلَهُمْ فِیْ مَا جَعَلْتُمْ اَلْفُسْهُمُ خَالِدٌ وَّنَ
لَا یُخْشِی لَہُمْ اَنْفُسُہُمْ اَکْثَرُ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ
مَنْعَہُ حَظَّہُمْ اَلَّذِیْ کُنْتُمْ تُوعَدُوْنَ

مامل اس کا یہ ہے۔ جملے کے ہمارے یہاں عمدہ مرتبہ مقبول ہے وہ اس درجہ سے دور ہیں کہ نہیں سننے کے اس کی آہٹ تک اور وہ اپنی جی باہر ہی چیزوں میں ہمیشہ رہیں گے، نعم ہو گا کہ اس بڑی گھڑبٹ میں، اور بے آہٹ ہو گئے انکو فرشتوں کہتے ہوئے یہ دن ہے جس کا تم سے وعدہ تھا۔

اب خیال کیجئے کہ جن سے خداوند کریم وعدہ فوز عظیم فرمائے اور تسلی آمیز کلام سے انکو طمئنان دلائے رالیوں کو مستحق عذاب جاننا انہوں کا کام ہے اور وعدہ کا پہلے سے مقرر ہونا آپ طاہر ہو گا کہ ابھی سے وعدہ ہو لیا اور وہ وعدہ کے موافق تسلیاں ہو لیں پھر ان کے لئے عذاب کا ہونا بے

اس کے نہیں ہو سکتا کہ یعقوب باللہ خدا اپنے وعدے سے ہٹ جائے جو خود تعالیٰ اشعیان علی کی طرح سے تو ہے ہی نہیں یعقوب باللہ منہا کہ آج فقیہ کر کے سب کچھ کہہ لیا پھر وقت پر آنکھیں بدل لیں۔

معاجد کے مشاہدات و کفر سے نہ نفق کیونکہ دلوں و زلفا کے منافی ہیں اس تقریر سے یہ واضح ہو گیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے محاربہ یا شکر رجبی نہ موجب کفر ہے جیسے اکثر شیعہ کہتے ہیں نہ موجب فسق نہیں تو خدا لوگوں سے کیوں راضی ہوتا اس لئے کہ وہ خود فرماتا ہے۔ إِنَّ اللَّهَ لَا يَرْضَىٰ عَنِ الْقَوْمِ

تکفیر میں اِنَّ اللہَ لَا یُزِیْلُ عَنْ النِّمَاطِ الْمُنَافِقِیْنَ بلکہ انکار امامت حضرت امیر بھی موجب کفر و فسق نہیں کیونکہ تمام جماعت مہاجرین و انصار سوا دو چار آدمیوں کے سب ان کی امامت کے شیعہوں کے نزدیک منکر تھے اور اسی کی موید نوح البلاغت میں جو اصحاب الکتاب شیعہ ہے حضرت امیر سے دوبارہ محاربہ امیر معاویہ کیوں مروی ہے اِنجُمُنَا فَاَقْبَلْ اِنجُو شَاقِبَ الْاِسْلَامِ عَلٰی مَا ذَکَلَ فِیْہِ مِنَ الْکُفْرِ وَالْاَوْغُوْجِ حاج یعنی ہم اپنے مسلمان بھائیوں سے اس سبب سے لڑتے ہیں کہ اسلام میں کچھ کمی کی باتیں داخل ہو گئی ہیں، اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ منکر امامت حضرت امیر اور ان سے لڑنے والے کافر نہیں اور امیر معاویہ باوجود اس مخالفت اور انکار امامت کے چنانچہ سب کو معلوم ہے حضرت امیر کے نزدیک مسلمان ہی تھے اب اگر شیعہ مذہب کو تھا مننا چاہیں تو ان روایات کی تغلیط اور تکذیب کریں جسے معاد بات صحابہ اور مشاہیر ان کے حضرت امیر کے ساتھ ثابت ہوتے ہیں۔ نہیں تو یہی کریں کہ کلام اللہ میں سے ان آیات کو بن پڑے تو اڑا دیں۔ آخر حضرت عثمان نے حضرت امیر کے استحقاق امامت کے معنی کرنے کے لئے گیارہ ہزار آیتوں کے قریب اڑا دیں حالانکہ واجبات کا معنی کرنا سخت گناہ ہے بشیہ تو زعم خود نیک ہی کام کرینگے ورجب حضرت امیر سے لڑنا اور ان کی امامت کا انکار تک موجب کفر و فسق نہ ہوا حالانکہ امامیہ کے نزدیک مثل شہبائین اور امامت حضرت امیر بھی جز ثالث ایکان ہے تو اور گناہ جو اس سے کمتر ہیں وہ کاہنہ کو موجب کفر و فسق ہوں گے اس صورت میں حضرت امیر معاویہ اور ان کے اصحاب بھی اس طعن سے شیعہوں کے عقائد کے موافق بری ہوتے چاہئیں۔

بہر حال آیت السابقون نے شیعوں کو جواب و دندان شکن مٹایا نہ یہ بن ٹرے ہے

کہ اصحابِ ثلاثہ و غیر ہم ملکہ کورین کی نسبت یوں کہیں کہ وہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد مسلمان ہوئے کیونکہ یہ آیت سورہ کورہ میں ہے اور سورہ کورہ کل ایک دو برس پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے نازل ہوئی ہے یہ سب صاحبانِ مکہ میں مسلمان ہوئے تھے نہ اس کی گنجائش کہ لفظ باحسان ہی کو ملے یا نہ ملے ہر جگہ دھینگے سے مہاجرین اور انصار کے ساتھ ملا کر کچھ باب گنگو کشادہ کریں، کیونکہ اتباعِ احمد کے متعلق ہے اور پھر وہ جملہ ہے اور حبلہ بھی موصولہ تا قبل تک کیونکر ملے جائیں ؟

عقیدہ تفصیل ائمہ پر آیت اعظمہ درجۃ کی ضرب کاری | معہذا طر فہما شاہد ہو گیا کہ اس آیت اور دو تین دوسری آیتوں کے وسیعے سے جو اس آیت کے ذیل مذکور ہوئیں سنی اصحاب ثلاثہ کیا ملکہ تمام جہا جہین اور انصار کا ایمان ثابت کر کے امامیہ کے ایک اور عقیدہ کو خاک میں ملا سکتے ہیں وہ عقیدہ یہ ہے کہ حضرات ائمہ سب کے سب امتیوں سے تو کیا انبیاء سے افضل ہیں اور وہ اس عقیدہ کی پامالی کی یہ ہے کہ سورہ توبہ ہی میں (ان صحابہ کے حق میں جو ایمان بھی لائے اور سب سے بھی کی اور جان و مال سے خدا کی راہ میں جہاد بھی کیا) ایوں ارشاد فرماتے ہیں کہ ان کا مرتبہ اور امتیوں سے اعلیٰ ہے پھر اس میں کچھ تخصیص امام اور غیر امام کی نہیں تو معلوم ہوا کہ سوائے حضرت علی کے اور ائمہ اہلدار اس رتبہ کو بھی نہ پہنچتے تھے جو ان صحابہ کا ہے۔ بنی کا رتبہ تو درکنار تسکین خاطر کے لئے وہ آیت مرقوم ہے۔

یعنی جو لوگ کہ ایمان لائے اور انہوں نے وطن چھوڑ دیا اور خدا کی راہ میں مال و جان سے جہاد کیا وہ سب میں بڑے درجہ والے ہیں اور یہی لوگ مراد کو پہنچنے والے میں بشارت دیتا ہے انکو رب کا اپنی رحمت اور اپنی رضا مندی اور باغوں کی حق میں ان کے لئے دوام کی نعمت ہے وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ کو رہیں گے کیونکہ نہ ہوا اللہ کے پاس بڑا اجر ہے۔

الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَاتَّبَعُوا
فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ
أَعْظَمَ دَرَجَةً عِنْدَ اللَّهِ وَأُولَئِكَ
هُمُ الْفَائِزُونَ يُنْفِخُهُمْ رَبُّهُمْ
بِزُحْمَةٍ مِنْهُ وَرُضْوَانٍ وَجَنَابٍ
لَهُمْ فِيهَا أَعْيُنٌ مُّقِيمَةٌ خَالِدِينَ
فِيهَا أَبَدًا إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ
أَجْرٌ عَظِيمٌ

باب عقیدہ ہدای کی تفصیل میں !

ہدای پر غار وادی اور علمائے شیعہ کا اضطراب اب حضرات شیعہ سے بجز اس کے کچھ نہیں پڑتی کہ کیا تو حق بول اٹھیں یا یہ موافق مثل مشہور الضرورة فی الخلق المحظورات بحکم ضرورت پھر مذہب قدیم کی طرز رجوع کریں اور یوں کہیں کہ میں سلام اللہ کو سی ثابت ہوتا ہے جو شیعوں کا مطلب ہے لیکن خدا کا کیا اعتبار؟ جیسے اور بہت سے امور میں۔ ہمارے عقیدہ کے موافق آج کوئی مانے یا نہ مانے، خدا کو بدو واقع ہوا ہے صحابہ کی شان میں اور شیعوں کے حق میں اور کلام اللہ کی حفاظت میں بھی بدو واقع ہوا، پہلے یوں ہی ارادہ ہو صیلا کلام اللہ میں نرمایا بعد میں رائے بدل گئی ہو اور یہی معنی بدو کے ہیں۔

بدو کے ایک سنی چنانچہ نظام الدین جیلانی نے جن کو آج کل کے شیعہ شاید منافق بتلاتے ہیں رسالہ علم الہدای فی تحقیق البدل میں لکھا ہے **يَقَالُ بَدَأَ إِذَا ظَهَرَ لَهُ دَائِمُ تَحَايُفَ لِلرَّائِي أَلَا قَوْلِي** یعنی کہا کرتے ہیں کہ فلا نے کو بدو واقع ہوا جب اس کو پہلی رائے کے مخالف کوئی دوسری رائے سوچے، ملا نظام الدین جیلانی مذکور اسی سالہ میں لکھتا ہے کہ شیخ ابو جعفر طوسی اور شیخ ابو الفتح کراچی کا بھی بدو کے معنوں میں یہی مذہب ہے اس لئے کہ شیخ طوسی نے عددۃ میں اور شیخ کراچی نے کنز العمال میں یہی تحقیق کی ہے۔

بدو کے دوسرے معنی مگر مشریت مرتضیٰ نے درجہ میں جو کچھ تحقیق کر کے لکھا ہے۔ اور طبری کے کلام میں سے بھی کچھ اسی کی بولاتی ہے اور اس کے خلاف ہے کیونکہ وہ لکھتے ہیں **مَعْنَى قَوْلِهِ بَدَأَ الدَّعْوَى أَنَّ ظَهَرَ لَهُ دَائِمُ الْاَمْرُ مَا لَمْ يَكُنْ ظَاهِرًا** یعنی ہم جو کہتے ہیں کہ خدا کو بدو ہوا تو اس کے یہ معنی ہیں کہ خدا کو کوئی ایسی بات معلوم ہوئی جو پہلے نہ تھی۔ پھر اس کے بعد ملا نظام الدین لکھتے دیکھتے یوں لکھتا ہے کہ حاصل یہ ہے کہ خدا کو اشیاء نو پیدا کا علم ان کے وجود کے بعد حاصل ہوتا ہے اور پھر اس کے بعد اپنی تحقیق لکھتا ہے۔ اور وہ تحقیق دوسرے معنوں پر منطبق آتی ہے وہ یہ ہے کہ خبر میں بھی بدو ہوتا ہے یعنی یوں بھی کبھی ہوتا ہے کہ آئندہ بات کی خبر دی کہ یوں ہوگی اور وہ اس طرح نہ ہو۔

بدو کے تیسرے معنی اب سنئے کہ متاخرین امامیہ کو کچھ بدو کے باب میں بھی ہوش آئی ہے

اور شیعوں کے اعتراضوں کو سن سنا کر کچھ فکر آبرو ہوا ہے۔ اس لئے بات بدل کر اس بات کے قائل ہوئے ہیں کہ یہ بات فقط خاص اس علم میں ہوتی ہے جس کی کسی کو خبر نہیں کرتے، اور جو علوم کہ انبیاء کو بھیجے جاتے ہیں۔ اس میں خدا جھوٹ نہیں بولتا سو اگر اس بات پر امامیہ جم جائیں تو شیعوں کی طرف سے ان کو مرجہا اور آفسرین اس صورت میں کلام اللہ کی بات تو بادل تو لے پاؤرتی کی ہوگی۔ پھر یہیں کیا ضرورت کہ بدو کے عذر کی وجہ سے کسی اور طرح سے اثبات مدعا کریں۔

مگر ماننے ہیں ملا نظام الدین کو کہ شیعوں کے طعن اٹھانے اور مذہب کے بٹانے لگجانے سے گھبرائے مذہب کو سنبھالا، اور متاخرین کی نہ مانی اس تخفیف میں جو متاخرین نسبت علم مخفوس کے کرتے تھے ان کی تکذیب کی اور بہت سی روایات احادیث مذہب شیعہ نقل کر کے متاخرین کی بات کو خاک میں ملا دیا اور کیوں رلاتے آخر شیعوں میں بڑے محقق ہیں، یہی وجہ ہوئی کہ اس باب خاص میں سال لکھا مہذا اس کا کہنا بھی کچھ ہے۔ جھوٹ بولنا تو جب ہو جب خراجان بوجھ کر کچھ کا کچھ کہدے اور جب نفوذ باللہ خدای کو غلط معلوم ہو تو پھر خدا کا کیا قصور؟ جو متاخرین کہتے ہیں کہ خدا اپنے دوستوں سے جھوٹ نہیں بول سکتا۔

بدو کی تین قسمیں بالجملة ان سب روایات سے جو محقق مذکور نے اثبات مدعا کے لئے نقل کیں۔ یہ ثابت ہوتا ہے کہ بدو کی تین قسمیں ہیں۔ ایک تو بدو فی العلم یعنی خدا نے پہلے سے کچھ جان رکھا تھا مگر بعد میں حقیقت الامر کچھ اور معلوم ہوئی دوسرے بدو فی الارادہ یعنی پہلے سے کچھ ارادہ تھا پھر یوں معلوم ہوا کہ یہ ارادہ ٹھیک نہیں، تیسرے بدو فی الامر یعنی پہلے سے کچھ حکم دیا پھر بعد ازاں یوں معلوم ہوا کہ پہلے حکم میں کچھ غلطی تھی۔ اس حکم کو بدل کر دوسرا ایسا حکم جس میں وہ نقصان نہ ہو بلکہ مصلحت وقت معلوم ہوئی ہو۔ صادر فرمائیں۔

بدو نسخ میں ایک شبہ کا ازالہ یہ معنی آخر خوب ذہن نشین رکھنے چاہئیں ایسا نہ ہو کہ نسخ سے مشتبہ ہو جائیں کیونکہ نسخ حقیقت میں اسے کہتے ہیں کہ ایک حکم کا

زمانہ آخر ہو جائے اور دوسرے حکم کا زمانہ آجائے۔ مثلاً رمضان میں روزہ رکھنے کا حکم ہے جب عید ہوئی وہ زمانہ آخر ہوا اور افطار کا زمانہ آگیا اسے یوں نہیں کہتے کہ پہلے حکم میں کچھ غلطی تھی اس لئے موقوف کیا گیا بلکہ وہ حکم اسی زمانہ تک تھا اس کے بعد دوسرے حکم کا زمانہ آگیا تنازعہ ہے کہ کہیں پہلے سے زمانہ کی مقدار کی اطلاع ہوتی ہے۔ جیسے مثال مذکور میں اطلاع ہے اور کہیں نہیں ہوتی وقت ہی پر ہوتی ہے مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک تھی یہ بات سوائے خداوند کریم کے کوئی نہیں جانتا تھا۔ اور جو کوئی جانتا بھی تھا۔

تو یہ نہیں جانتا تھا کہ وہ زمانہ کس وقت آئے گا۔ القصہ بدانی الامر جسے شیعہ بدانی التکلیف کہتے ہیں اور ہے اور نسخ اور ہے بدانی یہ صورت ہے کہ رمضان کے مثلاً روزے رکھنے کا حکم دیا اور جب تک کوئی نقصان اس میں معلوم ہوتا تھا اور اسی لئے جب تک اس نہ ٹھیکر یا تھا کہ یہ حکم فلاں وقت تک رہے گا پھر یکایک یہ سوچیں کہ مصلحت وقت اس کے خلاف میں ہے اس لئے اس کو بدل دیا

جدا کی تینوں قسمیں ایک دوسرے کو لازم ہیں جب یہ بات سمجھ میں آگئی تو اس بچہ دان کی گزارش بھی سنئے کہ در صورت بدانی التکلیف کے واقع ہونے کے بدانی الارادہ بھی جسے بدانی التکوین بھی کہتے ہیں لازم ہوگا کیونکہ بدانی الارادہ تو اسے ہی کہتے ہیں کہ سبب کسی مصلحت تازہ کے پہلے ارادہ سے پلٹ جائیں تو جب مصلحت ہی کے لحاظ سے حکم بدل گیا۔ تو پہلا ارادہ جو اس حکم کی ہمشکی کا تھا وہ آپ بدل گیا اور اسی طرح بدانی الارادہ کو بدانی العلم جسے بدانی الاخبار بھی کہتے ہیں لازم ہے اس لئے کہ ارادہ تو فی مصلحت کے معلوم ہونے پر بدلتا ہے پھر جب مصلحت تازہ معلوم ہوئی تو لازم یہ بات صحیح ہوئی کہ جو علم اب حاصل ہوا وہ پہلے نہ تھا اور جو پہلے تھا وہ اب غلط معلوم ہوا۔ اسی کو بدانی العلم کہتے ہیں۔

سو اگر شیعوں میں سے کوئی بدانی الامر اور بدانی الارادہ کا تو قائل ہو اور سنیوں کے سلسلے بدانی الاخبار سے منکر جائے تو یہ منکر جانا پیش نہ ملے گا حاصل کلام یہ ہے کہ شیعوں کے

نزدیک مسئلہ ہذا مجمع علیہا ہے اگر وہ آیات مذکورہ کے دباؤ سے سینوں سے دامن چھڑانے کو یوں کہنے لگیں کہ اگر تم اپنے پیشواؤں کی بزرگی کلام اللہ سے ثابت کرتے ہو تو ہم نے مانا کلام اللہ میں ایسا ہی ہے جیسا تم کہتے ہو لیکن کلام اللہ کا نفوذ باللہ کیا اعتبار؟ خدا کی رائے گھڑی گھڑی بدلتی رہتی ہے اور نفوذ باللہ غلط صحیح رطب یا بس سب اس کے کلام میں ہوتا ہے ہمارے ائمہ کو البتہ علم ماکان مایکون تھا ان کے اقوال سے اگر ان کی بزرگی ثابت ہو۔ تو بیشک ہم تسلیم کر لیں۔

عتیدہ بدل کے نتائج (۱) چارہ محصوم کی منفعت مشکوک (۲) اس صورت میں ہمیں بھی یوں لازم ہے کہ شیعوں کی اس حجت کو بھی ختم کر دیں اس لئے سامع خراش اہل انصاف ہوں کہ اگر یہی بدانی تو اول تو ہمیں چارہ محصوم کی منفعت میں کلام ہے بعوذ باللہ اور شیعوں کا تو کیا ذکر؟ جیسے اصحاب کلام سے وعدہ ہائے مغفرت کر کے بعد زبرد پھر گئے اگر حضرت ائمہ کے ساتھ بھی یہی صورت پیش آئی ہو تو فرمائیے اماموں کا خدا پر کیا دباؤ ہے؟ خاص کر یہ بہتان بھی موجود ہو کہ ان کے قیام اور نامردہ پن نے تمام دین کا ستیا ناس کر دیا۔

امام آخر الزمان کی طویل ریویشی اندیشہ کے سچا پھر سپر امام آخر الزماں نے تو بعوذ باللہ یہ ستم ڈھائے ہیں کہ باوجودیکہ دوست دشمن کی خبر ہے بالیقین معلوم ہے کہ تمام ملک ایران میں مخلصان شیعہ ساہا سال سے منتظر زیارت اور اشتیاق ملازمت بیٹھے ہیں۔ جان و مال نذر کرنے کو تیار ہیں ادھر ہندوستان میں روز بروز ترقی کشین ہے امام کے انتظار میں مرے جاتے ہیں اگر حسب حال ان کے یہ شعر کہا جائے تو بجا ہے۔

اے اشتیاق رویت دہلایا کباب گردہ ۛ سیلاب اشتیاق جا نہا خراب گردہ
مبدا اپنی موت اپنے اقیار میں ہے اور پھر یہ معلوم کر میں فلاں وقت سے پہلے نہ مرن
گا باوجود اس فراہمی اباب اور انتظار احباب کے خدا جانے کیا نامردانہ پن ہے کہ روز بروز
زیادہ ہی پچھتے جاتے ہیں اور ہا ہر نہیں آتے اگر خدا نخواستہ کچھ اندیشہ ہوتا تو کیا ہوتا مصل
نہا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کل تین سو تیرہ ہی آدمی جمع ہونے ہائے تھے جو جہاد شریع
کر دیا پھر وہ بھی بزرگ شیعہ اکثر منافق اور منافق بھی نہیں تو ایسے مجلس بھی نہ تھے جیسے امامین

زمانہ امام زماں سے اخلاص و محبت رکھتے ہیں اور مجلس نہ تھے صحبی تو شہادت امامت حضرت پسر چیمپالی بلکہ خلافت اور سو اس کے اور حقوق اہل بیت دبا بیٹھے بہر حال جلے حیرت ہے کہ باہنہ سامان و امن و اطمینان غیبت امام کا انتہائی نہیں کہیں اماموں کا نسبت ماکان مایکون کے عالم ہونا غلط ہے یا شیعہوں کی دوستی غلط ہے اور ہم جانتے ہیں کہ یہی صحیح ہے ایک دوستی کی آڑ میں ہزار عیب اماموں کے ذمے لگاتے ہیں چنانچہ کچھ کچھ تو اس سلسلہ کے دیکھنے والوں کو بھی واضح ہو جائے گا۔

پس امام کو امام بننے میں بھی شاید غلطے یا واقع ہو گیا ہو الحاصل امام زماں باہنہ انتظار اجاب اور فراہی اسباب اور پھر ہر طرح سے بے اندیشہ غار سمرن رائے سے باہر تشریف نہیں لاتے اور دین محمدی اور امت احمدی کی خبر نہیں لیتے کہ کس گمراہی میں پھنسی ہوئی ہے دین البکر بچائے دین محمدی اور بیاض عثمانی بچائے کلام ربانی دوازہ امام کے بدلے ابو حنیفہ شافعی اور اس گمراہی سے زیادہ اور کیا گمراہی ہوگی جس کا انتظار ہوگا الغرض اماموں کو تو یہی غدر تھا کہ ہم بے بس و بیکس ہیں امام زماں جو باہر تشریف نہیں لاتے تو ان کو کیا غم ہے ورنہ تیکہ بد کو ہم تسلیم کر لیں تو توجیہ اس بے انتظامی دین کی امامیہ کے عقائد کے موافق بجز اس کے سمجھ نہیں آتی کہ خدا سے دوازہ امام کے مقرر کرنے میں بڑی چوک ہوئی البکر عثمان کو مقرر کرنا تھا جو دین کو موافق دیتے اور بے انتظامی نہ ہونے دیتے۔ القصد امامیہ سے بجز اس کے اور کچھ توجیہ نہیں پڑتی ہاں اگر اس کے قائل ہو جائیں کہ خدا کے ذمہ یہ واجب نہیں کہ جو بندہ کے حق میں المص ہو اسے کیا کرے تو البتہ یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ لا ینفک عمنّا فعلہ فہو ینفک عنہ یعنی خدا سے کوئی یوں نہیں پوچھ سکتا کہ یوں کیوں کیا اور خدا سب سے پوچھ سکتے ہے کہ تم نے یوں کیوں کیا۔

امام زماں کو شب یرتلا کی وجہ سے خدا معزول کر چکا ہو بہر حال عجب نہیں جو بد واقع ہو ہو اور امام زماں کی معزولی کا حکم صادر ہو چکا ہو اور شاید یہی وجہ ہے کہ تحفین سے زیادہ امام کو غیبت میں گذری اور یہ جو امامیہ کے ذہن نشین ہے کہ البکر عمر وغیرہم آخر زمان میں پیدا کئے جائیں گے یہ بالکل غلط نہ ہو بلکہ امام زماں کو معزول کر کے شاید ان کو پھر نے سر سے پیدا کر کے

مامور کریں پیرامامیہ نے باجاء خداوندی اس بات میں غلطی کھائی ہو کہ وہ منرا دینے کے لئے پیدا کئے جائیں گے خبر بات تو شاید شیعہوں کو ناگوار ہو۔

عقیدہ ہلاکا استیصال فرقان مجید سے سو پیاس خاطر شیعہ اس بات سے اعراض کر کے یوں ملتیں ہو کہ اگر خدا سے چوک ہوئی ہے تو انبیاء سے تو نہ ہوتی ہوگی اور انتہام جانتے ہیں کہ شیعہ بھی کہیں گے کہ خدا انکار گذشتہ میں بھی غلطی کھاتا ہے کیونکہ یہ تو صاف جھوٹ ہے جب یہ بات ذہن نشین ہوگئی تو ہم کہتے ہیں کہ خداوند کریم سوہ طریں حضرت موسیٰ کے قہقہے میں جو جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے بہت پہلا قصہ ہے حضرت موسیٰ کا مقولہ فرعون کے سوال کے جواب میں یوں نقل فرماتا ہے کہ لا یصل ربی ولا ینصیٰ یعنی حضرت موسیٰ فرماتے ہیں کہ میرا رب نہ چوکے ہے نہ بھولے ہے اس آیت کو غور کیجئے کیا ارشاد کرتی ہے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تو ہم جانتے ہیں شیعہ بھی یوں نہ کہیں گے کہ وہ چوک جاتے تھے یہ برائی تو اس فرقہ کے پیشواؤں نے خدای کے لئے رکھ چھوڑی ہے ورنہ لازم آوے گا کہ معصوم بھی خطا کرے پھر یہ طعن جو سنیتوں پر کرتے ہیں کہ ان کے امام اور طفیفہ معصوم نہ تھے حالانکہ امام اور طفیفہ کو چاہیے کہ معصوم بچپانہ کرے ورنہ حق اور باطل کی تمیز محال ہو جائیگی اور جو غرض کہ ان کے مقرر کر کے ہوتی ہے یعنی احکام شریعت معلوم ہونا اور ان کا عمل دلائل ہونا وہ حاصل نہ ہوگی سواب یہ طعن کس منہ سے کرینگے۔

قواعد عقائد شیعہ کی رو سے خدا سے خطا ممکن معصوم ہے لیکن الغرض تو اعدا عقائد شیعہ سے یوں ثابت ہوتا ہے کہ خدا سے کو خطا ہو جائے پر معصوم سے خطا ہو سو حضرت موسیٰ علیہ السلام جو بالاتفاق معصوم تھے انہوں نے جو یہ فرمایا کہ میرا رب نہ بھکتا اور چوکتا ہے اور نہ بھولتا ہے تو اس میں تو بزرگ مثال غلط نہیں اور خدا نے جو یہ قصہ نقل فرمایا تو ایک قصہ گزشتہ ہے کچھ آئندہ کی بات نہیں جو بد یا الاخبار کی گجائش ہو پھر کیا معنی کہ خدا ہیک جائے کچھ نعوذ باللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یہ عقل و حواس میں اختلال آگیا البکر عمر و چند صاحب رعب اور مرد باہمیت تھے مگر نہ اتنے کہ خداوند کریم کے بھی عقل و حواس میں فرق آجائے یا سو اس کے اور کچھ سبب ہے نعوذ باللہ من بدۃ الخرافات تعالیٰ اللہ عن ذالک علو اکبر ایک سنیتوں کے الزام کے لئے

ہذا کی عظمت بھی کو اس سے دے بیٹھے۔ فہم کہ چھینا تھا تو ابو بکر نے چھینا تھا۔ اور قرطاس و دعوات کو نہ لانے دیا تو عمر نے نہ لانے دیا۔ ان پر برا کیا تو کیا خداوند کریم کو جو ان۔۔۔ برائیوں میں سان لیا تو کیا اسی سبب سے کہ باوجودیکہ نصر المظلوم حق یعنی مظلوم کی مدد گاری حق ہے اور پھر مظلوموں کی مدد گاری نہ کی غیر خداوند کریم ان میا کوں کا منہ مہاہ کرے رکھتے بے ادب میں اور جس لائی یہ ہیں انہیں وہاں ہی پہنچائے بالجملہ کلام اللہ میں بد کوئیخ و بنیاد سے اکھاڑ دیا ہے۔

بہن کا عقیدہ دکنے والوں کے لئے حضرت جعفر کی بدعا اور اگر شیعہ خدا کا اتنا بھی اعتبار نہ کریں اور اخبار گزشتہ میں بھی غلطی فہم کے احتمال سے نعوذ باللہ اس بات کے طالب ہوں کہ ہم کلام اللہ کی گواہی پر بدلے انکار نہیں کرتے جب تک کہ کلینی کی کوئی حدیث اس باب میں نہ ہو تو کلینی کی حدیث بھی لیجئے

فی الکافی عن منصور بن حازم عن ابی عبد اللہ قال منصوراً لکۃ ھل یکنون شیئاً لکۃ یکن فی علیہ اللہ قال لا من قال ھذا فاحذر لا اللہ قلت اریئت ما کان فی ما ھو کائن الی یوم القیمۃ فیس فی علیہ اللہ قال بنی قبل ان یخلق الخلق۔

کلینی کافی میں منصور بن حازم سے روایت کرتا ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے پوچھا کوئی چیز ایسی بھی ہوئی کہ کل خدا کو معلوم نہ تھی اور اگرچہ ہو گئی ہو؟ آپ نے فرمایا کہ کوئی نہیں، جو یہ کہے خدا سے رسوا کرے پھر میں نے پوچھا کہ تو بتائیے جو ہو یا بد جو ہو یا بلا ہے قیامت تک، کیا خدا کو معلوم نہ تھا؟ انہوں نے فرمایا کہ یوں نہیں خلق کے پیدا کرنے سے پہلے معلوم تھا۔

اس روایت سے دو فوائد حاصل ہوئے ایک تو یہ کہ ہذا ایک عقیدہ غلط ہے، کیوں کہ ہذا کی آفتوں میں جو تحقیق گذر چکی اس سے صاف ثابت ہے کہ ہذا ہے اس کے ہوی نہیں سکتا کہ کوئی نیا علم پیدا ہو، دوسرا یہ کہ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے ہذا کے قائلوں کے لئے بدعا فرمائی، سو حضرات شیعہ کو ہماری طرف سے بھی مبارک باد یہ ساری خرابیاں کلام اللہ کے لئے سمجھنے کی ہیں، اور ان کا بھی کیا قصور؟ اپنی روایتوں کے معنوں کو نہیں سمجھتے اگر سمجھ ہوتی

تو پہلے انہیں ہی سمجھئے۔ کلام اللہ کو سنیں تو کہے۔ حق واضح ہونے کے بعد مانتا ضروری ہے پھر کسی ادب بات کا انتظار حقاقت ہے اس وقت لازم ہوں گے کہ منشأ اس غلطی کا بیان کیا جائے تاکہ مزید طینان ہو جائے اور ناظرین کو یہ علم جان باقی نہ رہے کہ ہتھنار وی پیش قاضی آئی راضی، محرر رسالہ کے طعنان کی باتیں فقط منکر ہم یوں کیونکر بدلے دست بردار ہوں ہمارے علماء شیعہ بھی تو آخر کسی وجہ سے کہتے ہیں گے جب تک ان کی نہ سن لیں تیسلی نہیں ہوتی ہر چند یہ عذر اس قبیل کا کہ شمشورہ ہے، عذر گناہ بدر از گناہ کیونکہ جب کسی آدمی کو کسی وجہ سے حق واضح ہو جائے تو پھر اسے اس کا کیا انتظار کہ دوسروں کی بھی سن لوں اگر کوئی شخص قریب شام کے درو دیوار پر دھوپ دیکھے یا خود آفتاب کو بحشم خود دیکھے اور دوسرا پردہ میں بیٹھا ہو گھڑی گھنٹے کے وسیلے سے یوں کہے کہ دن چھپ گیا تو آفتاب کا یا دھوپ کا دیکھنے والا کتنا ہی جاہل کیوں نہ ہو اور گھڑی سے وقت کا بتلانا تو الکتبا ہی علامہ روزگار اور حساب میں پرکار کیوں نہ ہو لیکن تیسرے بھی آفتاب یا دھوپ کے دیکھنے والے کو دن کے یقین ہونے میں اس کا انتظار نہ ہو گا۔ کہ میں اس کی تو سن لوں کہ جو گھڑی کے وسیلے سے رات بتلاتا ہے۔

اسی طرح جب یہ بات خوب واضح ہو گئی کہ بروئے کلام اور نیز بروئے احادیث شیعہ بدغلط ہے پھر اس کا کیا انتظار ہے کہ ہذا کے قائلوں کی بات بھی سن لینی چاہیے بلکہ ایسے وقت میں مناسب یوں ہے کہ جیسے آفتاب کا بحشم خود دیکھنے والا باوجود جاہل ہونے کے بے تامل یوں سمجھ جاتا ہے کہ گھڑی والا ہر چند محاسب اور بڑا ہوشیار ہے اس کے علم میں کچھ شک نہیں لیکن اس میں بھی کچھ شک نہیں کہ اس کی گھڑی جھڑی ہوئی ہے یا اس وقت اتفاق سے بمقتضا بشریت کچھ غلطی ہو گئی ہے ایسے ہی ہذا کی غلطی کا سمجھنے والا بھی بے تامل مان اٹھے کہ ہر چند قائلین ہذا بڑے بڑے عالم اور فاضل تھے لیکن تاہم آدمی تھے۔ غلطی کھا گئے نہ اس آیت پر انہیں وحیان ہوا کان اللہ علینا حکیم یعنی اللہ ہمیشہ سے عظیم ہے اس کا علم کچھ اب پیدا نہیں ہوتا اور نہ آیت مذکورہ لا یفصل ربی وکنا یفصلی ان کے خیال میں گذری اور نہ حدیث کلینی کا کچھ خیال کیا بلکہ ادب کی بات تو یوں ہے کہ یہ کہئے

ان لوگوں کو کلام اللہ تو یاد تھا کہ تو سنو کہ تو سنو کلام اللہ ہے۔ یعنی بقدر میں نصیحت ہوئی۔ چنانچہ ان کا کیا قصور؟ سب جانتے ہیں۔ دروغ گویا حافظہ نباشد، قصہ یہ عذر کہ شیعوں کی دلیلیں معلوم ہوتی چاہیں، یہ عذر بعد کلام اللہ اور حدیث مذکور کے جن کے معنوں میں کچھ تاویل نہیں ہو سکتی اور خدا کے علم کے قریبی ہونے پر مثل آفتاب روشن کے گواہی دیتی ہیں، عقلا کے نزدیک قابل سماعت نہیں۔

جدا جیسے کو ای عقیدے کی غلط بنیادیں، مگر باہنہ بپاس خاطر مولوی عمار علی صاحب یہ معروض ہے کہ منشا غلطی شیعوں اس قسم کی آیتیں ہیں **لَیْسُوْكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا** حاصل یہ کہ خدا نے موت حیات کو اس لئے پیدا کیا ہے کہ تمہیں آزمائے کہ کون تم میں اچھے عمل والا ہے سو اس آیت سے اور ایسی ہی مضمون کی اور آیتوں سے علماء شیعہ کو یوں دھوکہ پڑا کہ امتحان اور آزمائش تو وہاں ہوتی ہے جہاں حقیقت امر پہلے سے معلوم نہیں ہوتی پھر تیسرے تماشہ ہوا کہ ایک جگہ خداوند کریم یوں بھی ارشاد فرماتے ہیں **يُخَوِّدُ اللّٰهُ مَا كَيْدُكُمْ** یعنی اللہ جو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جو چاہتا ہے باقی رکھتا ہے اس آیت کے مضمون کو جو پہلی آیت کے مضمون سے ملتا نہ دیکھا تو علماء شیعہ کو بجائے خود اس بات کا یقین ہو گیا کہ خدا کو پہلے سے تو حقیقت الامر خوب معلوم تھی ہی نہیں، وہی شکل اور رائے سے ایک بات مقرر کر رکھی تھی سو اس میں جہاں کہیں کچھ غلطی معلوم ہوتی ہے اسے بدل دیتے ہیں اور یہی معنی ہدا کے ہیں۔ الحاصل اس وجہ سے شیعوں کے نزدیک عقیدہ بدستحکم ہو گیا اور یہ غلطی جو اول کسی کو بوجہ کذب عیقل کے پڑی تھی خوب مضبوط ہو گئی اور کیوں نہ ہو۔

بے اتاد کی ٹھوکریاں بے استاد ہمیشہ خراب رہتا ہے اگر اہران کلام اللہ کی کشف برداری اختیار کرتے تو اس آیت کے معنوں میں ایسے کیوں ہو سکتے مگر زور تو ایسا کہ نصیب ہے کہ کلام اللہ کے جاننے والوں کے دلی دشمن ہیں جناب من، ہر کارے ہر مردے، صحابہ کرام جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شاگرد تھے، کلام وہ سمجھتے تھے۔ پھر جو ان سے مستفید ہو گا وہ کلام اللہ کو سمجھ گیا یا شیعوں سمجھیں گے؟

ابتلاؤ امتحان سے معذور خداوندی تعلیم حجت ہے مگر تمہیں علم اگر آیت **لَیْسُوْكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ** سے یہ بات نکالی ہے کہ

خدا کو پہلے کسی چیز کے پیدا ہونے کے علم اس کا نہیں ہوتا ہے تو اس میں تو کچھ شک نہیں کہ اس وقت تو ضروری ہو جاتا ہے چنانچہ اول تو شیعوں کے قائل ہی ہیں معجز کلام اللہ میں بیسیوں جگہ **اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ** موجود ہے۔ یعنی خداوند کریم جو کچھ تم کرتے ہو سب دیکھتا ہے پہلے پیدا ہونے سے تو ہم نے مانا، نہیں دیکھتا تھا لیکن یہ تو فرمایا کہ بعد پیدا ہونے کے بھی کیا کچھ اس میں تاویل باقی ہے؟ اور آفتاب خدا کا محتاج نہیں شیخ چراغ کی اس کو ضرورت نہیں آگے پیچھے ہونا اس کے نزدیک سب یکساں ہے کیوں کردہ فرماتا ہے **اِنَّ اللّٰهَ بِشَیْءٍ خَفِيٍّ لِّعَلَّہُ** یعنی اللہ ہر چیز کو محیط ہے قصہ بعد وجود اشیاء کے ان کے پیش نظر ہونے میں کچھ شک نہیں اور پھر باہنہ بھول جانے کا اندیشہ نہیں کیونکہ سورہ طہ میں **لَا یُنِیْسُیْ** موجود ہے یعنی خدا بھولتا نہیں پھر کیا ضرورت ہوئی کہ کرام کا تبیین مقرر کرے؟ اور حساب کتاب قیامت کو ہوا ضرور پڑا اور نامہ اعمال و محیفہ ہا کر دار بنی آدم لکھے گئے جو علماء شیعہ اس کا جواب دینگے وہی ہماری طرف سے نوازش فرما کر قبول فرمائیں۔

اگر یوں جواب کہ ہر چند خداوند عالم الغیب کو ہر لکی چھپی ہری چھوٹی چیز کی خبر ہے لیکن شوکت عظمت اور حکمت خداوندی کے مناسب ہی ہے کہ یہ سارا کارخانہ برپا ہو تو ہمیں تسلیم پڑی جو جواب ہمارا ہے اور اگر شیعوں کو نسبت ناہائے اعمال اور حساب کتاب اور تھ پاول کی گواہی کے جو قیامت میں ہوگی یہ عذر ہے کہ یہ سب تعلیم بنی آدم کے لئے ہے تو ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ یہ امتحان خداوندی بھی تعلیم بنی آدم کے لئے ہے۔

باقی کسی کو ملتا تھا پاول کی گواہی اور حساب کتاب اور ذر ذر اعمال میں شک ہو تو یہ کلام اللہ کی آیتیں موجود ہیں آیت **یَوْمَ نَشْہَدُ عَلَیْہِمَا اَلَسِنْتَہُمَا وَ اَنۡذَرۡنَاہُمَا** **وَاَنۡذَرۡنَاہُمَا** ہما کاؤ یَعْلَمُوْنَ جس کا یہ حاصل ہے کہ فلاں لوگوں کو اس روز عذاب ہو گا۔ جس روز ان کی زبان ہاتھ پاؤں ان پر گواہی دینگے اور آیت **فَاَنۡذَرۡنَاہُمَا** **اَلۡجَاؤۡدِہُمَا** **نَشْہَدُہُمَا** **عَلَیْہِمَا** **فَاَنۡذَرۡنَاہُمَا** **اَلۡطَغۡفَا** **اللّٰہُ** یعنی قیامت کو جب کفار کے کان آنکھیں کھالیں ان کے کہ تو کچھ گواہی دینگے تو وہ ان کو قیامت کرینگے سو اس کا بیان ہے کہ کہیں گے کفار اپنی کھالوں کو کہ تمہیں کیوں ہمارے حق میں بری گواہی دی؟ تو وہ کہیں گے کہ جس خدا

لئے لٹے کو بلایا تھا اور بولنا سکھایا تھا اسی نے ہمیں بھی بلایا۔

اور سوا اس کے اور بہت سی آیتیں وزن اعمال پر اسی طرح دلالت کرتی ہیں۔
وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذٍ بِالْحَقِّ أَيْ قَوْلِ اس دن ٹھیک ہے وَفُضِّعَ الْمَوَازِينُ الْفَيْسُطُ الْيَوْمَ بِحَقِّهِ
حاصل اس کا یہ ہے کہ رکھیں گے ہم ترازوئیں انصاف کی قیامت کے دن فُضِّعَ
مَنْ تَفَعَّلَتْ مَوَازِينُهُ فَمَوْفَى عِشْيَةٍ شَرِّهِ فَيُحِبُّ مَاصِلُ يَه سہے کہ جس کے اعمال
تول میں بھاری ہوں گے ان کی اچھی گزران ہوگی، ایسی ہی حساب کے مقدم میں کثرت سے
آیتیں وارد ہیں مجملہ ایک دو لکھے دیتا ہوں اِنْ شَبَدُوْا فَاِخِي اَنْفُسِكُمْ اَوْ تَحْضَوْهُ
يُحَايِبُكُمْ بِهِنَّ خُوه ظاہر کر دو جو کچھ تمہارے جی میں ہے یا چھپاؤ خدا حساب ضرور لے
گا وَمَنْ يَكْفُرْ بِالْآيَاتِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ یعنی جو کوئی منکر ہوگا اللہ کے حکموں
سے تو اللہ حساب شتاب لینے والا ہے الغرض ان باتوں سے انکار نہیں ہو سکتا اور ہمیں کسی
سے کیا کام اما میرا شاعر سے عرض ہے سو وہ منکر ہی نہیں اہل سنت اور وہ دونوں
ان باتوں کے ایمان میں متفق ہیں نیدیدہ اسمعیلیہ ہوتے تو یوں بھی ہوتی۔

الحاصل جو کچھ شیعہ تجویز فرمائیں ہمیں کچھ دریغ نہیں اگر رد یوں کہیں کہ نبی آدم
کی حجت ختم کرنے کے لئے حساب کتاب وغیرہ ہے ورنہ کچھ حاجت نہ تھی تو ہماری طرف سے
بھی یہی جواب معروض خدمت رہی بلکہ اس کے ساتھ میں الٹا شکر اذ ہم سے لیں کہ ہمیں ان آیات
کے معنی کی تحقیق میں تحفیف یا تھکاؤنی غرض بہر حال چشم روشن دل ماشاد.. صلاح ماہرمان
سکان صلاح شاما است ..

امتحان بغرض قطع حجت کی ایک قرآنی مثال اور کسی مثال سے سمجھنا نہ نظر ہے تو ایسی مثال لیجئے جسے
مولوی عمار علی صاحب بھی مان جائیں آئم کا پہلا سپارہ تو شیعوں کو غالباً یاد ہوئے نہیں تو
قریب یاد کے ہو گا کیونکہ اکثر دستمال اطفال رہتا ہے چہ جائیکہ بڑے بوڑھے عالم فاضل، سو
پہلے سپارہ میں رکوع و آخِ قَدْ قَالَتْ سَمَّيْتُہیں کچھ یہ بیان ہے کہ جناب باری تعالیٰ نے
فرشتوں سے حضرت آدم کے زمین میں خلیفہ بنانے کی خبر دی تو فرشتوں نے یہ اعتراض
کیا کہ آپ آدم اور آدم کی اولاد کو زمین میں خلیفہ بناتے ہیں جو زمین میں فساد کریں اور جو زمین

چھائیں حالانکہ ہم اس بات کا استحقاق رکھتے ہیں آپ کی شیعہ ہم کرتے ہیں آپ
کی تقدیس میں ہم مشغول رہتے ہیں تو اس کے جواب میں سر دست تو جناب باری تعالیٰ
نے یہ ارشاد فرمایا کہ جو میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے مگر ان کی حجت قطع کرنے کے لئے
حضرت آدم علیہ السلام کو سب چیزوں کے نام یا حقیقت لعلیم فرما کر پھر فرشتوں سے
ان چیزوں کے نام یا حقیقت دریافت کئے اور فرمایا کہ اگر تم دعویٰ استحقاق میں پچھے ہو تو
ہمارے سوال کا جواب دو چونکہ فرشتوں کو معلوم نہ تھے تو انہیں بجز یوں کہنے بن پڑی
اَنْ سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَا اَنْتَ اَنْتَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ حاصل اس کا یہ کہ
الہی تو پاک ہے ہمیں تو جتنا تو نے بتلادیا اسکے سوا اور کچھ معلوم نہیں تو ہی اسرار کا جاننے
والا اور حکمتوں والا ہے۔

جب ان سے نہ بتلایا گیا تو حضرت آدم علیہ السلام کو حکم ہوا کہ تو انہیں ان چیزوں کے
نام بتلا دے، جب حضرت آدم علیہ السلام نے ان کے نام بتلا دیے تو خداوند کریم نے
فرشتوں سے ارشاد فرمایا کہ میں نے تم سے کہا نہ تھا کہ میں آسمان زمین کی کئی چھپی
باتیں جانتا ہوں اور جو تم ظاہر کرو اور جو چھپاتے ہو وہ سب مجھے معلوم ہیں۔ برائے خدا
علما، شیعہ اس قصہ میں غور فرمائیں یہ امتحان فرشتوں اور حضرت آدم کا جو لیا۔ تو
کیا اس لئے لیا تھا کہ اپنے آپ کو حقیقت الامر معلوم ہو جائے یا فرشتوں ہی کی حجت قطع
کرنے کے لئے؟ در صورتیکہ حضرت آدم علیہ السلام کو پہلے سے اپنے سوال کا جواب بتلا
چکے ہوں اور فرشتوں کو نہ بتلایا ہو، تو کسی نادان کو بھی یہ شبہ نہیں ہو سکتا کہ جناب باری
تعالیٰ کو یہ معلوم نہ تھا کہ کون استحقاق رکھتا ہے کون نہیں ہو جیسے یہ امتحان فقط فرشتوں
کی حجت قطع کرنے کے لئے اور ان کے اعتراض کو اپنے ذمہ سے اٹھا دینے کے لئے تھا
ایسے ہی یہ امتحان جو لیبیکو کمر یا اور اسی مضمون کی آیتوں سے ثابت ہوتا ہے تو فقط اسی
لئے ہے کہ نبی آدم کو جس قدر ایک دوسرے کے درجہ بڑھانے پر خدا کے ذمہ نا انصافی کی
تہمت نہ لگائے لیکن اور ان کو گنجائش گفت و شنود اور جائے اعتراض و انکار جو ان
کی جبلت میں رکھی ہوئی، باقی نہ رہے۔

لو ہونا چاہیے بڑے کا فرق معلوم ہوتا اور نہ فقط اہل سے کسی کو برا بھلا سمجھ لینا۔ اور پھر اس کے موافق دوزخ و جنت میں داخل کر دینا کہ انصاف نہیں تو اب ہم بھی امتحان ہی لیں گے تاکہ معلوم ہو کہ کون بھلا ہے کون برا ہے کون جلا ہے کون صابر ہے غرض یہ امتحان قطع حجت بنی آدم کے لئے ہے خداوند علیم کو تحصیل علم مد نظر نہیں۔

اختیار کلمہ کے تفسیری فوائد چنانچہ دوسری آیت میں جو لفظ **أَعْبَادُكُمْ** ہے وہ بھی باواز بلند اس بات پر شاہد ہے کہ خداوند علیم پہلے سے بخبر نہیں اچھے برے نیک و بد سب کے حال سے خبردار ہے کیونکہ اس صفت میں حاصل اس آیت کا یہ ہے کہ ہم کو جو تمہاری حقیقتوں کی خبر ہے اور ہم کو اس میں شک ہے ہم بھی اسے جانچیں گے اس سے صاف معلوم ہو گیا کہ خدا کو پہلے سے ہر چیز کی خبر ہے بھلے اور برے کو جانتا ہے ایسا نہیں جیسا امامیہ کہتے ہیں کہ جب کوئی چیز پیدا ہوتی ہے خدا کو جب ہی خبر ہوتی ہے چنانچہ ملا نظام الدین جیلانی کے حوالے سے اوپر گزر چکا لیکن بنی آدم کی حجت قطع کرنے کے لئے یہ سارا بھڑکایا جیسے فرشتوں کے مراکت کرنے کے لئے سوال جواب مذکور کی نوبت پہنچائی ورنہ جیسے خداوند کریم پہلے سے جانتا تھا کہ حضرت آدم خلافت کے لائق ہیں اور فرشتوں میں وہ بات نہیں جو حضرت آدم علیہ السلام میں ہے ایسے ہی ازل سے جنتیوں کا جنت کے لائق ہونا اور دوزخیوں کا دوزخ کے لائق ہونا خداوند کریم اس طرح جانتا تھا جس طرح ہم تم لکھنویوں کا جو طے کے لائق ہونا اور روٹی کا کھانے کے قابل ہونا سمجھتے ہیں سو اگر خداوند کریم علم ازل کے موافق جنتیوں کو جنت میں اور دوزخیوں کو دوزخ میں پہنچا دیتا تو کچھ غلط تھا۔ لیکن بنی آدم کا بھگاڑا پل بندھا تھا فرشتوں نے تو کیا مکرار کیا تھا جو یہ کرتے؟ اس لئے یہ سارے کارخانے اور امتحان مقرر کرے۔

جیسے بعض جہد بالافتان ماضی سے مجازاً مستقبل مراد اب بفضلہ تعالیٰ وہ دھوکہ جو بوجہ آیات امتحان ہے اسی طرح بعض جگہ مستقبل سے بھی ماضی مراد ہے علماء شیعہ کو واق ہو آھا مترفع ہو گیا اور معلوم ہو گیا کہ کلام اللہ یوں سمجھا کرتے ہیں نہ یہ کہ ایک آیت کو چیل گئے اور جو کچھ فی الفور سمجھ میں آگیا اس پر جم گئے اور یہ نہ دیکھا کہ آیات سے مل کر اس آیت کے کیا معنی ہوتے ہیں اگر یہی تفسیر والی ہے تو ہم جانتے ہیں کہ علماء شیعہ مل کو **وَنَادَىٰ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ أَصْحَابُ النَّارِ** اور **وَنَادَىٰ**

أَصْحَابُ النَّارِ اور **وَنَادَىٰ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ** وغیرہ اس قسم کی آیات کے معنوں میں فرماتے لگیں گے کہ یہ سب قصے بڑے ہیں اس لئے کہ قطع نظر ان آیات اور احادیث کے جن کو قیامت کا آئندہ کو ہونا ثابت ہوتا ہے سر دست ان آیات کے یہی معنی معلوم ہوتے ہیں کہ یہ باتیں سب ایام گذشتہ کے افسانے ہیں کیونکہ نادائی ماضی کا صیغہ ہے جب تلک یوں نہ تھیں کہ جو چیز ہونے والی ہے اور اس کے ہونے میں کچھ شک نہیں ہوتا اسے عن میں یوں ہی کہا کرتے ہیں کہ ہو ہی چکی چنانچہ جو شخص لب مرگ ہوتا ہے اسے کہا کرتے ہیں اس میں کیا رہا ہے مر ہی چکا۔

جب تلک ان آیات کے معنی اور آیات کے موافق نہ ہوں گے اونے سے اونے عربی خوان بھی یوں جانتا ہے کہ باعتبار لغت کے **وَنَادَىٰ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ أَصْحَابُ النَّارِ** کے معنی ہیں کہ ندا کی جنتیوں نے دوزخیوں کو اب تلک دوزخ اور جنت میں گیا ہی کون ہے جو یہ سوال اور جواب ہونے لگے البتہ سب سرگزشتیں بروز قیامت جلو میں آئیں گی، چنانچہ سیاق اور سابق سے ظاہر ہے اور نیز امامیہ اور اثنا عشریہ بھی یہی فرماتے ہیں سو جیسے ان الفاظ کو بقرینہ دیگر آیات اپنے معنی حقیقی یعنی زمانہ ماضی سے پھر کر معنی مجازی یعنی زمانہ مستقبل مراد لیتے ہیں ایسے ہی اگر **كُنْتُمْ أَكْثَرًا ظَالِمِينَ** وغیرہ کلمات کو جو زمانہ مستقبل پر دلالت کرتے ہیں ان آیات کے قرینے سے جن سے خداوند علیم کے علم کا قدیم ہونا ثابت ہوتا ہے اپنے معنی اصلی یعنی زمانہ مستقبل سے پھر کر زمانہ ماضی مراد لیں تو کیا گناہ ہے؟

حوادث آئندہ یقینیہ کو ماضی اور واقع ماضیہ اور تصحیح مجاز کی وجہ درکار ہوتو سنئے جیسے امور مخفیہ کو مجازاً مستقبل سے تعبیر کرنا صحیح ہے اسکی مثال آئندہ میں سے ان امور کو جن کا آئندہ کو واقع ہونا یقینی ہوتا ہے بایں وجہ کہ ان کا تحقق ضروری اور یقینی ہے الفاظ ماضی سے تعبیر کر دیتے ہیں ایسے ہی امور گذشتہ میں سے ان امور کو جن کا تحقق اور وقوع اور ان کا وجود ایک نوع سے مخفی ہو اور باینہد ان کا اثر بھی ہنوز ظاہر نہ ہوا ہو، تو بایں لحاظ کہ ایسے امور کا ہونا نہ ہونا اکثر اثر کے ہونے نہ ہونے سے معلوم ہوتا ہے الفاظ مستقبل سے تعبیر کر دیا کرتے ہیں مثال کی ضرورت ہوتو سنئے کہ اگر کوئی بیمار بوجہ امتداد مرض اور شدت بیماری مددِ جب

اور اس ہو جانے لینی چار پالی کا سوار بن جائے اور پھر خانی مطلق اس بیمار کو ایک دفعہ
پہی شفا عطا فرمائے تو ظاہر ہے کہ وہ طاقت رفتہ مرض کے جاتے ہی نہ آجائے گی، بلکہ آئینگی
تو رفتہ رفتہ آئے گی ہوا اگر مجھ کو زوال مرض عطا وغیرہ قرض خواہ اگر اپنے حقوق کا مطالبہ
کرنے لگیں تو وہ مرد ضعیف و نقیہ اگر مفلس ہوتا ہے تو باوجود اطلاع اس امر کے کہ میرا مرض
زائل ہو گیا اور میں اچھا ہو گیا اکثر یہی جواب دیتا ہے کہ میں اچھا ہو جاؤں تو کہیں سے
فلک کر کے آپ کا حق پہنچاؤں۔

یافرض کرو بیمار کو تو زوال مرض کی اطلاع نہ ہو، چنانچہ اکثر ہوتا ہے پر طبیب
کامل آثار و دلائل سے اس کی صحت سے مطلع ہو کر خواست نگار انعام ہو اور بیمار بسبب
بقائے آثار مرض مثل نقابت وغیرہ کے اعطائے انعام میں متردد ہو تو طبیب اکثر کہہ کر لے
میں کہ اچھا جب تم اچھے ہو جاؤ گے جیسی دینا، سو جیسے طبیب یا مریض مذکور بایں لحاظ کہ آپ
نک ظہور اثر صحت کچھ نہیں ہوا یعنی طاقت نہیں آئی صحت کو جو واقع ہو چکی بمیزانہ غیر واقع
سمجھ کر صیغہ استقبال سے تعبیر کرتا ہے۔

ایسے ہی جناب باری اپنے اس علم قدیم کو کہ صحابہ مجاہد و صابر ہیں اور اعداء
صحابہ فاسق و فاجر، اصحاب کرام جو سعادۂ ازل اور شرافت لم یزلی اور نبوی ذاتی اکمال صفاتی
اس لائق ہیں کہ ان سے اچھے کام لئے جائیں۔ اور اس کے ثمرہ میں کمالات کسی دینے جائیں
اور اعداء صحابہ بسبب شقاوت ازل اور ذلت لم یزلی اور ربوبی ذاتی اور نقصان صفاتی اس
قابل ہیں کہ ان سے برے کام لئے جائیں اور اس کی پاداش میں ان کے قلوب سیاہ کئے جائیں
بایں نظر کہ قبل تکلیف اعمال اس علم پر کوئی ثمرہ متفرغ نہیں ہوا اور اس کا اثر یعنی اچھے
برے کاموں کا ان سے لینا ہنوز ظاہر نہیں ہوا یا بایں خیال کہ بہت سے نابکاروں کو خدا کے
اس علم کے صحیح ہونے میں ایسا تردد ہے جیسا بیمار مذکور کو قول طبیب میں، اگر بعینہ استقبال
دیان فرمائے تو شیعوں کو اس قدر حیرت کیوں ہے؟

ازل سعادۂ و شقاوت کی عام فہم مثال ایسی بات کہ یہ فرق یک و ہد ازل اور خلقی ہے کسی اور
عارضی نہیں سو یہ ہر چند ایک کرمیق ہے۔ لیکن اہل فہم کے نزدیک یہ فرق بعینہ ایسا ہی جیسا

ذکی و غنی اور علیم و جود بخوار اور بخیل و سخی اور حجام و نامزد و عالم و جاہل کا فرق ہے
جیسے بادشاہان عاقل عالم سے کار علم اور جاہل سے کار جہل لیتے ہیں ایسے ہی جناب باری
بھی ہر کسی سے اسی کے لائق کام لیتا ہے۔

تینوں زمانے ہمتہ موجود ہیں فنا نہیں ہوئے بلکہ تحقیق قیوں ہے کہ زمانہ تنہا مہ ازل سے لے کر
ابترک ایک شے موجود ہے نہ زمانہ ماضی فنا ہوا اور نہ زمانہ آئندہ معدوم ہے وجہ اس کی
یہ ہے کہ اگر کوئی یوں کہے **إِنَّ زَيْدًا أَمْسَ لَمْ يَزِدْ قَائِمٌ** یعنی زید قائم ہے تو مجھ د اس کلام کے سننے
کے ہر کوئی یہ سمجھ جاتا ہے کہ زید موجود ہے اور اس کا یہ حال ہے اور ظاہر بھی تو ہے کہ کوئی
حال تو جب ہو کہ جب وہ خود پہلے ہوئے جب یہ بات ذہن نشین ہو چکی تو گذارش یہ ہے
کہ قیامت کے باب میں جو وقائع آئندہ میں سے ہے خداوند کریم یوں فرماتا ہے اور سب جانتے
ہیں کہ خدا سچا ہو کہ **إِنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ** یعنی بیشک قیامت آنے والی ہے یا دوسری جگہ
یوں فرماتا ہے **إِنَّ زُلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيمٌ** یعنی بیشک قیامت کا زلزلہ بڑی چیز
ہے، سو موافق قاعدہ مذکورہ کے ہم بھی یوں ہی سمجھتے ہیں کہ قیامت بالفعل موجود ہے اور
اس کا یہ حال ہے کہ ہماری طمطم آنے والی ہے۔ اور وہ بہت بڑی چیز ہے اور ہم اس پر بے
تکڑا ایمان لاتے ہیں اور چون دہرا نہیں کرتے۔ اور اگر کوئی نیم تلاویں **لَا تَحْجِزُ عَنْكُمْ** کرے کہ
بہت اوصاف ایسے ہیں کہ ان سے اس چیز کا وجود معلوم نہیں ہوتا جس کا وہ وصف ہوتا
ہے مثلاً کوئی یوں کہے کہ فلانا مر گیا یا فلانا معدوم ہو گیا۔ تو ہر چند یہ شبہ قابل جواب نہیں
اور اس کا جواب بھی یہ ہے کہ یہ باتیں اوصاف نہیں بلکہ اوصاف کا نہ ہونا ہے۔ لیکن سئلنا
یوں کہنا کہ فلانی چیز آنے والی ہے یا فلانی چیز بڑی ہے یہ تو ایسی نہیں جن سے ہونا معلوم
ہو بلکہ یہ باتیں تو کو دلوں کے نزدیک بھی وجود ہی پر دلالت کرتی ہیں سو در صورتیکہ یہ
اوصاف وجود پر دلالت کرتے ہوں ہم قیامت کے بجائے خود موجود ہونے میں کیوں تاہل
کریں اور یوں جب مقرر ہو چکا تو ہم ایک اور بھی التماس کرتے ہیں کہ جیسے قیامت آنے
والی ٹھہری اور وہ اس وصف کے قریب سے موجود معلوم ہوئی تو زمانہ گذشتہ بشہادت
تمام عالم گذرنے والا ہے اسی واسطے اس کا نام گذشتہ رکھا گیا معذرت قیامت وغیرہ

اجزائے زمانہ متحرک پھیرے تو ایک روز ہم تک پہنچ کر گزر بھی جائے گی اور یوں کہنا کہ
فلانا شخص جاتا ہے وجود پر دلالت کرنے میں کچھ اس سے کم نہیں کہ یوں کہیے کہ فلانا شخص
آتا ہے اور جب دونوں طرفیں زمانے کی گزشتہ اور آئندہ برابر بچلے خود موجود نکلیں۔
سب زمانے احاطہ خداوندی میں ہیں۔ تو موافق فرمودہ باری تعالیٰ اِنِّیْ اَیَّہِ اِنَّ اللہَ بِحَقِّ
شَیْءٍ خَفِیْطٌ سار از زمانہ اول سے لے کر آخر تک احاطہ خداوندی میں داخل ہوا سوا احاطہ
خداوندی کے جو کچھ کوئی معنے لے ہیں کچھ اس کا نہیں کم سے کم یہ معنے تو ضرور ہوں گے کہ
اللہ کا علم ہر چیز کو محیط ہے جیسا کہ دوسری آیت البقیہ اسی معنے پر دلالت کرتی ہے۔ وہ
آیت یہ ہے اِنَّ اللہَ اَخَاطَ بِحَقِّ شَیْءٍ لِّمَّا لَیْسَ اللہَ کا علم ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہو
اس صورت میں کیفیت سارے زمانہ کے وجود کی باوجود اس روانگی کے کہ ایک جزا آتا ہے
اور ایک جاتا ہے ایسی ہوگی جیسے اجزاء آب و آل کہ سب کے سب بجائے خود موجود ہیں۔
لیکن جب اگلے اجزاء گزر جاتے ہیں تب پچھلے آتے ہیں۔

اور خدا کے پیش نظر اور معلوم ہونے کے ایسی مثال سمجھئے جیسے کوئی اب دریا جا کر
کھڑا ہو تو اوپر سے اوپر تک تمام دریا کا پانی اور جو اس پانی کے اندر ہوتا ہے جاب یا خس
و غاشاک اس کے پیش نظر ہوتا ہے اور اس کو سب ایک شے واحد نظر آتا ہے گو اجزاء آب
اور جو کچھ ان میں ہے باہم مقدم اور موخر ہیں

ماضی مستقبل بھی خدا کے لئے حل کا حکم | الغرض اجزاء زمانہ اور جو کچھ زمانے میں واقع ہوتا ہے
رکھتے ہیں مگر باہم مقدم و موخر ہیں | سب کا سب ہوتا خداوند کریم کے پیش نظر ہے اور سارا
مجموعہ اس کو بمنزلہ شے واحد معلوم ہوتا ہے اور معاً سب کے سب اس کو یکساں نظر آتے ہیں
اس کے حساب سے سب زمانہ حال کا حکم رکھتے ہیں مگر آپس میں ایک دوسرے کی نسبت
مقدم اور موخر کہنے جاتے ہیں اور فرق حال اور استقبال اور ماضی کا نسبت ایک دوسرے کے
ہے۔ سو جیسے کوئی کسی مکان میں ہوتا ہے تو اس کے سوا جو مکان کہ جو اس کے سامنے ہوتا ہے
اس کو آگاہ کہتے ہیں اور جو اس کے پیچھے ہوتا ہے اسے چھپا کہتے ہیں، ایسے ہی جس زمانہ میں
کوئی چیز ہوتی ہے اس کے پہلے زمانہ کو بہ نسبت اس کے ماضی کہتے ہیں اور اس کے اگلے

زمانہ کو بہ نسبت اس کے مستقبل اور خاص اس زمانہ کو جس میں وہ چیز ہوتی ہے اس
کی نسبت زمانہ حال کہتے ہیں سو ہر چند خداوند کریم کے پیش نظر ہونے میں اور اس کے
سامنے موجود ہونے میں یکساں ہیں لیکن باہم مقدم اور موخر ہیں اور ایک دوسرے کی
نسبت ماضی اور استقبال اور حال ہے

کلام الہی میں ماضی و حال و استقبال کے استعمال کی ترتیب سو خداوند کریم کبھی تو موقع دیکھ کر لفظ
اپنے معلوم ہونے اور اپنے پیش نظر ہونے کے کلام کرتا ہے اور کبھی مناسب وقت ان
وقائع کے تقدم اور تاخر کا لحاظ ہوتا ہے پہلی صورت میں تو ہمیشہ ماضی کا صیغہ یا حال کا صیغہ
مستعمل ہوتا ہے اور دوسری صورت میں ماضی کے موقع میں ماضی اور حال کے موقع
میں حال اور استقبال کی جگہ استقبال اور باوجود سب کے یکساں پیش نظر ہونے کے
ماضی کا صیغہ جو استعمال کرتے ہیں اور حال کا لفظ نہیں بولتے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ کبھی کسی
فعل کے صدور اور حدوث سے خبر دینی مدنظر ہوتی ہے اور کبھی اس فعل کے استمرار وجود
کی خبر سو جن افعال کی خبر دینے میں وقت خبر جو وہ حاضر ہوتے ہیں تو باعتبار استمرار وجود کے
حاضر اور پیش نظر تنگم ہوتے ہیں ورنہ باعتبار صدور اور حدوث کے وقت خبر حاضر نہیں رہتے
بلکہ غائب ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ صدور اور حدوث آتی ہے زمانی نہیں اور قبل وجود کسی
فعل کے جو اس فعل کی خبر دی جاتی ہے تو وہ لاجرم بصیغہ استقبال ہونی چاہیے بغرض
حدوث کے لئے صیغہ حال ممکن نہیں یا لفظ ماضی ہو گا یا لفظ استقبال اگر قبل حدوث
کسی وجہ سے مطلع ہو کر خبر دینگے تو بصیغہ استقبال خبر دینگے اور بعد حدوث کو معاند کر کے خبر
دینگے تو بصیغہ ماضی خبر دینگے حال جب کہ نہایت حدت بھی مثل استمرار یعنی حاصل مسند زمانی ہوتا ہے
ہوتا ہر حال نسبت علم خداوندی کے سب بمنزلہ حال کے ہے۔ سو جہاں کہیں وقائع آئندہ کو ماضی
کے الفاظ سے بیان کیا ہے جیسا ذی نادر اصحاب الخیر یا اور سوا اس کے تو دماں عات
اس کی ہے کہ نہ کو سب تحضر اور پیش نظر ہے اور جہاں امور گزشتہ میں صیغہ استقبال
کا مذکور ہے۔ جیسا خلیفہ المجاہدین ی و لہن کو شکک وغیرہ تو وہاں یہ مدنظر
کہ نسبت اپنے ماقبل کے مستقبل ہے۔

و عالم قدیم نہیں ہو سکتے کیونکہ مستقر نہیں اس بحث کو اہل انصاف انصاف سے ملاحظہ فرمائیں اور پھر فرمائیں کہ یہ پیمانہ ہر چند دیوانہ ہے لیکن کس قدر بھکانے کی بات کہتا ہے مگر برائے خدا فرما سبچ سمجھ کر دیکھیں مباد اپنی جلدی میں میرے ذمے یہ ہمت نہ لگادیں کہ ظلمے رسالے والا وقت عالم کے قدیم ہونے کا قائل ہے تنبیہ کے لئے میں ابھی سے کہنے دیتا ہوں کہ کسی واقعہ کے قدیم ہونے کے لئے یہ ضرور ہے کہ اس کا استمرار وجود بالحدود بقدر تمام زمانہ من اولیٰ الی آخرہ ہو یعنی ازل سے لے کر ابد تک اس کا استمرار وجود موجود ہو اس سے قدم ثابت نہیں ہوتا کہ ایک زمانہ محدود الطریقین پر منطبق ہو اگرچہ وہ زمانہ قطع نظر حرکت لازمہ کے بذات خود ایک شے مستقر ہو۔ یعنی مثل حرکات ایسا نہ ہو کہ ایک جزو حادث ہو تو ایک فانی ہو گیا اللہم انت الہادی کا ہادی الہانت حصول علم کے دو طریقے ہاواسط و بلاواسطہ اور اگر کوئی عقل کا پورا اس تقریر میں کچھ الجھے لگے اور اس طریق سے مطلب تک پہنچنا اس کو دشوار معلوم ہو تو ایک دوسرا طریق جس پر وضاحت خدا کے علم کا قدیم ہونا دران آیات کا بھی بلا تکلف اس پر مطابق آجائے ثابت ہو جائے۔ جو درجہ اوراق ہیں پر توجہ خاطر ناظرین ضروری ہے۔ اپنے علوم کے تجسس کرنے سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ ہم کو علم اشیا و دو طریق سے حاصل ہوتا ہے ایک تو بے واسطہ دوسرا بواسطہ لوازا یا بواسطہ طرقات مثلاً آفتاب کا یاد صوب کا علم کبھی تو بے واسطہ ہوتا ہے آنکھ کو دیکھا معلوم ہو گیا اور کبھی بواسطہ ہوتا ہے آفتاب کا علم صوب کے وسیلہ سے یاد صوب کا علم آفتاب کے وسیلہ سے اگر آدمی گھر میں ایسی جگہ بیٹھا ہو جہاں سے آفتاب نظر نہ آتا ہو پر صوب نظر آتی ہو تو دوسرے کے وسیلہ سے معلوم ہو جائے گا کہ آفتاب آسمان پر نکلا ہوا ہے سو یہ علم جو آفتاب کا حاصل ہوا تو بواسطہ لازم حاصل ہوا اور اگر آفتاب کو صحن میں بیٹھے ہوئے دیکھیں اور یوں سمجھیں کہ چھت پر صوب ہوئی تو یہ صوب کا علم بواسطہ لازم حاصل ہوا اسلئے بلذالقیاس آگ اور دھوئیں کے علم کو سمجھنے کا کبھی بے واسطہ حاصل ہوتا ہے جیسے آگ کو یاد دھوئیں کو خود آنکھ سے دیکھ لیا کبھی بواسطہ یک دیکھتا ہے مثلاً دھوئیں کو دیوار کے پیچھے سے دیکھ کر آگ کو سمجھ جائے اور دوسرے جہاں چران کا دھواں نظر نہ آتا ہو چراغ کے

شعلہ کو دیکھ کر دھوئیں کو جان لینا

اکثر ایک چیز کا علم بواسطہ اور بواسطہ دونوں ساتھ آتے ہیں لیکن ایک شے کے علم بے واسطہ کو اس کا علم بواسطہ بھی بہتر لازم ہوتا ہے اور دونوں ساتھ ہی پیدا ہوتے ہیں اور کسی طرح کا قدم اور تاخر نہیں ہوتا مثلاً آگ کو قریب سے دیکھتے تو دھواں بھی اس کے ساتھ ہی نظر آئے گا سو اس صورت میں آگ کا علم دو طرح حاصل ہو سکتا ہے ایک تو بے واسطہ کیونکہ آنکھ سے خود نظر آتی ہے دوسرا دھوئیں کے واسطے سے کیونکہ اگر آگ نظر نہ آتی۔ اور دھواں ہی نظر آتا تو بیشک آگ کا علم حاصل ہوتا سو در صورتیکہ آگ بھی نظر آتی تو بطریق اولیٰ آگ کا علم دھوئیں کے واسطے سے ہونا چاہیے اور ظاہر بھی تو ہے اب دھوئیں میں کب کی آگ ہے جو دلالت نہ کرے۔

کبھی علم بواسطہ علم بے واسطہ میں جو ہوتا ہے بلکہ غور سے دیکھتے تو ملازم جس سے علم ہاواسطہ حاصل ہے کہ اس کا خیال بھی نہیں رہتا ہوتا ہے اسی صورت سے معلوم ہوتا ہے مگر آگ کا علم جو بواسطہ دھوئیں کے اس صورت میں حاصل ہوتا ہے ہر چند علم بے واسطہ ہی کے سمجھ حاصل ہوتا ہے لیکن علم بے واسطہ میں ایسا تسخّل اور محو ہے کہ اس کی خبر بھی نہیں ہوتی اور کسی کو اس طرف دھیان بھی نہیں گذرتا اس کی ایسی مثال ہے کہ دن کو ستاروں کا نور بھی ہوتا ہے مگر آفتاب کے نور میں اس آنکھ سے معلوم بھی نہیں ہوتا۔

کبھی دو چیزوں کا علم بے واسطہ یا ایک کا بواسطہ جب یہ بات ذہن نشین ہو چکی کہ ایک شے کا علم دوسری کا بواسطہ بھی کچھ ہی حاصل ہوتا ہے ہیں بیواسطہ اور بواسطہ بیا اوقات دونوں ساتھ ہی پیدا ہوتے ہیں ایسا ہی یہ بھی ملحوظ خاطر رکھنا چاہیے کہ کبھی دو چیزوں کا علم بے واسطہ بھی ساتھ ہی حاصل ہوتا ہے مثلاً آگ کو اور دھوئیں کو ایک ساتھ دیکھنے علیٰ ہذا القیاس ایک شے کا علم بے واسطہ اور دوسری شے کا علم بواسطہ پہلی شے کے واسطے سے بھی اکٹھے ساتھ ہی حاصل ہوتے ہیں مثلاً دھوئیں کے علم بے واسطہ اور آگ کا علم بواسطہ دھوئیں کے واسطے سے اور ایسے ہی آگ کا علم بے واسطہ اور دھوئیں کا علم بواسطہ آگ کے واسطے سے دونوں ساتھ ہی پیدا ہوتے ہیں اور اکثر کچھ تفاوت نہیں ہوتا جو ایک کو یوں کہیں کہ یہ علم تو فزانی ساعدت میں حاصل ہوتا

اور یہ علم اس سے پہلی ساعت یا اس کے بعد کی ساعت میں حاصل ہوا۔

بے واسطہ اور بواسطہ حاصل ہونے والے علم الہی میں کوئی تقدم تاخر نہیں | لیکن تمام عقل کے نزدیک ایک ترتیب ہے کہ اس کی زد سے مقدم موخر کہہ سکتے ہیں یعنی ایک شے کے علم بے واسطہ کو دوسری شے کے علم بالواسطہ سے جو بواسطہ پہلی شے کے حاصل ہوتا ہے عقل ایک طرح سے مقدم سمجھتی ہے یعنی ہر کوئی یوں سمجھتا ہے کہ دوسری شے کا علم اس صورت میں پہلی شے کے علم پر تو فہم سے سوچیا باتھ میں کسی چیز کو لے کر بلائے تو گو وہ چیز ہاتھ کے ساتھ ہی ملتی ہے لیکن پھر یوں کہتے ہیں کہ ہاتھ اول ہلتا ہے ایسا ہی اس صورت میں گو دونوں چیزوں کا علم برابر ہی حاصل ہوتا ہے۔ لیکن جس کا علم بے واسطہ ہے بہ نسبت اس کے علم کے جس کا علم اسی کے واسطے سے حاصل ہوتا ہے مقدم گنا جاتا ہے اور جیسا یوں کہہ سکتے ہیں کہ ہاتھ کو اس لئے بلایا تاکہ وہ چیز ملے جو ہاتھ میں ہے۔ ایسا ہی یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ دھوپ کو اس لئے دیکھا تاکہ آفتاب بھی معلوم ہو جائے۔ کلام الہی میں ماضی و حال علم بے واسطہ سے تعبیر جب یہ تمام مقدمات ذہن نشین ہو چکے۔ تو اب بے واسطہ اور استقبال علم بالواسطہ سے اتنا اس یہ ہے کہ خداوند کریم کے علم کو اگر قدیم کہیے تو حتیٰ فعلہ وغیرہ کے استقبال میں کچھ فرق نہیں آتا اور حتیٰ فعلہ وغیرہ کے استقبال سے اس کے علم کے قدیم ہونے میں کچھ تفاوت نہیں پڑتا۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ خداوند علیم کو ہر چیز کا علم دو طرح سے حاصل ہے بے واسطہ اور بواسطہ یکدگر کیونکہ تمام موجودات کے ساتھ لوازم لگے جیسے ہیں سو جیسا لوازم اور ملزومات دونوں کا علم بے واسطہ سے حاصل ہوا ایسا ہی لوازم کا علم ملزومات کے واسطہ سے ملزومات کا علم لوازم کے واسطہ سے بھی اسے حاصل ہے اور دونوں ازل سے برابر ساتھ ہیں گو علم بالواسطہ کسی چیز کا اسکے علم بے واسطہ میں محو اور مغلج ہو اور ایسا ہی کسی چیز کا علم دوسری چیز کے علم کے واسطہ سے اور اس دوسری چیز کا علم برابر ساتھ ہی ازل سے خداوند ملزوم کو حاصل ہیں اور دونوں قدیم ہیں مگر کسی چیز کے علم بالواسطہ کو بہ نسبت اس چیز کے علم کے جس کا واسطہ بے واسطہ کے علم حاصل ہوا ہے۔ موخر گئیں گے اور یہ علم بہ نسبت اس علم کے مقدم سمجھا جائے گا۔ سو جہاں کہیں علم خداوندی کے ذکر میں صیغہ استقبال کا یا معنی استقبال کے پائے جاتے ہیں وہاں اعتبار علم بالواسطہ کے ہے اور نہ اعتبار زمانہ کے کچھ تفاوت نہیں اور جہاں کہیں ماضی یا حال مستعمل ہے وہاں

علم بے واسطہ مراد ہے۔ بنی آدم کے علوم چونکہ بواسطہ ہیں اس لئے بعینہ استقبال (بواسطہ) حکم فرمایا اور باعتبار علم بالواسطہ کے کلام کرنے کی وجہ یہ پیش آئی کہ کلام اللہ کے مخاطب آدمی ہیں اور تمام آدمی بلکہ تمام ذوی العقول کو اکثر چیزوں کا علم بالواسطہ ہی ہے بے واسطہ نہیں۔ روح بنی آدم یا بنی آدم کے کمالات انسانی جیسے سخاوت، شجاعت، خلق مروت، اگر ہیں تو دل میں ہیں آنکھوں سے یا کانوں سے یا سوا اس کے اور جو اس خبر سے معلوم نہیں ہوتے ان کو اگر کوئی دوسرا معلوم کرتا ہے تو ان کے آثار اور لوازم سے معلوم کرتا ہے سخاوت دینے والا ہے جو ہاتھ کا کاہتے سخاوت مارنے مرنے سے جو ہاتھ پاؤں سے تعلق رکھتا ہے خلق شعیب زبانی سے جو زبان سے متعلق ہے معلوم ہوتی ہیں عقلی ہذا التماس روح کا ہونا نہ ہونا دوسروں کو حرکات سکنت سے جو بدن سے متعلق ہیں۔ معلوم ہوتا ہے۔

اگر غرض بے واسطہ سے حکم فرماتے تو وہ بنی آدم پر اور جہاں کہیں جناب ماری قعل لے اپنے علم حجت دہوتے کیونکہ ان کے بس میں نہیں | میں صیغہ استقبال استعمال کیا ہے وہ ایسے ہی ہو جس جو بنی آدم کو بے واسطہ معلوم نہیں ہو سکتے سو ان سے باعتبار علم بے واسطہ کے اگر کلام کرتے تو ان پر کچھ حجت نہیں ہو سکتی تھی اور نہ ان کو الزام دے سکتے تھے۔ اس لئے الزام دینے کے موقع میں باعتبار علم بالواسطہ کے کلام کی ہے اور جہاں یہ غرض نہیں وہاں باعتبار علم بے واسطہ کے کلام کی ہے اور وہاں صیغہ ماضی کا یا حال کا مستعمل ہے مگر بنی آدم کو چونکہ ان اشیاء کا علم بے واسطہ ہو ہی نہیں سکتا اور پس ان واسطوں کا علم قبل ان کے وجود کے بنی آدم کے حق میں ممکن ہی نہیں اور اس وجہ سے ان کے تمام علوم برابر حاصل نہیں ہوتے تو وہ خدا کو اپنے اوپر قیاس کر کے صیغہ استقبال سے حدوث سمجھ جاتے ہیں اور حیران ہوتے ہیں کہ کلام اللہ میں ایک جاتو یوں مذکور ہے کہ خداوند علیم کو تمام اشیاء کے علوم ازل سے حاصل ہیں جیسا کہ **كَانَ اللَّهُ بِخَلْقِ شَيْءٍ عَلِيمًا** اور ایک سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ بعض علوم حادث ہیں جیسے الفاظ حتیٰ فعلہ وغیرہ مگر جو لوگ نمیدہ ہیں اور نہ مذکور دے مقبہ ہو گئے ہیں دونوں کو مطابق یکدگر سمجھتے ہیں۔

محدثات کی بحث اور علم الہی کے دو دفتر اس اب مناسب یوں ہے بخواتینہ عاکینہ و
 یثبات کے لئے بھی بیان کے جائیں کہ منصفان علماء شیعہ کو شاید انتظار ہو محذوم من
 اول ساری آیت گوش گذار ہے بعد اس کے اپنا ما فی التفسیر بھی معروض خدمت ہوگا ساری
 آیت یوں ہے وَمَا كَانَ لِرَسُولٍ أَنْ يَأْتِيَ بِالْبَيِّنَاتِ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ لِيُخْلِلَ أَجَلٌ كَتَبَ
 يَخْلُو اللَّهُ مَا يَشَاءُ وَيُفْثِتُ وَعِندَهُ أُمُّ الْكِتَابِ حاصل اس کا یہ ہے کہ کسی رسول سے
 یہ نہیں ہو سکتا کہ کوئی معجزہ جو اس کی نبوت کی نشانی ہو خدا کی بے اجازت لے آئے اللہ کے
 یہاں ہر مدت کی ایک جگہ کتاب ہے اس میں سے جو چاہے مٹا دیتا ہے اور جو چاہتا ہے باقی
 رکھتا ہے اور اس کے پاس ایک اور ہر کتاب ہے جو سب کی اصل ہے یہ تو اس آیت کا
 حاصل ہوا اب اہل ہم سے یہ امید ہے کہ بعد ملاحظہ ان دونوں لفظوں کے ایک تو لکل اجل
 کتاب اور دوسرا وعندہ ام الكتاب اور نیز بعد لحاظ اس امر کے کہ جہاں جو اللہ الخ اول
 کے بعد واقع ہے بے تنبیہ کے آپ سمجھ جائیں گے کہ خداوند کریم کے یہاں دو دفتر ہیں ایک
 بڑا جس کی طرف ام الكتاب کا لفظ اشارہ کرتا ہے دوسرا چھوٹا دفتر جس کی طرف جملہ لکل اجل
 کتاب ہدایت کرتا ہے اور محو اور اثبات یعنی مٹانا نہ مٹانا یہ چھوٹے دفتر میں ہوتا ہے بڑے میں
 نہیں ہوتا سو بعینہ یں اہل سنت کا مذہب ہے وہ بھی یہی کہتے ہیں کہ بڑا دفتر جو علم خداوندی کے
 موافق ہے یا خود علم خداوندی ہے اس میں گھٹاؤ بڑھاؤ نہیں ہوتا۔
 عقیدہ بد افواہ سے اس طرح ثابت ہے جیسے پھر شیعہ کس خوبی پر یہ دعوے کرتے ہیں کہ بداف
 لا تَقْرَأُوا الصَّلَاةَ سَے نماز کی ممانعت کلام اللہ سے ثابت ہوتا ہے اگر اسی آیت کے بھروسہ
 کو دے ہیں تو یہ بعینہ ایسا ہی استدلال ہے جیسا کسی بانوان نے کہا تھا کہ کلام اللہ میں خدا نے
 نماز سے منع فرمایا ہے اس نے ہم نہیں پڑھتے کسی نے پوچھا کہ صریح میں بھی بتاؤ ہم نے تو
 آج تک یہ بات نہیں سنی اگر یہ حکم ہے تو کلام اللہ کے قرآن جائز ہے بڑے آرام کی بات نکل آئی
 بانوان نے کہا صاحب سورہ نسا میں نہیں کہ لا تَقْرَأُوا الصَّلَاةَ یعنی نماز کے پاس نہ چھٹو اس نے
 کہا صاحب اس کے بعد وَاَنْتُمْ مَسْكُوْرَةٌ یعنی توبہ یعنی نشے کی حالت میں نماز مت پڑھو۔
 ساری آیت کے معنی پر عمل کرنا چاہیے بانوان نے کہا باسارے کلام پر کس سے عمل ہوا ہے یہ بھی

تسلیت ہے جو اتنا بھی عمل ہو جائے تو شاید علماء شیعہ نے بھی اسی قاعدہ پر عمل کیا ہے
 اور میرے نزدیک ایک اور حدیث شیعہوں کے لئے اس موقع میں خفت اتارنے کے
 لئے بہت عمدہ ہے وہ یہ ہے کہ سارے کلام اللہ کے یاد نہ ہونے میں تو شیعہ معذور ہی ہیں۔
 اتفاق سے لکل اجل کتاب بخو اللہ ما یشاء و یثبت تک فقط ان کو یاد ہو گیا تھا۔ بسبب کمال
 عبودیت اور سرا پا بندہ ہونے کے اسی پر اعتقاد جما لیٹھے سو یہ بات تو قابل تعریف ہے اگر وعند
 ام الكتاب بھی ان کو معلوم ہوتا اور پھر سنتوں کے موافق ان کا اعتقاد نہ ہوتا تب البتہ جانے
 گرفت تھی سبحان اللہ اس تفسیر دانی اور کلام اللہ کے محفوظ ہونے پر سنتوں سے مقابلے کا دعویٰ
 مگر مویشے بخواب اندر بیرون نہ شہر شد جناب من شیعوں کے اکثر استدلال تو بانوان مذکور کے
 سے استدلال ہیں اور کلام اللہ کی یادداشت ایسی ہے جیسے مرزا نوٹ شاعر بقا ضاعے تاثیر
 مذہب اپنی سرگزشت لکھتے ہیں۔
 لا تَقْرَأُوا الصَّلَاةَ نہ ہم بخاطر است و زما یاد ماند کلو و اشہر بواہرا
 علم الہی قریم غیر متغیر محیط ہے احق یوں ہے کہ سلم الہی میں کچھ تغیر نہیں آتا اور کیونکر تغیر ہو سکے۔
 خداوند کریم جا بجا ایسے ہی توہمات کے ذریعہ کے لئے فرماتا ہے۔
 كَانَ اللَّهُ عَلِيمًا نَحِيْمًا كَانَ اللَّهُ بِخَلْقِ
 تَحِيٍّ عَلِيمًا وَكُنَّا بِخَلْقِ شَيْءٍ غَالِبِينَ
 اِنَّ اللَّهَ اَخَاطَ دَخَلَ شَيْءٌ عَلِيمًا كَانَتْ
 اللَّهُ دَخَلَ شَيْءٌ مُحِيطًا۔
 حاصل سب کا یہ ہے کہ خداوند کریم اللہ سے
 برتر ہو گا تھا ہے اور ہر چیز کی حقیقت پہنچاتا ہے
 اور ہر چیز ازل سے اس کے احاطہ علی اور عام
 وجود میں ہے
 چنانچہ تصویر اس مضمون کی کچھ مذکور بھی ہوئی پھر جب ازل سے ہر چیز کو محیط ہے تو
 بعد اس کے غلطی کا باعث امر ہو سکے تو یہ ہونے سے کہ کوئی چیز پچ میں خدا کے اور خدا کے
 معذرت کے حامل ہو جائے سو اگر یہ احتمال ہے تو اس کا جواب تو کلام اللہ ہی میں بہت جگہ موجود
 ہے سخن اقرب یعنی ہم سب زیادہ نزدیک ہیں یا شیعہ یوں تجویز فرمائیں کہ خود باللہ خداوند
 کریم کے تو اس میں فتور ہے سوائے جرات شیعوں ہی کو ہے معذرا لا یخفى علی اللہ صحت
 شیئی فی الکون من ولا فی السماء یعنی اللہ پر کوئی چیز پوشیدہ نہیں رہتی زمین میں نہ

آسمان میں یہ بھی کلام اللہ ہی میں ہے کسی پندت کی پوچھی کی آیت نہیں
عقیدہ برا خدا کے لئے جبل مرکب بنجوز کرتا ہے [تیسرے طرف یہ ہے کہ اکثر علماء شیعہ معقولات میں دخل
در معقولات رکھتے ہیں مگر تیسرا اتنا نہیں سمجھتے کہ علم غلط حقیقت میں علم نہیں وہ اقسام جبل
میں سے ہے اسی واسطے اس کو جبل مرکب کہتے ہیں اس اصطلاح کو منطق کے پیوٹے رسالہ
پڑھنے والے کو درکار ان پڑھے بھی سمجھتے ہیں بلکہ زبان زعام و خاص ہے کہ جبل مرکب کو جبل
بسیط ہی بھلا بلانہم جو یہ حضرات ذات والامفات جناب کبریا کی کو جبل مرکب کا بڑا لگاتے ہیں تو
اول تو ان آیات مرتومہ پر بظن نسخ کھینچنا پڑا سبحان اللہ خدا کے کلام کو بندے نسخ کرین
اور وہ بھی اعتقادات میں کہ اتفاق شیعہ سنی بلکہ اتفاق عالم قابل نسخ ہی نہیں دوسرے خدا
کیجا جبل مرکب کہا نعوذ باللہ من ہذہ الخرافات ۔

عقیدہ بدستام موجودات کو ایک طرح خدا پر فضیلت دیتا ہے [تیسرے جمادات وغیرہ جن کو بالکل علم
نہیں بلکہ تمام موجودات ایک وجہ سے خدا سے افضل سمجھے کیونکہ کوئی جو سوائے خدا
کے سب میں کچھ نہ کچھ جبل بسیط ہے اور خدا میں جبل بسیط نہیں کیونکہ کلام اللہ کی آیات
خود واضح ہو چکا کہ خدا کو سب چیز کی خبر ہے سو وہ خبر اور وہ علم اگر غلط ہو وے کو جبل مرکب کا
اور جبل مرکب سے جبل بسیط آخر افضل ہی ہے تو سب مخلوقات ایک درجہ سے خدا سے افضل تھی
وہ سبحان کیا خدائی قدر شناسی ہے ۔

تمام عالم علم الہی کے محو اثبات کا دفتر کمال بانی کوئی ہم سے یوں پوچھے کہ وہ دفتر کونسا ہے جس میں محو
اور اثبات ہوتا ہے تو گوئیں بعد اس کے کہ یہ مسموم ہو گیا کہ وہ دفتر علم الہی کے علاوہ ہے
کچھ اس کے جواب کی حاجت نہیں لیکن تسکین خاطر کو دینی بھی اچھی ہوئی تبت اس لئے معدودہ
خدمت ہے کہ ان امور کی حقیقت تو خدا ہی جانے یا جس کو وہ اطلاع کر دے مگر بطور امکان
احتمال اس مقام میں ہمیں بیان کرنا لازم پڑا اس کو فہم کے لئے ہمارا مایں جو موجودات تقاریر فیض
بزرگان آت ہے تو یہ ہے کہ تمام عالم دفتر خداوندی ہے مگر اس میں سے بعض مشیا کو بمنزلہ اوراق
کے اور بعض کو بمنزلہ نقوش اور تروف کے سمجھئے ۔

محو و اثبات کی ایک تفسیر بھی تمیل انجیم کے لئے دل یک مثال کوش گذارے موم یا گارے یا کسی اور

نرم چیز کو کم کی کئی شکل میں لا سکتے ہیں چاہیں اس کو گول بنائیں چاہیں چپا مگر اس موم پر
ان اشکال میں سے ایک وقت میں ایک شکل آسکتی ہے دو مجتمع نہیں ہو سکتیں جب
دوسری شکل آئے گی پہلی مٹ جائے گی لیکن چونکہ اشکال تو ایک قسم کے نقش و نگار میں
توان کو تو بمنزلہ حروف اور نقوش سمجھئے اور اس موم کو بمنزلہ اوراق سمجھئے جب یہ مثال
ذہن نشین ہو چکی تو اب سنئے کہ تمام اجسام میں تبدل اشکال اور کیفیات نظر آتا ہے زمین
سے جو کھیتی بکھیتی ہے تو وہی اجزائے خاکی ہوتے ہیں پر خدا کی نیرنگی سے ان کی شکل اول بدل
جاتی ہے پھر اس کھیتی کی شکل کیا سے کیا ہو جاتی ہے آخر رفتہ رفتہ وہی خدا جو حقیقت میں
اجزاء خاکی ہیں شکل بدل کر غذا بن گئے ہیں معدہ میں جا کر کچھ اور ہی ہو جاتے ہیں اور پھر
نطفہ بن کے کچھ اور رنگ روپ پیدا کر لیتے ہیں علی ہذا القیاس اور اجسام میں دیکھ لیجئے گری
سرودی وغیرہ جتنے تغیرات ہیں وہ سب اسی قسم کے ہیں ۔

ایسے ہی ادواح میں طرح طرح کی کیفیات کا تبدل رہتا ہے ربخ خوشی خوف و امن
وغیرہ سو جو چیزیں کہ بدلتی رہتی ہیں ان کو تو اس دفتر خداوندی کے حروف اور نقوش سمجھئے
اور اجسام اور ادواح وغیرہ کو جو ان سب احوال میں بمنزلہ موم بھائے خود موجود رہتے ہیں اس
دفتر کے اوراق سمجھئے بعد اس کے کہ یہ ذہن نشین لیجئے کہ جو اشکال معدوم ہو گئے وہ تو محو ہو گئے
اور جو ان کی جگہ قائم کئے گئے وہ اثبات اور ثبت ہو گئے چنانچہ محاورہ دان فارسی اور عربی جانتے
ہیں کہ اثبات اور ثبت لکھنے کے موقع میں ہولا کرتے ہیں ۔

دیکھئے آج کل کتاب کی غیر کثیر مگر چونکہ ہر شکل کے لئے کچھ نہ کچھ زمانہ چاہیئے اور اس کی بقا کے
لئے زمانہ میں سے کچھ مقدار معین ہوتی ہے تو خداوند کریم نے ارشاد فرمایا لیکن آج کل کتاب
یعنی ہر زمانہ کے لئے جدا جدا نقوش ہیں جب ایک زمانہ ہو لیتا ہے اور دوسرے نقوش اور لکھا
اشکال اور کیفیات کی بہا لاتی ہے اور ان کے زمانہ کی آمد ہوتی ہے تب پہلے نقوش کو مٹا دیتے
ہیں اور دوسرے زمانہ کے مناسب نقوش ان اوراق میں لکھے جاتے ہیں مگر یہ وہ اوراق نہیں
کہ پہلے نقوش کے مٹانے سے بجز جائیں یا آلودہ ہو جائیں بلکہ جیسے دفتر میں یا سلیٹ کی تختی یا
کڑی کی تختی پر جو چاہا لکھ دیا پھر جب چاہا مٹا دیا اور اس کی جگہ اور کھدیا ایسے ہی ان اوراق

میں جو چاہا لکھ دیا اور جب چاہا مٹا دیا۔
 ام الکتاب کی توضیح مثال | لیکن پہلے پچھلے سب نقوش کی نقل بلکہ اصل ایک شے دفتر اور بڑی
 کتاب میں ہے جیسے تحریر پڑھنے والے جس شکل کو پڑھتے جاتے ہیں سلیٹ پر کھینچ لکھتے جاتے
 ہیں، اور جب سمجھ لیتے ہیں اور دوسری شکل کے سمجھنے کی نوبت آتی ہے پہلی کو مٹا دیتے ہیں اور
 دوسری کھینچ لیتے ہیں اور یا نہیں ان سب کی نقل بلکہ اصل تحریر اقلیدس میں موجود ہے۔ باقی
 ربط اس آیت کا اپنے ماقبل سے اس صورت میں یہ ہو گا کہ کسی نبی سے کیونکر ہو سکے کہ اپنے
 آپ کوئی آیت لے آئے، ہمارے یہاں تو ہر زمانے کے لئے نقوش مقرر ہیں گئے چنے ہوئے رکھے ہیں۔
 اس میں کی بیشی کب ہو سکتی جو کوئی اپنی طرف سے اس میں اپنی خواہش کی کوئی ہی آیت کا نقش بھی لگا دے؟
 خود ثابت علم الہی میں نہیں بلکہ ہر ایک کی گنجائش بھی نہیں | اب اس تقریر کو ان انصاف غور فرمائیں کہ کسی
 پر جستہ ہے اور پھر یا انہم اس میں کہیں اس کی گنجائش نہیں کہ قائلین بدائیت رکھ
 سکیں یا تمسک کر سکیں پھر کوئی کیونکر کہہ دے کہ آیت میں موقوفات کا ذکر ہے تو علم الہی میں
 موقوفات ہوتا ہو گا مگر جو بات اپنے ذہن میں جی ہوتی ہوتی ہے اسی کی طرف ذہن دوار کرتے ہیں
 بھوکے کے نزدیک دلوں در دو چار روٹیاں ہی ہوتی ہیں اور اگر اس تقریر کو س کر کسی کے پاؤں
 کان کھڑے ہوں کہ مشہور لوگوں ساتھ کہ لکھل آج کل کتب سے جو لکھنا لکھا ہے تو یہی لکھنا
 ہے جسے عرف میں لکھنا کہتے ہیں سو وہ تو کسی کلام اور الفاظ کے مقابلہ میں جو حروف اور نقوش
 ہوتے ہیں ان کے لئے ہوتا ہے تو اس کا جواب اول تو یہ ہے کہ حق بات چاہے مشہور نہ ہو
 ہاں اگر یہ معنی چسپاں نہ ہوں تو جب ہی کہو۔

ام الکتاب اور موقوفات کی ایک اور مثال | معجزا جیسے اور صاحبوں کی مرضی ہم بھی اسی راہ چلتے ہیں
 دو کامزاروں کے یہاں اکثر لوگوں نے دیکھ جو گاؤں دھڑہ کی برداشت کو سختی پر لکھتے جاتے ہیں بعد
 ازاں یہی نقل کر کے سختی کو دعو لیتے ہیں اور پھر دوسرے دن کی برداشت اسی سختی پر لکھتی
 شروع کر دیتے ہیں سو روزیہ لکھنا اور مٹانا رہتا ہے اور تیسرا ایک یہی وہ ایسی ہے کہ اس میں تمام
 پیام کی برداشت کی تفصیل تاریخ وار درج ہے کہ اس میں جو لکھنے کے مٹانے کا اتفاق نہیں
 ہوتا سو ایسا ہی جناب باری تعالیٰ کے کارخانہ قدرت میں سمجھ لیجئے جیسے یہاں روزمرہ کی برداشت

سختی پر لکھتے ہیں۔ وہاں قرن دار کسی لوح پر ایک تحریر ہوتی ہو اور پھر اس کو اس لوح سے
 مٹا کر بڑی کتاب میں کہ اس کو اتم الکتاب کہتے ہوں رج کر دیتے ہوں بعد ازاں پھر دوسرے
 قرن کا حساب کتاب لکھنا شروع کر دیتے ہوں مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرن کا حساب
 کتاب ایک لوح پر لکھ کے اس کو کسی بڑی لوح میں نقل کر دیا ہو پھر اس لوح سے اس تحریر کو
 مٹا کر صحابہ کے قرن کا حساب کتاب لکھ کر اسی طرح لوح کلاں میں درج کر دیا ہو اسی طرح یہ موقوفات
 ہمیشہ ہوتا ہو کر سب جانتے ہیں کہ یہ موقوفات ہر غلطی تحریر نہیں کہ جس بدائیت ہو جائے۔

موقوفات بالفرض احکام میں بھی ہوں موقوفات ہے بدائیں | اور ملتا کہ یہ بھی نہ سہی بلکہ حکم احکام کے تبدیل
 و کثیر کے باعث یہ موقوفات ہوتا ہو تب بھی تو مقتدیان شیعہ کا دعوئے ثابت نہیں ہو سکتا
 تصویر اگر مطلوب ہے تو اس کی صورت ہے کہ بیمار اگر طیب ہے پاس جاتا ہے تو وہ اس کے لئے
 موافق قواعد طب کے مثلاً منفعہ بخور کرنا ہے جب اس کی میعاد پوری ہو جاتی ہے تو انہی دواؤں
 میں سے بعض دواؤں کو کاٹ دیتا ہے اور سنا وغیرہ بڑھاتا ہے اور بعد اس کے تبرید کا نسخہ
 لکھتا ہے اور پھر موقوفات بخور کرتا ہے تو اس صورت میں جو کچھ طیب بخور کرتا ہے وہ سب کتب
 طب کے موافق ہوتا ہے۔ اور منفعہ اور مسہل اور تبرید اور موقوفات کی جو تبدیلی کرتا ہے تو وہ تبدیلی
 اس وجہ سے نہیں ہوتی کہ پہلی بخور میں کچھ غلطی ہو گئی تھی بلکہ عین فہم دخوبی طبابت یہی ہے کہ اپنے
 اپنے وقت پر منفعہ اور مسہل اور تبرید کا استعمال ہو کرے۔

سو جیسے یہ قصہ ہے ایسا ہی کارخانہ قدرت کا کارخانہ سمجھئے۔ جناب باری تعالیٰ کو جو حکم
 مطلق ہے جیسے طیب حاذق خیال فرمائیے اور ام الکتاب کو بجائے کتب طب قرار دیجئے اور اس
 کتاب کو جو لیکن آج کل کتاب میں ہے یعنی بربریت کی جداجدا کتاب کو بنیاد نسخہ منفعہ اور مسہل
 رکھئے اور فرشتوں کو بیمار دار اور مجموعہ عالم کو جو اصطلاح تحقیق میں مسمیٰ بہ شخص اکبر ہے بیمار
 فرض کیجئے اور موقوفات کو ایسا سمجھئے جیسا منفعہ کی جگہ مسہل بدلتے ہیں اور مسہل کی جگہ تبرید ہو
 اس تبدیلی کو بد مطلق شیعہ سمجھا کمال خوش فہمی پر دلالت کرتا ہے ہاں اگر یہ تبدیلی اس قسم
 کی ہوتی جیسے تشخیص کی غلطی سے اول کچھ بخور کیا تھا پھر کچھ سمجھ میں آیا یا بستہ ایک موقع تھا لیکن
 مشکل آج کل کتب اس بات کو چاہتا ہے کہ مدت وار جدا تحریریں ہوتی ہیں اور وہ تبدیلی

بوجہ تبدیلی مدت ہے بوجہ غلطی بخیر نہیں۔

القصد یہ تینوں تقریریں جو مذکور ہوئیں ایک سے ایک چڑھتی ہوئی ہے اور بعد ملاحظہ آن تقریرات کے مدعیان بدعا کا حوصلہ معلوم نہیں ہوتا کہ پھر اس آیت کی طرف منہ کر کے بھی سوویں یا اس آیت سے تمسک کا نام بھی یس تحریر جس کے دل میں انصاف نہ ہو اس کے آگے حق بات کا بیان کرنا بھی لاعامل خبر کوئی کچھ یاد رکھے جو اس پر بھی نہ سمجھے اسے خدا کچھ۔

عقیدہ بلا پرسترا استدلال اور بعض علماء شیعہ کو بدلی حقیقت پر ایک اور نئی دلیل سوجھی ہے آیت وَوَعَدْنَا مَوْسٰی ثَلٰثِيْنَ لَّيْلَةً وَاَمْنًا هَا بَعْثْنَا الْخَلْقَ مِنْ بَدَلِكِ حَقِيقَتِ پرا استدلال لاتے ہیں تفصیل اس اجمال کی سنئے ہم سناتے ہیں حاصل اس آیت کریمہ کا اول معروض ہے وہ یہ ہے کہ وعدہ ہمارا ہم نے موسیٰ سے تیس رات کا اور پورا کیا ہم نے اس مدت کو ایک عشرہ اور بڑھاکر سو پورا ہو گیا وقت اس کے رب کا چالیس راتیں آیتیں۔

اب تقریر استدلال سنئے اول تو جناب باری نے تیس شب کی محنت پر تورات کا وعدہ کیا پھر تیس رات کے مجاہدہ پر تورات عطا نہ ہوئی بلکہ فرماتے ہیں کہ تیس رات کے بعد دس روز اور بڑھا دیئے۔ سبب اس زیادتی کا بجز اس کے اور کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ تیس رات کی خلوت پر تورات کا عطا ہونا خلاف مصلحت معلوم ہو یا یہ کثیر اجرت اس قلیل مدت پر یا زیادتی نظر کی تعظیم اجرت کے لئے مدت اور بڑھائی۔ سو اگر خدا ہی کو یہ بات پہلے سے سوجھی نہ تھی تب تو بدعا کا ثبوت موافق اصطلاح متقدمین ظاہر ہے ورنہ اس سے تو کم بھی نہیں کہ خداوند علیم تو جانتا تھا پھر حضرت موسیٰ اور بنی اسرائیل کو کچھ کا کچھ بتلادیا۔ سو اس بات میں اور اس بات میں گو زمین و آسمان کا تفاوت ہے پر ہمارے حق میں جیسا کہ حسب اصطلاح متقدمین ویسا ہی تو یہ رب العالمین۔ نہ اس صورت میں خدا کے کلام پر اعتماد نہ اس صورت میں کلام ربانی قابل استناد۔ پھر اگر فضائل صحابہ وغیرہ معتقدات اہل سنت پر کلام ربانی شاید بھی ہو تو کیا ہوا ایک ربانی بات ہے قابل انتقادات نہیں۔

جواب مگر کوئی سمجھدار ہو تو ہم بھی سنبھلیں اس کا جواب لئے بیٹھے ہیں غلطی یا غلط گوئی مشکلم اور ہے اور غلط نہیں غائب اور حضرات شیعہ اپنی غلط فہمی سے اپنی غلط فہمی کو غلطی یا غلط

گوئی خداوندی سمجھتے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ غلط فہمی اپنی سمجھ کا قصور ہے خداوند علیم کا اس میں کیا قصور؟ یہ سب جانتے ہیں کہ جناب باری نے اس قصہ کو مختصر بیان فرمایا ہے۔ روزوں کا اس میں ذکر نہیں مسواک کا اس جگہ مذکور نہیں سو جیسا ان روزوں کا ذکر نہیں فرمایا حالانکہ حدیث و تفسیر سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ فقط تیس دن رات مقصود نہ تھے بلکہ اتنے دنوں صائم رہنا مطلوب تھا۔ ایسے ہی ہو سکتا ہے کہ بعض اور شرائط بھی ہوں کہ ان کا ذکر نہیں فرمایا مگر ان کے مسواک کا کرنا بھی ہوا اور اگر فرض کیجئے روایات سے ثابت ہو جائے کہ تورات کی اجرت میں فقط تیس دن کے روزے ہی ٹھہرے تھے اور سو اس کے اور کوئی بات مشروط نہ ہوئی تھی تو قطع نظر اس کے کہ اس امر کا ثبوت غیر ممکن معلوم ہوتا ہے فقط عدم ثبوت کچھ تو کچھ ثبوت عدم محال نظر آتا ہے۔

جواب کی ایک توضیحی مثال ہم کہتے ہیں کہ بہت سے ایسے شرائط ہوتے ہیں کہ وقت تقریر اجرت ان کا ذکر نہیں آسمان کا معرفت ہونا کافی ہو جاتا ہے۔ کچھ جری یا فوج کے ملازموں کو دیکھئے۔ کہ لباس خاص اور درکار حکام اور تقدیم تسلیم کا وقت تقریر ان سے کوئی مذکور نہیں کرتا یا اس جہان امور کے ترک پر ان سے مواخذہ کیا جاتا ہے جرمانہ لیا جاتا ہے تاوان لیتے ہیں سزا دیتے ہیں اولاً اگر ملازمان بادشاہی کی بات بایں وجہ قابل قیاس نہ ہو کہ ان سے تو اصل کار اور اجرت کی مقدار کا بھی ذکر نہیں آتا۔ ایک بات معین ہوتی ہے جس سے ہر عام و خاص جانتا ہے اعلیٰ ہذا القیاس اور امور بالائی مثل لباس وغیرہ بھی معلوم ہوتے ہیں۔ سو اس حساب سے ان کا حال مثل اصل امر ہوا تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بات تو ہمارے اور بھی مفید مطلب ہے۔

دوسری توضیحی مثال معجزہ یا مثال ناپسند ہے تو اور مثال لیجئے گھوڑے کو کہیں جانے کے لئے کرایہ کرتے ہیں تو چارہ بھر پوری حکام رکاب وغیرہ کا کوئی ذکر نہیں کرتا یا اس جہاں گھوڑے والا گھوڑے کے ساتھ یہ چیزیں حوالہ نہیں کرتا تو کرایہ لے جانے والا کیسا کچھ لڑا جھگڑتا ہے اور بن پڑتا ہے تو کرایہ میں سے بھی کچھ نہ کچھ کتر لیتا ہے۔ ایسے ہی اگر مابین بندگان خاص خداوندی

لوازی اس عمل کو ایسا قبول کرتا ہے کہ اس کو داخل عبادات خاصہ کرو تیا ہے اور پھر ہر خاص و عام سے اس کے کرنے نہ کرنے کے حساب یتا ہے تاکہ خلک قدر شناسی اور اس بندہ کی رفعت و قدر معلوم ہو جائے مثال اس کی اگر مطلوب ہے تو حضرت ہاجرہ کا منہام وہ کے بیچ دوڑنا اور اس سبب سے اس سچی کا داخل سنن یا واجبات حج ہو جانا حالانکہ عقل سلیم کو اس فعل میں کوئی مضمون تعبد کا نظر نہیں آتا سبک شاہوا قصہ ہے۔

علیٰ ہذا القیاس اگر چالیس رات کی مقدار اول سے خداوند علیم کے نزدیک قابل اہتمام نہ ہو بلکہ اس وقت تک وہی تیس رات کی مقدار ہتم بالشان ہو مگر چونکہ بندہ خاص سر پر اختصاص حضرت موسیٰ علیہ السلام و علی بنیہ الصلوٰۃ والسلام سے ایک وقت خاص میں جس کا مذکور ہے چالیس رات کا مجاہدہ بضرورت معلوم ظہور میں آیا تو بوجہ کمال اخلاص حضرت موسیٰ علیہ السلام جناب باری نے اس عمل کو ایسا قبول فرمایا کہ آئندہ سے فضائل جلیلہ کی تحصیل کے لئے عدد اربعین ہی مقرر ہو گیا اور جب اس وجہ سے یہ عدد ہتم بالشان ٹھہرا تو جناب باری عز اسمہ کے اس قول کے فقہ میقات ربہ اربعین لیلۃ یہ معنی ہوئے کہ ہر چند ایسی نعمتوں کے لئے اصل میں وہی تیس راتیں تھیں لیکن چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بضرورت معلوم حالت اخلاص میں چالیس رات کا مجاہدہ ظہور میں آیا تو خداوند کریم نے اس عمل کو ان کے اخلاص کے باعث ایسا قبول فرمایا کہ اب سے تقرب بارگاہ خداوندی کے لئے پوری چالیس شب و روز کی خلوت مقرر ہو گئی چونکہ پہلی تقریر اور اس تقریر میں فرق ظاہر ہے ان دونوں کے بیان فرق سے معذور ہوں۔

براکیلیہ کذب نام کا ہاں نتیجہ اس طول بیانی کا عرض کرنا چڑا اس لئے سامع خراش اہل انصاف ہوں کہ ہذا کا ثبوت اس آیت سے جب ہو سکتا ہے کہ یا تو جناب علام الغیوب ہی نے پہلے سے یہ ارادہ کر رکھا تھا کہ بعد مروت تیس شب کے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات عطا کرے اور جب تک ہرگز چالیس رات کی تاخیر کا دعیان نہ تھا اتفاق سے کسی مشلت تازہ کے باعث ارادہ سابق سے پلٹ گئے اور تیس رات کے بدلے چالیس رات کے بعد عطا فرمائی یا جناب بار عالم الغیب والشہادۃ کے علم و ارادہ میں تو یہی تھا کہ بعد انقضاء مدت چہل شب عطا

تورات سے حضرت موسیٰ علیہ السلام مشرف ہوں۔ مگر علامہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تیس شب کے بعد تورات کے عطا ہونے کی خبر دی حضرت موسیٰ علیہ السلام باعتماد و صدق خبر خداوندی یہی سمجھتے رہے کہ لاہرم بعد مروت تیس شب کے تورات عطا ہوگی مگر چونکہ مقرر خداوندی کچھ اور تھا تورات کی بات چالیس رات پر چاڑھی۔

اس صورت میں گو صفت علم خداوندی اور صفت ارادہ عیب و نقصان سے منزہ رہے پر کلام خداوندی میں دروغ کا بہ لگایہ اس واسطے جتنا یا کہ بعض محققان شیخہ بیاس عصمت صفت علم و ارادہ ہذا کی تقریر کچھ ایسی ہی کرتے ہیں جس سے نقصان و عیب کچھ ہوا اخبار تک اسے علم و ارادہ تک نہ پہنچے، پر جو لوگ خدا کی عظمت و جلال کو کسی قدر سمجھتے ہیں وہ خوب سمجھتے ہیں کہ خداوند عظیم انسان کی کوئی صفت کیوں نہ ہو عیب و نقصان سے ہر اسے محقق نہ کورنے برعم خود ابھی روش اختیار کی تھی اور صفت علم و ارادہ کو نقصان سے بچا کر یوں خوش تھے کہ ہل سنت سے دامن چھڑایا پر یہ نہ سمجھے کہ یہ صفتیں اگر منزہ رہیں تو کیا ہوا ایک اور صفت میں نقصان لازم آیا۔

آرے دروغ گویا سافطہ نباشد

مخاطب کی غلط فہمی سے خداوندی میں بدائیات نہیں ہو سکتا بہر حال یہ دو صورتیں ہذا کے ثبوت کی تھیں اور در صورتیکہ یہ دونوں صورتیں نہیں بلکہ شکل عقد اجارہ اور تعلق شرط و جزا ہو تو اگر بوجہ عدم وقوع شرط جزا ظہور میں نہ آئی اور بسبب ناپسندی عمل اجرت نہ ملی تو اس میں خدا کی جانب کو نسا قصور عائد ہوتا ہے جو ہذا کے ثبوت کی گنجائش ملے ہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام غلطی فہم کے باعث جس سے انبیاء معصومین بھی معصوم نہیں اگر کچھ کا کچھ سمجھ جائیں تو ہم تو نہیں کہہ سکتے یہ ان کا قصور ہے مگر اس کو ہذا سے کیا علاقہ، ایسے ہذا کے تو خود اہل سنت جو ہذا کے بنائیت منکر ہیں بکثرت قائل ہیں اختلاف آئمہ جو لاہرم ایک نہ ایک کی غلط فہمی کو مستزہم ہے ان کے نزدیک رحمت عظمیٰ ہے بالجہا ہذا کی حقیقت یہ ہے کہ متکلم یعنی جناب باری تو عطا سمجھے جیسے مستندین شیعوں کے لئے معلوم ہوئی ہے یا عطا عطا کہدی جیسے بعض متحققین زمانہ تاویل کرتے ہیں نہ یہ کہ مخاطب یعنی انبیاء یا علماء وغیرہم اپنے قصور فہم سے

کچھ کا کچھ سمجھ جائیں اس کو غلطی اجتہاد اور غلطی فہم اور قصور فہم کہتے ہیں بلکہ اس سے کچھ علاوہ نہیں ہاں کوئی قاصر الفہم اگر اس کو برا سمجھ جائے تو تادم وضوح حق کو نہ منحور ہے گو ایسی باتوں میں غدر جہل مقبول نہیں اور بعد وضوح حق اور اتمام حجت پھر یہ قصور اعلیٰ درجہ کا قصور ہے لعوذ باللہ من سوء الفہم۔

مگر ناظرین تقریر لہذا کو اس قدر یاد رہے کہ غلطی اجتہاد کی گنجائش اگر ہے تو ماسوا، محکم اور عبارت النفس میں عبادت النفس اور محکم میں اہل فہم نہیں ہکتے جو اس میں بھی خطا کرے وہ جاہل ہے عالم نہیں سو تلاوت کرنے والے کلام اللہ کے خود جانتے ہیں کہ آیات فضائل صحابہ در باب فضیلت صحابہ محکم اور عبارت النفس میں کر نہیں ہے۔

آیت میقات کی دو دیگر تفسیریں اور بدلا کا استیصال اگر کوئی اب بھی نہ سمجھے تو اس کو خدا سمجھ پر نقل مشہور ہے جیسے کو تیسالیہ نادانوں کا یہ علاج ہے کہ یوں کہا جائے ثلثین لیلت یا مفعول بہ چنانچہ ظاہر ہے یا مفعول فیہ اگر مفعول ہے تو قدر موعود تو وہی تیس راتیں تھیں اور مطلب یہ تھا کہ تم طور پر آنا۔ اپنا ایک خاص کام یعنی تیس رات کی عبادت جو اہل عقل کے نزدیک اس سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں تم سے اس وعدہ کو پورا فرمایا اور پھر بقصد فضل کرم خداوند دس دن کا اور اضافہ فرمایا سورہ ارقبیل لکن ینافض ین ہے اور اس نعمت اول کی اس کو دس سمجھنا چاہیے جب عوام امت محمدی کو نو لوگنی اصل سے روکن ملتی ہو اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایک تہائی روکن مل گئی تو شعیبوں کو آٹھ بار لوگوں معلوم ہوتا ہے اس صورت میں تورات کو اس وعدہ سے کچھ علاوہ نہیں یا تو وہ از قسم وعدہ وعید ہی نہیں بلکہ ارقبیل لکن ینافض ین جو موعود تو موعود بالاستقلال موعود ہوتی رات کی محنت کا بطور تعین وغیر موعود نہیں۔

بالجملہ آیت سے اس صورت میں اکثر ثابت ہوگا۔ تو تیس رات کی عبادت کا موعود ہونا ثابت ہوگا تو تورات کا موعود ہونا جس پر ہر ایک راہنما بتدلیات بتدلیات ثابت نہ ہوگا اور اگر مفعول فیہ ہے تو یہ معنی ہوں گے کہ تیس راتوں تک وعدہ ہوتا رہا باقی رہا موعود کیا ہے اس کے بیان سے یہ آیت ساکت ہے اگر موعود عطا تورات تھا تب کچھ نقصان نہیں اور اگر امر دیگر تھا تب کچھ ظلمان نہیں اول میں رات تک یہ بشارت آتی رہی جب بایں لحاظ کہ ایک مہینے کی مقدار

ہی آدم میں ایک مہینہ کیسے اس سبب اکثر معاملات اجرت اس پر منحصر ہوتے ہیں اس قدر بشارت سے تسلی ہوگی تب مزید اطمینان کے لئے جلد لہذا کیا اور اسی واسطے ایک بار ہی واعظ ناموحنی اربعین لیلۃ لکن غائمہ نہ کر دیا بلکہ ثلاثین لیلۃ لکن واثمنا بالعشر فرمایا بہر حال مطلب یہ کہ دونوں صورتوں میں یہ نہیں کہ کسی امر کے لئے اول کچھ ایک مدت مقرر فرمائی۔ پھر وقت پر اور مدت کام میں آئی جو بدل کے لئے دست آویز اور مذہب حق سے جائے گریز ہو چنانچہ ظاہر ہے مگر دیکھنے والوں کو یہ معلوم ہے کہ یہ تقریر اخیر موافق مثل مشہور جواب ترک بہ ترک اہل بدل کے مقابلہ میں بطور مجادلہ لکھی گئی ہے ورنہ طالبان حق کے لئے یہی حق و باطل خود ظاہر ہے۔

خاتمہ بحث بدلا اب اس قدر ملحوظ خاطر رکھنا چاہیے کہ شیعہ بدل کے وقوع کے مدعی تھے اور یہ آیت بزم خود انہوں نے دلیل دعویٰ سمجھ رکھی تھی اور یہ سب اہل فہم جانتے ہیں کہ مدعی کے لئے دلیل ایسی چاہیے جس میں خلاف دعویٰ اور کوئی احتمال نہ ہو اور جو کوئی احتمال خلاف دعویٰ اس دلیل سے سمجھیں آتا ہو اور پھر وہ احتمال بھی الیا کہ بہ نسبت دعویٰ کے زیادہ چسپاں بلکہ عین مفہوم مطابق ہو اور بایں ہمد اور دلائل اس کے مثبت ہوں اور دعویٰ مدعی کو رد کرتے ہوں۔ تو اہل عقل پھر ہرگز اس دعویٰ کو قبول نہ کریں گے اور حق نہ سمجھیں گے، بلکہ حق اس دوسرے ہی احتمال کو سمجھیں گے، سو یہاں بغینہ یہی صورت ہے۔ چنانچہ اہل فہم پر پور شیعہ نہ رہے گی۔

جب بدل کے ابطال سے بفضلہ تعالیٰ فراغت پائی تو ہم اپنی طرف سے اُن لوگوں کے غدر کا جواب دے چکے جو غلطاً، ثلثہ اور باقی ہماجرین اور انصار کی بزرگی کے باوجود یک کلام اللہ میں ان کی ہدائیاں مذکور ہیں اور ان کے لئے بڑے بڑے وعدہ کئے ہیں اس غدر سے قائل نہیں ہوتے تھے کہ شاید خدا کو بد واقع ہو ہو اور یہ سارے وعدے اور سب ان کی تصریفیں غلطی سے اول خبر میں آئی ہوں اور پھر بعد میں حقیقت الامر صحابہ کی جناب باری تعالیٰ کو معلوم ہوگئی ہو اور بدوئے الصاف اب ہمارے ذمے یہ واجب نہیں کہ اللہ کے اقوال سے ان کو تسلی کر دیں۔

بلکہ مومنین ائمہ کے علم غیب پر بحث اور اگر ہم اس پر بھی خاک ڈالیں تو یہ بات کیونکر سنی جائے کہ ائمہ کو اکان و نایکون کا علم تھا اس لئے اگر ان کے اقوال سے خلفاء اہل اصحاب کی بزرگی ثابت ہو جائے تو پھر کوئی شبہ باقی نہ رہے گا۔ سبحان اللہ خدا کے کہے سے تو قسلی نہ ہو اور اماموں کے فرمانے پر قرار آجائے اول تو صدہا آیات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ سوا جناب باری تو لے لے کسی کو علم غیب نہیں برائے تسکین دین آیتیں لکھنی ضرور پڑیں۔

مَا تَدْرِي فَخَسْبُ مَاذَا تَكْتُمُ بَعْدَ مَا بَيَّنَّا لَكِ الْآيَاتِ لَعَلَّكَ أَتَىٰ يَاسِينَ
میں کسی کا استثناء نہیں سب کو امام ہو یا غیر امام برابر فرماتے ہیں کہ کل کی خبر نہیں رکھتے۔

فَلَنْ لَا يَفْعَلَكَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّا اللّٰهُ كَبَدَّ لَكَ عَمَلٌ مَّحْمُودٌ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
کہ نہیں جانتے زمین و آسمان والے غیب کو مگر اللہ جانتا ہے۔

ماکان دیکھون تسلیم کرنے میں مساوات لازم ہے اور اس صورت میں خدا کے علم میں اور ائمہ کے علم میں مساوات لازم آئے گی حالانکہ جناب باری تعالیٰ سورہ یوسف میں یوں ارشاد فرماتے ہیں وَفِي ذٰلِكَ ذِكْرٌ لِلَّذِي عَلَّمَهُ عَلِيْمٌ یعنی ہر علم والے سے اوپر ایک علم والا ہے اور اگر کوئی یوں کہے کہ اگر اس آیت سے استدلال کرتے ہو تو اس آیت سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ خدا سے بھی زیادہ کوئی علم والا ہے کیونکہ اس آیت میں کلیتہً فرمادیا ہے کہ خدا اور غیر خدا کی تخصیص نہیں کی تو یہ بات اہل تو اہل فہم کے نزدیک قابل جواب نہیں اور جواب کے قابل بھی ہے تو اس جواب کے کیوں کہا جائے۔ ع

برین فہم و دانش بیاہد گریست

کون نہیں جانتا کہ ایسے مقامات میں جناب باری تعالیٰ باستثناء عقلی مستثنیٰ ہو کر کتابہ **اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ** سے کسی نادان کو بھی آج تک یہ شبہ نہیں چڑا کہ جب اللہ ہر چیز پر قادر ہو تو اپنے معدوم کر دینے یا اپنے شریک کے پیدا کر دینے پر بھی قادر ہو گا۔ اتنا ہر کوئی سمجھ لیتا ہے کہ انبیاء اور اماموں کے پیدا کرنے اور معدوم کر دینے پر دونوں پر قادر ہے ایسے ہی فوق علی ذی علی علیہ سے جاہل سا جاہل بھی یہ نہیں سمجھ سکتا کہ خدا سے بھی زیادہ کوئی عالم ہو گا پھر اگر کوئی اس قسم کی گفتگو کرے تو پھر تعصب اور

ہٹ و صرمی کے اور کچھ نہیں کہا جاتا۔

ایک عجیب تفسیری لطیف اس جہاد ذی علم کے لفظ میں ایک اشارہ لطیف اس بات کے جواب کی طرف بھی ہے جیسے **اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ** میں جو لفظ شے ہے اس میں ایک اشارہ لطیف خدشہ مذکور کے جواب کی طرف ہی بیان اس کا یہ ہے کہ ذی علم اور علیم ہر چند بظاہر دونوں لفظ ہم معنی ہیں لیکن ذی علم میں ایک گونہ اتنی بات نکلتی ہے کہ غیر ذات ہے کیونکہ اضافت، بالاتفاق تفاعل پر دلالت کرتی ہے بخلاف علیم کے کہ اس میں یہ بات نہیں۔ سو چونکہ خدا کا علم غیر ذات نہیں بالاجماع خصوصاً شیعوہ کے نزدیک تو اس کو ذی علم کہنا مناسب نہیں بلکہ علیم کہنا چاہیے جیسے کہ شے اسے کہنا چاہیے جو مشیت کے تلے داخل ہو اور ذات خداوندی مشیت کے تلے داخل نہیں بلکہ متعاہد بالعکس ہے القصد جیسے خداوند کریم مشیت کے تلے داخل ہی نہیں جو اشیا میں محدود ہو اور قدرت کے تصرفات اس پر عمل سکیں، ایسے ہی خداوند کریم ذی علم میں داخل ہی نہیں جو اس سے اوپر کوئی علیم ہو گا۔

الحاصل علم میں کوئی خدا کے ہم پلہ نہیں جیسے وہ ذات میں کیاتا ہے ویسے ہی صفات میں کیتا ہے نہ انبیاء اس کے علم میں برابر ہیں نہ امام نہ ملک نہ جن نہ خواص نہ عوام اس عقیدہ میں شیعوں کا بعینہ ایسا غلو ہے جیسا نصاریٰ کا حضرت عیسیٰ کی بزرگی میں قدم حد سے بڑھ گیا ہے اور وہ تشبیہ جو عمر در کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت علی سے دی اور یوں فرمایا ہے کہ تیری مثال ایسی ہے جیسے حضرت عیسیٰ کی مثال کہ ایک فرقہ ان کی محبت میں ہلاک ہوا اور ایک ان کے بغض میں۔ وہ تشبیہ اور تمثیل سب بجا اور درست نکلی کہ خوارج نے جو بغض لیا تو رد انض نے وہ محبت لی کہ جس سے حضرت امیر کو انبیاء سے تو بڑھا یا ہی تھی خدا تک پہنچا دیا بلکہ انہوں نے کہ دنیا آخرت کا کام کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو فقط حضرت امیر ہی کی نسبت یہ فرمایا تھا حضرت شیخ نے آپ کے فرمانے کی ایسی تصدیق کی کہ کچھ اس سے بھی بڑھ کر دکھلایا خوارج سے تصدیق نبوی میں وہ کارنداری نہیں بن پڑی تھی جو شیعوں سے بن پڑی القصد خوارج سے حضرات ائمہ کے باب میں وہ تفریط نہ ہوئی۔ جو شیعوں سے افزا ہوئی اور کسی نے سچ کہلے دشمن دانا بہتر از نادان دوست

بالعرض اگر علوم غیب الہی کے لئے ثابت ہی اور اگر سنا لامہ کو علم ماکان اور علم مایکون تھا ہوں تو بلا کا خدشہ نہ دور نہیں ہوا

وہ بجائے خود ہے گا کیونکہ حضرت امیر رضی اللہ عنہ جو افضل الاممہ اور اعلم الاممہ ہیں وہ یوں فرماتے ہیں فی حدیث العافی والعلی الصدوق عن امیر المؤمنین کو لا آئیدہ عنی کتب اللہ لکھن بکرمہما یكون الیوم النقیۃ یدینہ بالادیۃ فوہ یجو اللہ ما یشاء وینیدہ۔۔۔ حاصل اس روایت کا یہ ہے کہ کافی جو کلینی کی تصنیف ہے اور امالی جو شیخ صدوق کی کتاب ہے ان دونوں میں حضرت امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے جس کا یہ لڑا ہے آپ نے فرمایا اگر ایک آیت یعنی بحوالہ اللہ ما یبائن نہ ہوتی تو میں کہیں جو کچھ قیامت تک ہونے والا سبکی خبر دیدیتا یہاں تک حاصل روایت ہوا اب غور فرمائیے کہ جو دلیل ان کے عالم مایکون اور عالم ماکان ہونے کی تھی وہی دلیل اس بات کی بھی ہے کہ ان کا علم خدا کے علم سے بڑھ کر نہیں پھر رہا ہے جس وجہ سے خدا کا علم قابل اعتماد نہ تھا۔ اسی وجہ سے الہ کے علوم بھی قابل اطمینان نہیں خدا کے ہداسے وہ بھی تنگ تھے اور اپنے کسی علم پر بھروسہ نہ کرتے تھے۔ اس خیال سے شاید شیعوں کو تو یہ رنج ہو کہ ہمارا دین ہی ہاتھ سے چلا جب الہ کو اپنے علم پر اعتماد نہ ہو تو یہ دین جو انہیں کے علوم کا پر تو ہے کیا قابل اعتماد رہا۔؟

پہلی بحث خوشی ہے کہ اصحاب ثلثہ اور سوا ان کے اور مجاہدین و انصار کی برائیاں جو شیعہ حضرات الہ سے روایت کرتے تھے قطع نظر اس کے کہ ان روایات کے راوی کذاب اور مغتری تھے چنانچہ کچھ کچھ اس کا بیان ہو چکا یونہی قابل اطمینان نہ ہے اور سوا اس کے اور جو کچھ ان کی کتابوں میں خلاف مذہب اہل سنت حضرات الہ سے مروی ہے سب ساقط الاعتبار ہو گیا۔

باقی رہی یہ بات کہ بد اگر ہوا بھی ہو گا تو کس قدر قلیل ہو گا تو جواب اس کا یہ ہے کہ اعتبار کے اچھے جانے کو اتنا بھی بہت ہے انجیل اور تورات کو کسی ساری کی ساری اول سے آخر تک بدل گئی تبیں اس پانچ جگہ کی تحریف نے سب کا اعتبار کھو دیا۔

مناقب احمد صاحب زہد ان امیر و مجاہد اور اگر کوئی یہ فرق نکالے کہ کوم اللہ میں جو کچھ اصحاب کے

افضال نازل ہوئے ہیں یا خلفاء ثلثہ کی بزرگیوں کی طرف اشارہ ہے وہ سب قبل وفات۔۔۔۔۔ اکثر اصحاب نازل ہو لیا تھا اور وفات سے پہلے پہلے آدمی کا کچھ اعتبار نہیں ہاں خاتمہ کا اعتبار ہے۔ سو خدا کی تشخیص میں غلطی کا احتمال ہے پر امیر المؤمنین یا اور الہ نے جو کچھ فرمایا ہو گا وہ سب بعد وفات کا قصہ ہے اس میں غلطی کا احتمال نہیں اگر ان کے کلام سے ان کی بزرگی خالص اصحاب ثلثہ میں سے کسی کی ثابت ہو جائے تو پھر گنجائش انکار نہیں اس لئے الہ کی روایات پیش نظر کرتا ہوں، سبج البلاغۃ تصنیف علامہ رضی میں جس کی مرویات شیعوں کے نزدیک متواترات میں سے ہیں یوں منقول ہے کہ حضرت امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ سے جو لوگوں نے ان اصحاب کا حال پوچھا جن کا انتقال ہو چکا تھا تو آپ نے ان کے وہ اوصاف فرمائے جو جز اولیا کے ہو ہی نہیں سکتے وہ عبارت بلاغت امیر المؤمنین منقول ہے: کَانُوا إِذَا ذُكِرُوا وَاللَّهِ هَمَلْتُ أَعْيَنَهُمْ حَتَّى بَلَ جَبَاهُمْ مَادُوا كَمَا يَمْنِدُ الشَّجَرُ يَوْمَ الْمَرْجِ الْعَاصِفِ خَوْفًا مِنَ الْعِقَابِ وَجَهَادًا لِلثَّوَابِ اور پھر دوسری دفعہ ان کے حق میں فرمایا كَانَ أَحَبَّ إِلَيَّ مِنَ الْبَقَاءِ إِلَيْهِمْ بَقَاءُ اللَّهِ وَاللَّهِ يَنْقَلِبُونَ عَلَى مِثْلِ الْحَصَى مِنْ ذِكْرِ مَعَادِهِمْ حاصل ان دونوں عبارتوں کا یہ ہے کہ صحابہ کا حال یہ تھا کہ جب خدا کا ذکر کرتے تھے بڑھکتی تھی ان کی آنکھیں یہاں تک کہ ان کے جب سے تر ہو جاتے تھے اور خدا کے ذکر اور امید ثواب میں ایسے لرزاتے اور جھومتے تھے جیسے درخت تیز ہوائے اور سب میں زیادہ محبت ان کو خدا کے ملنے کی تھی اور آخرت کو یا ذکر کے ایسے بے چین ہو کر گردیں لیا کرتے تھے جانوا انگاروں پر لوٹتے ہیں، اور حضرت امام حجاد سے صحیفہ کا مکتبہ جڑی طول طویل دعا جس میں اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف اور ان کے لئے دعا خیر مندرج ہے منقول ہے سو ساری دعا کی نقل کی گنجائش نہیں فقط دو چار لفظ لکھ دیتا ہوں اس دعا میں اللہم و اصحاب محمد خاصۃ الذین کذبوا بصدقائہ کہتے ہیں فاسرفوا اکامرا واج والا ولا دانی اظہار علیہ وقا قتلوا الایاء والا نباء فی تثبیت نبوتہ اس کے بعد میں فرماتے ہیں۔ فلا تنحی لہم اللہم ما کر کو ذلک ویکث و آخرضہم من ہاموات الخ پھر اس کے بعد تابعین تک

انک ثبوت پہنچا اعدا ان کے حق میں بھی اسی قسم کی دعائیں فرمائیں حاصل ان لفاظ کا یہ ہے یا اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں جنھوں نے خوب دیکھی کا حق ادا کیا ہے اور اولاد کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بول بالا کرنے کے لئے چھوڑ دیا اور بالوں اور بیٹوں سے ان کی نبوت کے جمانے کے لئے اڑے ہو مت بھولیوں کے حق میں اللہ عزوجل انہوں نے تیرے لئے اور تیرے سبب سے چھوڑ دیا اور راضی کر دے ان کو تو اپنی رضامندی سے یہاں تک الفاظ مذکورہ کا معنوں ہے ان روایات سے تو مطلقاً صحابہ کی تعریف اور ثبوت کی ثابت ہوتی ہے

مناقب صدیق رضی اللہ عنہ بھی سنئے کہ جس سے خاص ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فضیلت ثابت ہوئے رضی اللہ عنہ کی ابتلاغت میں جو شیعوں کے نزدیک مثل وحی آسمانی ہے روایت کیا عن امیر المؤمنین (ع) قال لیسہ بلاد اری بکس فلفند قوتہ الا و قد وادی العهد و اقام استقامت البذعة ذهب نقي الثوب قليل الغيب صاحب خیر کھا و سبق سرور الامام علیہ السلام طاعت و اتقا و بحقه رحل و ترکہم فی طریق منشعبہ کا خط و عرف فیہما الضال و لا یستقیم الخ و فی حاصل اس کا یہ ہے کہ حضرت امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں خدا ہی کے واسطے ہیں شہرہ ابو بکر کے یعنی ابو بکر میں سدا و خوبیاں ہیں پس قسم ہے کہ انہوں نے سیدھا کر دیا کجی کو اور اصلاح کر دیا ستون کو اور قائم کر دیا سنت کو پس پشت ڈالا انہوں نے بدعت کو دنیا سے پاک دامن ہدیب گئے خوبی خلافت کی ان کو نصیب ملی اور اگے چلے یہ خلافت کے فسادوں سے ان کی انہوں نے خداوند کریم کی طاعت پر ہر گاہ رہے حق پر ہر گاہی کا جلتا اور لوگ مختلف دستور میں حیران ہیں کہ گمراہوں کو راہ ملی ہے اور نہ ہدایت والوں کو اپنی ہدایت کا یقین ہے یہاں تک حاصل معنی خطبہ رقم ہوا۔

علامہ رضی کی عبارت جو عیدہ طلبت ہو سکی اب گوش گزارا ناظرین رسالہ یہ ہے کہ علامہ رضی نے یحییٰ بن محمد ابو بکر کے مشہور خطبہ کے لئے تو خدا ہی کے لئے کا بیور ہوا اور ظاہر ہے کہ جس کا خدا ان کی ہوا دشمن لا جرم بڑی صاحب کمال ہو گا۔

نے باپس ذاتی مذہب ابو بکر کے لفظ کی جگہ لفظ فلاں بدل دیا ہے ہر سنیوں کو گنجائش استدلال نہ رہے اور ان علامہ رضی کی کچھ عادت ہی تھے مگر اتنا نہ سمجھے کہ نام کے چھپانے سے کیا فائدہ؟ حضرت امیر المؤمنین سے پہلے کل تین خلیفہ تھے جو جس کی تعریف ہوگی سنیوں کا مطلب کہیں نہیں گیا لہذا وہ اوصاف ایسے ہیں کہ خود ابو بکر صدیق کا ہاتھ پکڑا دیں ہیں خاص کر پہلا وصف اور دوسرا وصف کہ یہ دو وصف سوا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے کوئی بتلائے تو اور کس پر منطبق ہوتے ہیں؟ اور کس کی خلافت میں دین میں کجی آگئی تھی؟ اور کس رکن لینے ستون میں ارکان اسلام میں نقصان آگیا تھا اس لئے اس کی درستگی کی؟

ہاں ان کی خلافت میں البتہ بسبب وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چار طرف سے شور ازداد اٹھا بہت لوگ ادائے زکوٰۃ سے جو رکن اسلام ہے مانع آئے سو نہ ابو بکر صدیق ہوں نہ یہ نفع دین ان کے برکات اور حسن انتظام اور خوبی خلافت کے باعث جو حضرت امیر کے آنکھوں میں کھپے ہوئے تھے اور شیعہ بھی جی میں کو مانتے ہی ہو گئے زبان سے کہیں یا نہ کہیں حضرت امیر رضی اللہ عنہ اپنے زمانے کے فساد اور فتنوں کو دیکھ دیکھ انہیں یاد کرتے ہیں اور تاسف کرتے ہیں کہ ایسے زمانے میں ایسا شخص ہونا چاہیے تھا۔

صدیق کی شجاعت اور استقامت اور کیوں نہ ہو ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ وہ تھے کہ بعد وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جب چار طرف مرتدین کا زور ہوا اکثر صحابہ گھبرا گئے یہاں تک کہ حضرت عمر حبیبہ جری اور ذی ہوش اور صاحب رائے کے ہوش بھی ٹھکانے نہ رہے یہ انھیں کی ہمت بندھ جائے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا تھا اَجَبًا رَفِیَ الْجَاهِلِیَّةِ وَ کَوْنًا رَفِیَ الْجَاهِلِیَّةِ یعنی اے عمر کیا کفر کے زمانے میں یہ شورا شور می تھی اور اسلام میں یوں بول گئے القصة حضرت عمر کی یہ رائے تھی کہ ایسے اگر لشکر اسلام بن زید رضی اللہ عنہ نہ بھیجا جائے تو مناسب معلوم ہوتا ہے مبادا مدینہ منورہ شکر مجاہدین سے خالی ہو جائے۔ اور دشمن تاخت کر بیٹھیں لیکن آفرین ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شجاعت اور استقامت

چونکہ ابودرداء ان بیگانوں کے ہرگز نہ گھبراتے، اور نہ فرمایا کہ جس لشکر کی تیاری خود تیرے
کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کر گئے ہوں یہ نہیں ہو سکتا کہ اس کو روانہ نہ کروں اور ایسے
ہی مرتدین کے قتال میں جو لشکر کے بھیجنے کا ارادہ فرمایا اور اکثر صحابہ کی رائے اس باب
میں ان کی رائے کے مخالف ہوئی تو ایسا کچھ فرمایا کہ اگر کوئی نہ جائے گا تو میں تنہا جا کر لڑوں گا۔
اور اسی طرح زکوٰۃ سے انکار کرنے والوں کے قتال کے باب میں جب حضرت عمر نے یہ
شبہ کیا کہ وہ کلمہ گو ہیں تو یہ ارشاد فرمایا کہ جو نماز اور زکوٰۃ میں فرق کرے گا نماز کو فرض
کہے گا اور آفرض نہ سمجھے گا میں اس سے بے تامل لڑوں گا واللہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کے زمانے میں ایک بھری کا بچہ لوگ زکوٰۃ میں دیتے ہوں گے اور اب نہ دینگے تو میں ان سے
جہاد میں دریغ نہ کروں گا الحاصل یہ انہیں کی شجاعت اور فہم و فراست بھی جو یہ رائے
صائب سوچھی اور دین کو تعاملاً ورنہ دین میں وہ فتور پڑے تھے کہ خدا ہی حافظ تھا۔

سوجناب امیر المومنین رضی اللہ عنہ اپنے زمانے کے فسادوں اور بدعتوں کو جو لوگوں
نے برپا کر رکھے تھے دیکھ دیکھ کر ان کو یاد کرتے تھے چنانچہ الفاظ خطبہ مذکورہ خود گواہی دیتے
ہیں اسی واسطے اکثر شارحین بیخ بلاغت کی یہی رائے ہے اور کیونکر ممکن ہو کہ اور کسی پر ان
اوصاف کو منطبق کر دیں بہت کرتے تو یہ کرتے کہ کسی ایسے شخص کا احتمال پیدا کرتے جو رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مر گیا ہوتا، جیسے بعض باالفاظوں نے کیا ہے۔ سو شارحین کے
ذمہ معنی کا درست کرنا بھی تو ہوتا ہے ان اوصاف کو اس پر کیونکر منطبق کر دیتے رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جو کچھ خوبی ظہور میں آئی وہ سب آپ کا طفیل تھا اور کسی کا
اس میں کیا اجارہ؟ اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک زبان پر اس لئے
نہیں لائے کہ سنتوں سے اس کا کیا اندر کرینگے کہ حضرت امیر نے ماحسنی لفظ فلاں کہا
کس قدر گستاخی کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کس طرح سے ذکر کیا۔

تمام تعریف مقام تشریح ہوتا ہے ذکر مقام اخفاء اور پھر کیا باعث ہوا کہ محل تعریف میں جو مقام
تشریح و اعلام ہوتا ہے یہ اخفاء اور ابہام بلکہ اسی نظر سے کہ محل تعریف بے یوں خیال میں کیا جا
ہے کہ یہ تعریف ابو بکر ہی کی تعریف ہے اور یہ کنیہ لا جرم اعڑے صحابہ کی تعریف ہے ورنہ رسول

صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر میں تو کچھ آدیش ہی نہ تھا جو کسی نے یوں پھپھایا اور نام نہ نہ کیا۔
ہاں ابو بکر کی خدمت میں مابین غرض کہ یہ مدح ابو بکر کی مدح نہ ہو جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کی دشمنی کی تہمت بھی اپنے ذمہ لازم آئے، اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت
(گو بہ جبر) باعث اخفاء نام ہو سکے گوارا کریں، اور اس طرح سے اس مدح کو مدح نبوی قرار دیں
تو ممکن ہے مگر اوصاف مذکورہ اس توجیہ کو کرنے بھی دین آپ کے زمانے میں اول تو اقامت
سنت اور خلیفہ بدعت کے کیا معنی؟ جس سے چاہو پوچھ دیکھو اقامت سنت کے لفظ
سے کیا متبادر ہوتا ہو؟ ہر کوئی اتنا جانتا ہے کہ اقامت کے لئے سنت کا وجود اور اس کی
پستی ہونی چاہیے نہیں تو پھر اقامت کس کی ہوگی مینو جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
ہو کام فرماتے تھے یا خود کوئی عمل کرتے تھے تو وہ اقامت سنت نہ ہوتی تھی بلکہ اس کو خود
سنت سمجھنا چاہیے، بخلاف بعد مقرر ہونے احکام سنت کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کے زمانے میں کونسا ان میں فتور پڑ گیا؟ اور پڑ بھی گیا تھا تو ایسے اس کی کیا اصلاح فرمائی؟

بہر حال کچھ کیجئے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف یہ اوصاف ڈھلتے ہیں
سو یہ کرامت حضرت امیر رضی اللہ عنہ کی ہے کہ ہر چند علامہ رضی نے ان کے کلام کو خراب کرنا
چاہا مگر معنی وہی رہے اور مذہبی اپنے ذمہ لگائی بھلا اتنا بھی خیال نہ کیا کہ تعریف کے محل
میں ایسے کنایات سے کون باتیں کیا کرتا ہے کسی نے سچ کہا ہے عیب بھی کرنے کو ہنر چاہئے
اور بعض شارحین کی رائے یہ ہے کہ اس خطبہ میں حضرت عمر کی تعریف ہے۔ سو حضرت عمر
میں کون سے برے ہیں اور حضرت عمر پر جو وہ اس تعریف کو منطبق کرتے ہیں تو اس جو
سے کہ وہ یوں سمجھتے ہیں کہ مجھے مصنف کے ہاتھ کا یعنی علامہ رضی کے ہاتھ کا لکھا ہوا بیخ بلاغت
کا نسخہ مل گیا تھا سو اس میں لفظ فلانے کے نیچے عمر کا نام لکھا ہوا تھا اور اس کے ساتھ یہ
بھی لکھا تھا کہ مجھ سے فخار بن مہر مولوی ادیش عرنے ایسا ہی بیان کیا اور میں نے ابو جعفر
یحییٰ بن زید علوی سے جو پوچھا کہ اس لفظ سے کون مراد ہے تو انہوں نے کہا کہ حضرت
عمر رضی اللہ عنہ مراد ہیں، میں نے کہا کیا امیر المومنین نے اس قدر ان کی تعریف کی
انہوں نے کہا ہاں۔

ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کا متمم تھا اور بنیاد ساز ہی
 باتوں کی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی بامدھ گئے تھے ملک شام اور ایران پر جو جہاد
 ہو اور واز اس کا خلیفہ اولیٰ ڈال گئے تھے اور جو لازم خلافت تھے سب کی جڑ ہی درست
 کر گئے تھے چنانچہ ماہران تواریخ پر پوشیدہ نہیں وہ موجود تو امین انتظام تھے اور حضرت عمرؓ
 اس کے برتنے والے غرض حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ایک رستہ ڈال گئے ہیں کہ حضرت
 عمر اسی رستہ چلتے گئے اگر اس وجہ سے کہ ابو بکر صدیق کے کاموں کو حضرت عمرؓ نے پورا
 کیا ان کو بھی موصوف باوصاف مندرجہ روایات اول سمجھیں تو چنداں بعید نہیں۔

باب عقیدہ لقیہ

عقیدہ لقیہ اور اس کے حقیقی و نقلی مباحث | بہر حال اگر شیعوں کو یہی مرکز خاطر ہو کہ ہم بجز اماموں
 کے فرمانے کے اصحاب ثلاثہ یا اور اصحاب کے قیامت تک مستحق نہ ہوں گے تو یہ غدر بھی ہم نے
 ان کا باقی نہ رکھا اس سے زیادہ کیا ہو گا جو مرقوم ہو اگر ہم جانتے ہیں کہ جو اسے بدراہن بنا
 بسیار شیعیہ نامی انصافی سے باز نہ آئیں اور بسبب عدوت صحابہ کے جو اہل بیت کی محبت سے
 پہلے ان کی رگ دپے میں رہ گئی ہے عجب نہیں کہ خلاف امید یوں بھی کہ انہیں کہ حضرات
 ائمہ کی بات کا بھی کیا اعتبار؟ ساری عمر انہوں نے لقیہ میں گذاری اور حق کو ناحق اور ناحق کو
 حق کہتے کہتے چلے دیے، جب امام الائمہ حضرت امیر المومنین باپ ہمہ شہرہ شجاعت اور زور و کرم
 کر شیعہ خدا اور علی ولی اللہ ان کا لقب ہے خلفا ثلاثہ سے اتنا کچھ ڈرتے تھے کہ ان کے زمانے
 میں تو کیا اپنے زمانے میں بھی اظہار مذہب حق نہ کر سکے ہوں تو اولوں کا تو کیا ذکر ہم عجب تک
 ہرگز نہ مانیں کیا تو لقیہ کو کوئی باطل کر دکھلائے یا کسی ایسے کی سند بتلائے کہ وہ لقیہ نہ
 کرتے ہوں۔

اس لئے ناچار لقیہ کی اصل حقیقت بھی کھول کر کچھ دکھلانی پڑی۔ نا انصافوں سے
 پتہ پڑا ہے دیکھئے کتنی چکچکیاں کھائیں اور ہم ان کی دم کے ساتھ گئے ہوئے کہاں کہاں تک
 جائیں۔ مخدوم من آفرین ہے ان لوگوں کی ہوشیاری پر کہ جن کا یہ دین ساختہ پر دخت ہے

مناقب عمرؓ بزرگان امیر الاسلام کتاب موافقت میں فرین حکیم سے روایت کرتا ہے کہ
 جب حضرت عمرؓ کا انتقال ہوا تو میں نے کہا حضرت علیؓ کے پاس چلنا چاہیے اور ان کی نسین
 و دنیا کہتے ہیں سو میں جو ان کی مغل میں آیا تو بہت لوگ ان کے منتظر بیٹھے تھے سو کچھ دیر
 دیر ہوئی ہوگی جو حضرت علیؓ نے تشریف لائے۔ اول تو سر مبارک جھکایا۔ پھر اوپر اٹھا کر
 فرمایا۔ **لَیْلَہُ ذَکَاکَیْہِ عُمَرُ وَاعْمَلْہِ قَوْمُکَ اَلَا وَدَّوْا اَیَّدَ الْعَمَدَ مَاتَ نَحْنُ النَّوْبُ**
قَبْلُ الْعَبِیِّ وَاعْمَلْہِ ذَہَبَ بِالسَّنَةِ وَافْتَحَ الْفِتْنَةُ اَصَابَہُ
وَاللّٰہُ اَبْنُ الْخَطَا خَیْرُہَا وَخَیْ مِنْ شَرِّہَا وَلَقَدْ لَظُنُّ لَہُ
صَاحِبَہُ فَصَارَ عَلٰی الطَّرِیْقَہِ مَا اسْتَقَامَتْ لَہُ قَالَ فَقَالَ وَ
سَرِحَ الْمَرْکَبُ فَتَشَعَّبَہُمَا الطَّرِیْقَتَانِ لَا سِدْرَی الْفَصَالِ وَلَا
یَسْتَشِیْقُنِ الْمُهْتَدٰی۔

اس عبارت کے معنی بھی قریب قریب پہلی ہی روایت کے ہیں اس لئے بعض شراح
 جن کا ذکر ہو چکا روایت مقدم کو بھی حضرت عمرؓ ہی پر محمول کرتے ہیں لیکن اوصاف کو
 دیکھئے تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی پر پھبتے ہیں۔ چنانچہ مرقوم ہو چکا باقی اس روایت کے
 الفاظ اور اس روایت کے الفاظ کے مطابق ہے کچھ یہ لازم نہیں تاکہ دونوں ایک ہی کی تعریف میں ہوں۔ اگر
 دونوں روایتوں کو جملہ اشخاص کے لئے سمجھتے تب بھی تو کچھ محال نہیں آخر حضرت عمرؓ

ایسی نامتعلول باتوں کا بجز بڑا اور تقیہ کے رواج ہو ہی نہیں سکتا۔ اگر شیعوں نے کلام اللہ کا حوالہ دیا تو بدکار کا ذکر کیا، اماموں کا قول پیش کیا تو تقیہ سے الزام دیا اب بچار بے سستی اپنا سامنہ لے کر رہ نہ جائیں تو اور کیا کریں؟ غرض جس نے اس مذہب کو تراشا واقعی نہایت ہوشیار تھا، پر کم فہم بھی ہوں تو اتنے ہوں جتنے حضرات شیعہ کہ دلم و دانہ کی ان کو کچھ تمیز نہیں، ہاں افسوس کیسے کیسے لوگ اس دام میں پھنس گئے یہ نہ سمجھا کہ دین خداوندی کو ایسی باتوں سے کیا علاقہ یہ فقط یاروں کی گھڑی ہوئی باتیں ہیں، نہ عبد اللہ بن سبا یہودی منافق اور اس کے شاگرد پیشہ ہوتے نہ یہ تو اعدائے شیعہ تفسیف ہوتے خیر بہر حال اس حیلہ اخیر کا جواب بھی دے لیجئے! شاید خداوند کریم کسی کو ہدایت نصیب فرمائے۔

تقیہ شیعہ کی اپنی روایات کے آئینے میں | مخدوم من اول تو یہ عند روایات مذکورہ میں نظر غور پیش نہیں جاتا خاص کر پہلی دو روایات میں حضرت امام سجاد زین العابدین رضی اللہ عنہ وعن آباء الکرام نے جو کچھ اصحاب کرام کی تعریف فرمائی تو عین مناجات خداوندی اور دعا کے وقت فرمائی ہے خدا سے کیا تقیہ پڑا تھا؟ اگر کسی بنی آدم سے کلام گفتگو ہوتی تو یہ بھی احتمال ہوتا کہ شاید طرفداران صحابہ میں سے ہو اور اگر خدا پر بھی صحابہ کی طرفداری کی محبت تھی تو شیعوں کے زبے نصیب کہ ان کے پیشواؤں کی خدا بھی طرفداری کرتا تھا۔ لیکن شیعوں کو اپنا فکر چاہیے معند احق مذہب سوا اس کے اور کسے کہتے ہیں کہ خدا ان کی پشتی پر ہو سارا کلام اللہ مع اللہ مع المتقین اور اسی قسم کی آیات سے بھرا ہوا ہے باقی خدا کی طرف یہ احتمال تو ہو ہی نہیں سکتا کہ خدا بھی اصحاب ثلاثہ سے ڈرے تھا۔ نفوذ باللہ منہا۔

ہاں اگر شیعہ کہیں تو کچھ نہیں کیونکہ ان کے عقائد کے موافق تو حضرت علی کا تقیہ بھی کچھ اس سے کم نہیں، شیر خدا جدا تھے۔

موت براختیار غیب کا علم ہے انتہا جماعت بھر تقیہ کیوں؟ | بالہنہ اپنی موت اپنے اختیار میں، چنانچہ کہنی نے اس بات کو ثابت ہی کیا ہے کہ اماموں کی موت ان کے اختیار میں ہے۔ اور

کہنی کیا سارے امامیہ اس پر متفق ہیں کہ علم ہاں کان نایکون جدا تھا اتنا یقیناً جانتے تھے کہ فلا نے وقت فلا نے کے ہاتھ سے شہید ہو گا اس سے پہلے نہ اس سے پیچھے، اور تمام عمر میں اس طرح باسائش گذاروں گا کہ باوجود کثرت انبوہ دشمنان میرا کوئی مزاں کم حال یا درپے جان و مال نہ ہو گا اور اگر ہو گا بھی تو میرا کچھ نقصان نہ ہو گا پھر ان سب اختیارات اور علوم کے بعد شجاعت تو ایسی کہ ہزار رستم بھی ہوں تو مان جائیں ابو بکر و عمر و کس گنتی میں ہیں اور کرامت اس قدر کہ درخبر کو اٹھا کر پھینک دیں۔ خانہ ابو بکر و عمر کی کیا حقیقت۔

پھر ہاں ہم ابو بکر اور عمر سے ڈرے، کوئی انصاف کر کے بتلائے کہ تقیہ خدا کے تقیہ سے کس بات میں کم ہے علاوہ ہر اس وقت تعریف مذکور ابو بکر و عمر کا بجز نام و کام نام و نشان باقی نہ رہا تھا اور ظاہر ہے کہ مرے ہوئے سے تو گیارہ بھی نہیں ڈرتے شیر خدا علی مرتضیٰ پھر دوبارہ مری ہوئی سے دے تو قیامت آگئی، نیر کہاں تک کیسے مطلب آتا ہے کہ دعا کے وقت کہ جو وقت مناجات عالم السراخضیات ہے اس وقت تقیہ کا ہونا ایسا ہی ہے جیسا کہ منافقین کا نہا پڑنا جیسا کہ اس بھی ٹھہر کر منافق ہندوں کو دھوکا دیتے تھے اور در صورت تقیہ نعوذ باللہ حضرت امام سجاد خدا کو۔ کیونکہ یہ تو ہم یقیناً جانتے ہیں اور شیعہ بھی کہتے ہیں کہ ان کیوں نہ ہوں اس کے خلاف نہ کہیں گے کہ حضرت امام کی عبادت رومی دریا تھی سو کسی سستی یا معتقد خلفائے استرخا کا توان کی عبادت میں احتمال ہی نہیں۔ بجز اس کے کہ بخیال جانب داری خلفاء جو خدا سے جلو میں آئی یہ خیال دل میں ہو کہ ایسا نہ ہو کہ خداوند کریم بہ سبب خلفاء اور بے اعتقادی صحابہ سے اگرچہ حق ہی ہو ناراض نہ ہو جائے نعوذ باللہ من بدہ الخرافات جناب من ایسی محفل میں تقیہ کا احتمال کرنا جس پہلو سے پلٹ کر دیکھ دین کو برہم درہم کئے دیتا ہے۔ یا خداوند کریم کی طرف برائی عائد ہوگی تعالیٰ اللہ عجز حالات علو کیسے دیا اللہ کی طرف نعوذ باللہ منہ کثیر بہر حال تقیہ کے پردہ میں یہ دشمنان اہلبیت اللہ کو کیا کیا کچھ نہیں کہہ لیتے واقعی بہت خوبصورتی سے جو کرتے ہیں۔

حضرت امیر نے بعد وفات بعدی کے مناقب خلفائے ان کے اس وقت خوف بھی تھا | بجز امام سجاد کو رستم

وایہ اوہ ظلم کشیدہ دشمنان شعاکے تھے تمہیں نہ وہ شجاعت تھی جو حضرت امیر مومنینؑ کی تھی نہ وہ کرم تھی جو حضرت امیر میں تھی اگر ان کے حق میں کوئی تہقیر کا دعویٰ کرے تو شاید کوئی بیوقوف فی الجملہ مان بھی جائے۔ لیکن ستم تو یہ ہے کہ حضرت امیر کی نسبت بالائیمہ زور و شجاعت و باوجود یتائے علم و کرامت و استمرار صحت و سلامت کہ زمان خلفائے ثلاثہ سے لے کر اپنی خلافت تک بے اندیش گذاری اپنی نیند سوئے اپنی بھوک کھایا یہ احتمال کیا جائے کہ انہوں نے ایسے دس جھوٹ پر قسم کھالی کہ ان کی بدولت آسمان گر جائے تو عجب نہیں اور زمین پھٹ جائے تو دور نہیں کجا یہ اوصاف جمیلہ اور حامد علیہ کہ لگ بھگ انبیاء کے اوصاف اور لوازم کے ہیں کجا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کہ بزرگم شیعہ اہلس سے بھی بڑھ کر کہ اس کا بار کھنا مستحب بھی نہ ہو اور ان کا تبرأ فرض بلکہ اس سے بڑھ کر کہا جائے تو عجب نہیں کیونکہ موافق صفت جاء بالحسنۃ فذلک عیشہ امثالہا کے ایسے ویسے لوگوں کے فضول کا ثواب دس گنا ہو تو ہو اس لئے کہ اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ جو ایک نیکی لے کر آئے گا تو اس کو وہ چند ثواب ملے گا۔

اور لعن شیخین اس قدر مقبول ہے کہ ان کی کتابوں میں یہ بات مرقوم ہے کہ ابو بکر صدیق اور عمر رضی اللہ عنہما پر صریح لعنت کرنی ستر نیکیوں کے برابر ہے اور پھر طرفہ یہ ہے کہ اہلس اور نمرود اور شداد اور فرعون اور ابوجہل اور امیہ بن خلف اور ابولہب غیر ہم دشمنان خدا و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا لعن و تبرأ ماث بھرتی کے برابر نہیں کسی نے ایسوں ہی کی تعریف میں کہا ہے ۔ "ہیں عقل و دانش بیاہر گریست" بالجمہ ایسے لوگوں کی تعریف جو اہلس اور نمرود اور فرعون اور ابوجہل وغیرہم سے بھی بڑھ کر ہوں اور پھر تو یہ بھی اس قدر کہ دس بڑے بڑے کمالات بقسم بیان کئے جائیں ایسے کاملوں سے جن کا نام حضرت علی شیر خدان کے اوصاف اور پر مذکور ہو چکے ہیں جو کہتے ہیں کہ کافر ہونے کے یہ معنی ہوں کہ خدا کا بڑا ہی مطیع و فرمانبردار ہو۔ سو اگر کفر کے یہی معنی ہیں تو کون مردود برامانا ہے ایسی گالیاں تو جتنی چاہیں شیعہ دے لیں بجز تسلیم اس طرف سے انشاء اللہ جواب ہی نہ ہوگا۔

بیت۔ دم گفتی دوزخ سیم عفاک اللہ کو گفتی : جواب تلخ می زید بل لعل شکر خارا سبحان اللہ کس کس پنج سے حضرات ائمہ کی معصومیت بلکہ بزرگی کو بڑھ گاتے ہیں۔ خوارج سے شیعہ (ہم جانیں) کچھ دو انگشت زیادہ ہی ہوں گے پر اتنا ہی کہ شیعہ سنوار کر چھان بچھو کر عجیب لگاتے ہیں اور خوارج نا اٹیوں کی طرح بے سوچے سمجھے گنوار کا سا لٹھ مار رہے تھے ہیں۔

حکایات تہقیر کی روایات کتبہ شیعہ یزید و نکذ یہ کرتی ہیں | القصہ یہ غدر پوچ عاقلوں کے سامنے کہ ائمہ معصومین اصحاب ثلاثہ یا اور مہاجرین اور انصار کی تعریف بوجہ تہقیر کیا کرتے تھے قطع نظر اس کے کہ عقل کے نزدیک یہ غدر لا طائل کو زشتہ کے نفع بکتا ہے یوں بھی تو قابل تمسک نہیں کہ جن بزرگواروں کی طرف تہقیر کی تہمت کرتے ہیں ان ہی بزرگواروں کے افسانے جو ان کی معتبر کتابوں میں منقول ہیں یا واز بلند تہقیر کی تکذیب کرتی ہیں ہر چند سب کا اس رسالہ میں درج کرنا ممکن نہیں لیکن مشتمل نمونہ خرد فارے دو تین روایتیں جو اہل مالک حضرت امیر کے اظہار حق اور صدق حال پر دلالت کریں درج کی جاتی ہیں تاکہ حکم متابعت بزرگواروں کی بزرگی اور خوبی بھی کذب ریا سے پاک و صاف ہو جائے اور معلوم ہو جائے کہ جب شمس الامم کا حال یہ ہے کہ تہقیر میں جو قبول شیعہ ان پر منجملہ فرائض ہی تھا اس قدر تقصیر اور تحکم اور احکام کا تو کیا ذکر تو اور ائمہ کا کیا حال ہو گا۔ ؟

امیر کا حکم کہ سچائی اختیار کرو خواہ کچھ بھی ہو | نہج البلاغہ میں جو شیعوں کے نزدیک اصح الکتاب اور متواتر ہے حضرت امیر رضی اللہ عنہ کا یہ قول تہقیر کے ابطال میں دلیل قوی اور برہان کامل ہے علامۃ الاسلام ابی اسامہ بن ابراہیم القصبی فی حین یضرب علی الذب حیث یثقل یعنی ایمان کی نشانی یہ ہے کہ جہاں سچ بولنا ضرور کرتا ہو ایسی جگہ سچ بولنے کو پسند رکھے۔ جھوٹ بولنے پر جو نفع دیتا ہو۔ اس روایت سے صاف نکلتا ہے کہ جو تہقیر کرے اس میں ایمان نہیں کیونکہ علامت ایمان کی یہ ہے کہ جان و مال کا ضرر کو ہو جائے پر جھوٹی بات زبان پر نہ لائے۔

امام کی شجاعت اور شہادت جنت | دوسری روایت بھی نہج البلاغہ ہی کی تہجی

قَالَ آمِينَ الْمُؤْمِنِينَ اِنِّي وَاللّٰهُ لَوَاقِفَتُهُمْ وَاحِدٌ اَوْ هُمْ مُطَاعٌ
اَلَمْ يَكُنْ مِنْ خَلْقِهَا مَابَا يَكُنْتُ وَكَلَامٌ سَتُوْ حَشَتْ وَاِخَى مِنْ
ضَلَا لَتَهُمْ اَتَحَى هُمْ فِيْهَا وَالْهَدَى الَّذِي اَنَا عَلَيْهِ لَعَلِّي
لَيْسَ يَوْمَ مِنْ نَفْسِيْ وَفِيْهِ مِنْ رَبِّيْ وَاِنِّي اِنِّي لِبَقَاءِ اللّٰهِ وَالْحُسْنِ
ثَوَابُهُ مُنْتَظَرٌ سَاجِدٌ -

مطلب یہ ہے کہ حضرت امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں بیشک
قسم اللہ کی اگر ان سے تنہا مقابل ہوں اور وہ تمام زمین کو گھیرے ہوئے ہوں تو میں ہرگز
کچھ پروا نہ کروں۔ اور نہ گھبراؤں اور مجھے ان کی گمراہی اور اپنی ہدایت کا حال عیاں ہے اور
اس بات کا خدا داد یقین ہے اور میں خدا کے ملنے یعنی مرنے اور اس کے ثواب کے انتظار اور
امید میں ہوں۔ اب غور فرمائیے جو شخص تنہا اتنے دشمنوں سے بھی ڈرے جو تمام روئے
زمین کو ڈھک لیں اور ڈرنا تو درکنار پروا اور گھبراہٹ تک نہ ہو۔ بلکہ مرنے اور جنت کا مشتاق
ہو ایسے لوگوں سے تقیہ کے ہونے کے کیا معنی؟ ایسے لوگ بھی اگر ڈرنے لگے تو قیامت آگئی
مجبوراً تقیہ بغیر خوف کے تو ہوتا ہی نہیں اگر مر جانے کا خوف ہے تو وہ اماموں کو ہوتا ہی نہیں
کیونکہ اول تو ان کی موت ان کے اختیار میں ہے چنانچہ کہنی نے اس مسئلہ کو ثابت کیا ہے
اور تمام امامیہ کا اس پر اتفاق ہے پھر وہ کسی سے کیا ڈریں اور کیوں ڈریں دوسرے علم
و قائل گذشتہ اور نیز قائل آئندہ سب ان کو مستحضر خود اپنے مرنے کا حال اور کیفیت
بتفصیل و تشریح معلوم ہوتی ہے۔ اس وقت سے پہلے ڈر ہو ہی نہیں سکتا۔

انیاد اور ائمہ کا منصب قبر محل اور حق گوئی ہے۔ اور اگر خوف مال یا ابرو یا بدگوری خلائی کا اندیشہ
یا کسی قسم کی تکلیف کا خوف ہے تو انبیاء اور ائمہ کا کام یہی ہے کہ تکلیفیں اٹھایا کریں
اور تحمل کیا کریں اور دشمنوں کی قوت و شوکت اور اپنی بے کسی اور بے زری کا لحاظ نہ کریں۔
اور یہی وجہ ہے کہ حضرت ابراہیم خرمود سے نہ چھپے اور آگ میں گرنا قبول کیا حضرت موسیٰ فرعون
سے نہ ڈرے اور آخر نبوت جلاوطن ہونے کی پہنچی حضرت نوح علیہ السلام نے نو سو برس
تک کیا کیا مصیبتیں اٹھائیں شیعوں نے بھی سنی ہوں گی حضرت یحییٰ اور حضرت زکریا کا

مقتول ہونا مشہور آفاق ہے حضرات شیعہ ہی انصاف کر کے فرمائیں کہ ان کے
مقتول ہونے کا باعث سوا کلمۃ الحق اور حق گوئی کے اور کیا تھا عزت چھوڑ دیاں تو جان
پر کھل گئے حضرت امیر جو انبیاء سے افضل نہیں تو مساوات میں تو شیعوں کے نزدیک کلام
ہی نہیں ابرو تک کا خدا سے دریغ کریں۔

تقیہ اگر فرض تھا تو امام حسین کی شہادت مصیبت ہوگی اور خود خلف رشید حضرت امیر رضی اللہ
عنه سید الشہداء شہید کر بلا رضی اللہ عنہ جان نازنین کو نثار راہ خدا کر گئے اگر تقیہ سنت حضرت
علیؑ بلکہ فرض خداوندی تھا تو اس سے زیادہ اور کو نہا موقع تقیہ کا ہوگا کہ تیس ہزار فوج
جرار بر سر کار زارندن و فرزند بہرہ رنگ و ناموس کا اندیشہ نہ کھانا نہ دانہ نہ پانی کا سامان
نہ آڑ کے لئے کوئی مکان اور اس طرف سے فقط اتنی طلب گاری کہ بیت یزید قبول کر لو
پھر جہاں ہی چاہتے چلو ڈرے حیف کی بات ہے جان و مال سب برباد گئے نزن و فرزند
پر جو کچھ گذری سب جانتے ہیں پھر تیسرے خانہ ہوا تو یوں ہو کر فرض مفرض معمول بہ اہل بیت
پر عمل نہ کیا بے گناہوں کو مفت کے مظالم میں گرفتار کیا ان کا وبال نعوذ باللہ اپنی گردن پر لیا نعوذ
باللہ اگر یہی تقیہ ہے تو ہم جانتے ہیں کہ یہ درست بدرت از ہزار دشمن بہ نسبت حضرت امام الشہداء
نعوذ باللہ عقیدہ خمسہ الدنیا و الاخر کا رکھتے ہیں واللہ کہ ان الفاظ کے کہتے ہوئے جی
ڈرتا ہے مگر خداوند عالم الغیب والشہادہ خوب جانتا ہے میں تقیہ سے نہیں کہتا کہ یہ سب ڈوکر
بدولت حضرت مدعیان دروغ فرقہ مسلمہ شیعہ کے ہے ورنہ یہ خاکپائے غلامان اہل بیت
ان حضرات کو اکابر اولیاء اللہ اور عمدہ صدیقین اور انصر مخلصین اور خلاصہ محبین اور زیدہ متقیین
اور حلقہ محبوبین سمجھتا ہے حاشا و کلا جو بطور شیعہ دعوئے دروغ ہو۔

امام کاظمی کرامت سے حضرت عمر کو محبوب کر دینا تیسری روایت راوندی کی کہ مقتدا شیعہ اور شراح
بیح البداعت ہے کتاب جراح الموحج میں سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتا ہے۔

وَنَ عَلِيًّا بَلَفًا عَنْ عَمْرِوَةَ دُكِرَ شَيْعَتُهُ وَاسْتَقْبَلَهُ اِنِّي نَجَفُزُ
طَرَفَاتِ نَسَائِيْنِ الْمَدِيْنَةِ وَفِي يَدِيْ عِلِّي فَوْزٌ فَعَالٌ يَّا عُمَرُ بَلَعْنِي
غَدَاكَ فَكَسَرْتُ لِيْ نَفْسِيْ فَقَالَ اَرْبَعٌ عَلِيٌّ صَلَوَاتُكَ فَقَالَ عَلِيٌّ اِنَّكَ لَهَاصٌ

ثُمَّ مَحَلِّي بِالْقَوْمِ عَلَى الْأَرْضِ فَإِذَا هِيَ تَنبُتُ كَالْبَيْضِ فَأَعْرَضَ
فَالَا وَجَدَ أَهْلَ نَحْوِ عَمْرِو لَتَبْلُغَهُ قَتْلَ عَمْرِو اللَّهِ اللَّهُ يَا أَبَا الْحَسَنِ
لَا عُدَّةَ بَعْدَ هَاجِنِ شَيْءٍ وَجَعَلَ يَقْضَى إِلَيْهِ قُضُوبَ يَدَاكَ إِلَى
التَّنْبُتِ فَعَلَّاتِ الْقَوْمِ كَمَا كَانَتْ تَقْضَى عَمْرٍو إِلَى يَدَيْهِ - ۱۸۳ -

یہ روایت بہت بڑی ہے کہاں تک نقل کر دوں اسنے الفاظ بھی بہت ہیں پر حاصل معنی
اس کا بیان کئے دیتا ہوں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت علیؑ کو یوں خبر
پہنچی تھی کہ عمرؓ کچھ شیعہ علیؑ کو برا کہتے ہیں سو اتفاقات سے بعضے مدینہ کے باغوں کی راہ میں
ان کے سامنے آ گئے حضرت علیؑ نے فرمایا اے عمرؓ مجھے یوں خبر پہنچی ہے کہ تو میرے شیعہ کو برا
کہتا ہے عمرؓ نے کہا اے میاں اپنی خبر مناد حضرت علیؑ نے فرمایا تم اسنے ہو گئے پھر کہاں کو جو زمین
پر ڈالو تو ایک اڑدھا تھا اونٹ کے برابر منہ کھولے ہوئے حضرت عمرؓ کی طرف گھٹنے کے ارادے
دوڑا عمرؓ نے کہا خدا کے واسطے خدا کے واسطے اے ابوالحسن پھر اس کے بعد ایسی بات کہی کہ نونگا
اور لگے گڑ گڑانے حضرت علیؑ نے اس اڑدھا کی طرف جو ہاتھ لپکا یا پھر وہی مکان کی مکان ہو گئی۔
خیر عمرؓ اپنے گھر چلے گئے اس روایت کو دیکھتے تو تفتیش کی تو گردن ہی توڑ دی۔ خلیفوں۔۔
اور اصحاب میں بڑی دھوم دھام حضرت عمرؓ کی تھی اور سنی بھی انہیں کی شوکت اور دبدبہ کو
بہت زبان پر لایا کرتے ہیں سو جب ان کا یہ حال ہو کہ ایک کرشمے سے ان کو ڈرایا اور پچار سے
تو فقط اشارہ کے تھے۔

اس سے صاف معلوم ہوا کہ حضرت امیر کا سکوت جو حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے افعال
اور حرکات پر تھا یہاں تک کہ غصہ فلک کھا کئے۔ اپنی بیٹی کا نکاح ان سے کر دیا اور ان سے
بیعت کر لی اور ان کے پیچھے نمازیں پڑھتے تھے یہ سب بوجہ حقانیت تھا نہ بوجہ تقیہ ورنہ اس قدر
اور قدرت اور اس کرامت کا آدمی اور کون تھا جو ان سے اندیشہ یا ہراس رکھتا اور اگر بالفرض یہ زور
اور بل اور یہ قدرت خدا داد کسی میں ہوتی بھی تب غصہ و خمر ظاہر و مہلہ و تو مرگز گوارا نہ ہوتا۔
اہل ہند جو تمام دلیہوں کے لوگوں کے نامردہ پن میں امام ہیں ان میں کا بھنگی اور چار بھی اس
سہولت سے بیٹھی نہیں دیتا جس طرح حضرت امیرؓ نے اپنی دختر معمرہ کو حضرت عمرؓ کے حوالہ کر دیا

آپ بھی نہ سمجھتے کہ ہے اور صاحبزادی بھی پھر صاحبزادوں میں بھی ایک وہ ہے کہ جنہوں نے میں ہوا
فوج جبر کا مقابلہ کیا حالانکہ وہ زمانہ ضعیفی اور تحمل کا تھا اور بہن کے نکاح کے وقت
عین شباب تھا اور سپہر ساشہ پر ہے کہ نہ گامہ کر بلا میں جو دشمنان سفاک نے حرم محترم کو
زنان اہلبیت کی طرف جانے کا ارادہ کیا تو کیا کچھ غضب اور جوش آیا شیعوں کو تو شہادت
نامہ کر بلا از بڑی ہو گا۔ لکھنے کی کیا حاجت۔

تقیہ از روئے عقل و نقل و عرف | بالجلد روایات شیعہ خود تفتیش کی جڑ اکھاڑتی ہیں فقط سینوں
ہی کا قصور نہیں اور اب آگے اور لکھنا ہمیں ضرور نہیں کہ بعد اللہ عاقلان منصف کے لئے یہ بھی
بہت ہے مگر بنظر اسام حجت اور مزید توضیح یوں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ عقل اور نقل اور
عرف سے بھی اس بات میں استغناء کیجئے تاکہ شیعوں کی آنکھیں تو کھلیں کہ ہم کس خواب
خروکش میں مدہوش ہیں جناب من عقل کی دوسے دیکھئے تو پیغمبروں اور اماموں کا تفتیش
ایسا ہے جیسے کسی معلم کو لڑکوں کے پڑھانے اور تادیب کے لئے نوکر رکھا جائے اور وہ معلم تعلیم
اور تادیب تو درکنار اٹھارہ لڑکوں کے ہمرنگ ہو کر گنبد بیا گلی ڈنڈا کھیلنے لگے تو پیغمبروں اور اماموں
کیسے خدا کی طرف سے تفتیش کا فرض ہونا ایسا ہی جیسا معلم اور موب کو اہل مکتب پر حکم دے کر پڑھائیے، پر
چاہیے تمہارے اور لڑکوں کے منہ سے کوئی لفظ نہ نکلے، خبردار ایسا نہ کرنا اور ان کی تادیب
میں تفسیر نہ ہو لیکن جس طرح سے لڑکے چاہیں سرسواس میں تفاوت نہو نہ ان کو ڈرائیو نہ
مارئیو نہ اپنی طرف سے کچھ کہیو بلکہ وہ کھیلیں تو ان کے ساتھ تم بھی کھیلنے لگیو۔

اب اہل انصاف انصاف فرمائیں کہ یہ بات کچھ عقل کی ہے اور اس میں اور پیغمبروں
اور اماموں کے تفتیش میں کیا فرق ہے؟ اور پھر تفتیش بھی اتنا کچھ کہ دین برباد ہو گیا تمام امت
محمدی گمراہ ہو گئی سپہر اپنا رنگ و ناموس جاتا رہا پر چلبیہ زبان سے کلمتہ الحق نکلے اس کی تو
نہ آئی۔ کھل کھیلنا تو کجا اور پھر باہمہ حضرات شیعہ مقتدا اس بات کے کہ دین شیعہ عین
مطابق عقل ہے اور کہہ کر نہ کہیں خداوند کریم تو ان کے اعتقاد کے موافق باہمہ حسد اور عناد
اور اطمینان ہوئے کے محکوم عقل ہے اور عقل کی اطاعت اس کے ذمہ فرض ہے۔ واہ
سبحان اللہ کیا خدا کی قدر دانی ہے جب خدا کے ساتھ یہ معاملہ ہے تو کسی کو کیا شکایت اقل تو

خدا کو حکیم بنایا اور اس کے حکم کی تعمیل کرنے والے بنائے گئے۔ کلام اللہ میں بیحد اچھیں الفاظ ہیں۔
مذکورہ باتھما یا دوسرے ایسا خلاف عقل حکم اس کے نام لگایا جس سے برغم خود بخود یا
خدا کو گناہگار اور تبارک فرض نہایا تعالیٰ اللہ عنہ العیوب علو اکبر۔

تقیہ از روئے کلام اللہ اور از روئے نقل تقیہ کا حل پوچھئے تو سینکڑوں آیتیں ایسے تقیہ کی ہوتی
پر دیکھیں حضرت شیخہ آپ کہتے ہیں اور اماموں کے ذمہ لگاتے ہیں، دلالت کرتی ہیں۔ بلکہ
الطہ تقیہ نہ کرنے کی خوبیاں کلام اللہ سے عینی چاہو نکال لو یہاں تک کہ جان کے جانے کے وقت
بھی تقیہ نہ کرنے ہی کی بہبودی کلام اللہ سے ثابت ہوتی ہے کلام اللہ کوئی عتقا چیز نہیں جو
نہ ملے اگر شیعہوں کو بوجہ یاد نہ ہونے کلام اللہ کے میری طرف جعل کا احتمال ہو تو مطالب کر دیکھیں
کہ کلام اللہ میں سورہ بقرہ میں دوسرے سیارہ میں نصف سے کچھ بعد یہ آیت ہے کہ نہیں۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ
وَلَمْ يَأْتِكُمْ مَثَلُ الَّذِي تَخْلَوْنَ
مِنْ قَبْلِكُمْ مَسْتَهْزِئَةً
وَالَّذِي اَعْوَزْتُمْ بِهِ الْقُرْآنَ
مَنْ سَوَّلُ وَالَّذِينَ آمَنُوا لَعْنَةُ
مَنْ لَعَنَ اللّٰهُ اَلَا اِنَّ نَصْرَ
اللّٰهِ قَرِيبٌ۔

یعنی کیا تم کو اسے مسلمانوں پر گمان ہو گا کہ تم
جنت میں لوہی چلے جاؤ اور تم پر وہ حالت
نظر رہی ہو جو پہلے لوہی پر نگہداری کر ان کو نیرت
کا خوف اور تکلیف پیش آئی اور جھڑ
جھڑائے گئے یہاں تک کہ رسول اور جاس کے
ساتھ ایمان دار تھے گھبرا کر یوں کہنے لگے کہ
خدا کی مدد کب ہوگی۔ سو خبردار وہ اللہ کی مدد
قریب ہی ملتی ہوئی ہے۔

اور اس آیت کو بھی دیکھیں۔ سورہ آل عمران میں پوچھے سیارہ میں مابین ربع اور
نصف کے یہ آیت ہے۔

وَمَا جِئَ مِنْ بَنِي قَائِلَ مَعَهُ رِبِّيُّونَ
كَثِيرٌ فَمَا ذُكِرُوا الْمَا صَابَهُمْ فِي
نَبِيلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوا وَمَا اسْتَكَانُوا
وَاللّٰهُ يُجِيبُ النَّاصِرِينَ

یعنی بہت سے بنی قائل کے ساتھ ہیں
جو کہ بہت سے اللہ والے دشمنوں کے لئے ہیں سو
جہاد میں تو تکلیفیں ان کو پیش آئیں تو ان
تکلیفوں کے بہت وہ کچھ ڈھیلے ہوئے بہت

ہوئے نہ کفار نے کچھ دہن کئے اور اللہ
صابروں سے محبت رکھتے ہیں۔

تقیہ جنت سے محرومی کا سبب ہے | ان دونوں آیتوں کو خدا نے نظر غور اور بحشم انصاف دیکھے
اور بے روی و بے ایمانہ کم فرضی جناب باری کس طرف ہے درموتیکہ عوام مومنین کے حق
میں یوں کہا بتائیے تو امام اور پیغمبر تو امام اور پیغمبر ہیں وہ تو دین کی باتوں میں عوام سے بڑھ کر
ہوتے ہیں پہلی آیت کی رو سے تو تقیہ کی صورت میں جنت سے امید ہی منقطع ہے پھر اس سے زیادہ
اور تقیہ کو کیونکر وضع کرینگے باقی سینوں کی بے بسی اور بے کسی کا عذر ہو تو جناب باری تعالیٰ
نے پہلے اس کا دفعیہ فرمایا ہے اَلَا اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيبٌ یعنی گھبراؤ مت ہماری مدد پاس ہی
ملی ہوئی ہے۔

خوف کفار سے سست ہونا ممنوع ہوا تقیہ تو دور کی بات ہے | اور دوسری آیت میں تقیہ تو تقیہ

کفار کے خوف سے سست ہو جانے اور ضعیف ہو جانے پر تنبیہ کرتے ہیں کیونکہ تقیہ کی برائی
کی طرف تو اشارہ والا استکناؤ میں آگیا تھا اس لئے کہ اس کے معنی یہی ہیں کہ ان لوگوں نے کفار
کے آگے باوجود تکلیفات کے بھرنا ہر کی چال پوسی نہ کی اور یہی تقیہ ہے اور کیا تقیہ سرسنگ ہیں
پھر خود بتائیں اور فرمائیں کہ نہ سست ہوئے نہ ضعیف ہوئے تقیہ سے دو نہرا اور ادھر کو کھینچا
تا کہ اس سے دور رہیں اور اس میں گرفتار نہ ہو جائیں سبحان اللہ خدا بھی کیا منتظم اور مدبر ہے
یہ وہی فقہ ہو، ہر گز گمش گیر تا بہت راضی شود۔ لیکن آفرین ہے شیعوں کی بھی بہت دھڑی
پر کہ تپ پر بھی راضی نہیں ہوتے موت تو درکنار اور کیوں راضی ہوں جہاد کو کیوں سر دھریں
اور جہاد تو جب ہو گا جب ہو گا۔ سنیوں کے گھروں کے بلاؤ اور فورے کیوں ہاتھ سے کھوئے اور
کیوں ان کے تیر ملامت کا نشانہ ہو کر اپنے نصیبوں کو ردیئے جنت گئی بلا سے گئی۔

نقد رانسیہ گزاشتقن کار خرد منداں نیست

اور میں نے جو عرض کیا اس آیت میں تقیہ وغیرہ سے روکتے ہیں ہر چند اہل فہم کے
نزدیک محتاج بیان نہیں لیکن باندیشہ خوش فہمی شیعہ گزاشتقن ہی لازم ہے اس آیت کے
سیاق و سباق سے واضح ہے جسے تامل ہو دیکھ لو کہ جناب باری تعالیٰ اس امت کے لوگوں

کو خاص کر صحابہ کو پہلی امتوں کے حال مناسبا کر سست ہوئے اور ضعیف ہونے اور
تقیقہ کرنے سے روکتے ہیں اب اہل انصاف سے اتنا س ہے کہ باوجود ان تنبیہات کے اگر
کوئی نہ مانے اس کو کیا کہیے وہ ناکارہ لوگوں سے ہو گیا عمدہ اور عمدہ بھی اس قدر کہ سختی ثواب ہے
جیسا اہل تقیقہ فرماتے ہیں۔

تعلیق سبب محتاسب، نہ کہ موجب ثواب [حق تو یوں ہے کہ تعلیق والے موردِ عقاب ہیں چنانچہ ان آیات سے ظاہر و باہر ہے ثواب کجا اور تعلیق کر کے منصبِ پیغمبری اور مرتبہِ امامت پر مامور ہونا اور کفارِ اربعے بھی خیر نہیں خاص کر ایسے تعلیق کے ساتھ کہ بزمِ شہید حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اور حضراتِ ائمہ کرتے تھے صحابہ معلومین کے ساتھ کہ جو ان کے عقیدے کے موافق لغو ذبا اللہ ابلیس سے بھی بڑھ کر تھے چنانچہ اس کی طرف اشارہ ہو چکا ہمیشہ ہم نوالہ اور ہم پیالہ رہے اور ہمیشہ ان کی رضا جوئی میں عمر عزیز کو بسر کیا خداوند کریم تو ارشاد فرمائے وَلَکِنَّ اَنتَہِجْتَ اَہْوَاءَہُمْ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْکَ مِنَ الْحِلْمِ مَا لَکَ مِنَ الْاِتْمَانِ مِنْ وَلَیِّ وَکَلَّکَ نَصِیْرٌ یُضِیْئُ لَکَ مَحْضًا اللہ علیہ وسلم اگر تو بعد حق و ناحق کے معلوم کرنے کے ان کی خواہشوں کے موافق کچھ بھی کرے گا تو تیرا کہیں ٹھکانا نہیں نہ تیرا کوئی دوست تجھے چھڑا سکے گا نہ کوئی تیری مدد کرنے والا ہے جو خدا سے بچائے گا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم با ایں ہمہ ممانعت و تہدید پھر بھی ان کی دلجوئی سے باز نہ آئے۔ خدا کی خواہش پر ان کی خواہش کو مقدم رکھا۔

انبیاء خدا کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے | القصہ خدا و ملائکہ کو تو عوام تک کو تقیہ کے کرنے سے روکے اور شیعوں خواص کو بھی تقیہ کرنے والا اور وہ بھی دائم التقیہ سمجھیں حالانکہ خاص ائمہ رسالت کے پہنچانے والوں کی (جو شیعوں کے نزدیک بھی پیغمبر اور امام ہیں) اجنب باری علامت ہی یہ فرماتا ہے کہ وہ کسی سے ڈرتے نہیں اور اللہ کے پیام کے پہنچانے میں دروغ نہیں کرتے | سورہ احزاب کے پانچویں رکوع میں یہ آیت موجود ہے انبیاء کے حق میں فرماتے ہیں الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ رِسَالَاتِ اللَّهِ وَيَخْشَوْنَهُ وَلَا يَخْشَوْنَ أَحَدًا إِلَّا اللَّهَ

یعنی انبیاء کے اوصاف ہیں پہنچاتے ہیں اللہ کے پیام اور اسی سے ڈرتے ہیں اور سوا اللہ

کے اور کسی سے نہیں ڈرتے اس آیت کو دیکھئے کہ فقط انبیاء کا نہ ڈرنا ہی اس میں نہیں جو کوئی
شیعوں کہنے لگے کہ قیامہ دین کے چھپانے کو کہتے ہیں کیا ضرور ہے کہ ڈر ہی کے سبب چھپاتے
ہوں بلکہ کچھ اور مصلحت ہو یہ سو یہ احتمال اول تو ان کا بھی جانتا ہے کہ کیسا نامعقول ہے پھر
با ایں ہمہ شاید کوئی اس بات میں کچھ زبان زور ہی بھی کرنا لیکن جناب باری تعالیٰ تو
علامہ الغیوث، شیعوں کی ہٹ دھرمی تو پہلے ہی سے جانتا تھا اسی لئے پہلے ہی یہ پتھر لگا دی
الذین یبلغون رسالات اللہ۔

خاتم الانبیاء کو تبلیغ کا تاکیدی امر | پھر انبیاء میں سے بھی خاص کر جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو زافاں کر حکم جدا گانہ سنایا تاکہ مزید تاکید ہو اور کوئی کسی قسم کی سستی اور بدامنت ظہور میں نہ آجائے چنانچہ سورہ حجر میں فرماتے ہیں: فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ یعنی سنا دے کھول کر دین کی بات اور مشرکین کا کچھ دھیان نہ کر، اور پھر اس کے آگے برابر تاکید پر تاکید اسی بات کی چلی جا رہی ہے کہ کہنے میں قصور نہ کر جسے شک ہو دیکھ لے اور پھر باری ہمہ سورہ احزاب میں یوں فرماتے ہیں: لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُوا اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَهُوَ غَيْرُ مُتَبَدِّلٍ یہ ہے تمہارے حق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پال ڈھال اور راہ و شہ پر رہنا اچھا ہے جسے اللہ کی اور پچھلے دن کی امید ہے، اس آیت نے ساری امت کے ذمہ یہ بات واجب کر دی جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حق بات کے کہنے اور اظہار دین میں دریغ نہیں کرتے تھے تم بھی نہ کر پھر خاص کر ائمہ تو ائمہ ہیں وہ تو تبلیغ دین اور اظہار حق ہی کے لئے بھیجے گئے ہیں بلکہ شیعوں کے نزدیک رسولوں سے زیادہ نہیں تو برابر ہی میں تو حجت ہی نہیں اور برابر ہی نہ سہی جب ایک کام پر مامور ہوئے تو اس میں اوروں سے تو زیادہ ہی کج و کاو چاہیے!

انبیاء اور ان کے نائب سب کا مقصد نذار و تبشیر ہے۔ معذرا خداوند کریم فرماتے ہیں وَعَاشِرُ سَلَامٍ
 اَمْرٌ سَلَامٍ اِلَّا مَبْشِرٍ وَّمُنْذِرٍ۔ یعنی ہم نہیں بھیجتے مرسلین کو مگر فقط بشارت
 دینے اور ڈرانے کے لئے، اور مرسلین کلام اللہ کی اصطلاح کے موافق فقط پیغمبر ہی کو نہیں
 کہتے بلکہ جو خدا کے احکام پہنچائے پیغمبر ہو یا نائب پیغمبر خواجہ سورہ یسین میں جَوْنَاللّٰہِکُمْ

فہرست سلوک ہے اس سے نابان حضرت عیسیٰ مراد ہیں حالانکہ وہ بنی نہ تھے نائب بنی
تھے اور امام کے خود دی ہی معنی ہیں شیعوں کے نزدیک کہ نائب بنی ہونے والی کوئی یوں
کے کہ حضرت کے یاروں کو جو رسول کہا تو بایں معنی کہ وہ حضرت عیسیٰ کے بھیجے ہوئے تھے
اور آیت **وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِينَ** میں مراد ہیں جو خدا کے بھیجے ہوئے ہوں تو اس کا جواب یہ ہے
کہ حضرت عیسیٰ کے نائبوں کے بھیجنے کو بھی خداوند کریم نے اپنی طرف نسبت کیا اور یوں فرمایا
ہے **إِنَّا رَسَلْنَا إِلَيْهِمُ اثْنَيْنِ** یعنی ہم نے بھیجا اور یوں نہیں فرمایا کہ عیسیٰ نے بھیجا جب
حضرت عیسیٰ کے نائبوں کو خداوند کریم اپنا بھیجا ہوا مرسل کہے تو ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم
کے نائب تو اس کے بھیجے ہوئے کیوں نہ ہوں گے اور جب اس کے بھیجے ہوئے اور مرسل
ہوئے تو موافق آیت مذکورہ **وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِينَ** ان کا کام بھی یہی ہے بشارت اور
ڈرانا۔ پھر اب فرمائیے کہ تفسیر کہاں سے آگیا؟ ہم سے تو نہیں ہو سکتا کہ مخالف الال کہ جناب سرور
کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اور ائمہ اہل بیت یوں گمان بھی کریں کہ وہ فرمودہ الہی میں
سرور بھی تفاوت کرتے ہوں ہمت تن اہلہا دین میں مشغول تھے اور کیوں نہ ہوں اول تو
آیت مذکورہ سے خود مترشح ہے کہ پیغمبر تبلیغ رسالت میں قصور نہیں کرتے پھر نائب
کیونکہ اخفا کرینگے۔ نہیں تو پھر نائب ہی کیسا ہوئے اور مخالف ہوئے (جیسے لکھے
کے مٹانے والے)۔

۱۰ آنحضرت کی بعثت کا مقصد ہی انہما دین تھا اور سب جناب باری تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بھیجنے کی غرض یہی بیان فرماتے ہیں کہ انہما دین کے لئے ان کو بھیجا ہے سورہ فتح اور سورہ صافات اور سورہ توبہ میں ہے **هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظَاهِرَ عَلَىٰ الْأَذِينِ حَتَّىٰ يَمُوتَ** مطلب یہ ہے کہ خدا ہی نے بھیجا ہے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق دیکر تاکہ سارے دینوں پر غالب اور ظاہر کر دے، اب سنئے کہ انہما دین اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اس آیت میں منسوب ہے تب تو مطلب ظاہر ہے اور اگر یہ مطلب ہے کہ انہما دین خدا ہی کو کرنا مقرر تھا پھر اس طور پر اور اس سامان سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا سو کچھ دین کی ترقی ان کے سبب ہوئی وہ سب خدا

ہی نے کی ممکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یح میں ایسے مجھے جیسے کاریگر اور کار کے بیچ میں آلات ہوتے ہیں تو اس صورت میں مطلب ظاہر کیا اظہر ہے کیونکہ خدا کا ارادہ اہل ہدایت کا ہوگا تو پھر کون چھپا سکے گا بلکہ اس آیت میں ایک دلیل کامل برسنیوں کے مذہب کی حقیقت کی کیونکہ در صورت تفسیر شیعہ جو سنی بن جاتے ہیں تو ظاہر میں دین اہل سنت ہوتا ہے اور باطن میں مذہب شیعہ تو مذہب اہل سنت کو دین حق ٹھہرا اس لئے کہ لفظ ظہر میں جو ضمیر ہے تو دین الحق کی طرف راجع ہے اور مذہب شیعہ علی الدین کلمہ میں داخل رہا۔ اور ظاہر ہے کہ ماسوا دین حق کے سب دین باطل ہیں اور اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ یہ اظہار جو اس آیت سے مقصود ہے وہ حضرت امام ہمدی کے زمانے سے پہلے ہونا چاہیے جو جسے اس کی یہ ہے کہ غالب ہونے کے لئے دو چیزیں ہونی چاہئیں ایک غالب ایک مغلوب، ایسے ہی ایک چیز جو ایک چیز سے ظاہر ہو تو وہ دوسری بھی ہونی چاہیے اور سو اس آیت میں ظاہر ہے علی الدین کلمہ بھی لفظ ظہر کے ساتھ ہے اور اس کے ملنے سے یہ معنی ہو گئے ہیں کہ اور دینوں سے یہ دین ظاہر ہو گا نہ کہ اور دین باقی ہی نہ ہیں گے سو حضرت امام کے وقت میں شیعہ ہی فرمادیں کہ اور دین رہے گا یا نہیں؟ لفظ ظہر اور اسل سے متعلق ہے تو وہ اظہار ارسال کے متصل ہی چاہیئے سو ایسا اظہار سو مذہب اہل سنت کے اور کسی دین کو اب تک میسر نہیں آیا شیعہ ہی فرمائیں کہ میں جھوٹ کہتا ہوں یا سچ ہے؟ اس کے بعد ہر خنداب کچھ ضرورت نہیں کہ منقولات میں سے ابطال تفسیر کی کوئی سند اور بیان کی جائے۔

تبلیغ دین انبیاء و ائمہ پر فرض ہے | لیکن مزید توضیح کے لئے اتنا اور معروض ہے کہ جب تک نبی مبعوث ہو تا ہے تو اول دفعہ تو وہ اکیلا ہی ہوتا ہے اگر وہ انجما حق نہ کرے اور بالکل چمکا بیٹھ رہے تو فرض تبلیغ احکام اس کے ذمہ نہ جائے اور فریضہ تبلیغ احکام کی انبیاء اور درویشوں اور علماء کے ذمہ سب کے نزدیک مسلم ہے اور کسی اور پر نہ ہو سہارے پیغمبر ہزار الزماں صلی اللہ علیہ وسلم پر تبلیغ احکام کی فریضہ اس آیت سے واضح گات ہے ۔

يَا أَيُّهَا الرُّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ وَإِنْ كُنْتَ تَفْعَلُ فَمَا بَلَّغْتَ
رِسَالَةَ اللَّهِ عَيْنِ اے رسول پہنچا دے جو کچھ میری طرف نازل کیا گیا ہے تیرے رب کی طرف سے

اور اگر نہ کیا تو لوٹے کچھ نہ پہنچا یا اس کا پیغام، اسی طرح اور لوگوں کو فرما کے ہیں۔
 وَلَنُكَلِّمَنَّ مِنْكُمْ آتَمَةً يَدْخُلُونَ إِلَى الْغَيْبِ وَيَا مُزَوِّقُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ
 عَنْ الْمُنْكَرِ لِيَعْلَمَ أُولَئِكَ مَا فِيكُمْ لَقَدْ عَلِمْتُمْ لِقَاءَ رَبِّكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ
 اچھی بات کا اور منع کرتی ناپسند کو، سو یہ حکم ظاہر ہے کہ معروف اور منکر کے جاننے والوں
 کو ہے سو اسی کا نام عالم اور درویش ہے جتنا کوئی زیادہ جانے و تخی ہی اس کے ذمہ
 فرضیت زیادہ ہوگی۔ سو اماموں سے زیادہ اس باب میں اور کون ہو گا بآلہ اگر انبیاء، مہر کو
 منع پر لگا کر بیٹھ رہیں اور سرے سے منہ کھولیں ہی نہیں تب تو انبیاء کا گنہگار ہونا لازم آئے
 گا اور اگر احکام الہی پہنچائیں تو ظاہر ہے کہ احکام الہی تو نفس کے خلاف ہی ہوں گے۔ اسی
 واسطے مطیع و فرمان بردار کوئی کوئی ہوتا ہے ورنہ پھر بد بخت کوئی کوئی ہوتا اور جب نفس
 کے خلاف کوئی بات کہتا ہے تو لاکھوں سے ایک تو مثل الوبکر صدیق کے بے کھٹکے مانتا ہے ورنہ
 سو سو محتبین نکلتے ہیں بلکہ آئے دشمن ہو جاتے ہیں پھر اس وقت اگر آدمی لوگوں کی بدگوئی اور
 ایذا رسانی سے ہٹ رہے تو اس میں اور دنیا داروں میں کیا فرق رہا ہر کوئی اس کو مطلب کا
 یا سمجھ کر دینی تکذیب پر کمر باندھے گا اور جو ساتھ ہو گئے تھے وہ ہٹ رہیں گے جو دین کی خیریت
 ہوئی اور نہ تو بھی ختم ہوئی اور اگر ایسے وقت میں پکارا اور لوگوں کی بدگوئی اور نقصان جان و
 مال سے نہ ڈرے تو آگے پھر آسانی کا وقت ہے اللہ کا وعدہ ہے کہ بعد شدت اور کلفت کے
 نصرت بھیجتا ہے چنانچہ آیت اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ الْخَالِدِينَ فِيهَا بَلْ لَمْ يَكُنْ
 لَكُمْ فِئْرَةٌ عَلَيْهِمْ فَلَمَّا سَلُّوا مِنْهُ خُذُوا مِنْ مَّا رَكِبْتُمْ مِنْ قَبْلُ فَاُولَئِكَ يَنْزِلُ عَلَيْهِمْ
 السَّيْرُ فَسَوْفَ يَكُونُ خَالِدِينَ فِيهَا اُولَئِكَ يَكُونُ لَكُمْ فِيهِمْ عَذَابٌ اَلِيمٌ
 کی معصوم نہیں ہوتی اور چونکہ اللہ ہدی بھی نایاب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم میں اور نائب کا
 وہی کام ہوتا ہے جس کام کے لئے منیب ہوا کرتا ہے تو بیشک تبلیغ احکام ان کے ذمہ میں۔
 فرض ہوگی اور ان کی کیا تخصیص ہے سب ہی پر فرض ہے۔ چنانچہ ابھی مرقوم ہوا لیکن یہ خاص
 اسی کام کے لئے ہوتے ہیں اور پھر اللہ ہدی معصوم بھی ہیں صدور گناہ کا احتمال نہیں تو ان
 سے بھی تقیہ کا ہونا ممکن نہیں جیسے کہ انبیاء سے ممکن نہیں۔

آنحضرت کی مکی زندگی تقیہ کا استعمال ہے اسو بفضلہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 اور انبیاء کے احوال کے مطابق کرنے سے یہ نہیں معام ہوتا ہے کہ حق گوئی میں اہوں قدر برابر
 دروغ نہیں کیا بلکہ اس سبب جان و مال عزت و اکبر و سب کو برباد کیا ہے اور اپنی بات
 سے نہیں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حال تو ظاہر ہے سب اہل اسلام نے
 سنا ہو گا، آپ کی انداؤں کی نوبت یہاں تک پہنچی ہے کہ ساہا سال تک کفار نے ذات
 برادری سے نکالے رکھا مکہ سے باہر ٹرے ہے یہ عبد کر لیا تھا کہ ان سے مذکوئی بیع و شرا کرے نہ ان
 کا کوئی کام مزدوری غیر مزدوری سے کر دے اور زبانی طعن و تشنیع اور دشنام اور دست
 در زبانی توجہ رہیں۔ آخر یہ ہوا کہ قتل کا ارادہ ہوا اور آپ چھپ کر مدینہ منورہ کو تشریف
 لے گئے۔ اگر تقیہ فرض کیا درست بھی ہوتا تو آپ کیوں اتنے مصائب اٹھائے اور کیوں بیت اللہ
 جیس اشرف چیز کو چھوڑ کر آئے ابولہب اور ابوجہل کیوں دشمن ہوئے برائے خدا کوئی تیار ہے
 تو ہسی کہ ان ملعونوں کو سوائے حق گوئی کے اپنے اور کیا ستا یا تھا زمین ملک ان کے نہیں
 رہا تھے ملک و دولت ان کے نہیں چھین لئے تھے علی ہذا القیاس حضرت ابراہیم علیہ السلام
 جو آگ میں ڈالے گئے اور ہجرت کر کے وطن سے چلے آئے تو اپنے سوا حق گوئی اور اخبار حق کے
 اور کیا گناہ کیا تھا بآلہ مثل آفتاب روشن ہو گیا کہ انبیاء نے تقیہ کیا اور نہ ان سے
 تقیہ ہو سکے۔

علی ہذا القیاس جو ان کے نائب ہیں نہ انھوں نے تقیہ کیا نہ ان سے ہو سکے، چنانچہ
 حضرت ام حسین سید الشہداء کی جان نازنین پر جو کچھ گذرا وہ سب جانتے ہیں باشت
 اس کا فقط حق گوئی تھا ورنہ یزید کا کہہ دیتے تو جان کی جان بچی اور الٰہی مال و دولت اور
 اسرار و اکرام ہوتا اور حضرت امام الزکریا حضرت امیر کا امیر معاویہ سے لڑنا سب پر روشن ہے
 سوائے ان کے اور اماموں کا حال بھی سنا ہو گا کہ سلاطین سفاک کجا تھے سے کیا کیا ایذا میں
 ان کے نصیب ہوئے قید خانوں میں محبوس رہے اگر تقیہ کر لیتے تو کیوں یہ ذلت اور خواری
 او کیوں یہ محنت و دشواری اٹھائے یاں عوام مومنین کی نسبت اگر کوئی کہے تو فرضیت
 تو درکنار البتہ ہوا معلوم ہوتا ہے اگر عذر قمر واقعی ہو، مثلاً لڑکے اور عورتیں اور اندھے

اور لنگر سے اور اپنا حج اور قیدی اور سوا اس کے جو کوئی ایسا ہی پاچار ہو تو اس کو بقدر ضرورت کفار سے موافقت جائز ہے بشرطیکہ جان کا یا کسی عضو کا اندیشہ ہو اپنی یا اپنی اولاد یا مال باپ وغیرہ کا اور اگر کچھ یونہی تکلیف کا اندیشہ ہو جسے تحمل کر کے تو پھر کفار سے موافقت کرنی ہرگز جائز نہیں۔

صبر کے فضائل اور ترغیب جس سے اور بایں ہمہ پھر ثواب اس میں ہے کہ تقیہ نہ کرے تقیہ کی حقیقت کھاتی ہے۔ کیونکہ صبر کی جو باتیں تعریفیں کتاب اللہ میں آئی ہیں تو ایسوں ہی کے واسطے ہیں نہیں تو تقیہ میں کیا ایذا تھی جو صبر کی ضرورت ہوتی اس میں تو لاوا اور متغیر میتہ آتے ہیں اور حضرت اور قبلین جاتے ہیں اسی لئے کلام اللہ میں صبر کی تاکید ہے اتنی کسی اور چیز کی نہیں۔ وَالْعَصَىٰ إِنَّ الْاُكُلَ سَاكِنًا لَّحَيَّ خَشِيَ اَللّٰهُ لِيُنْزِلَ اَمْنًا وَّعَمَلُوا الصّٰلِحٰتِ وَكُوْنُوْا صٰوِبًا حَقّٰی وَكُوْنُوْا صٰوِبًا صٰبِرٍ لِّعِضِّ سَبِّ اِنْسَانٍ مِّنْ مِّنْ هٰٓؤُلَاءِ مَنۡ يَّهْتَدِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ اور اچھے عمل کئے اور آپس میں ایک دوسرے کو حق گوئی اور حق پر قائم رہنے اور صبر کی نصیحت کی رشتہوں کے مذہب میں حق گوئی تو کہاں حق کے دبا لینے کی تاکید ہے۔ ابو بکر صدیق کو تو ایک فدک کے دبا لینے میں اس قدر برا کہتے ہیں یہ جو تمام حق خداوندی یعنی دین حق کے دبا لینے کی فرضیت کے قابل ہیں ان پر کتنے ہزار لعنت چاہیے اور سوا اس کے اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الصّٰبِرِیْنَ وَاصْبِرْ وَاٰخِرُ اٰیٰتِ صَبْرٍ سے کلام اللہ سمجھا ہوا ہے اگر تقیہ فرض ہو تو صبر کوڑی کے کام کا بھی نہ تھا۔ معاذ کہیں ایک جگہ گواس کا حکم آیا بالجملا اگر تقیہ کہیں ہے بھی تو عوام کے واسطے ہے اور ان میں بھی مغدوروں کے لئے نہ برکسی کے لئے اور ان کے واسطے بھی جان کے خوف میں اور وہ بھی جائز ہے واجب نہیں بلکہ ثواب کی بات یہی ہے کہ نہ کرے اور کرے بھی تو واجب ہے کہ بقدر ضرورت کرے۔

جہاں اظہار حق نہ ہو سکے ہجرت واجب ہے اور عین حالت تقیہ ہجرت کی فکر میں ہے اور جب قدرت پائے آگے بچا کر کہیں ایسی جگہ بھاگ جائے جہاں اظہار حق سے کوئی مانع نہ ہو کیونکہ کلام اللہ میں ہجرت کی برابر تاکیدیں بھری ہوئی ہیں۔ اِنَّ اَرْضِیْ وَاَسْعَدَ

حَیٰ اٰی قٰعْبِدُوْنَ۔ یعنی میری زمین واسعہ ہے گھر کی کیا تخصیص ہے جہاں بن پڑے وہاں ہی چلے جاؤ اور میری ہی عبادت کرو۔ دوسرے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ كُوْنُوْهُمْ اَلْمُلَاٰئِكَةُ ظٰلِمِیْ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْٓا فِیْمَ كُنْتُمْ وَاَلُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِیْنَ فِی الْاَرْضِ قَالُوْا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاَسْعٰۤہُ فَنُفَا حِیْرًا وَاَفِیْہَا فَاَوْثٰیكُ مَا وَعَدَ جَهَنَّمَ وَاَسَاۤءُثُ مَصْنُوْعًا۔ یعنی ہولوگ ملائکہ ان کی جانیں قبض کرتے ہیں اور وہ ہجرت کے مقدم میں تقصیر تھے تو فرشتے ان سے کہتے ہیں تم کس کام میں تھے؟ اور کہتے ہیں کہ ہم ضعیف تھے بے بس ایک زمین میں پڑے تھے فرشتے کہتے ہیں کیا اللہ کی زمین اسع نہ تھی جو تم ہجرت کر لیتے سو ایسے لوگوں کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ بری جگہ ہے انجام کی۔ اور سوا ان آیات کے اور بہت آیات میں ہجرت کا حکم ہے سو ہجرت کا حکم اسی اندیشہ سے ہوتا ہے کہ احکام دینی ظاہر نہیں ہو سکا کرتے بالجملا عوام کو یہ بشرط مذکورہ جائز ہو واجب نہیں اور نہ ایسے ہی ہٹے کنٹوں کو جو زمین میں لات ماریں تو بانی نکل آئے ہرگز اخفا حق جائز نہیں ان کو یہ لازم ہے کہ اگر وطن میں یا جہاں کہیں وہ ہوں اظہار حق نہ کر سکیں تو وطن چھوڑ کر چلے جائیں۔

اگرہ میں بھی اظہار حق افضل ہے۔ چنانچہ آیہ لَا تَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ اَلْكَافِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِّنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِیْ شَیْءٍ اِلَّا اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰۤہً وَیُحْذِرْكُمْ اللّٰهُ نَفْسَہٗ وَاٰلِیَ اللّٰہِ الْمَصْبُوْرَ فقط اتنی ہی اجازت بردالت کرتی ہے کہ اپنا بچاؤ کر لو پھر کفار سے موافقت اور دوستی مت کرو ہو بچاؤ تو یوں بھی ہو سکتا ہے کہ آدمی اس جگہ سے چلے لیکن خاطر کے لئے معنی ساری آیت کے لکھے دیتا ہوں حاصل یہ ہو کہ مومن کافروں کو اپنا دوست نہ بنائیں اور ان سے موافقت اور صلح نہ رکھیں مومنوں کو سوا خدا کے اور کسی کی موافقت اور دوستی نہیں چاہی اور جو ایسا کرے گا وہ اللہ کے حساب سے کسی شمار میں نہیں گہراں یہ ہمیں اختیار ہے کہ چھوڑنا بچاؤ کر لو اور پھر یہ ہو کہ اللہ اپنے آپ سے ڈرائے ہے اور پھر اللہ کی طرف سب کا ٹھکانا ہے یعنی مجھ سے ڈرنا چاہیے کہ میری طرف آتا ہے کافروں سے کیا ڈرتے ہو ان سے موافقت تو

جب کر لے جب ان کی طرف نہیں جانا ہوتا فقط ہاں اگر آدمی ان کے بچوں میں
پھنس جائے محسوس ہو یا مثل محسوس کے جیسے اندھے اپنا جھنگڑے لوئے لڑکے بچے
عورتیں بیمار اور پھر تپسہ کفار زبردستی بھی کریں اور وہ زبردستی بھی ایسی ہو کہ عادت
کے موافق اس کو اٹھا نہیں سکتا جیسے قید و قتل تو خیر اختیار ہے اگرچہ ثواب اس میں ہے
کھل کھلے کیونکہ ہکا من لکری کا قلبہ مضطرب بنا کر بچان سے فقط اجازت ہی
معلوم ہوتی ہے کہ اگر وہ کی صورت میں فقط بظاہر ہوا افت کر لے۔ سو اگر وہ اسے ہی کہتے
ہیں جو مذکور ہو لیکن ان آیات سے جو خدا کی راہ میں مارے جانے کے فضائل ان میں بیان
ہیں یوں معلوم ہوتا ہے کہ ثواب ہمارا ہی میں ہے۔

سیدنا ابراہیم کے کسی واقعہ سے (خفا میں) ثابت نہیں ابائی حضرت ابراہیم کا جھوٹ بول کوئی زبان
پر لائے تو کمال بے حیائی کی بات ہے انہوں نے بظاہر جھوٹ بولا، حقیقت میں جھوٹ نہیں
بولا قصہ ان کا معروف ہے معلوم ہو جائے گا۔ جب حضرت ابراہیم نے اپنی قوم کو سمجھانا شروع
کیا اور بت پرستی سے منع کیا اور بتوں کی ہجو کرنی شروع کر دی تو حضرت کے باپ ہی
اول تو مخالف ہو گئے اور ان کا کہنا ماننا تو دور کرنا ان کو دھمکانا شروع کیا یہ اس فکر میں تھے
کہ کسی طرح ان کے بتوں کو توڑیے اتفاقاً کفار کی عید کا دن آگیا لوگ ان کے پاس بھی آئے
کہ چلو انھوں نے ستاروں کی طرف دیکھ کے یا کتاب (نجوم کی) دیکھ کے یوں فرمایا کہ میں
بیمار ہوں والا ہوں کفار نے سمجھا کہ جیسے ہم نجوم کا اعتبار کرتے ہیں یہ بھی نجوم کو مانتے ہیں
سو انہیں نجوم کی راہ سے کچھ یوں معلوم ہوا ہے کہ میں جاؤں گا تو بیمار ہو جاؤں گا اور بیماریاں
حقیقت میں ستاروں کی کتاب کو برائے نام ہی دیکھا تھا اور یہ تو کہتا تھا کہ میں بیمار ہو جاؤں گا، یا تو کچھ ایسا ہی
ہونے لگا یا آدمی بیمار ہو رہی کرتے ہیں اور یہ ان سے کہا ہی نہ تھا کہ مجھے ستاروں کے حساب سے
معلوم ہوتا ہے کہ میں بیمار ہو جاؤں گا جو جھوٹ ہوتا تھا۔ وہ یہی سمجھ گئے کہ انہیں نجوم سے
یہ بات معلوم ہوئی جب وہ اپنی عید میں چلے گئے تو انہوں نے ان کے سب بتوں کو
مکڑے مکڑے کر ڈالا پر ایک بڑے بت کو کچھ نہ کہا۔

آخر جب کفار ہٹ کر آئے تو انہیں خبر ہوئی انہیں ہی اپنے بتوں کا دشمن سمجھتے تھے

سوا نہیں ہی پکڑا ان لئے جو پکڑا ہوا ہوں نے استہزاء کے طور پر کہا کہ صاحب اس بت سے
بت نے یہ کام کیا ہے سو یہ دوسرا جھوٹ ہے کہ جسے کوئی دیوانہ بھی یوں نہ کہے کہ یہ ایسا جھوٹ
ہے جسے ہم جھوٹ سمجھتے ہیں بلکہ ایسی بات ہمارے محاورہ میں بڑا سچ لگتا ہے ان دونوں
قصوں کو غور کیجئے اور پھر فرمائیے کہ یہ اخفاء حق ہے یا اظہار حق ہے اس سے زیادہ کیا ہو گا کہ
اسی کام کی بدولت آگ میں ڈالے گئے خاص کر یوں کہنا کہ بڑے نے کیا ہے یہ جھوٹ کیا سچ
سے بھی زیادہ اصلی مطلب پر دلالت کرتا ہے سب جانتے ہیں کہ یہ جواب کیا تھا ایک پڑانا تھا۔
ایسے میں تو ان کو غصہ نہ آتا تب اتنا اور حقیقت میں چھپاتے تو دین کو اس وقت چھپاتے، سو
چھپانا تو دور کنار حضرت نے اول تو ان کو چڑایا اور پھر کیا کیا سوال جواب کئے کہ رسم کا حوصلہ
نہیں جو ایسے وقت میں ایسی بات کہے اور اول دفعہ جو ان کو نجوم کی طرف دیکھ کر دھوکا دیا تو
کچھ جان کا بچاؤ آپ کو مد نظر نہ تھا مال کا بچاؤ آپ کو مد نظر نہ تھا اگر آپ کا پاس کچھ نہ تھا بلکہ اپنی
جان کے کھوئے کا شوق لگا تھا فقط مطلب اتنا تھا کہ یہ جائیں تو تنہائی میں ان کے بت
مکڑے کے جائیں سو یہ کام کرنا جان پر کھیننا تھا ہاں اس کے ساتھ یہ بھی ہو کہ رسوم کفار
اور ان کی عبادت اور اشعار سے بھی کیسور ہیں بہر حال یہ جاننا ہی کا سامان تھا۔ اور
جاننا ہی کو تعلق نہ کہنا ایسوں ہی کا کام ہے کہ جنکو دم کی اور ناک کی تیز نہ ہو۔

اخفاء علاقہ نزوحیت اخفاء دین نہیں ہے بارے رہا بے جھوٹ وہ یہ ہے کہ حضرت اپنی پوری
سارہ کو لئے ہوئے ہجرت کئے ہوئے جاتے تھے ایک بستی میں جا کر پہنچے جہاں کا عالم بڑا ظالم اور
نہایت زانی تھا اس کے شیطانی لشکر میں سے کسی نے حضرت سارہ کے حسن و جمال کی خبر کر لی
اس مردود نے ان کو بلوا بھیجا تب حضرت ابراہیم نے بایں خیال کہ اگر اس مردود کو حضرت سارہ
کا کچھ زیادہ خیال ہو تو یوں سمجھ کر کفار و مذکور سب زیادہ غیرت ہوئی ہے ایسا نہ ہو چھپا کریں
مجھ کو مرنا ڈالے۔ جب حضرت سارہ کے لئے جانے کو اس کے پیادہ آگئے تو یوں فرمایا کہ لے
سارہ اگر وہ ظالم تجھ سے پوچھے تو یوں کہنا کہ میں ابراہیم کی بہن ہوں کیوں میں تو دونوں بی بی
بہن بھائی ہیں معہذا حضرت سارہ حضرت ابراہیم کے چچا کی بیٹی بھی تھیں تو یہ بھی حقیقت میں
جھوٹ نہ تھا اور اگر بالفرض والتقدیر یہ کہنا جھوٹ ہی تھا تب دین کا اخفاء تو نہ تھا اگر اخفاء

تھا تو علاقہ رز و جنت کا انفرادی تھا اور وہ بھی بایں غرض کہ یہ جان جو حق کوئی نہیں جانتے تھے
لائی ہے ایسا نہ ہو کہ ایسے قصہ میں جائے اور خدا کی راہ میں جان نثاری کا ارمان دل کا دل
میں رہ جائے غرض اس جگہ جان کا بچانا بھی اسی لئے تھا کہ کل کو انہما حق کروں اور نہلا کیے
کام میں جان دوں ایسے قصہ میں نہروں۔ بالجمہ حضرت ابراہیم کے معاملات سے تعلقہ کا تھا
کہ نہ کمال دانشمندی اور خوش فہمی پر دلالت کرتا ہے علی ہذا القیاس جناب سرور کائنات صلی اللہ
علیہ وسلم کا ہجرت کر جانا اور غارتوں میں پھنپنا یہ سب کاسب انہما حق کے باعث تھا، ورنہ ابو جہل
اور کفار مکہ کی موافقت میں تو کچھ زبانی ہی نہ تھا۔ اس کو تفتہ کہنا اس سے بھی بڑھ کر ہے
ایسا تفتہ یہ بھی ہے کہ آدمی دشمن کے وار کو ڈھال سے روکنا ہے اگر بچاؤ کر لینے کے معنی
تفتہ ہے تو یہ تو عین انہما حق ہے کیونکہ بچاؤ کی وجہ ہی ضرورت پڑتی ہے کہ دوسرا
کوئی درپے ایل نہ ہو۔

بچاؤ اور تفتہ میں فرق عظیم ہے اس مقام پر ہر کسی نے غالباً تفتہ شیعہ اور بچاؤ میں فرق
سمجھ لیا ہو گا پر مزید توضیح کے لئے میں بھی کچھ عرض کئے دیتا ہوں تفتہ مصطلح شیعہ میں
دشمن کے دل سے خیال اندازی کل جلتے ہے کیونکہ تفتہ میں تو اپنے مذہب کا فقط بدل
لینا اور اپنے آپ کو ہم مذہب دشمن بنالینا ہوتا ہے سو چونکہ اختلاف مذہب میں دشمنی
دینی کے باعث تفتہ کی ضرورت ہوتی ہے تو در صورت تبدیل مذہب دشمنی ہی نہ رہے
گی بلکہ برعکس دوستی بن جائے گی اور بچاؤ کی صورت میں دشمنی اور بڑھ جاتی ہے اور
خیال انداز سانی دوبالا ہو جاتا ہے کیونکہ آدمی کا قاعدہ ہے کہ جب تک دشمن اپنے قابو
میں رہتا ہے اور ایسا موقع ہوتا ہے کہ اس کو اندازے سکین تو اس کا دل تو کچھ چنداں شک
نہیں ہوتا دوسرے لوگوں نے فکری ہوئی ہے کہ جب چاہیں گے اسے ذلیل و خوار کر دیں گے
تیسرے جب وہ کچھ اپنا بچاؤ کر لیتا ہے تو پھر اپنا بھی اندیشہ ہوتا ہے کہ مبادا اب یہ ہم پر
وارد نہ کرے تو ان وجوہ سے اعلا کو خیال انداز سانی نامقدور زیادہ ہوتا ہے۔ ایسے میں
جو کچھ ان سے بن پڑتا ہے دینے نہیں کیا کرتے تو اس صورت میں مقربان الہی کو سخت
مہیبت پیش کیا کرتی ہے بالجمہ یہ فرق لطیف یاد رکھنا چاہیے کہ بہت کارآمد ہے۔

حضرت امیر زعم شیعہ سنت احمدی و ابوبکر حب یہ بات مقرر ہو چکی تو اب اہل الصفات
دوسوی پر عمل پیرا نہ ہو سکے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال کو جو
منہ کام قیام مکہ مغلطہ اور اثنائے ہجرت میں پیش آئے حضرت امیر کے احوال سے جو بعد
وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیش آئے ملا کر دیکھیں اگر اصحاب کرام مرید ہو گئے
تھے تو بیشک حضرت امیر بھی حکم متابعت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ ویسے ہی پیش
آتے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابو جہل اور امیہ بن خلف وغیرہم سے پیش آئے اور آپ بھی
وہ سامنے گذرتے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر گزرتے آخر کو ایک نہ ایک دن تو نوبت
ہجرت پہونچتی اور سنت احمدی اور سنت ابراہیمی اور سنت موسوی کی تکمیل ہو جاتی۔ لیکن
شکایت تو یہ ہے کہ حضرت امیر نے کبھی منہ کھول کر ایک نکتہ بھی یوں نہ فرمایا کہ میں دین
حق پر ہوں اور تم دین باطل پر اور اگر آپ نے انہما حق کیا تو دو حال سے خالی نہیں کہ
یا اصحاب نے انکار فرمایا تسلیم کر لیا تب تو تفتہ کی کیا ضرورت اور ان پر کیا اعتراض ہے بلکہ جو
کچھ نہوں نے کیا وہ عین موافق مرضی مرتضوی ہوا اور نہ مانا تو کیا سبب کہ ایسے دشمن کو کسی
قسم کی انداز دہی اور گریوں کہیں کہ سبب شجاعت مرتضوی یا امداد خداوندی کے وہ کچھ انداز
نہیں پاسکے تو اول تو یہ خلاف معقول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کون سے حضرت امیر سے
کم تھے جو آپ پر یہ آفتیں آئیں حاشا دکھلا جو حضرت امیر نے کبھی تفتہ کیا ہوا اگر تفتہ کرتے تو مکہ
مغلطہ ہی میں کرتے اور کبھی کیا ہوتا تو امیر معاویہ کے ساتھ ضرور کر لیتے بہت ہوتا تو یہ ہوتا
کہ تو تان عثمان فارے جاتے وہ کون سے آپ کو ایسے عزت تھے کہ جن کے پاس و لحاظ میں اتنے
کچھ ضرور فساد کے دین میں رداد رہوئے۔

حضرت سید الشہداء نے تو بے گناہوں کو اور وہ بے گناہ بھی کیسے کہ اپنے قوت
بازو اور اپنے تخت جگر کو اس دین ہی کی بابت قتل کروایا اور اپنے آپ بھی جان بحق ہوئے اور
زن و فرزند ننگ و ناموس کا بھی کچھ لحاظ نہ فرمایا حالانکہ یہ سبشت و خون بظاہر لا حاصل تھا
تیس ہزار آدمیوں کے مقابلہ میں اتنے آدمیوں اور اس بے سرو سامانی پر کیا امیر کا میاں بی
حقی بخلاف حضرت امیر کے کہ وہ اگر قاتلان عثمان غنی کو امیر معاویہ کے حوالہ کر دیتے تو خلافت کی خلافت

بنی تری ایک باکی جو مفیدین تھا اپنا میلطع و مفاد ہو جاتا دین کی ترقی ہوتی اور پھر یا انہیں کچھ بے جا بھی نہ تھا آخر قاتلان حضرت عثمان غلام تھے مظلوم نہ تھے اور نہ سہی ہماریاں امام الشہداء کے برابر تو بے گناہ بھی نہ تھے حتیٰ یوں ہے کہ یہ سب تہمت اخفاء حق اور عیب نامردہ پن ان حضرات شیعہ کا لگا یا ہوا ہے سب احکام ہذا جھٹلان عظیم۔

دوران خلافت میں بھی امیر پر تقیہ واجب تھا اور طرفہ تر شیعوں کا گزشتہ اور سنئے میر تقی جو بڑے محقق مذہب شیعہ میں وہ اس بات کے بھی قائل ہیں کہ حضرت امیرؓ اپنی خلافت اور حکومت کے زمانے میں بھی تقیہ باقی تھا، الہی یہ تقیہ نہ ہو ایک جان کا وبال ہو کسی راہ حضرت امیرؓ کا بچھا چھوٹا ہی نہیں بگر کوئی ان سے پوچھے کہ اگر اس وقت بھی تقیہ ان پر واجب تھا تو امیر معاویہ کو کیوں معزول کیا حضرت تو پہلے سے ان سے ڈریں تھے۔ اور فرمایا کرتے تھے کہ اس شخص کا مکر بہت بڑا ہے حالانکہ مغیرہ بن شعبہ اور عبداللہ بن عباس کی صلاح بھی یہی تھی کہ ابھی معزول نہ فرمائیے بعد استقامت معزول فرمائیے گا مگر اپنے زمانا اور یہ نہ ماننا آخر کو موجب کیا کیا خرابیوں کا ہوا یہ سب شیعوں ہی کی کتابوں میں ہے۔

سید مرتضیٰ صاحب کی دلیل سنئے۔ وہ فرماتے ہیں کہ خلافت مرتضوی برلئے نام تھی امیر معاویہ ہمیشہ ان سے لڑتے رہے مہندآپ کی فوج اور آپ کے ساتھی اکثر اولاد صحابہ تھے جو آپ کے دشمن جان گذرے ہیں اور ان کے دل میں خلیفہ اول اور ثانی کا عدل اور فضل جا ہوا تھا اگر حضرت امیر اس وقت کا مینبعی اظہار حق کرتے تو بہت دشواری ہو جاتی گمان غالب تھا کہ فوج بھی پھر جاتی اس سبب سے عالم خلافت میں بھی ان پر تقیہ واجب تھا اور اظہار حق حرام،

اس اعتقاد میں ہر چند سید مرتضیٰ نے تمام امامیوں کا خلاف کیا ہے کیونکہ وہ سب اس بات کے قائل ہیں کہ قبل خلافت آپ پر تقیہ واجب تھا اور بعد خلافت آپ پر بھی حرام تھا لیکن بزرع خود بڑی دور اندیشی اور کمال چالاک کی کمری تھی پر خدا نے چلنے نہ دی۔

خلافت امیر میں تقیہ کے بہتان کا پس منظر انہوں نے اپنے عننیہ میں اس کا بجا کیا تھا کہ مراد کوئی سنی حضرت کے ایام خلافت کے خطبوں اور ملفوظات کو جن میں اصحاب کرام خصوصاً

خلیفہ اول اور خلیفہ ثانی کی تعریف ہے دیکھ کر ناک میں دم کرے یا یہ گرفت کر بیٹے کر دین شیعہ حق ہے تو حضرت امیر کی خلافت تو سب میں اخیر تھی آپ نے کیوں نہ اس کو شائع ذائع کیا اگر آپ دین شیعہ کو رواج دیتے اور اسے مشہور کرتے تو روئے زمین میں کابین ہوا اور سینوں کا دین نیست و نابود ہو جاتا۔ جیسے ابو بکر اور عمر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کو تمہارے گمان کے موافق نیست و نابود کر دیا اور اپنا ساختہ پروا ختم مروج کر دیا اور آپ کے بعد کسی نے دین کے باب میں چنداں کج کا نہیں کیا سو آپ ہی کا دین باقی رہنا چاہیے تھا القہر حضرت امیرؓ میں خلیفہ ہوئے تھے یہ بات دین کی ترقی کے لئے ایسی مفید ہوئی تھی کہ در صورت برعکس ترتیب کے ہرگز متصور نہیں پھر کیا سبب کہ دین اہل سنت و جماعت ہی مشہور رہا اس سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو بھی دین اہل سنت ہی پسند تھا۔ الغرض اس اندیشہ سے سید مرتضیٰ صاحب نے یہ چکر کھایا اور یہ بیٹے لئے تھے حضرت امیرؓ مسائل رکھتے ہوئے بھی اظہار دین نہ کر سکے لیکن یہ نہ سوچیں کہ خلافت اور ولایت سے کہتے ہیں کہ ملک میں تصرف ہو حکم احکام چلتے ہوں حصول اور خراج رعیت سے وصول کر کے جو رزق کو مرادے سکے سو یہ بات سوا شام کے اور کون سے ملک میں حاصل نہ تھی خصوصاً حجاز اور عمان اور حرمین اور بحرین اور عراقین اور آذربائیجان اور فارس اور خراسان میں بے شک آپ کی حکومت تھی پھر یہ تھوڑی سلطنت تھی امیر معاویہ کے پاس تو اتنا ملک تھا بھی نہیں وہ اپنے ملک میں جو حکم چاہتے تھے جاری کرتے تھے ادھر ابو بکر صدیق کو دیکھو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقط ملک عرب میں حکومت چھوڑ کر اس عالم سے تشریف لے گئے تھے اور پھر سیر چار طرف معاندین زد و بر تھے میلہ کذاب اور بنو حنیفہ ملک یمامہ میں ایک طرف اور سجاح متبیہ بنی تمیم میں کہ ان سے بڑھ کر عرب میں کوئی قبیلہ ہی نہ تھا جلد ہی برسر یرخاش منکرین زکوٰۃ اپنی ہی طرف کو کھینچ رہے تھے بنو عصفان جامد سے باہر جدا نکلتے جاتے تھے ادھر گرد و ولوح مدینہ کے مریدین کا جلا زور شور تھا آپ کے ساتھی گئے جنے مکہ مدینہ ولے ہی تھے اور پھر با انہمہ کسی بات میں کسی سے نہ دبے، اور کسی حکم میں ممانعت نہ کی اگر زکوٰۃ نہ دینے والوں کو ان کے طور پر راضی کر دیتے اور اوروں کو ان کے طور

پر لوگوں کو مشقت نہ پہنچائی۔

صدیقؓ نے بے سروسامانی میں اظہار حق کیا | ابکر صدیقؓ باوجود اس قلت سامان اور عدم شجاعت کے اتنے دشمنوں سے بھی نہ گھبرائے۔ حالانکہ کثران کے دشمن لڑائی کے مشاق تھے اور بعضے بعضے تو چھوٹے سے بادشاہ تھے۔ اور حضرت علیؓ بالینہ شجاعت و کرامت اور زور و قدرت اور شوکت اور سلطنت اور مامت و ولایت کا ابوبکر کو ایک بھی ان اوصاف جزئیہ میں سے نصیب نہ تھا اظہار حق میں (اور بھی کسی امر میں نہیں) اتنی سستی فرمائیں اگر ابوبکر صدیقؓ کو یہ اوصاف کہیں سے مل جاتے پھر کافرانہ کوئی پھونک آدمی بھی دنیا میں رہتا تو ہمارا ذمہ تھا باقی یہ کہنا کہ آپؐ کی فوج اکثر اولاد صحابہ بھی اگر کوئی سنی کہتا تو زیب بھی دیتا، میر مرتضیٰ صاحب کس منہ سے کہتے ہیں قاضی نور اللہ صاحب کی نہیں سنتے وہ کیا فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ کے ساتھ قریش میں سے کل پانچ ہی آدمی تھے باقی تیرہ قبیلہ معاویہ کے ساتھ اس لئے آپؐ کو فتح میسر نہ ہوئی۔ بالجمہ شیعہوں کے اقرار سے آپؐ ہماری کوفیان جانتا تھے جو مقتدیایان شیعہ ہیں اگر وہ نہ ہوتے اور صحابہ کی اولاد ہی ہوتی تو جیسے ان کو عدل اور فضل شیخین کا دیکھتے بھلائے، اعتقاد تھا اور اس کے پشت ان کی راہ روش پسندیدہ تھی ایسے ہی اپنے مال باپ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ بھی سننے سنا لے یا د تھا۔

معتمد اگر پھر جاتے تو کیا تھا آخر دین فرضی میں وہ وہ آسانئیں اور سہولتیں ہیں کہ منکر بھی معتقد ہو جاتے۔ متبع کا آواز سن کر میر معاویہ کے ہمراہی بھی ہمراہ ہو جاتے بلکہ جس اہل مذہب کے کان میں یہ بشارت پہنچتی کہ جیتے جی یہ مزے ہیں اور مکر یہ ہر تے۔ کیسے ہی دین کے پکے کیوں نہ ہوتے حضرت امیرؓ کی ہر کالی اختیار کرتے علاوہ بریں غسل رجا میں کی تخفیف تراویح سے بے کھٹکے ایسا دین اور ایسا ایمان تو قسمت ہی سے ملتا ہے اگر اظہار دین خود کرتے تو تمام ملک عرب اور طوائف عجم ممدو معاون ہوتے۔ سبحان اللہ سنیوں سے مقابلہ اور پھر یہ سامان، آنا ہی سوچا ہوتا کہ اہل اسے لے کر آخر تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ممدو معاون وہی لوگ تھے جو آپؐ کے دشمنان جانی کے بھائی

برادر یا اولاد تھے خالد بن الولیدؓ عمر بن ابی جہل بلکہ خود حضرت عمرؓ کو ابو جہل کے بھائی اور ابوبکر صدیقؓ ابو تمحافہ کے بیٹے، حضرت عثمان ابوسفیان کے قراچی، علیؓ ہذا القیاس اور لوگ ایسے ہی تھے۔

مقران الہی کا طریقہ اظہار حق کرنا اور جفا میں اٹھنا ہے | اب بس کیجئے اور ایک دو آیت لکھ دیجئے جس سے یہ معلوم ہو جائے کہ مقران الہی کا کام ہمیشہ سے ستم کشی اعداء دین رہا ہے۔ اور مراد اچھے لوگوں نے ان کے ہاتھ سے انڈیاں اٹھائی ہیں اور خداوند کریم کو دین کے مقدمہ میں سختی اور جنگی پسندیدہ جو نہ کہ سستی اور ملاہنت اِنَّ الَّذِیْنَ یُکَفِّرُوْنَ بِالْاَیَّاتِ ثُمَّ یَقْتُلُوْنَ النَّبِیِّیْنَ بِغَیْرِ حَقٍّ وَالَّذِیْنَ یَاْهُوْۤا۟ۤوْنَ بِالْاِنْقِسَاطِ مِنَ النَّاسِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ۔ یعنی جو لوگ انبیاء کو ناحق قتل کرتے ہیں اور ایسے لوگوں کو جو حق بات کہتے ہیں ان کو سخت عذاب کی بشارت سننا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء اور اچھے لوگ تعلقہ نہیں کرتے بلکہ حق گوئی میں درینہ نہیں کرتے اور اسی سبب سے ان کو قتل کر دیتے تھے۔

یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْکُمْ عَنْ دِیْنِہٖ فَسَوْفَ یَاۡتِیَ اللّٰہُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّہُمْ وَیُحِبُّوْنَہٗ اِذْ کَانَ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اَعِیْۢنٌ عَلَی الْکَافِرِیْنَ یُجَادِدُوْنَ فِی سَبِیْلِ اللّٰہِ وَلَا یُخَافُوْنَ لَوْمَۃً ۝۱۰ کَلِیۡدٌ ذَاۤلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُوۡفِیۡہٗ مَنْ یَّشَآءُ۔ یعنی اے ایمان والو جو تم میں سے مرتد ہو جائے گا تو بلا سے اللہ اور ایسے لوگوں کو لے آئے گا جن سے خدا کو محبت ہوگی اور خدا سے ان کو محبت ہوگی مومنوں کے سامنے تو ذلیل نظر آئیں گے اور کافروں کے سامنے بڑے سخت ہوں گے خدا کی راہ میں جہاد کریں گے۔ اور کسی کے بھلا برا کہنے سے زوریں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ خدا کے محب و محبوب وہی لوگ ہیں جو کافروں کے سامنے دب کر نہ رہیں اور ان کی خوشامد نہ کریں۔ بلکہ ان سے کھچے ہی رہیں اور کسی کی ملامت سے زوریں اب فرمایئے کہ تعلقہ میں سوا کفار کی خوشامد اور ان کی موافقت اور اندیشہ ملامت کے اور کیا ہوتا ہے اس صاف معلوم ہوتا ہے کہ تعلقہ محبوبوں اور محبتوں کا کام نہیں بلکہ دشمنان

خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کام ہے۔

تقیہ عن اہل بدعت کی کوئی پیمائش اب الحمد للہ کے عاقلان منصف کے لئے خوبی تھی عقل و نقل سے خوب واضح ہو گئی مناسب وقت یوں ہے کہ عرف اور دستور خلافت پر بھی اس کو منطبق کر کے کچھ اس کی بزرگی بتلا دیجئے۔ جملہ آفاق میں پسندیدہ خلافت پختگی اور استقامت اور تلون کو سب لوگ ناپسند کرتے ہیں۔ خاص کر دین کے مقدمات اور وہ بھی پھر اتنا کہ ایک دفعہ شور اشوری اور پھر بالکل بے شک، سو بیخبران دین اور ائمہ مدنی اگر ایک دفعہ احکام دین سا کر پھر خوف جان یا خوف آبرو سے ہم کا شہ کفار ہو جائیں تو سب کے نزدیک یہ ذہن نشین ہو جائے کہ یہ لوگ خام طمع دنیا طلب ہیں۔ پھر وہ معجزات کا عطا ہونا جو محض حسن اعتقاد خلافت کے لئے ہے سب رائیگاں ہو جائے اور جو لوگ کہ آمادہ ہدایت ہوں، وہ منحرف ہو جائیں اور جو راہ پر آئے ہوں وہ اس حب جاہ کو دیکھ کر بے اعتقاد ہو کر لپٹ جائیں۔ بلکہ ایسے لوگوں کو سخت دنیا دار بھیجیں۔ معہذا ظاہر ہے کہ نصیحت کی تاثیر کے لئے خود عمل کرنا رکن اعظم ہے۔ جب تقیہ ہو تو عمل کجا؟ تو لاجرم اس صورت میں ہدایت کی کوئی صورت نہیں۔

بالجملہ تقیہ کے بطلان پر عقل و نقل اور عرف تینوں متفق ہیں پر جس کی چشم انصاف کو جو اس کو کیا نظر آئے؟ اور نقل مشہور ہے بلکہ حدیث شریف ہے جَلَّتْ اَشْيُ يُعْجَى وَيُجْتَمِعُ یعنی تجھے اگر کسی چیز سے محبت ہو جائے تو اس کے عیوب اور نقصانات کے دیکھنے سننے میں وہ محبت تجھ کو اندھا بنا دیتی ہے اگر محبت مذہب دل سے ایک طرف کر کے ان تقریروں اور اثبات تقیہ کی تقریروں کو موازنہ کریں تو انشاء اللہ مولوی عماد علی صاحب بھی تو یہ کراٹھیں میر نادری کو تو شیعہ کیا بنائیں اور اب ہم کو اسکی ضرورت نہیں رہی کہ بعد اس کے بھی کچھ بیان کریں لیکن اتمام حجت کے لئے اتنا اور ضروری خدمت علماء شیعہ ہے کہ اگر بالفرض و التقدير فرض محال تقیہ ثابت بھی ہو جائے، تو موافق جمہور شیعہ حضرت امیر پرہنگام خلافت تقیہ حرام تھا پھر تعریف صحابہ کو تقیہ پر کیوں محمول کیا جائے!

حضرت ابو بکر صدیق کو صدیق نہ کہنے والے اور سلمان کہہ گام خلافت بھی ان پر تقیہ فرض تھا کے لئے حضرت جعفر کی بدعت، تو قطع نظر اس کے کہ یہ تعصب ہی تعصب ہے اور اس قول کے قائل نے عقل کی بھی ناک کترلی ہے اس میں کیا عذر کریں گے کہ حضرت امام باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تعریف کرتے ہیں حالانکہ موافق مذہب شیعہ وہ خدا کی طرف سے تقیہ کرنے سے منوع تھے اور تقیہ ان پر حرام تھا۔ علی بن عیسیٰ اور دیلمی امامی آٹھ عشری اپنی کتاب کشف الغمہ عن معرفت الائمہ میں نقل کرتے ہیں۔

سَمِعْتُ اَکْبَامَ اَبُو جَعْفَرٍ عَنْ حَلِيَّةِ السَّيْفِ بَلَّ بِجُورِ فَقَالَ
لَعَنَهُ قَدْ حَلَّى الْبُؤْسَ الصِّدِّيقُ سَفِيفَةً فَقَالَ الْمَرْوِيُّ الْقَوْلُ
هَكَذَا الْقَوْلُ اَكْبَامٌ عَنْ مَكَانِهِ فَقَالَ لَعَنَهُ الصِّدِّيقُ لَعَنَهُ
الصِّدِّيقُ لَعَنَهُ الصِّدِّيقُ فَمَنْ لَمْ يَقُلْ لَهُ الصِّدِّيقُ فَلَا
صَدَقَ اللَّهُ قَوْلُهُ فِي الدُّنْيَا وَآخِرَتِهَا۔

یعنی حضرت امام ابو جعفر یعنی امام محمد باقر رضی اللہ عنہ وعن ابیہ السلام سے کسی نے پوچھا کہ تلوار کے قبضہ پر چاندی سونے کا کچھ نقش و نگار یا بونٹے وغیرہ بھی درست ہیں یا نہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں درست ہے اس لئے کہ ابو بکر صدیق نے اپنی تلوار پر چاندی کا جھول کرایا تھا راوی نے کہا کیا آپ ابو بکر صدیق فرماتے ہیں۔ آپ غصہ میں اپنی جگہ سے اچک بیٹھے اور فرمانے لگے ہاں صدیق، ہاں صدیق، ہاں صدیق، جو ابھی صدیق نہ کہے اللہ اس کی بات کو دنیا اور آخرت میں سچی مت سمجھو فقط اب گوش گزار اہل انصاف یہ ہے کہ سب امامیہ اس بات پر متفق ہیں کہ علی بن عیسیٰ اور دیلمی علم و نقل میں یکتا اور نقل اور روایت میں ہرے معتد علیہ میں انکی روایت پر کوئی سقم نہیں کر سکتا۔ امام جعفر زبیر حرام تھا اتنی ہی بات کہ حضرت امام محمد باقر پر تقیہ کے حرام ہونے کی کیسا دلیل ہے؟

سو یہ وجہ معقول اس کا جواب بھی ہم سے معقول ہی سے ملے گی یعنی میں روایت ہے عَنْ مُعَاذِ بْنِ كَثِيرٍ عَنْ أَبِي عَبْدِ اللَّهِ قَالَ إِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَ

کسی سے مت ڈر فقط اس روایت میں عور فرمایا ہے کہ حضرت امام محمد باقر کو کس تاکید سے تفتہ کی ممانعت ہو پھر بھی حضرت امام محمد باقر جن کو یہ وصیت تھی کہ حق کے سوا کبھی کچھ اور مت کہو حضرت ابو بکر صدیق کی اتنی کچھ تعریف فرماتے ہیں کہ اس سے بڑھ کر اور کوئی مرتبہ بجز نبوت کے نہیں اس لئے کہ بعد انبیاء کے کلام اللہ میں صدیقین ہی کو ذکر فرماتے ہیں اور پھر تعریف بھی اس تاکید سے کہ بد دعا فرماتے ہیں ان لوگوں کے حق میں جو انہیں صدیق نہ کہیں اور برائے کاتو کچھ ٹھکانا ہی نہیں۔

امام جعفر کی بد دعا سے حقانیت اہل سنت پہلے اس روایت سے فقط یہی فائدہ نہیں ہوا کہ حضرت اور بطلان مذہب شیعہ ظاہر ہو گیا۔ ابو بکر صدیق کا صدیق ہونا بے غل و غش ثابت ہو گیا اور کسی کو تفتہ کے احتمال کی گنجائش نہ رہی، بلکہ شیعہوں کے مذہب کا بطلان اور نبیل کے مذہب کی حقانیت بھی یہ تحقیق معلوم ہو گئی تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ حضرات شیعہ قاطبہ خواہ امامیہ خواہ غیر امامیہ خواہ اثنا عشریہ خواہ غیر اثنا عشریہ اس بد دعا کے اندر داخل ہیں حضرت امام معصوم متجاہل لدعوات امام محمد باقر کی زبان مبارک سے صادر ہوئی ہم کو تو ہم کو شیعوں کو بھی اس کے قبول ہونے میں تاہل نہیں سواس سبب ہم کو بالیقین معلوم ہو گیا کہ ان کے دعوے محبت اہل بیت اور دعویٰ اسلام اور دعوے ایمان سب خداوند کریم کے نزدیک جھوٹا ہے اور آخرت میں بھی خداوند کریم ان کی تکذیب فرمائے گا سو اس سے زیادہ اور کو نہ سار متبہ باطل ہونے کا ہو گا دوسرے حضرت علیؑ نے جو کیا سبب فرمان الہی اور موافق وصیت پیغمبری تھا حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ سے جو بیعت کی علیؓ بذالقیاس حضرت امام حسنؑ نے جو خلافت امیر معاویہ کے حوالہ فرمائی سب حسب یما خداوندی اور ارشاد پیغمبری تھا بوجہ تفتہ نہ تھا اور جب ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت عثمان ذوالنورینؓ سے حضرت علیؑ نے بیعت موافق ارشاد خداوندی کی تو معلوم ہوا کہ یہ لوگ قابل اسی کے تھے علیؓ بذالقیاس دختر مطہرہ حضرت ام کلثوم کا نکاح جو حضرت عمرؓ سے ہوا وہ نکاح بھی خدا کے حکم کے موافق ہوئے میں حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے نکاح سے کچھ کم نہیں جیسے ان کا نکاح حضرت علیؑ

رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے موافق ارشاد خداوندی ہوا تھا ویسے ہی حضرت ام کلثوم کا نکاح بھی حضرت عمرؓ سے حسب فرمان الہی تھا۔ وہ ہوا مراد الحمد للہ ثم الحمد للہ کہ سب حیلہ و حجت امامیہ کا جواب دندان شکن بن پڑا یہ اسی خداوند نعمت کا کرم ہے، حق کو حق کر دکھایا اور باطل کو باطل۔

امام جعفر پاک اعز اعز جو خود کشی کی نوعیت رکھتا ہے اگر ہاں اتنا کھکا باقی ہے کہ شاید فرستہ امامیہ اہل سنت کی ضد میں اگر یہ حجت کریں کہ واقعی کلام اللہ اور اقوال عمرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوئے تو شیعوں کے باطل پر ہونے کے دو گواہ عادل ہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا ہے اِنِّی تَارِدٌ فِیْکُمْ الثَّقَلَیْنِ مَا اِنْ تَمَسَّکْتُمَا بِھِمَا لَنْ تَضِلُّوا بَعْدَیْ اَخَذَھُمَا عَظُمَ مِنْ کَلَامِیْ کِتَابُ اللّٰہِ وَعَیْتُرَتِیْ اَکْھَلُ یَنْتَہِیْ۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں تم میں دو چیزیں بھاری چھوڑے جاتا ہوں جب تک تم ان دونوں کو پکڑے رہو گے گمراہ نہ ہو گے ایک ان میں دوسرے سے بڑا ہے وہ دونوں کیا ہیں ایک تو کلام اللہ دوسرے میرے ہیبت فقط۔ اور اس حدیث کو سنی شیعہ دونوں فرق اتفاق پر حشر دیکھتے ہیں۔ اور اس حدیث ہونے کے قابل ہیں القصہ شیعہ اب اگر تین پارچ کریں تو یوں کریں کہ موافق حدیث مسطور کلام اللہ اور عمرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سنیں گے کہ برحق ہونے اور شیعوں کے باطل پر ہونے کے دو گواہ عادل بہت ہیں لیکن اس بات کو کیا کیجئے کہ اقوال عمرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو ہم تک پہنچے ہیں تو وہ سب کے سب امام معصوم متجاہل لدعوات اعنی امام محمد باقر علیہ السلام کی بد دعائیں جس کا بھی مذکور ہوا داخل ہیں کیونکہ ہمارے سائے پیشوا ابو بکر صدیق کے صدیق ہونے کے منکر ہیں ان سب کا قول ہرچہ بااد قابل تسلیم نہ رہا کیونکہ بد دعا تو یہی ہے کہ خدا ان لوگوں کی بات سچی نہ کرے پھر جب ان کی بات ہی سچی نہ ہوئی تو ان کی روایات کا کیا اعتبار؟

معتمد اکثر پیشوایان مذہب شیعہ اور روایان اخبار صحیحہ مذہب مذکور کا مطلق اور بے دین محض تھے کہ فتویٰ شیعہ بھی ان کے حق میں بجز تکفیر اور نہیں

میں گزرا چکا اور اوروں کا حال کچھ نہ پوچھے کہ پردہ ہی میں بہتر ہے زرارہ بن اعیان کے باب میں تو امام جعفر صادق نے اس بات کی گواہی دی کہ وہ اہل نارسے ہے چنانچہ کتب معتبرہ میں ابن سمان سے موجود ہے اور قاضی نور اللہ صاحب قم فرماتے ہیں کہ زرارہ بن اعیان کے چار بھائی حمزان، جبر الملک، یکتہ بن عبد الرحمن اور زرارہ کے دو بیٹے حسن حسین اور یحییٰ یعنی چاروں بھائیوں کے بیٹے حمزہ محمد خیزش عبد اللہ تھیں عبد المجید عبد اللہ علی عمر کے سب زرارہ بن اعیان کا ساق عقیقہ رکھتے تھے یعنی مثل زرارہ، سب اس بات کے قائل تھے کہ خداوند کریم ازل میں جا بل تھا لہذا اللہ نہا تو اس صورت میں کُنا بھل شیعہ غالیین کے مضمون کے منکر تھے اور آپ جانتے ہی ہیں کہ کلام اللہ کا منکر کون ہوتا ہے۔

علیٰ ہذا القیاس اور ول کو سمجھیے یہ تو بڑے مقتدوں اور بڑے حاملان اخبار کا ذکر ہے اور ضغاف اور محافل کا کچھ حساب ہی نہیں پھر ہم اپنی روایات کا کس طرح اعتبار کریں اس صورت میں ایک گواہ کی گواہی تو ہمارے نزدیک مسلم یعنی کلام اللہ کا فرمانا تاخیر جبراً کرنا یا برسرِ کیونکہ ہر قرن میں بتواتر منقول ہوتا رہا ہے پردہ سے گواہ کی گواہی یعنی اہلبیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گواہی جب قابل اعتبار ہو کہ وہ بھی ایسی ہی طرح منقول ہوا اور یہ بھی نہیں تو سن لیں تو ہو کہ اس کے راوی دیندار مومن ہوں کافر تو نہ ہوں سو چونکہ ہماری روایات کے ایسے راوی نہیں اور سنیں کہ ابیں پہلے سے اعتبار نہیں تو فقط ایک گواہ باقی رہ گیا اور شریعت میں ایک گواہ کا اعتبار نہیں اس سے ہم صحابہ کے معتقد نہیں ہو سکتے گو اس میں ہمارے مذہب کی ہی حقیقت اظہار ہے اور سب کو یہ معلوم ہو جائے کہ شیعوں کے دین اور روایات کا یہ حال ہے۔

شام کا نزدیک دامن کشان گذشتی بن گوشت خاک ماہم بر باد رفتہ باشد سو اس کا جواب ہمارے پاس ہر چند بوجہ عقل بہت کچھ ہے لیکن اب بھی ستر ہے کہ یوں کہا جائے کہ اگر تم ہماری ضد میں اپنے مذہب سے بھی دست بردار ہوئے تو صاحب ہم

بارے تم جلیے۔ خیر اب بفضلہ تعالیٰ یہ بات ثابت ہو گئی کہ بشہادت نقالین اعیان کلام اللہ اور عزت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مذہب شیعہ غلط ہے اور یہی فقط مقصود تھا تو اب مناسب یوں ہے کہ بقدر مناسب اور باندازہ فرصت مولوی عمار علی صاحب کے خط کی بھی خبر لیجئے مگر مناسب یوں ہے کہ اول اس خط کو لفظاً لفظاً نقل کیجئے تاکہ ناظرین جواب کو لذت کامل نصیب ہو اس لئے اول وہ خط ہی پیش نظر کرتا ہوں وہ خط یہ ہے

نقل خط مولوی عمار علی

میر صاحب منظر عنایت و کم مجمع محامد شمیم زاد فضلہ و کرم بعد سلام کے واضح ضرورت عالی ہوئے کہ عنایت نامہ تمہارا پہنچا جو کچھ آپ نے لکھا تھا معلوم ہوا آپ نے لکھا تھا کہ مجھے صحت علماء شیعہ سے فدرک کے غضب ہونے میں نہیں ہوتی صورت اس کی یہ ہے کہ آپ کی ملاقات کسی عالم و آف اور خبردار سے آج تک حاصل نہیں ہوئی اگر مجھ سے آپ کی ملاقات ہووے اور میری زبانی آپ سنیں تو آپ پر واضح ہو جاوے کہ اہل سنت بالکل غلطی پر ہیں اور بہت دھرمی کرتے ہیں اور جس پر لینا لیتے ہیں اور میں سوال جو آپ نے عبد الحق کی طرف سے لکھے تھے ان کا جواب مختصر یہ ہے کہ سوال اول میں آپ نے لکھا تھا کہ رسول خدا کی بیٹیوں کا نکاح کس سے ہوا یہ سوال بے محل ہے، اس واسطے کہ جناب رسول خدا کے نطفہ سے ایک بیٹی تھی فاطمہ زہرا سودہ حضرت علی سے منسوب تھی اور دو بیٹیاں جو اور آنحضرت کی اہلسنت مشہور کرتے ہیں وہ دونوں حضرت کے نطفہ سے نہ تھیں بلکہ وہ حضرت خدیجہ کے پہلے شوہر کے نطفہ سے تھیں ہمراہ حضرت خدیجہ کے آئی تھیں اور نام ان دونوں صاحبزادیوں کا رقیہ اور ام کلثوم تھا ابن حجر محدث اہلسنت نے کتاب اصابع میں لکھا ہے کہ ایک کانکاح تو ان میں سے عقبہ بن ابی لہب سے ہوا تھا اور دوسری کانکاح ابو العاص بن الربیع سے اور یہ دونوں کافر تھے لہذا بعد اسکے نکاح ان دونوں کا عثمان سے ہوا جس وقت کہ باوجود قوت اسلام کے کافروں کے نکاح میں ہی ہیں اور پیغمبر خدا نے ان سے علیحدہ نہ کیا۔ اگر عثمان کے نکاح میں آئیں تو کیا قباحت ہے عثمان تو خود مسلمان تھا حضرت کے روبرو

اور ان کافروں سے بدرجہ بہتر تھا کہ
البتہ بعد وفات جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسی بعثتیں عثمان نے کیں
کہ عائشہ اس کے حق میں کہتی تھی اقتلو انفسا لعن اللہ فحسلا آتھوا اخری انفسا
یعنی قتل کرو اس ریش دراز کو لعنت کرو اس ریش دراز پر قتل کرو اس قرآن کے جلائے
والے کو، چنانچہ استیعاب میں لکھا ہے یہاں تک بعثتیں کیں کہ صحابہ رسول نے تنگ ہو کر اسے
قتل کیا یہ سب ماجرا اہل سنت کی کتابوں میں مذکور ہے اگر سند اس کی مطلوب ہوگی۔ تو
روانہ کر دی جائے گی اور اگر یہ دونوں عاجز ادیاں بھی رسول خدا کے نطفہ سے ہوتیں تو ان کے
فضائل کچھ مذکور ہوتے جیسے کہ حضرت فاطمہؑ کے فضائل سنی شیعہ کی کتابوں میں مذکور ہیں
سیدہ نساء، الطین سیدہ نساء اہل الخیر، الفاطمہ بضعة منی اور سو اس کے فضائل فاطمہ کے صحابہ
کتابوں میں مذکور ہیں اور ان دونوں کے فضائل ایسے مذکور نہیں ہیں اگر آنحضرتؐ کے
نطفہ سے ہوتیں تو البتہ مذکور ہوتے۔

سوال دوسرا علی نے عائشہ سے بہتر جنگ کئے۔ اگر باغ فدک اصحاب ثلاثہ نے غصب
کیا تھا تو علی نے ان پر جہاد کیوں نہ کیا، جواب اس کا یہ ہو کہ یہ سوال بھی غلط ہے اس واسطے
کہ علی نے عائشہ سے بہتر جنگ نہیں کئے۔ بلکہ ایک جنگ کی تھی سو عائشہ کو شکست ہوئی
چنانچہ اہلسنت کی کتابوں میں لکھا ہے اور فدک کے غصب کرنے سے جہاد لازم نہ ہوا تھا اس
واسطے کہ جہاد مال دنیا کے غصب کرنے سے واجب نہیں ہے بلکہ پیغمبر اور امام واسطے ترقی دین
کے جہاد کرتے ہیں نہ واسطے مال دنیا کے اور علی کے پاس جہاد کرنے کو انصار کب تھے کہ وہ جہاد
کرتے جہاد کرنے کا حکم تنہا کے واسطے نہیں ہے بلکہ جس وقت انصار مددگار ہم ہو چیں اس
وقت جہاد کرنا چاہیے جیسے کہ رسول خدا جب تک مکہ میں رہے بسبب ہونے انصار کے حکم
جہاد کا نہ ہوا جب مدینہ گئے کافروں کے خوف سے ہجرت کر کے اور انصار نہ رہے تو جہاد
کفار پر کیا اور جب تک مکہ میں رہے کچھ نہ ہو سکا۔ بلکہ کچھ مددگار بھی وہاں موجود تھے۔
ان مددگاروں میں ایک علی بھی تھے ان سے بھی کچھ نہ ہو سکا آخر کفار کے خوف سے سب سے اپنا
وطن چھوڑ دیا۔ مگر ایسے ہی حال علی کا بعد رسول خدا کے تھا کہ خلفاء ثلاثہ کے زمانہ میں ان

کو انصار مددگار ہم نہ پہنچے تو جہاد نہ کیا اور جب ہم پہنچے تو عائشہ پر بھی جہاد کیا۔ اور
معاویہ پر بھی۔

اور سوال تیسرا یہ کہ علی کی بیٹیوں کا نکاح کس سے ہوا تھا، جواب اس کا یہ ہے کہ فاطمہ
کے پیٹ سے علی کی دو بیٹیاں تھیں بڑی بیٹی زینب کہ جس کا نکاح عبداللہ بن جعفر طیار
سے ہوا تھا اور دوسری بیٹی کلثوم بنتی کہ جس کا نکاح محمد بن جعفر طیار سے ہوا تھا فقط یہی
سوال تھا جس کا جواب ہوا اگر کچھ زیادہ لکھتے تو زیادہ لکھا جاتا۔ اور فدک کا غصب ہونا جو
آپ نے دریافت کیا تھا اس کو ایک دفتر چاہیے۔ لیکن کچھ مختصر طور اس آپ کی خدمت میں
تحریر کرتا ہوں اگر آپ کی طبیعت میں انصاف ہے تو اسی قدر کفایت کرتا ہے اور جو کچھ لکھا ہو
یہ سب اہل سنت کی معتبر کتابوں سے ہے جس شخص کو کچھ تردد ہو مطابق کر لے۔ اور بعد
اس کے انصاف کرے کہ یزید بن جلال الدین سیوطی نے تفسیر درمنثور میں اور شیخ
علی متقی نے کنز العمال میں اور ابوعلی موصلی نے اپنی مسند میں اور صاحب معارج النبوة نے
معارج النبوة میں اور سو اس کے اور علماء اہل سنت نے روایت کی ہے کہ جس وقت نازل
ہوئی آیت و انت الذی جی حقاً یعنی دے تو اے محمد قریبوں کو حق ان کا، تو اس وقت
پیغمبر خدا نے جبل سے پوچھا کہ قریب میں سے کون ہیں اور حق ان کا کیا ہے جبل نے عرض
کی کہ قریب تمہارے فاطمہ ہے اور حق اس کا فدک ہے فدک اس کو دید و اس وقت رسول خدا
نے فدک فاطمہ کو دے دیا پس تحریر ہے ان علماء کی ثابت ہوا کہ رسول خدا نے فاطمہ کو فدک
دیا اور فاطمہ مالک فدک کی تھی۔

جب رسول خدا نے دنیا سے رحلت فرمائی اور ابو بکرؓ خلیفہ ہوئے تو فدک کے فاطمہ
سے حسین لیا اور ان کا قبضہ اٹھا دیا اب فرمائیے کہ یہ غصب نہیں تو کیا ہے؟ اور تفصیل اس کی یہ ہے
کہ تاریخ آل عباس کہ کتب معتبرہ اہلسنت سے ہے اس میں لکھا ہے کہ جس وقت اولاد
حسین نے مامون رشید خلیفہ عباسی سے دعوے فدک کا کیا تو اس نے دو صد علماء
اہل سنت جمع کر کے کہا کہ حال فدک کا راست راست بیان کرو انہوں نے بروایت واحدی
اور بشر بن ولید بیان کیا کہ بعد فتح خیبر آیت و انت الذی جی حقاً نازل ہوئی تو رسول

خدا نے جبریل سے پوچھا کہ ذوالقرنبے میرے کون ہیں اور عی ان کا کیا ہے جبریل نے عرض کی کہ فاطمہ زہرا اہل بیتی ہیں عی اس کا فدک ہے اس وقت رسول خدا نے فاطمہ کو فدک دے دیا جب ابو بکر نے اپنی خلافت میں فاطمہ کو فدک سے منع کیا تو فاطمہ نے فرمایا کہ فدک مجھ کو میرے باپ نے دیا ہے ابو بکر نے قبول کیا اور چاہا کہ فاطمہ کو کاغذ معافی کا لکھدے اور فدک فاطمہ کو پھیر دے اس وقت عمر نے کہا کہ فاطمہ سے گواہ طلب کر کہ پیغمبر خدا نے اس کو کب دیا ہے اس وقت فاطمہ ہر حضرت علی اور ام ایمن کی ایک بی بی تھی اور حسنین علیہ السلام کو گواہ اپنالائی اور انہوں نے گواہی دی کہ پیغمبر خدا نے فاطمہ کو فدک دیا ہے تو اس وقت ابو بکر نے فاطمہ کو کاغذ فدک کا لکھدیا کہ اپنے حق پر قابض ہو دے عمر نے وہ کاغذ ابو بکر سے لے کر پھاڑ ڈالا اور کہا کہ فاطمہ ایک عورت ہے اور علی اس کا شوہر ہے اپنے نفع کے لئے کہتا ہے ابو بکر نے بھی قبول کیا اور دعویٰ کرنا فاطمہ کا ابو بکر سے ہین فدک کا اور گواہی دینا علی اور حسنین کا اور ام ایمن کا اور رد کرنا اور نامنظور کرنا ابو بکر کا ان کی گواہی کو اہل سنت کی بہت کتابوں میں لکھا ہے مثل صواعق محرقہ اور فصل الخطاب اور معجم البلدان اور ریاض النضرہ اور کنز العمال اور تاریخ حاکم اور مجمع الجوامع اور شرح مواقف اور نہایت العقول اور سوا اس کے بہت کتابوں میں ہے لیکن ابو بکر نے فاطمہ کو اور اس کے گواہوں کو اس دعوے میں جھوٹا جانا اور وائے فاطمہ کے جس کسی نے ابو بکر سے دعوے کیا اس کو ابو بکر نے سچا جانا اور گواہ اس سے طلب کئے جو کچھ اس نے مان لگا دیا۔

چنانچہ صحیح بخاری میں جب بر سے روایت ہو کہ ابوبکر نے اس کو فدک سے پاس کیا اور میں نے کہا کہ پیغمبر خدا نے اپنی زندگی میں مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ مال بخرین کا آوے گا۔ تو میں تجھ کو اس میں سے اس قدر مال دوں گا۔ اور مال بخرین کا حضرت کی زندگی میں نہ آیا۔ لیکن اب تمہارے پاس آیا ہے تم اس میں سے مجھ کو دو کہ حضرت نے مجھ سے وعدہ کیا تھا ابو بکر نے یہ بات سن کر اس وقت تین مٹھی مال کی مجھے بھر کر دی اور گواہ مجھ سے پیغمبر خدا کے وعدہ کرنے کے طلب کئے اور فتح الباری شرح صحیح بخاری میں وجہ کی اسی طرح کو لکھی ہے کہ ابو بکر نے جو جابر سے گواہ طلب کئے اور دعوے کرتے ہی مال اس کو دیدیا سب اس کا یہ ہے کہ

جابر صاحبی معاذ اللہ پیغمبر خدا پر جھوٹا دعویٰ کرے کہ انہوں نے مجھ سے وعدہ کیا تھا ایسا نہیں ہو سکتا اگر جابر سچا نہ ہو تو پھر کون سچا ہو سکتا ہے اس واسطے ابو بکر نے اس سے گواہ طلب کئے اور بدون گواہی اس کو مال دے دیا اب کہتا ہوں میں کہ وائے بریدار علی ہل سنت کہ فاطمہ کو جو کہ پارہ جگر رسول خدا ہے جابر کے برابر بھی نہ جانا کہ ادنیٰ صحابی تھا اور ان کے نزدیک فاطمہ کا مرتبہ جابر کے برابر بھی نہ ہوا کہ جابر کو تو بدون گواہی کے مال دیدیا اور اس کو جھوٹ سے بچایا اور کہا کہ جابر سچا نہ ہو گا تو اور کون سچا ہو گا اور فاطمہ کو جھوٹا سمجھ کر اس سے گواہ طلب کئے جب گواہوں نے اس کی گواہی دی تو ان کی گواہی کو رد کیا علی کو تو کہا کہ تیرے ہر اس کا بے اپنے نفع کے لئے کہتا ہے علی کو بھی جھوٹا جانا ہر خبیث علی بھی صحابی تھے لیکن جابر کے برابر سچے نہ تھے اور حسنین کو کیا یہ فرزند اس کے ہیں اور لڑکے ہیں اور ام ایمن جو باقی رہی وہ ایک عورت ہے اس کی گواہی کیسے درست ہو سکتی۔

اب نرمیئے کہ یہ غصب نہیں تو اور کیا ہے سوا اس کے اور غصب کس کو کہتے ہیں اور یہ عداوت ہے یا دوستی اور مردت اور رعایت حق رسول اور حق اور سچ تو یہ ہے کہ اہل بیت کی دشمنی میں حق رسول کی بھی رعایت نہ ملی۔ اپنے لکھا تھا کہ مجھے غصب نہ رک کی کسی سے صحت نہیں ہوتی اب آپ کو چاہیے کہ میری صحت علاء سنت سے کر لیے اور میری باتوں کا جواب لکھو کہ بھوایے کہ کیا سبب ہے کہ جابر کو سچا جانا اور فاطمہ کو جھوٹا سمجھا اور اس مظلومہ کے گواہوں کو بھی رد کیا۔ اور یہ بھی سننا چاہیے کہ جب فاطمہ نے جانا کہ ابو بکر نے مجھے بہہ فدک میں جھوٹا سمجھا تو اس معصومہ نے دعوے وراثت کا کیا اور ابو بکر سے کہا کہ میں پیغمبر خدا کی بیٹی ہوں مجھے ان حضرت کا مال ارث میں پہنچتا ہے اور فدک میرے باپ کا مال ہے مجھے دیدے اس وقت ابو بکر نے ایک جھوٹی روایت قرآن کے خلاف بنا کر کہا میں نے پیغمبر خدا سے سنا ہے کہ وہ حضرت فرماتے تھے کہ انبیاء کا مال سب صدقہ ہے کسی کو ان کے وارثوں میں سے نہیں پہنچتا۔ اول تو یہ روایت خلاف قرآن کے ہے دوسرے یہ کہ پیغمبر خدا نے اپنے وارثوں میں سے نہ بیٹی سے نہ بیٹی بیٹیوں سے کسی کو کچھ نہ دیا کہ میرا مال صدقہ ہے تم کو نہیں پہنچتا تم دعوے نہ کرنا اور حکم خدا کا جو کچھ ان کے واسطے تھا اس

لو ان سے چھپا کر رکھا اور ایک اجنبی شخص سے کہ اس کو کسی طرح کا دخل پیغمبر خدا کی ذات میں نہ تھا اس کے کان میں کہہ دیا اور کسی دوسرے صحابی سے بھی نہ کہا لیکن باوجود اس کے پھر ایک مرتبہ فاطمہؓ ابو بکر کے پاس گئی اور اس وقت ابو بکر منبر پر تھا کہہ کہ اے ابو بکر تیری بیٹی تو میرا ترکہ پاوے اور میں اپنے باپ کا ترکہ نہ پاؤں اس وقت ابو بکر منبر سے نیچے اترا اور کہا کہ اے میں تجھ کو فدک دیتا ہوں یہ کہہ کر فاطمہؓ کو کاغذ لکھ دیا اتنے میں عمر آیا اور ابو بکر سے پوچھا کہ یہ کیسا کاغذ ہے کہا کہ میں نے فاطمہؓ کو فدک لکھ دیا ہے عمر نے وہ کاغذ ابو بکر کے ہاتھ سے لیکر بھاڑ ڈالا اور کہا کہ لوگوں کو کیا دے گا؟ عربوں سے لڑائی ہو رہی ہے۔ چنانچہ یہ روایت بسط ابن جوزی نے اپنی سیرت میں تحریر کی ہے اور اودادی محدث اہلسنت اور برہان الدین جلی شافعی نے اپنی سیر میں لکھا ہے فاطمہؓ نے ابو بکر سے دعویٰ فدک کا کیا کہ فدک میرا ہے میرے باپ نے مجھ کو دیا تھا۔ اس وقت ابو بکر نے فاطمہؓ کو فدک کا کاغذ لکھ دیا جب فاطمہؓ وہ کاغذ لے کر وہاں سے پھری تو رستہ میں عمر سے ملاقات ہوئی عمر نے فاطمہؓ کو پوچھا کہ یہ کیسا کاغذ ہے فاطمہؓ نے کہا کہ ابو بکر نے مجھ کو فدک لکھ دیا ہے عمر نے وہ کاغذ ہاتھ فاطمہؓ سے چھین کر بھاڑ ڈالا اگر کوئی کہے کہ ابو بکر کا اس میں کیا قصور ہے اس نے تو لکھ دیا تھا جواب اس کا یہ ہے کہ ابو بکر حاکم تھا اس کو اس امر میں تابعداری عمر کی نہ چاہیے تھی عمر کو اس شر سے باز رکھنا اور اس کے کہے پر عمل نہ کرنا لیکن وہ تو اس کا ہر امر میں شریک تھا اس کے مشورہ بدو نہ کچھ نہیں کر سکتا تھا اور میں کہتا ہوں کہ اگر صحابہ ابو بکر کو اس امر میں سچا جانتے تھے اور علیؓ بھی ابو بکر کو سچا جانتے تھے کہ ابو بکر نے کتنا پیغمبر خدا کا سب کہ قہر کیا کیونہیں پہنچایا تو پھر علیؓ اور عباسؓ نے عمر کی خلافت میں عمر سے جا کر کیوں دعویٰ کیا پیغمبر کے ترکہ کا اس وقت عمر نے علیؓ اور عباسؓ کو کہا کہ تم ابو بکر کو کاذب اور خائن اور غادر اور آثم جانتے تھے اور مجھے بھی تم دو کاذب اور خائن اور غادر اور آثم جانتے ہو اور میں وہی کر دوں گا۔ جو کہ ابو بکر کرتا تھا یہ روایت صحیح مسلم میں لکھی ہے

اور سند احمد بن حنبل میں لکھا ہے کہ عثمان کی خلافت میں عثمان سے بھی پھر دعویٰ کیا تھا پس اگر ابو بکر سچا ہوتا تو ان کے زمانہ میں دعویٰ مرگز نہ کرتے معلوم ہوا کہ ابو بکر اس روایت میں بالکل مجھوٹا تھا۔ ارزا عداوت کے روایت جا کر فاطمہؓ کا حق غضب کیا اور عمر خود علیؓ

اور عباسؓ سے اقرار کرتا ہے کہ کم ابو بکر کو کاذب اور خائن جانتے تھے اور مجھے بھی تم کاذب اور خائن جانتے ہو پس جس وقت علیؓ نے ان کو کاذب اور خائن جانا تو بیشک ہم بھی ان کو کاذب اور خائن جانیں گے اور یہی مطلب غصہ ہے۔ اور صحیح بخاری میں لکھا ہے کہ جس وقت ابو بکر نے فدک کے دینے سے انکار کیا تو فاطمہؓ زہراؓ اس پر غضب ناک ہوئی اور تمام عمر پھر کبھی اس سے کلام نہ کیا اور صحیح مسلم میں لکھا ہے کہ فاطمہؓ نے وقت مرنے کے وصیت کی کہ ابو بکر اور عمر میرے جنازہ پر نہ آئے پائیں فقط۔

جواب خط

یہاں تک خط مذکور کی عبارت تھی بلکہ بلا کم و کاست لفظاً نقل کر دیا ہے۔ لیکن اب ہماری بات سننے کے لئے بھی تیار ہو جائے تاکہ مولوی صاحب کی اس طمطراق کی حقیقت اور مولوی صاحب کی قابلیت اور علم ارشیدہ کی فہم و فراست بخوبی معلوم ہو جائے اور معلوم ہو جائے کہ بخط مر حید عبارت میں تو زیادہ لیکن مثل غذا لیل الکیوس کہ باوجود قلت کیوس کے سنی الکیوس بھی خلاصہ نکال لئے۔ تو کل دو چار ہی باتیں ہیں پھر وہ بھی غلط اگر اعتبار نہ آئے تو دیکھئے۔ اول مولوی صاحب یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لطف سے فقط ایک ہی بیٹی تھی جن کا نام حضرت فاطمہؓ زہراؓ رضی اللہ عنہا تھا اور اہلسنت و جمہور بیہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اور مشہور کرتے ہیں وہ آپ کے لطف سے نہ تھیں بلکہ حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے پہلے خاوند کے لطف سے تھیں خیر غنیمت ہے کہ جناب مولوی عمار علی صاحب نے اتنا تو لحاظ رکھا کہ حضرت خدیجہ الکبریٰ کے اولاد ہونے سے تو ان کو خارج نہیں کیا ہم ایسی نا انصافی پر اس کے بھی شکر گزار ہیں ورنہ جہاں مولوی صاحب نے جرات کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا نسب منقطع کیا تھا اگر حضرت خدیجہ الکبریٰ سے بھی ان کا نسب منقطع کر دیتے جیسے بعض ایسے دشمنان چہاں اہل بیت نے کیا ہے۔ تو کون مانع تھا بات یہ ہے کہ اس جگہ تو مولوی صاحب نے غیرت کی ناک می کرتی ہے اور موافق

مثلاً مشہورہ دروغ گویم بزرگوں سے تو یہ قسم کے ہیں کہ سنیتوں کی ضد میں اہلبیت پر حلف کر کے (سوگھی) اپنے ایمان پر کبھی قلم پھیر گئے نہ کلام اللہ کی سنی نہ اپنی معتبر کتابوں کا لکھا کیا آفرین ہے کیوں نہ ہوں مولوی عمار علیؒ ایں کا راز تو آید مرداں چہیں کنند

بنات طہیات از روئے کلام اللہ شریف | برائے خدا اہل انصاف بے روی و ریا ہو کر میری گزارش کو سنیں اگر سچا ہو جب ہی کہیں کلام اللہ موجود ہے اگر مولوی عمار علی صاحب کو یہ علم ہو کہ شیعوں کو کلام اللہ یاد نہیں ہوتا ہم کلام اللہ کے حوالوں کی کونکر تصدیق کریں تو میں پتے وار تبتلا ہوں۔ سودہ احزاب میں باسیوس سپارہ میں قریب ربع کے آخر کے رکوع سے پہلے رکوع کے شروع ہی میں یوں ارشاد فرماتے ہیں **يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُذَنِّبْنَ عَلَيْهِنَّ مِثْرًا مِّثْرًا** یعنی ہرے اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی بیویوں اور بیٹیوں کو اور مومنوں کی عورتوں کو کہ اپنے اوپر اپنی چادریں ڈال لیا کریں فقط اب گزارش یہ ہے کہ اتنی بات تو مولوی عمار علی صاحب بھی سمجھتے ہوں گے کہ بنات جمع جمع کم سے کم تین پر بولی جاتی ہے اور اگر کبھی توسع کر کے دو پر بھی اطلاق کر دیں تب بھی ایک سے تو زیادہ ہی ہوگا بہر حال یہ کہنا کہ حضرت فاطمہ کے سوا اور کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیٹی ہی نہ تھی تب بھی غلط ہوگا انوس مولوی صاحب کو اتنی شرم بھی نہ آئی کہ کوئی سے گاتو کیا ہوگا اگر مولوی صاحب نے ہم جانے یہ سن رکھا ہے الحیا جمع الرزق یعنی حیا رزق روک دیتی ہے اس لئے شاید اس پر بھی دھیان نہ فرمایا الحیا بمعنی من الایمان کیونکہ ایمان کا ثمرہ بالفرض کچھ ہوا بھی تو آخرت میں ہوگا رزق تو کج ہاتھ سے جائے ہے اور پہلے لوگ فرما گئے ہیں۔

”نقد ربا بنیہ گذشتن کار خردمندان نیست“

بالجملہ یا تو مولوی صاحب یہ تسلیم فرمائیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کئی بیٹیاں تھیں پھر یہ آپ تسلیم کر گئے کہ وہ حضرت زینب وغیرہا تھیں کیونکہ سو ان کے اور کسی کی نسبت تو کسی نے یہ دعویٰ کیا ہی نہیں ورنہ آیات ربانی کے منکرین کے لئے یہ تازیانہ موجود ہے۔ وَمَا جَعَلْنَا بَنَاتَكَ إِذَا نَكَحْتَ فِرْعَوْنَ يَعْنِي نہیں انکار کرتے ہوئی آیات سے مگر کافر۔ اور اگر کافر بن جانا گوارا کریں اور اس بات کو نہ مانیں کہ سوا حضرت زہرا رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کے اور بھی کوئی بیٹی تھی تو ناچار پھر ہمیں شیعوں ہی کی کتابوں کی سند دینی لازم ہوگی انھیں تو سمجھنا نہیں بتائیں گے اور اگر ہماری ضد میں ان سے بھی دست بردار ہوں تو سبحان اللہ چشم مارو شن دل ماشاد۔

بنات طہیات کی تعداد از روئے کتب شیعہ بہر حال اس امید پر اس باب میں روایات کتب معتبرہ شیعہ ہی نقل کرتے ہیں، نہج البلاغہ میں جو شیعوں کے نزدیک مثل صحیفہ آسمانی اور آیات قرآنی کے ہے اور اس کے مرویات کو سب اثنا عشریہ متواتر سمجھتے ہیں علامہ رضی جو اس کے جامع ہیں حضرت امیر کا قول حضرت عثمان کے خطاب میں یوں نقل فرماتے ہیں **فِي بَلْعَتِ مِثْرٍ صِهْرِي** صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم **مَا لَمْ يَنْزِلْ** یعنی الشیخین حاصل اس کا یہ ہوا کہ حضرت امیر رضی اللہ عنہ حضرت عثمان ذی النورین کو کسی مقام میں یوں فرماتے ہیں کہ تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دامادی کا وہ شرف میسر آیا ہے کہ ابو بکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما کو بھی میسر نہیں آیا اور شیخ الطائفہ ابو جعفر طوسی تہذیب میں جو صحاح اربعہ شیعہ میں ہے اور سنگ کافی لکھنی ہے امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے یوں روایت کرتے ہیں۔

كَانَ يَقُولُ فِي دُعَائِهِ اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى سَرَقِيَّةَ بِنْتِ نَبِيِّكَ اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى أُمِّ كَلثُومَ بِنْتِ نَبِيِّكَ یعنی حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ دعائیں یوں کہا کرتے تھے کہ یا اللہ رحمت بھیج حضرت زینب پر جو تیرے بنی کی بیٹی ہیں یا اللہ رحمت بھیج حضرت ام کلثوم پر جو تیرے بنی کی بیٹی ہیں۔ اور اس پر بھی تسکین خاطر نہ ہوا ورنہ جناب مولوی صاحب قبل اپنی وہی مڑی کی ایک مانگ گائے جائیں اور اس کی یوں تاویل کرنے لگیں کہ عرف کی رو سے انہیں بیٹیاں کہنا ہونے پالک کو سارا جبال بیٹا بیٹی کہا کرتے ہیں ورنہ حقیقت میں حضرت فاطمہ بی بی تھیں تو میں بھی انشاء اللہ مولوی صاحب سے تسلیم ہی کر کر چھوڑوں گا۔ لکھنی میں روایت موجود ہے۔ **نَزَّوَجَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ حَنَانِيَّةَ وَهُوَ ابْنُ يَصْعَ وَعِشْرَتَيْنِ سَنَةً فَوَلَدَ لَهُ مِنْهَا قَبْلَ بَعْثِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ الْقَاسِمَ وَزَيْنَبَ وَأُمِّ كَلثُومَ وَوَلَدَ لَهُ بَعْدَ الْمُبْعَثِ الطَّيِّبَ وَالطَّاهِرَ وَفَاطِمَةَ** حاصل اس روایت کا یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے حضرت خدیجہ الکبریٰ سے جب نکاح کیا تو اس وقت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر شریف کچھ اوپر پوس برس کی تھی سو حضرت خدیجہ سے آپ کے لفظ سے پہلے نبوت کے کو حضرت قاسم اور حضرت رقیہ اور حضرت زینب اور حضرت ام کلثوم پیدا ہوئے اور بعد نبوت کے حضرت طیب اور حضرت طاہر اور حضرت زہرا رضی اللہ عنہم اجمعین پیدا ہوئے اس روایت میں شیعوں کو کچھ تین پانچ کرنے کی گنجائش نہیں ہے پالاک ہونے کے احتمال کو بھی پیش نہیں کر سکتے اور اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چار صاحبزادیاں تھیں ایک تو حضرت زہرا رضی اللہ عنہا اور تین اور۔ حضرت زینب حضرت رقیہ حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہن اور یہی سنتوں کا دعویٰ ہے

پہر مولوی صاحب نے کمال تورع کے باعث تین کے عدد کو منہ پر لانا بھی گوارا نہ کیا اور اہل سنت کی طرف دہی صاحبزادوں کا سوا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے دعوے کرنا بیان کیا معذرا انہوں نے سمجھا جرحیف کی بات کو جتنا گھٹایا جائے مناسب سبحان اللہ اس تجربہ بڑا ہلست کی بیسوں کتابوں کے نام گناتے چلے جاتے ہیں کوئی جلنے مولوی صاحب کی نظر میں سب گزری ہوئی ہیں حضور کو اس بات کی تو خبر ہی نہیں جو زبان مذہب عام و خاص اہل سنت ہے اہل سنت کی کتابوں کو دیکھنا تو کہاں نصیب میں جانوں کسی سنی طالب علم سے کتابوں کے نام سن بھل گئے ہیں ورنہ بعضی بعضی کتابیں جو حضور نے رقم کریمہ میں ان کے حوالہ سے غصب فدک بیان فرماتے ہیں شاید خواب میں بھی نہ دیکھیں ہوں خصوصاً جمع الجوامع اور مسند احمد بن حنبل علیہما السلام اور کتابیں بھی ایسی ہی ہیں۔ ہر چند بعد اس تحریر کے محکمہ کچھ ضرورت تحریر نہیں۔ اہل فہم اور اہل انصاف کے نزدیک دو ٹوک بات ہو گئی۔

مذکورہ جو نام معدوم ہونے کی دلیل نہیں ہے لیکن مولوی صاحب کی خوش فہمی کی تعریف بھی ہمارے ذمے واجب ہے جناب مولوی صاحب اس دعوے کی دلیل کہ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے سوا حضرت رسالت پناہی صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کوئی صاحبزادی نہ تھی یوں رقم فرماتے ہیں کہ اگر حضرت رقیہ اور حضرت ام کلثوم بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیاں

ہوتیں تو ان کے فضائل بھی مذکور ہوتے۔ جیسے حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کے فضائل طوفان کی کتابوں میں موجود ہیں کیا دلیل ہو کسی نے ایسوں ہی کی تعریف میں کہا ہے کہ رع۔ تریں فہم و دانش بیادگریت اگر مولوی صاحب کو تو استدلال کی خبر نہ تھی تو کسی سے پوچھ لینا تھا۔ آخر اتنا بھی اوروں ہی کی تے چٹھی کے بھروسے پر بے حجب ہی تو یوں بے تحقیق جو چاہا لکھ دیا، جناب مولوی صاحب معقولات کے طور پر تو انتہائی جواب بہت ہے کہ عدم الاطلاق یا عدم الذکر عدم الشیء پر دلالت نہیں کرتا۔ لیکن آپ کے سامنے تو بے نقل کام نہیں چلتا کیونکہ کمال تورع سے معقولات کے ذکر کو تو آپ حرام ہی جانتے ہونگے جناب باری تعالیٰ سورہ نساء کے آخر میں ارشاد فرماتا ہے۔ وَرَسُولًا قَدْ قَفَّضْنَا هَهُمْ عَلَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَرَسُولًا كَمْ فَقَضَّضَهُمْ عَلَيْنَا یعنی بہت رسول تو ایسے ہیں کہ ان کا قصہ ہم نے تجھ سے کہلایا ہے پہلے سے اور بہت سے رسول ایسے ہیں کہ ان کا قصہ اور احوال ہم نے تجھ سے بیان ہی نہیں کیا۔ غرض اگر کسی کا ذکر نہ کرنا اس کے عدم کی دلیل ہو کرے تو لازم آئے کہ سوان رسولوں کے جن کا کلام اللہ میں مذکور ہے نفوذ باللہ نہ کوئی اور رسول پیدا ہی ہوا ہو معذرا یہ کچھ لازم ہے کہ کسی بزرگ کی اولاد سب کی سب برابر ہوا کرے۔ اور اگر اس بات کو مانیں تو مولوی صاحب بھل کر مانیں۔ پھر حضرت امام محمد باقر اور زید شہید کو دیکھ جائیے کہ برابر کیا یہ تو مولوی صاحب نے فرمایا ہوتا کہ اہل سنت حضرت ہار رضی اللہ عنہا اور حضرت ام کلثوم کو برابر سمجھتے ہوں۔ حاشا وکلا حضرت فاطمہ کو جو شرف ہے وہ اور کے لئے نہیں۔ اِنَّكَ فَضَّلْتَ اللّٰهَ يُؤْتِيْهِ مِنْ نِّشَاۓ

عمر ابن الخطاب کی تائید دانی باقی یہ جو مولوی صاحب رستم

فرماتے ہیں کہ حضرت رقیہ اور حضرت ام کلثوم میں سے ایک کا نکاح ابوالعاص سے ہوا تھا یہ مولوی صاحب کی قوت حافظہ کی دلیل ہے "ارے دروغ گورا حافظہ بنا شد" جناب من ابوالعاص سے حضرت زینب کا نکاح ہوا تھا اور دونوں صاحبزادیاں من کا نام آپ نے لکھا ہے ابوباب کے دو بیٹوں سے منسوب ہوئیں تھیں اور حافظ ابن حجر کا نام کیوں بڑا کرتے ہو۔ خطا تو اپنی ہے اور لگاتار میں اوروں کے ذمہ اور یہ جو مولوی صاحب

ارشاد فرماتے ہیں کہ باوجود قوت اسلام کے وہ کافروں کے نکاح میں رہیں مولوی صاحب ہی کی جرأت ہے سبحان اللہ وہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیاں نہ تھیں تو حضرت خدیجہ کی بیٹیاں تو تھیں۔

اور ہم جانیں کہ شیعہ بھی ام الاطہ حضرت خدیجہ الکبریٰ کی اتنی تو پاسداری ضرور کرتے ہوں گے کہ ان کی بیٹیوں کو مسلمان تو سمجھتے ہوں گے اور خیر کوئی سمجھے یا نہ سمجھے مولوی صاحب تو ان کو مسلمان ہی سمجھتے ہیں کیونکہ اگر وہ دونوں کافر ہوتیں تو اس کے کہنے کیا حاجت تھی جس وقت کہ باوجود قوت اسلام کے کافروں کے نکاح میں رہیں اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے علیحدہ نہ کیا اگر عثمان کے نکاح میں آئیں تو کیا قباحت ہے عثمان تو خود مسلمان تھا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو اور ان کافروں سے بدرجہا بہتر تھا انتہی .. پھر کسی مسلمان کے خیال میں آسکے ہے کہ باوجود قوت اسلام اور شوکت اہل اسلام کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اونٹنے مسلمان عورت کو بھی رچ جائیکہ حضرت خدیجہ کی بیٹیاں کفار کی قید میں رہنے دیتے۔ مسلمان عورت کو قید کفار سے رہائی دلانے کا کوئی حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، خداوند کریم تو بر غاص و عام کو اس کی تاکید فرماتا ہے کہ مسلمان عورتوں کو کفار کی قید سے چھڑاؤ یقین نہ ہو تو سورہ نسا کی یہ آیت موجود ہے۔

وَمَا لَكُمْ لَا تَقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ
وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ
وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ
سَرِّبْنَا وَانْجِزْنَا مِنْ هَذِهِ الْفَرَسَةِ
الظَّالِمَةُ أَهْلُهَا وَاجْعَلْ لَنَا مِثْلَ
لَدُنْكَ وَلِيًّا وَاجْعَلْ لَنَا مِثْلَ
لَدُنْكَ نَصِيرًا۔

یعنی خداوند کریم مسلمانوں کو یوں ارشاد فرماتا کہ تمہیں کیا ہو گیا ہے تو تم خدا کی راہ میں قتال نہیں کرتے اور ضعیفوں کے چھڑانے کیلئے نہیں لڑتے۔ یعنی وسطے نا توانوں کے مردوں اور عورتوں اور بچوں جو یوں کہہ رہے ہیں کہ اے اللہ میں اس بستی سے نکال جس کے رہنے والے ظالم ہیں اور اپنی طرف سے ہمارا کوئی خبر گیر نہ

مددگار نہ دے۔

معجزہ اشیعوں کو بھی معلوم ہو گا کہ ان آیات کا نزول قبل فتح مکہ ہے اور فتح مکہ سے پہلے ایسی شوکت اسلام نہ تھی کہ آپ ملک عرب میں جو چاہیں سو کر لیں، سو اگر مولوی صاحب کا یہ مطلب ہے کہ اس آیت کے نزول تک وہ مکہ معظمہ ہی میں تھیں تب تو قطع نظر جھوٹ کے ان کافروں کے پنجہ میں رہنے کا قائل ہونا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اس پردہ میں طعن کرنا ہے اور اگر اس آیت کے نزول سے پہلے ہی وہ تشریف لے آئی تھیں۔ سو شوکت ہی آپ کو کونسی تھی جو باوجود اس کے آپ نے ان کافروں کے نکاح میں رہنا لو اور کیا اور اگر ہم سے پوچھئے تو حق یوں ہے کہ قبل بعثت بنوی کے دونوں صاحبزادیوں کا نکاح ابولہب کے دو بیٹوں عتبہ اور عتبہ سے ہوا تھا بعد بعثت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جب ابولہب بر سر ریخاش حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہوا تو عدوت کے باعث اپنے بیٹوں سے کہہ کے آپ کی صاحبزادیوں کو طلاق دلا دی سو وہ دونوں اول سال ہجرت ہی میں مدینہ منورہ آگئی تھیں، یہاں تک کہ غزوہ بدر میں جو پہلے ہی سال ہجرت میں واقع ہوا ہے ایک صاحبزادی تو حضرت عثمان کے نکاح میں تھیں۔ اور انہیں کی بیماری کے باعث حضرت عثمان کو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ منورہ میں رہنے کی اجازت دی تھی۔ مگر تاریخ دانی اور راست بیانی مولوی صاحب پر ختم ہے جو جاپاں فرمادیں۔

ذوالنورین کے فضائل اور واقعہ شہادت کی تفصیل باقی حضرت عثمان کے باب میں جو کچھ مولوی صاحب نے لکھ کر اپنی عاقبت خراب کی ہے اس کا جواب ہم سے نہیں ہو سکتا ہم کس کو کیسے ہیں حضرت علی اور حضرت عثمان دونوں بمنزلہ دو آنکھوں کے ہیں بجز اس کے کہ یوں کہیں کہ مولوی صاحب کو خدا سمجھے اور کیا کہیں اور یہ ہوا ارشاد ہے کہ بعد وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عثمان رضی اللہ عنہ نے بدعتیں کیں۔ اس کا جواب تو جب لکھا جاتا ہے ان کو کھتے معجزہ آیت وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا اور اس کے بعد کی آیات کے ترجموں میں بزرگی اصحاب ثلثہ بالخصوص اور باقی اصحاب بالعموم مذکور ہوئی ہے اس لئے اس کو زشتہ نکتہ گیری مناسب نہیں اور باقی حضرت عائشہ کا حضرت عثمان کی نسبت اَفْتَلُوا اَفْتَلًا یا اَلْعَنَ اللّٰهُ اَفْتَلًا یا اَفْتَلُوا خَوَاتِمَ الْمُصَاحِفِ کُنَا یہ سب ابن قتیبہ اور ابن اثیر

کوئی مساطی کی گھڑی ہوئی باتیں ہیں اور یہ جماعت کی جماعت کذاب مشہور ہیں اور شیخ
 خالی ہیں ان کے کہنے کو سفیوں کی طرف منسوب کرنا اسی مثل مشہور کا مصداق بننا ہے
 پیادے آپ لگا دے اور دلوں کو مولوی صاحب کو شرم نہیں آتی کہ ان افسانہ بانے در فرغ
 کو سفیوں کی کتابوں کی طرف منسوب کر کے ایک دوسرا جھوٹ اپنی گردن پر رکھتے ہیں۔
 عمار علی کی فنون عرب میں بھارت | اخیر جو صاحب کہ ان کتب پر عبور رکھتے ہیں وہ حقیقت الامر
 کو آپ جانتے ہیں اور جو نہیں جانتے ان کے اطمینان کے لئے اتنی بات بہت ہے کہ اُفْتُلُو
 جو صحیح ہے اس کے ترجمہ میں تو قتل کر۔ جو واحد کا ترجمہ ہو رقم فرماتے ہیں چنانچہ ملاحظہ نقل خط
 مولوی صاحب معلوم ہو جائے گا اس میں تو خیر یہ بھی احتمال ہے کہ کر دوئی واو یہاں نہ ہو مولوی
 صاحب کے قلم سے رہ گئی ہو مگر اس میں تو ہو کی بھی گنجائش نہیں کہ لَعَنَ اللہ کا ترجمہ لعنت
 کرو، زبیر رقم ہے کجا ماضی کجا معنی امر؟ بالہنہ لفظ اللہ کے ترجمہ میں ضمیر واحد غائب
 کے معنی واحد حاضر کے لئے، نہ معلوم یہ کون سے محاورہ کے موافق مولوی صاحب نے ترجمہ
 کیا؟ ادنیٰ سے ادنیٰ طالب علم جانتا ہے کہ کسی طفل میزان خوان کو مصدر کے معنی
 بتلا دیجئے تو اگر اس میں پاریہم ہوگا تو وہ صحیح صحیح اُفْتُلُو اور لَعَنَ کے معنی بتلا سکتا
 مگر جناب مولوی صاحب اس تحریر پر کہ مقتدا، شیخ اور امام اما میرا سی سب سے ہو گئے
 ہیں ہنوز جمع اور واحد اور ماضی اور امر کے فرق کو نہیں سمجھتے، بجز اس کے اور کچھ نہیں
 کہا جاتا کہ یا تو حضور کو میزان تک کا سلیقہ نہیں اور یہ عامہ بندی اور کرتہ پوشی اور
 دعوائے علم و امامت فقط اتنی بات پر ہے کہ دو چار باتیں کہیں سے سن بھاگے ہیں اور
 بوجہ جعل سازی عوام کی نظر بندی کر کے روٹیاں مروڑتے پھرتے ہیں یا قدر لیل مایہ علم
 تو ہے پر خداوند کریم نے موافق وعدہ واللہ لَا یُحْدِی الْقَوْمَ الظَّالِمِینَ مولوی
 صاحب کو بوجہ شامت بد اعتقادی اور بد گوئی مقربان الہی صحابہ سلیمین صلی اللہ
 علیہ وآلہ واصحابہ اجمعین (جسار بطلان مذہب مولوی صاحب کے لئے اتنی بھی توبہ دیت
 نہیں کرتا کہ ترجمہ ہی ٹھیک کر لیں
 بہر حال اس سلیقہ اور اس استدلال پر ایسے ایسے مضامین عالی میں گفتگو کرنے

کو تیار نہیں اور اہل سنت سے کہ ان کا طریقہ ہو ہونفت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے
 اور اس میں بزرگ گجائش عت گری نہیں الجتنے کو موجود ہیں اور با اس ہمہ ایسی ایسی کتب کا
 حوالہ دیتے ہیں کہ بجز ادیب کامل ان کا مطلب صحیح نہیں سمجھ سکتا۔ اس استدلال کو دیکھ کر
 تو ہر کوئی سمجھ سکتا ہے کہ اگر بالفرض کچھ فیس نہیں تب بھی غلطی فہم سے تو مولوی صاحب کی
 باتیں خالی نہ ہونگی مگر ایک توجیہ ہو سکتی ہے یعنی یوں کہئے کہ مولوی صاحب بھی سچ فرماتے
 ہیں بیشک اہل سنت کی معتبر کتابوں میں ان روایات کو لکھ کر یوں لکھ دیا ہے کہ یہ روایات
 موضوع اور اقرار ہیں شیعوں کی گھڑی ہوئی ہیں وہاں کچھ اور مطلب تھا مولوی صاحب
 کمال فطانت سے اپنا مطلب سمجھ گئے۔
 سو اس قاعدہ پر اگر مولوی صاحب جیسے رہیں تو ہمیں یقین ہے کہ رفتہ رفتہ ترقی
 کر کے کتاب اللہ سے مال کے نہ دینے کے مضمون رکال کر مالداروں سے بہت سا کچھ کا
 لیں گے کیونکہ کلام اللہ میں لَا یُحْسِنُ الدِّینَ یَبْخُلُونَ مَا تَلَاهُ اللہ مِنْ
 فَضْلِهِ کے بعد کھو خیر لہم لکھا ہوا ہے تو کل کو مولوی صاحب فرمانے لگیں گے
 روکو کا نہ دینا بہتر ہے اور فرعون کے حق میں رَبِّکُمْ اَکْثَرَ غَلًّا مذکور ہے تو فرعون کو رب
 اعلیٰ بتائیں گے، علی بذالقیاس مولوی صاحب یوں رقم فرمانا کہ استیعاب میں لکھا ہے یہاں تک
 بدعتیں کیں کہ صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنگ ہو کر اسے قتل کیا سراسر دروغ
 اور بہتان صاف ہے اتنی بات کو عوام اور نادان بھی جانتے ہیں کہ اہل سنت میں سے کوئی
 شخص حضرت عثمان کی نسبت حنفیہ نہیں۔ دل و جان سے ہر کوئی ان کا معتقد خالص ہے
 اور مبتدع اور اہل بدعت کو اہل سنت سراسر مکراد سمجھتے ہیں اور کبھی مخالفت ان سے رکھتے
 ہیں اور کیونکہ مخالفت نہ رکھیں بدعت تو خلاف سنت ہی کو کہتے ہیں سو اگر ایسی معتبر
 کتابوں میں حضرت عثمان کی نسبت مبتدع ہونا مذکور ہوتا تو اہل سنت میں ستان کا کوئی
 نام بھی نہ لیتا چہ جائیکہ یہ اعتقاد۔
 یہ سب مولوی عمار علی صاحب کی جعل سازی ہے مگر موافق نقل مشہور
 حق ہر زبان جاری شود، مولوی صاحب بلکہ پیشوایان مولوی صاحب اس جھوٹ میں

بھی سیاحت حق کہہ گزرتے اتنا تو معلوم ہوا کہ اہل بدعت قابل قتل ہیں سوال سنت کو کھینچنا چاہیے کہ وہ کس رُجھ کو مقبول ہوں گے اور جب اہلسنت مقبول ہوئے تو لاجرم شیعہ مردود اور داخل زمرہ اہل بدعت اور قابل قتل ہوں گے القصد اگر آدمی نہیدہ ہو اور مولوی صاحب کی ان فریب بازیوں کو دیکھے تو بلا تامل دجال نہیں تو کو چک ابدال دجال کبھی اللہ اللہ ایسے فریب باز ہم نے بھی نہ دیکھے تھے نہ سنے تھے اپنی کتابوں کی روایات کو جو حضرت زقیہ اور حضرت ام کلثوم کے بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہونے پر دلالت کرتی ہیں چھپا کر رجحوت بول دیا تو بظاہر یہ احتمال تھا کہ اہلسنت کو شیعوں کی روایات کی کیا خبر ہوگی پر اس بے حیائی کو دیکھنا کہ اہل سنت کے سامنے اہل سنت ہی کی کتابوں کے حوالہ سے رجحوت بولتے ہیں دروغ گویم برروئے تو۔

ذی النورین کے بچاؤ کے لئے صحابہ اور اہل بیت کی جانکاهی خیر مولوی صاحب کو تو اس شرف سے کب شرم آتی ہے مینا تو حیا والوں ہی کو آتی ہے۔ اس لئے لازم یوں ہے کہ صحابہ کا اولیہ بیت کا بدل و جان حضرت عثمان کے بچانے کی تدبیروں میں مصروف رہنا اور متنی اجازت حضرت عثمان درباب قتال اہل ہوا ہونا روایات صحیحہ اور تواریخ طرفین سے ثابت کیجئے تاکہ مسلمان سادہ لوح مولوی عمار علی صاحب کی ان ابلہ فریبوں سے فریب میں نہ آجائیں اور شاید مولوی صاحب کی بھی اس خواب غفلت سے آنکھ کھل جائے اور اس نشہ ضلالت سے چونک ٹھیں بخور سنئے کہ جو کچھ مولوی صاحب نے رقم فرمایا ہے محض افترا اور سراسر بہتان ہے لڑکے اور دروئے بھی ہوں تو کچھ جائیں کہ یہ فقط مولوی صاحب کی شہادت ہے اس لئے کہ حضرت طلحہ اور حضرت زبیر اور حضرت عائشہ اور امیر معاویہ اور حضرت عمرو بن العاص جو حضرت امیر سے لڑتے تھے تو حضرت عثمان کے قصاص ہی کیلئے تو لڑتے تھے چونکہ قاتلان حضرت عثمان علیؓ کے حضرت امیر کے ساتھ ہوئے تھے اور حضرت بنا چاری انہیں کچھ نہیں کہہ سکتے تھے کیونکہ وہ بسبب کثرت اور شورہ بشتی کے کسی سے دبتے نہ تھے اور بجائے خود یوں کہتے تھے کہ جب ہم نے نبی بنائی خلافت کو درجہ برم کر دیا تو اوروں کی کیا ہستی ہے؟ حضرت طلحہ اور حضرت زبیر وغیرہم کو تو اس قسم کے توہمات تھے کہ حضرت علی دربارہ قصاص مناسبت

کرتے ہیں اور امیر معاویہ اور ان کے ذیل کے لوگ یوں سمجھتے تھے کہ حضرت عثمان حضرت علی ہی کے اشاووں سے قتل ہوئے ہیں۔

خیر تواریخ طرفین شیعہ و سنی (کی) حاضر میں صحابہ نے بلوا قتل عثمان رضی اللہ عنہ کے دبانے میں اپنی طرف سے کچھ قصور نہیں کیا پر قدریوں ہی تھا تا مقدور کلمہ کلام سے بلوایوں کو سمجھایا جب کچھ ان کی سمجھ میں نہ آئی تو حضرت عثمان سے قتل قتال کی اجازت چاہی پر حضرت عثمان ہی قتل قتال اور جنگ و جدال کے روادار نہ ہوئے بلکہ کمال تاکید سے مانع آئے لاجہاز کے صحابہ خاموش ہو کر بیٹھ رہے بائیں ہمہ پانی کے پہنچانے اور بلوایوں کے ہٹانے میں آخر تک تدبیروں میں مشغول رہے حضرت زید بن ثابت القمار تمام انصاریوں کو لے کر آئے اور جوانان انصار نے کہا اگر فرماؤ تو دوبارہ انصار خدا بنیں عبداللہ بن عمر تمام ہاجرین کے ساتھ آئے اور یہ کہا جنھوں نے تم پر بلوا کر رکھا تو وہی لوگ ہیں جو ہماری ہی تلواروں کا مسلمان ہوئے ہیں اور اب تک ان صدقوں کے دوسے پاجامہ میں بیٹھے دیتے ہیں یہ لڑی بڑھ بڑھ کے باتیں کرنی ان کی اس سبب سے کہ کلمہ گو ہیں اور تم کلمہ گوئی کا لحاظ کرتے ہو اگر فرماؤ تو انہیں ان کی حقیقت دکھلا دیں اور وہ بھولے دن پھر انہیں یاد دلادیں حضرت عثمان نے فرمایا یہی بات مت کہو ایک میری جان کے لئے اتنا بیکامہ سلام میں پر پامت کرو دیگر باہنہ حضرت حسنین عبداللہ بن عمر عبداللہ بن زبیر ابو ہریرہ عبداللہ بن عامر بن رعبہ اور سوا ان کے اور صحابہ حضرت عثمان کے ساتھ ان کے گھر میں تھے اور جب بلوائی ہجوم کرتے تھے تو یہ سب صاحب پتھر لٹھی مار مارا ہٹاتے تھے اور دروازہ بند کر دیتے تھے اور حضرت عثمان کے غلام جو ایک فوج کی فوج تھے یہاں تک کہ اگر آپ ان کو حکم دے دیتے تو اہل بلوا کو حقیقت معلوم ہو جاتی ہتھیار اور لڑائی کا سامان لے کر حاضر ہوتے اور کمال زاری اور بے قراری سے کہہ کہ ہم وہ لوگ ہیں کہ خراسان سے افریقہ تک کوئی ہماری تلوار کے سامنے نہیں ٹھیرا اگر حکم ہو تو ان لوگوں کا گھمڈ نکال دیں اور تماشا دکھلا دیں کیونکہ سمجھانے سے تو ان کی اصلاح نہیں ہوتی انہوں نے دیکھا کہ کلمہ گوئی کے باعث ہمیں کوئی چھڑ نہیں سکتا اسلئے روبرو نہیں ہوتے اور تمہارے اور سوا تمہارے اور بڑے بڑے صحابہ کی بات نہیں سنتے حضرت

عثمان یہی فرماتے جاتے تھے کہ اگر میری خوشی منظور رہے اور میرا حق ٹھک ادا کرنا چاہتے ہو تو ہتھیار الگ کر کے اپنے گھروں میں بیٹھ رہو۔ اور جو ہتھیار الگ کر دے گا اسے میں نے آزاد کیا واللہ خیر ذی خلاق سے پہلے اگر میں مقتول ہو جاؤں تو یہ مجھے اچھا معلوم ہوتا ہے اس بات سے کہ خوزیر کی بعد مارا جاؤں یعنی میری شہادت تو لکھی ہوئی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا تھا تم لڑو یا نہ لڑو میں مقتول ہوں۔ سو کیا فائدہ کہ لوگ بھی مائے جانیں اور مطلب بھی حاصل نہ ہو۔

اور تواریخ فریقین میں موجود ہے کہ حضرت امیر رضی اللہ عنہ نے اپنے صاحبزادوں اور حضرت جعفر کی اولاد کو اور اپنے چیلے کو حضرت عثمان کے دروازہ پر متعین کر رکھا تھا اور حضرت طلحہ اور حضرت زبیر نے بھی اپنے بیٹوں کو دروازہ پر بٹھادیا تھا کہ بلوایوں کو دھکے دیتے رہیں۔ سو جب اہل بلوا ہجوم کر کے آتے تھے یہ سب لاشیٰ ٹکڑی سے جوتا تھیں آجاتا، لڑتے تھے یہاں تک کہ حضرت سبط اکبر امام ہمام امام حسن رضی اللہ عنہ خون آلودہ ہو گئے محمد بن طلحہ اور قبر کے سر پر زخم لگا جب دروازہ کی راہ سے اہل بلوا کو آنے کی کوئی صورت نظر نہ آئی اور اندر گھسنے کی کوئی تدبیر نہ بنی تو چپے سے بعض انصاریوں کے گھر میں نقب دیکر اندر گھس گئے اور حضرت عثمان کو شہید کر دیا۔

ذوالنورین کے لئے امام کی مدافعت | بیچ البلاغت جوامع الکتب شیعہ ہے اس بات کی گواہ ہے حضرت امیر سے اس میں روایت ہے کہ انہوں نے یہ فرمایا وَدَعَوْا قَدْ دَفَعْتُ عَنْهُ یعنی حضرت علی قسم کھا کر فرماتے ہیں کہ واللہ میں نے تو حضرت عثمان سے اس بلا اور اس ہلوا کو بہت ہی بٹھایا، اس کی شرح میں تمام شرح بیچ البلاغت نے روایت کیا ہے کہ حضرت امیر بلوا کے دلوں میں جب حضرت عثمان کے گھر میں آتے تھے تو بلوایوں کو چابک مار مار دے کر تے تھے اور برا بھلا کہتے تھے اور لعنت کرتے تھے ابن عمر کوئی یعنی شیعوں کا تو بخ جو حضرت عثمان وغیرہ اصحاب کرام کا دشمن جان ہے وہی اپنی فتوح میں نقل کرتا ہے کہ حضرت امیر نے فرزند ارجمند سبط اکبر امام حسن رضی اللہ عنہ کو بلا کر فرمایا کہ حضرت عثمان کے پاس جاؤ اور کہو میرے والد کا دل تمہاری ہی دست لگا ہوا ہے فرماتے ہیں میں سنتا ہوں کہ یہ لوگ تمہارے مقدم میں

کچھ بہت شہد و خل کر رہے ہیں اور کسی کی نصیحت نہیں سنتے اور تمہارے قتل کا مصمم ارادہ کئے بیٹھے ہیں اس لئے تمہاری طرف سے مجھے بہت اندیشہ ہو رہا ہے اگر فرماؤ تو میں بھی آکر تمہارا مددگار ہوں اور ان لوگوں سے لڑوں اور جس طرح بن پڑے ان لوگوں کو تمہارے دروازہ سے ہٹاؤں حضرت امام حسن حسب ارشاد والد ماجد حضرت عثمان کے پاس آئے، اور یہ پیام پہنچایا انہوں نے فرمایا مجھے منظور نہیں کہ آپ تکلیف اٹھائیں اور ان لوگوں سے لڑیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا ہے یوں فرماتے ہیں، اگر ان لوگوں سے لڑو تو لڑو فتح ہوگی اور نہ لڑو تو زہر ہمارا پاس کھولیں۔ سو اب یہی تمنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جا کر روزہ کھولے۔ حضرت حسن چپ ہو کر چلے آئے۔

حضرت امام کا کوئی معاملہ ظاہری نہ تھا اب سنئے اہل ایمان کا تو یہ کام نہیں کہ حضرت امیر کے تمام معاملات کو نفاق اور ظاہر داری پر محمول کریں شیعہ اگر حکم ائمہ و فضیلت علیٰ نفسہ حضرت امیر اور صاحبزادوں کے ان معاملات اور ان تمام گفتگوں کو منافقانہ سمجھیں، تو انہیں اہل ایمان ہی کون سمجھتا ہے معاذ اللہ حضرت امیر رضی اللہ عنہ اور نفاق، جو کفر از کعبہ پر خیز و کجا ماند مسلمان، اور اگر بالفرض محال نفاق ہی تھا تو اسی وقت ہو گا اپنی خلافت میں کو فہمیں جب غلطی میں اس بات پر قسم کھائی۔ کریں نے قاتلان عثمان کو بہت بٹھایا تو اس وقت کیا دباؤ تھا جب تو حضرت عثمان بھی شہید ہوئے تھے اور قطع نظر شجاعت کے کار فرمائے خلافت بھی آپ ہی تھے مگر مے ہوئے سے تو نامور بھی نہیں ڈرتے اور بے سروسامان کو ہراس نہیں ہوتا، حضرت علی کو اس شجاعت اور اس شوکت پر کیا ہوا کہ اب تک بھی عثمان کا خوف نہ گیا اگر بزرگ شہید اس میں کچھ نفاق ہوتا تو حضرت عثمان کی شہادت کے بعد باؤ از بلند یوں کیوں لڑتے؟ دنیا عثمان کے لئے دگر محابہ کا روئے اور حضرت عبداللہ بن سلام ہر صبح کو بلوایوں کے پاس جاتے تھے اور فرماتے تھے کہ حضرت عثمان کو قتل مت کرو ورنہ ان کے قتل کے بعد بہت سے فتنے فساد اٹھیں گے۔ اور حضرت حذیفہ بن الیمان جن کو منافقین کا علم تھا اور حضرت امیر نے بھی ان کے حق میں اس علم کی گواہی دی، چنانچہ شیعوں کی کتابوں میں موجود ہے بلوایوں کو حضرت

عثمان کے قتل سے تاکید منع کرتے تھے۔ اور یہ فرماتے تھے کہ ان کا مارا جانا بہت فتنوں کا باعث ہو جائے گا اب کوئی مولوی صاحب پوچھے کہ یہ لوگ جن کا مذکور ہوا صحابہ نہیں تو اور کون ہیں؟ پھر ان میں سے حضرت علی تو وہ ہیں کہ وہ اکیلے لاکھوں کے برابر ہیں۔ خصوصاً شیعہوں کے نزدیک، سو اگر بالفرض والتقدیر صحابہ ہی نے ان کو قتل کیا ہوتا تو حضرت علی تو مانع ہی تھے، پھر مولوی صاحب نے کس خوبی پر جو کہ موقع میں کہہ دیا کہ صحابہ رسول نے تنگ ہو کر اسے قتل کیا، مگر میں ہی چوکا مولوی عمار علی صاحب بلکہ تمام شیعہ حضرت امیر اور بزرگان مسطور الامم کو صحابہ نہیں سمجھتے، یہ تو ابوباش کوفہ اور برہہ اشان مصر اور منافقان امت کو صحابہ سمجھتے ہیں۔ سو یہی لوگ ہیں جو حضرت عثمان کے قتل کے لئے اکٹھے ہو کر آئے تھے۔ سو مولوی صاحب اپنے عندیہ کے موافق پسخ ہی کہا ہے، نفوذ ہے اس عقل ناہنجار پر کہ اپنے مذہب کے پابند بھی تو نہیں، بہر حال یہ جو مولوی صاحب نے لکھا، یہ کہ صحابہ نے تنگ ہو کر قتل کیا سر تنہا ان اور دروغ صریح ہے پر جسے نہ خدا کا ڈر نہ خود خلق کی شرم وہ جو چاہے سو کرے مگر ہم تو اس بے حیائی اور اس جرأت پر غش ہیں کہ کس لای سے نہ فرماتے ہیں اگر سند مطلوب ہو تو روانہ کر دی جاوے۔

۱۰۔ چدر لاو رست وزدے کہ بکف چسراخ دارد

حضرت علی پر بزدلی کا بہتان اور یہ جو کچھ جناب مولوی صاحب حضرت عائشہ اور حضرت علی کی جنگ کے باب میں رقم فرماتے ہیں کہ ان کی باہم بہتر جنگ نہیں ہوئیں ہیں اور جہاد مال دنیا کے واسطے نہیں ہوتا یہ بجاد رست، مگر تعجب ہے کہ اس بات میں مولوی صاحب نے کچھ جھوٹ نہیں بولا ہم جانیں یہ مثل سچی ہے **اَلْكَذِبُ ذُو بُذْ ذَنْ يَصْذُقُ** یعنی جھوٹا کبھی سچ بھی بول دے ہے لیکن تاہم بھی حق سے چشم پوشی کر ہی گئے! حضرت علی کے صحابہ ثلاثہ سے جہاد نہ کرنے کو اس وجہ پر محمول کرتے ہیں کہ حضرت علی کے پاس انصار اور مددگار کب تھے۔ کوئی مولوی صاحب سے پوچھے کہ انصار اور مددگار کی ضرورت جہاد میں فقط اسی وجہ سے ہوتی ہے کہ تنہا آدمی مجمع کثیر کے مقابل میں کیا کرے گا؟ سو جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر بوجہ نہ ہونے انصار کے قبل مدینہ منورہ کو آنے کے جہاد نہ کیا تو بجائے خود

تھا کہ آپ میں تنہا تاب مقابلہ کفار نہ تھی۔ حضرت امیر کو کیا عذر تھا جو انہوں نے تنہا جہاد نہ کیا کیونکہ خود اپنے حال میں کیا فرماتے ہیں۔

حضرت علی تمام دنیا پر بھاری تھے! ریح البلاغت میں جو ریح الکتاب شیعہ ہے علامہ مبنی قتل کرتے ہیں۔

قَالَ امِيرُ الْمُؤْمِنِينَ اِنِّي وَاللَّهِ لَوْ قَتَلْتَهُمْ وَاحِدًا وَهُمْ يُلَاحِظُ اَكْذَابُ حُلُقَامًا بَابَايْتُ وَلَا اسْتَوْحَشْتُ وَابِي مِنْ خَلَا لَيْتِهِمُ الْبَقِي فِيْهَا وَاللَّهِ الَّذِي اَنَا عَلَيْهِ لَعَلِّي بِصِيْرَةٍ مِنْ نَفْسِي وَتَقِيْنِي مِنْ رِيْجِي وَرَبِّي اِلَى لِقَاءِ اللَّهِ وَحُسْنِ ثَوَابِهِ لَنَنْظُرَنَّ وَرَاجٍ

یعنی فرمایا حضرت امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ نے کہ تحقیق قسم اللہ کی اگر میں ان سے تنہا ہوں اور وہ اس کثرت سے ہوں کہ تمام زمین کو دیکھتے دیکھتے ہوں تو میں کچھ پروا نہ کروں اور گھبراؤں اور مجھے انکی گلابی اور اپنی ہلیرت دجالی آنکھوں کی نظر آ رہی ہے! اندھ کی طرف سے اس کا یقین ہو گیا اور میں اللہ تعالیٰ کے ملنے اور اس کے اچھے ثواب کا منتظر اور امیدوار ہوں۔ نقطہ

جو شخص کہ تمام روئے زمین کے آدمیوں بلکہ اتنے آدمیوں سے بھی جو زمین کو ڈھک

لیں تنہا نہ ڈرے اس کو انصار اور مددگار کی کیا حاجت؟ ہاں اماموں کی موت اپنے اختیار میں نہ ہوتی تو یوں بھی کہہ سکتے کہ نہ گھبرانے اور نہ پروا کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ آدمی مارا بھی نہ جائے شاید اس سبب سے جہاد نہ کیا ہوا ہے۔ سمجھا میں تنہا لڑوں تو فتح تو معلوم یا راہی جاؤں گا پھر کیا حاصل؟ جہاد اعلا دین کے لئے ہے جب وہ تو حاصل نہ ہوا اور فقط جان ہی جاتی ہے پھر جہاد کا ہے کے لئے کیجئے؟ کچھ خدا کو فقط جسان گنونا تو مطلوب نہیں۔

حضرت علی شجاعت میں بے مثل اور اپنی اور صورت یہ کہ امام کا انتقال اس کے اختیار میں ہو موت پر قابو پانے تھے (برغم شیعہ) چنانچہ کلینی نے اس کو ثابت کیا اور تمام امامیہ اس پر متفق ہیں تو پھر تنہا جہاد میں وہ ترقی دین ہوتی کہ مجمع کی صورت میں ہرگز ممکن نہیں مددگاروں کی وجہ سے اگر آدمی نہ مارا جائے تو کرشمے کی بات نہیں ہاں تنہا ہو کر پھر

تمام خیال جن کو نہ ہمارے اس لیے زیادہ اور کامیاب ہو گا۔ چند جو عجائب پرست ہیں اگر ایسا معجزہ کسی سے دیکھ لیں تو بیشک پکارا نہیں کہ الہ اکاھو ایک دروغ بھی اگر ایسی لڑائی لڑ لیتے تو بہت سے بہت تکلیف ہوتی تو اتنی ہی ہوتی کہ آپ زخمی ہی ہو جاتے یا بیہوش ہو جاتے، لیکن عموماً یہ اعتقاد لوگوں کے دل میں بیٹھ جاتا کہ چیرے تو سکنا اور موافق مخالف سب حلقہ بگوش حضرت امیرؓ ہو جاتے اور دین کی ایسی ترقی ہوتی کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس کرات مرآت کثیر کثیر انہو سے جہاد کر نہیں وہ ترقی نہ ہوئی تھی کیونکہ کفار غلبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بوجہ جمعیت سمجھ کر مقتدر نہ ہوئے تھے اسی واسطے اپنے غلبہ کی بھی امید رکھتے تھے اور لڑنے سے دریغ نہ کرتے تھے اگر حضرت امیرؓ تنہا لڑتے تو جو مطلب کہ حضرت امام ہمام امام ہمدی کے آنے پر موقوف تھا وہ بھی حاصل ہو جاتا اور اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو کچھ گذرا وہ ظہور میں نہ آتا۔ لیکن افسوس تو یہ ہے کہ لڑنا تو شے دیگر حضرت امیرؓ کو اصحاب ثلاثہ کے سامنے بھی اتنا بھی نہ بولے جتنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابو جہل اور امیر بن خلف اور ابو لہب اور ولید بن عقبہ وغیرہم کے سامنے بول لے تھے، طرفہ تماثل ہے کہ جناب سرور کائنات کے اس زور اور اہل اور قوت اور شجاعت کے باب میں کوئی ردا یت نہ ہو، اور وہ تو جی گوئی کی بدولت کفار ننگو نسا کے ہاتھ سے عالم تنہائی میں کیا کیا جفا یتیں اٹھائیں یہاں تک کہ علاوہ دشنام ہانے نا فرجام اور دوست درازی ہانے بے اندازہ کی نوبت یہ پہنچی کہ گھر باہر سب کو اوداع کیا۔

حضرت علیؓ نے پوری زندگی خوف و دلالت گذاری (زرع شیعہ) حضرت امیرؓ کو ایک دفعہ بھی یہ نوبت نہ آئی کہ علیؓ الاعلان حق گوئی اختیار کریں اور جفا یتیں اٹھائیں یا مدینہ منورہ سے ہجرت کر کے شرف ہجرت کو اضاعاف مضاعف فرماتے بلکہ ہم پیالہ ابدیم نوالہ انہیں کے پیچھے نمازیں پڑھتے عید جمعہ میں انہیں کے خطبہ سنتے انہیں سے رشتہ پیوند قرابت پیدا کرتے تمام عمر یوں ہی گذاری اور بھی کچھ نہیں ہوئے تھے تو جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیقہ نہ کیا تھا آپ بھی نہ کرتے، القصد حضرت امیرؓ کے جہاد نہ کرنے کو اس بات پر معمول کرنا کہ آپ کے ساتھ انصار اور مددگار نہ تھے کمال سنا بہت ہی بلکہ درپردہ حضرت امیرؓ کی تکذیب

کرتی ہے تو حضرت امیرؓ کو یوں ارشاد فرماتے ہیں کہ میرے مقابلہ میں سارا جہان بھی آجائے تو کچھ اندیشہ نہیں اور پھر بوجہ موت کے اختیاری ہونے کے تنہائی کی صورت میں اور امید یہودی تھی اور مولوی صاحب یوں ارشاد فرمائیں کہ حضرت امیرؓ انصار کے محتاج تھے معجزہ اور کتابوں کو تولیٹ کر دیکھیں انصار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر نعم شیعہ سب انصار و مددگار حضرت امیرؓ کے اولاد انصار آپ کی مددگار رہی آپ کے ایام خلافت میں اکثر اولاد انصار آپ کے ساتھ تھی پھر کیا وجہ کہ آپؓ اصحاب ثلاثہ کے زمانہ میں جہاد نہ کیا؟ انصاف یوں ہے کہ حضرت امیرؓ دل معین و مددگار خلفائے ثلاثہ رہے خصوصاً شیخین، کہ آپؓ نے ان کی تعریفیں اپنی خلافت میں بھی کی ہیں اور ظاہر ہے کہ وہ زمانہ لقیہ کا نہ تھا باعتماد و مجبور امید اس زمانہ میں آپؓ پر تقیہ حرام تھا۔ چنانچہ پہلے مرقوم ہو چکا، اور نیز اس زمانہ میں ان کا انتقال ہو چکا تھا مرے ہونے سے تو نامردوں کو بھی خوف نہیں ہوتا چہ جائیکہ حضرت علیؓ؟ پھر ان سب قابع کے ملاحظہ کے بعد اور حضرت علیؓ کی شجاعت اور کمالات اور قوت ایمانی کو خیال کر کے اہل ہم کو تو بجز اس کے خیال میں نہیں آسکتا کہ حضرت علیؓ کا سکوت فقط اسی وجہ سے تھا کہ ان کو غلبہ برحق سمجھتے تھے حضرت علیؓ باوجود بے مثل شجاعت کے باقی جناب مولوی صاحب کا یہ ارشاد کہ جہاد و مل دنیا کے جگر گوشہ رسولؐ کو فدک نہ دلا سکے لے ہوتا ہے ہر چند درست ہے لیکن ہم پوچھتے ہیں کہ مظلوم کی نصرت دین میں سے ہے یا دنیا میں سے؟ اور مظلوم بھی کون جگر گوشہ جناب کے الاولاد ہیں و آخرین، اگر ایسے مظلوموں کی نصرت داخل دین ہے تو حضرت علیؓ نے باوجود اتنی استطاعت کے کہ کراکیلے سارے جہان کا مقابلہ کر سکتے تھے اور اپنی جان کا کچھ زیان بھی نہ تھا معجزہ انصاف ان انصار تھے کیوں حضرت زہراؓ کی مدد نہ کی؟ اگر حضرت زہراؓ معاف کر دیتی جب بھی ایک بات تھی حسب الارشاد مولوی صاحب موصوف تامد واپس ابو بکر صدیقؓ کا ظلم ان کے پیش نظر تھا اور اگریں کہیے کہ نصرت مظلوم کار دنیاوی ہے تو دنیا کی خوبی اور بزرگی تو سب ہی جانتے ہیں اس صورت میں نصرت مظلوم اگر ممنوع بھی نہ ہوگی تو موجب ثواب بھی نہ ہوگی واجب تو درگنا پھر بایہ نہ ترک نصرت حضرت امیرؓ رضی اللہ عنہ کے جو سینہا شیعہ لبریز شکایت صحابہ اور اولاد صحابہ پر محض جیجا ہوا لیکن ہم جانتے ہیں کہ مولوی صاحب نصرت مظلوم کو مجملہ دین بلکہ واجب

ہی قرار دیں گے کیوں اول تو کلام اللہ اور احادیث طریقیں اس مضمون سے مشون ہیں، دوسرے صاحب کے مطاعن کی کوئی بات چاہیے مولوی صاحب تو اس پر غش ہیں بلا سے حضرت امیر پر بھی حرف اُجائے مگر اس خدائی ذات سے یقین ہے کہ ہم نے جو کچھ تفسیر کے باب میں اوپر لکھا ہے اگر مولوی صاحب بخور دیکھیں تو زبان سے بھی نہ کہیں گے تو دل سے تو بیشک اس بات کے معتقد ہو جائیں گے کہ حضرت امیر کا اصحاب ثلاثہ سے بیعت کرنا اور فدک کے نہ دینے پر سکوت کرنا سب بوجہ حقانیت اصحاب ثلاثہ تھا نہ بوجہ تفسیر۔ اور اگے جو کچھ تھا ہے۔

انشاء اللہ وہ تقریر مابقی کی اور تاکید کرے گا۔ اس مجموعہ کو دیکھ کر سب کو معلوم ہو جائے گا کہ حضرت امیر کی وہ لوگ زیادہ قدر کرتے ہیں جو یوں کہتے ہیں کہ آپ کسی سے ہارے ہوئے نہ تھے اور بسبب ضعف اور ناتوانی کے خلفاء کے ساتھ موافقت نہ رکھتے تھے بلکہ محض خدا واسطے۔

یا وہ لوگ جو یوں کہتے ہیں کہ آپ ذلیل و خوار بے سرو سامان ناتوان ناچاری کے باعث اطاعت کرتے تھے اور آپ کے دل میں کچھ تھا اور نہ ان پر کچھ تھا تمام عمر اخفاء حق اور کتمان دین میں مصروف رہے اور باوجودیکہ آیہ وَكَأَن تَلَکْسُوا الْحَقَّ بِأَلْسِنَاطِلٍ وَتَکْتُمُوا الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ (جس کا یہ مضمون ہے کہ غلط ملتفت کرو حق کو باطل کے ساتھ اور مت چھپاؤ حق کو جان بوجھ کر) آپ کو یاد تھی پھر بھی حضرت اصحاب کے ساتھ ایسا ہم یہالہ اور ہم نوالہ ہوئے کہ بظاہر حق و باطل کی تمیز دشوار ہو گئی چنانچہ کہ وہ عظیم المسنت اسی دعوے میں اصحاب ثلاثہ کی حد سے زیادہ توفیر کرنے لگے اور معاملہ سب برعکس ہو گیا دین اصلی بہت ضعیف اور مخفی رہ گیا۔

حضرت ام کلثوم کے نکاح کی بحث [میرا مطلب حضور کے رقبہ میں یہ ہے کہ حضرت ام کلثوم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نواسی جو حضرت علی کے صلب اور حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہما کے شکم سے تھیں ان کا نکاح حضرت محمد بن جعفر طہاسے ہوا تھا پر چند یہ جواب سوال سائل پر بظاہر منطبق ہے لیکن حقیقت میں دیکھئے کہ یہ جواب سوال سائل سے ایسی ہی نسبت رکھتا ہے جیسے کہ کسی کا کہنے کے اس سوال کے ساتھ کہ لالہ تیل بھی ہے لالہ کا یہ جواب ہاں میاں آلو بھی ہے اتنا تو مولوی صاحب بھی سمجھتے ہوں گے کہ سائل کی غرض اس بات کے پوچھنے سے کہ حضرت

علی کی بیٹیوں کا نکاح کس کس ہوا ہے یہی ہے کہ یہ جو مشہور ہے کہ حضرت ام کلثوم دختر مطہرہ حضرت زہرا رضی اللہ عنہما کا نکاح حضرت عمر سے ہوا ہے صحیح ہے یا غلط ہے؟ اور یہ بھی احتمال ہے کہ مولوی صاحب نہ سمجھے ہوں اس لئے کہ بات بھی تو بہت مشکل ہے بہر حال جناب مولوی صاحب نے اس جواب میں طرفہ چال لائی کہ ہے کہ جواب کا جواب دے دیا اور بات کی بات رکھ لی مگر نہ معلوم اس جواب میں پہلی چال کیوں بھول گئے یا اور کوئی عمدہ مصلحت نظر آئی یہ تو حضرت ام کلثوم کی مولوی صاحب کی طرف شکایت تھی کہ ان کی خالوں کو تو مولوی صاحب نے جفا قطع نسب مستحق و عظیم کیا انہوں نے کیا قصور کیا تھا جو مولوی صاحب نے اس عتاب سے محروم رکھا کیا وہ اہل بیت میں سے تھی جو اس جفا سے دریغ کیا مگر مولوی صاحب کی طرف سے میں جواب دیئے دیتا ہوں الْفَضْلُ بِالْمُنَقَدِّمِ یعنی بزرگی پہلوں ہی کے لئے ہے، اس مثل کے خلاف کیونکر کر دیں شاید ملازمان مولوی صاحب کو یہ گمان ہوا ہو کہ حضرت ام کلثوم بنت سید النساء کی تزویج کا قصہ حضرت عمر سے بہ نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہا جزا دیوں کے نکاح کے جو حضرت عثمان سے ہوا تھا ایک جدید امر ہے اور تازہ بات، مبادا اس کا کوئی جاننے والا ہوا قلعی کھل جائے پھر میں نہ کہش ہوں اہل سنت ان دونوں قصوں کو کیساں پرانا سمجھتے ہیں اور اس فرق کو فرق نہیں سمجھتے۔ اب کے جناب مولوی صاحب اگر میرا در علی صاحب کو یہ مضمون لکھ کر کہ حضرت ام کلثوم حضرت زہرا رضی اللہ عنہما کی بیٹی ہی نہ تھیں اصلاح تحریر مستقدم کر دیں اور اندیشہ بطنی سیناں ہو تو غرض کہ موجودہ آپ کچھ خدا سے تو زیادہ نہیں؟ جب خداوند کریم کو بایں ہمہ علم غیب بک آواقع ہوتا تو آپ تو آدمی ہی ہیں۔

القصہ مصلحت یوں ہے کہ اسماء بنت عیس کی طرف منسوب کر دیجئے اور محوٹ ہے تو بلا سے، چو آب از سر گذشت چہ یک نیزہ چہ یک دست، جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہا جزا دیوں کی نسبت میں تصریح کیلئے نواسی کے نسب میں بھی یہی مسند اور انبائے روزگار فقط دنیا کے لئے سینکڑوں جھوٹ بولتے ہیں آپ نے اگر دو جھوٹ حفظ دین کے لئے بول دیئے تو کیا غضب ہوا بلکہ منظر اس ننگ و ناموس دین اور متابعت

بدگمان اور احمق اہل ایمان کو اب عظیم ہے کیونکہ یہ بھی ایک قسم کا نقیہ ہے۔

عمار علی کی تلبیس | لیکن جناب مولوی صاحب کے لوازم رائے نئی اور شورہ گوئی میں سے ہے کہ جملہ مراتب نفع و نقصان سے اطلاع کر دیجئے۔ اس لئے معروض ہو کہ بائیں ہمہ منافع ایک اس میں نقصان بھی ہے کہ جناب بائیں تعلق لے لیں بھی فرماتا ہے وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْفُرُوا بِالْحَقِّ وَآخِذُوا بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ یعنی حق باطل کو مت رلاؤ اور نہ جھپٹو حق کو جان بوجھ کر دوسرے یوں بھی فرماتا ہے وَلَا تَكْفُرُوا الشَّهَادَةَ مَن يَكْفُرْهَا فَإِنَّهُ أَلَسَّ قَلْبَهُ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَهُوَ يُضِلُّ مَن يَشَاءُ لَئِن لَّمْ يَظْهَرْ عَلَيْكُمْ إِذْ هُمْ يَنْصُرُونَ ثُمَّ يُنْزِلُ اللَّهُ السُّيُوفَ فِيهِمْ وَلَهُ الْعَذَابُ عَظِيمٌ گواہی اور جو چھپائے گواہی تو اس کا دل گھنگارہ ہے، ان دونوں آیات پر نظر کر لیجئے مگر بھی سے غلطی ہوئی آپ نے اب کون سی احق و باطل کے رلائے اور شہادت حق کے چھپانے میں یہی کی ہے جو اس کا اندیشہ ہوا اس زیادہ اور کیا رانا ہو گا کہ حضرت عمر کے نکاح کا نام ہی نہ لیا بلکہ اصل رانا تو یہی ہے اگر مصافحہ کر دیتے اور کہہ دیتے کہ حضرت عمر کے یا حضرت علی کے کوئی بیٹی ہی نہ تھی تو یہ رانا نہ تھا اسے انکار کہتے ہیں اور عربی زبان میں اسے مجبور کہتے ہیں اور یہ جو اکثر کتاب ہے وَمَا يُخْفَىٰ بِأَيِّ قِتْنَةٍ تَوَاسَىٰ مَقَامِ میں آتا ہے اور یہ انداز کہ جواب کا جواب ہو جائے اور پھر بات بات سے نہ جائے جیسے مولوی صاحب نے اس مقام میں کیا ہے تو یہ عین حق و باطل کا رلا دینا ہے معذرت حق باطل کے غلط ملط کر دینے میں جو برائی ہے تو فقط اسی سبب سے کہ دوسرا کوئی دھوکا نہ کھائے در صورتیکہ اہل سنت جماعت نے شیعوں کی روایات کو ثابت کر دیا ہو کہ حضرت ام کلثوم کا نکاح حضرت عمر سے ہوا تو کیا اندیشہ؟ وہ دھوکے کی بات ہی نہ رہی جس سے ڈرئے اور اگر آپ کو یقین نہ آئے تو یہ دیکھیے آپ کے یہاں کی روایتیں اس باب میں ہمارے پاس موجود ہیں۔ آپ اپنی عادت سلف و عا و فریب کو نہ چھوڑ بیٹے۔

فاروق سے ام کلثوم کا نکاح حضرت عباس نے کیا تھا | قاضی نور اللہ صاحب شہید ربیع حضرت عباس عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال میں رقم فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عباس سے بہت محبت تھی اور ان کے حق میں یوں فرماتے تھے کہ عباس میرے باپ کی جگہ ہے اور وہاں کے بہت ہی کچھ ان کے فضائل لکھے، اس کے بعد لکھتے ہیں کہ حضرت عباس نے حضرت عمر کے کہنے کے موافق حضرت امیر سے حضرت ام کلثوم کے نکاح کی خواہش گاری کی حضرت امیر نے

اول بار انکار فرمایا دوسری دفعہ سکوت فرمایا، بعد ازاں حضرت عباس نے خود حضرت ام کلثوم کا حضرت عمر سے نکاح کر دیا حضرت امیر جو بقلیہ منع نہ کر سکے اس لئے چپکے ہوئے یہ قاضی صاحب کا بیان۔

بزرگ شیعہ حضرت عباسؓ عارف ہیں ہوں گے | میں نے اپنے اعتقاد کے موافق حضرت عباس اور حضرت کے نام پر لفظ حضرت لگا دیا ہے ورنہ قاضی صاحب سے اس تعظیم کی کسے امید ہے؟ اس لئے کہ حضرت عمرؓ تو ان کے نزدیک حضرت عمرؓ ہیں وہ حضرت عباسؓ کے حق میں بھی مای بیان کے پس و پیش میں یوں لکھتے ہیں بلکہ یہ تقریر بھی بطور دلیل ہی بیان کی ہے اور مطلب اصلی ان کا یہ ہے کہ وہ اعراف میں ہوں گے، لیکن حق بات چھپی نہیں رہتی ماقبل خود جانتے ہیں کہ جو ایسے محبوب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہوں وہ اعراف میں کیوں کمرہ میں گئے؟ ان کے تو نیاز مند بھی اگر جنت میں چلے جائیں تو کچھ بعید نہیں، حیف حدیث مہمان حضرت امیر رضی اللہ عنہ کا تو یہ رتبہ ہو کہ ان کے محبتوں کو کوئی گناہ ضرر نہ کرے بلکہ گناہ تو گناہ کفر بھی ضرر نہ کرے،

محبوب رسول اعراف میں اور سودی و نصرانی جنت میں | چنانچہ فی الدین انہی نے زمینا بن اسحق نصرانی کے ختی ہوئے کا لفظ چند قبول کی تعریف کے باعث جن کے مضمون سے محبت حضرت علیؓ شکیستی ہے حکم کر دیا ہے حالانکہ انہیں ابیات سے اس کا نصرانی ہونا ثابت ہے اور ایسے ہی ابن فضلونؒ بیہود کو سب علماء اس فرقہ کے بزرگ سمجھتے ہیں اس کا باعث بھی یہی دوقین تلبیس ہیں۔ القہر حضرت علیؓ کا تو یہ رتبہ کہ ان کے محب بھی اگرچہ کافر ہی کیوں نہ ہوں جنت میں جائیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب بھی جنت میں نہ جملنے پائیں اعراف سے آگے

شعر زینا نصرانیؓ

عبدی و نسیم کا احوال ذکر ہم	بسوء و کفنی محب لہا شہ
و سابعترینی فی علی و اہلہ	اذا ذکر و انی اللہ لومۃ لائہ
بقولون ما بال نصرانی محبتہم	و اہل البنی من اعز و اعلمہ
فقلت لہم انی کا حسب جہم	تکفری قلوب الخلق حتی البہائم
لا یغفلون	و اعف عنی بحق ال رسول
رب حب لی من لعینۃ سولی	سید اکا ولیاء بعل تبول
واسفی شوبۃ بکف عی	

قدّم رکھنے کی اجازت نہ ہو اور پھر محبوب بھی کون چاہا جان اور وہ بھی مسلمان ہو گیا کہ کافر ہوئے تو اعراف تک کی نوبت میسر کہاں آتی کیونکہ کفار کے لئے توسیع تیار ہے فرماتے ہیں اِنَّا اَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ سَكِينًا وَاعْلَاكَ وَسَعِيرًا یعنی ہم نے کافروں کے لئے تیار کر رکھی ہیں زنجیریں اور طوق اور سیر۔ دوسری آیت وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ یعنی جو لوگ کافر ہوئے ان کا ٹھکانہ جہنم کے اور کچھ نہیں بہر حال قاضی صاحب کی تحقیق کی خوبی دیکھنی چاہیے کہ کس دعویٰ کو کس دلیل سے ثابت کرتے ہیں اس سے واضح ہو گیا کہ حضرت علی بھی ان کو بجائے پدر بزرگوار ہی سمجھتے تھے اگر بالفرض اپنا بھی نہیں بھی جانتا تھا تب اس وجہ سے کہ حضرت عباس کا فرمانا اس قابل نہیں کہ نہایت ان کا فرمانا قبول کر لیا۔ نہ کہ تفسیر کی وجہ سے چپکے ہوئے ہے مگر حق گمراہ کرتا ہے۔ تو الٹی ہی سمجھ میں آتی ہے۔

حضرت علی کی خاموشی رفاہندی کی وجہ سے ہی اس پر حال اتنی بات ثابت ہے کہ حضرت ام کلثوم کا نکاح حضرت عمر سے بالضرور واجب باقی رہا عند تفریقہ سوا اہل عقل آپ پہچانتے ہیں کہ یہ خیال خام اہل تشیع نے ورنہ یہ روایت خود ہی اس کی تکذیب کرتی ہے کہ یہ ساخہ بوجہ تفریقہ حضرت امیر برگزیدہ ہو گئی مسلمان سمجھ سکتا ہے کہ اول تو حضرت امیر اور پھر تفریقہ یا ایسی بات ہے کہ جیسے کوئی یوں کہے کہ شیر ہو کر گیدڑوں سے ڈرتا ہے، اور پھر حضرت امیر کا تفریقہ بھی ایسے قصہ میں کہ کوئی کافر بے دین اور بے غیبت اور بے تکبر بھی گوارا نہ کرے، مہمنا یہ بھی منجملہ محالات حادی ہے کہ محبوب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ ہی کے خاندان کے ساتھ ایسی جفا اٹھو میں آئے اس لئے کہ محبت نبوی تو میزان حق و باطل ہونی چاہیے جس طرف کو آپ کی محبت جھکی وہ حق ہو دوسری جانب باطل، الغرض محبوب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لاریب اہل حق میں سے ہوں گے پھر اہل حق سے کہیں ہو سکتا ہے کہ آپ کی نواہی کو ایک کافر بے دین کے حوالہ کر دے؟ مہمنا ہم نے مانا کہ بوجہ تفریقہ ہی حضرت امیر نے یہ نکاح حضرت عمر سے کر لیا لیکن تاہم یہ عند تفریقہ پدر بزرگوار ہے حضرت عمر کے ساتھ حضرت علی کو بھی کیوں سانتے ہو؟

فادری اگر کافر ہوں تو امام علی بھی محفوظ نہیں بالجملہ یہ ممکنہ محفوظ خاطر رکھنا چاہیے اگر حضرت علی

مسلمان ہیں اور کامل الایمان ہیں تو حضرت عمر ضرور بالایمان ہیں کہ ان کے ساتھ اپنی لڑکی کا نکاح کر دیا اور حضرت عمر نے اگر لعوب باللہ کافر میں تو حضرت علی نے لعوب باللہ پہلے ہیں، کافر نہیں فاجر سہی کہ اپنی بیٹی کا نکاح ان سے کر دیا، اپنے آپ کیا تو کفر میں کچھ شک نہیں۔ اور زبردستی کر دیا تو باوجود اس استطاعت کے اتنی بے عزتی لعوب باللہ کافر کو اپنی چار بیٹیوں کو مار کر حضرت علی تو درکنار الہی تو خوب جانتا ہے کہ کس عقیقہ سے بدل و جان ناخوش ہوں، اور حضرت زہرا کی صاحبزادی کا یہ قصہ بنا چاری لکھتا ہوں کہ کسی طرح مولوی عمار علی صاحب نے حضرت علی کی طرف سے بدظن نہ رہیں۔

تذویج ام کلثوم کا کتب شیعہ سے عبارت اور خیر بھی نہ سہی ہم بھی دہونگے فی انشا اللہ تعالیٰ قاضی صاحب کو اماموں کے اقوال سے جھوٹا کریں گے کتب امامیہ میں صحیح صحیح روایتیں اس مضمون کی موجود ہیں کہ حضرت امیر نے حضرت عمر کو لائق فائق سمجھا اپنی صاحبزادی مطہرہ کا نکاح کیا نہ کہ جبراً کہ سئل الامام محمد بن علی الباقری عن تفریقہما فقال لولا انہ اذاکہ اھلاً لکما کان یزور جھاً آیاتہ وکانت آشرف نساء العالمین حدّ ہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وَاخَوَا اَھَا الْحَسَنَ وَالْحُسَيْنَ عَلَیْھِمَا السَّلَامُ سِتِّ اَنْبِیَآءِ اَھْلِ الْجَنَّةِ وَابْنُوہَا عَلِیٌّ وَ الشَّرَفُ وَالْمُسْقَبَةُ فِی الْاِسْلَامِ وَامْتَدَّ فَالْجَنَّةُ بِنْتُ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم وَجَدَ تَھَا حَدِیثُہُ بِنْتُ مُحَمَّدٍ رَضِیَ اللہ عَنْہَا حَاصِل اس کا یہ ہے

کہ حضرت امام باقر رضی اللہ عنہ سے حضرت ام کلثوم کے حضرت عمر سے نکاح کی وجہ پوچھی گئی، انہوں نے فرمایا کہ اگر حضرت علی حضرت عمر کو حضرت ام کلثوم کے لائق نہ سمجھتے مگر زان کا نکاح ان سے نہ کرتے تو وہ سارے جہان کی عورتوں سے زیادہ شرف والی تھیں، اس لئے کہ اناتوان کے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دو بھائی ان کے حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہما جو جوانان جنت کے مروا ہیں، باپ ان کے حضرت علی رضی اللہ عنہ جو اسلام میں شرف اور منقبت رکھتے ہیں اور اماں ان کی حضرت

فاطمہ سید النساء و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی، اور نانی ان کی عہدِ حیاتِ اکبرائے خلیلہ کی بیٹی رضی اللہ عنہا فقط۔

شیعہ کو اہل بیت سے محبت نہیں صحابہ سے عداوت ہے۔ اس روایت کو دیکھئے اور حضرت قاضی صاحب کی بناوٹ کو دیکھئے زود اس دعویٰ محبت پر کہ اس پردہ میں کیلکتے ہیں، مشہور تو یوں کرتے ہیں کہ ہم کو اہل بیت سے محبت ہے اور اس لئے صحابہ سے عداوت ہے اور ہماری تشکیص میں یوں آتا ہے کہ آپ کو اہل صحابہ سے عداوت ہے اور اس سبب اہل بیت کو اپنی طرف سے کھینچتے ہیں سو اہلیت کب اس طرح کھینچتے ہیں بلکہ اس طرف سے کھینچتے ہیں اور کوئی نہ کہیں۔ امام محمد باقر رضی اللہ عنہ پر تفسیر حرام تھا چنانچہ بحث تفسیر میں اس کی سند گذر چکی ان کے فرمائے کے بعد بھی حضرت علی اور حسین کیا ان کے ساتھ بنی ہاکم کو بے غیرت اور بے حیا بتلائے جاتے ہیں اور طاہرہ مطہرہ جگر گوشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو اسمائے سرید اللہ لیکن حب عنکمہ السر حبس اهل البیت و یطہرکم کما یطہرہم انی بشارت تطہیر میں داخل ہے بد شام و زنا عوز باللہ پیش آتے ہیں فدا ان عیشوں کو کچھ بھراہل بیت کا ان پر غصہ نہ ہو تو اور کیا ہو جس کے دل میں ایمان ہے وہ ایسی وابستات کو سن کے کانپ اٹھتے ہیں پر خدا جلنے ان تیرہ دردوں کو کیا ہوا کہ اپنے اس عیب کج کے مہر نہانے کے لئے اماموں پر بھی بہتان باندھتے ہیں یہ بے ایمان کہ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ پر بہتان باندھتے ہیں اور اپنا گناہ ان کے سر دھرتے ہیں اور اس نکاح کے علاوہ میں یہ ناپاک الفاظ نقل کرتے ہیں کہ جن کی نقل سے بھی جی ڈرتا ہے ترجمہ تو درکنار وہ الفاظ یہ ہیں وَ هُوَ اَوَّلُ فَزَحْ عَصَبٍ مِّنْ اِخْدَانٍ عَالَمِ الْغِیْبِ بَجْجِہِ رُوشن ہو کر میں بدل و زبان اس خیال ناپاک سے بری ہوں اور یوں محجہ کر کہ نقل کفر نہایت باس خیال نقل کرتا ہوں کہ شاید کوئی بے خبر ان دغا بازوں کے دام میں پھنسا ہو ان کے کہ کفریات سن کر شاید راہِ راست پر آجائے۔

جب حضرت علی کفر کے باوجود اگر رضی بناتی ہے تو قربت بھی ناپسند آفسوس ایک حضرت عمر کی عداوت کے سبب خاندان نبوی کو تو اتنا بے لگا دیا پر یہ نہ ہو سکا کہ بتقدیق اہل بیت حضرت عمر

ہی کو شامل رحمت اور مغفرت خداوندی سمجھ لیتے کیا یہ نسبت نزع زینب ان اسحق نصرانی اور ابن فضلون یہودی کے اشعار سے بھی گئی و جب علی رضی اللہ عنہ میں یہ تاثیر ہو کر ایمان کی بھی ضرورت نہیں حالانکہ کلام اللہ سے کفار کا ٹھکانا جہنم ہی معلوم ہوتا ہے چنانچہ مرقوم ہو چکا پھر کیا اتنی بھی تاثیر نہ ہوگی کہ اپنے واسطے داروں کو بخشوا لیں، بہر حال علماء شیعہ حضرت ام کلثوم کے حضرت عمرؓ سے نکاح ہونے میں متفق ہیں پر بعضے بھولے چو کے حق بات بول جاتے ہیں اور معنی بری طرح ادا کرتے ہیں سو ہمارا تو مذہب یہ ہے کہ خذْ مَا صَفَا وَ دَعْ مَا کَانَ رِیْکَ لَیْکِنْ مَوْلٰی عَمَارِ عَلٰی صَاحِبِ سَبِّ بڑھتے رہے انہوں نے سمجھا حق کو حق کہیے تو مذہب کی خیر نہیں بلکہ مذہب تو مذہب ہنیوں سے ہزار مرتبہ زیادہ حضرت عمرؓ کا معتقد ہونا پڑے گا کہ وہ اہلیت میں داخل ہو جائیں گے اور تفسیر کی صورت میں بھی باوجود جھوٹ بولنے کے وہی خرابی کی خرابی برسر، بلکہ اس سے زیادہ کیونکہ بطفیل اہلیت حضرت عمرؓ کے ناتی میں اتنی خرابی نہیں جتنا بطفیل عمر اہل بیت کے نہ ماننے میں خرابی ہے خصوصاً حضرت امیرؓ کے، اور در صورت تفسیر ظاہر ہے کہ کمال بے غیرتی اللہ بزدلی اور بے حیائی اور دین کی سستی اور حدود اور احکام میں ممانعت اور مدد ممانعت بھی اس قدر لازم آتی ہے، سو مولوی صاحب نے ہمارے نزدیک بہت اچھا بھلا کیونکہ جب جھوٹ بولنا ہی ٹھیک تو معقول ہی کیوں نہ بولے لے کو کچھ زیادہ ہی ہے

جو آب از سر گذشت نہ چہ یک نیرہ چہ یکے ست
چونکہ مولوی صاحب کے اس جمل سے فی الجملہ ہوشیاری ہوتی ہے تو عجب نہیں کہ اگرچہ کی بات کہی جائے تو ان کے دل میں لگ جانے اور شاید اس سبب سر دست نہیں تو رفتہ رفتہ حق کو حق سمجھ لیں ہیں بھی لازم پڑا کہ کوئی اور روایت بھی بیان کریں کہ اس میں ایک تو مولوی صاحب کا حضرت عمرؓ پر غیظ و غضب کم ہو جائے گا دوسرے کثرت روایات سے شرمناک شادان و فرحان نہیں تو دیکھتے ہی زبان سے شاید زبان جا میں وہ روایت یہ ہے دَوِّی اَبْنُ اَبِی الْحَدِیْدِ شَارِحُ تَفْہِیْمِ السَّلَاةِ فِی قِصَّةِ نَزْوِیْجِ اُمِّ کَلثُوْمِ فَجَاءَ عُمَرُ اِلٰی فِجْلِی لَمَّا حَزِنَتْ بِالرَّوْحَةِ وَقَالَ

رَفِئُوْنِي رَفِئُوْنِي قَالُوْا اَيُّا مَيِّتٍ اَلْمَوْتِيْنَ قَالَتْ بَرَزَتْ
اُمُّ كَلْتُوْمٍ بِنْتُ عَلِيٍّ بِنِ اَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ۔

حاصل یہ ہے کہ ابن ابی الحدید شارح نہج البلاغہ حضرت ام کلثومؓ کے کساح کے قصہ میں بیان کرتا ہے کہ جس جگہ مہاجرین روضہ میں بیٹھے ہوئے تھے حضرت عمرؓ نے اور بیفرمایا کہ مجھے مبارک باد دو مجھے مبارک باد دو، انہوں نے کہا یا امیر المؤمنینؓ کلمہ کی مبارک باد؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں نے حضرت ام کلثومؓ علی ابن ابی طالبؓ کی بیٹی سے نکاح کیا ہے فقط، اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کو اس نکاح سے بڑا افتخار تھا، اہل انصاف کے نزدیک یہی بات کفایت کرتی ہے کہ حضرت عمرؓ کے معتقد ہو جائیں کیونکہ بظاہر افتخار اسی وجہ سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرابت حاصل ہو گئی، اور کوئی یوں نہ سمجھے، لہذا کون سے گلے پر چھری رکھے ہوئے ہیں۔

حضرت ام کلثومؓ سے فاروقؓ کی اولاد اب مناسب یوں ہے کہ اس بات کا خاتمہ کیجیے پر بطور تنبیہ ایک اور امر معروض خدمت ہے بعضے امایوں نے سنیوں کے سامنے شرم اتارنے کے لئے حضرت سارہؓ زوجہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصہ میں سے اخذ کر کے یوں بات بنائی ہے کہ حضرت عمرؓ حضرت ام کلثومؓ پر قادر نہ ہوئے اور وجہ یہ ہوئی کہ ایک جن جن میں حامل ہو جاتا تھا سو ہر خبیث اس جا چھوٹا ہوتا اس روایت نامعقول سے بھی نکلتا ہے کہ جو حضرت امام جعفر صادقؓ کی لاش سے بنائی ہے مگر بایں ہمہ ہوا اثر ثابت ہو کر حضرت ام کلثومؓ کے شکم مبارک سے حضرت عمرؓ کے ایک بیٹا پیدا ہوا ان کا نام زید رکھا، وہ جوان ہوئے آخر کو بیس برس کی عمر میں نبی علیؓ کی باجمہ کی خانہ جنگی میں شہید ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون، اور ان کی والدہ بھی اسی ذریعہ بیماری میں انتقال کر گئی تھیں، اور نوجنازوں کو ایک دفعہ لکالا اور حضرت امام حسینؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے جنازہ کی نماز پڑھ کے دفن کر دیا اور یہ بھی نہ سہی یہ کیا تھوڑی بات ہے کہ مدت العمر حضرت عمرؓ کے پاس رہیں حضرت سارہؓ کسی ایسے کی لوائی نہ تھیں۔ جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ان کو ایک دم میں چھڑا دیا تو حضرت ام کلثومؓ کی تو زیادہ ہی قہر کرنی چاہیئے۔

باب مباحثہ فدک

الحمد للہ کہ مولوی عمار علی صاحب کی تمام افراط و تفریطوں کے جواب سے فراغت پائی مگر جو کچھ انہوں نے دوبارہ فدک زبان درازیاں اور افراط و تفریط درازیاں کہیں ہیں اس کی مکافات میں حسب مثل مشہور جیسے کو تیسرا اور جواب ترکی بہ ترکی، مناسب تو یوں تھا کہ ہم بھی کچھ نظم و نثر سے پیش آتے اور مولوی صاحب کی ہملات کے جواب میں مولوی صاحب کو بے نقط سا کر دیتے مگر چونکہ ایسی خرافات کا بکنا پاجیوں کا کام ہے ہم کو کیا زبیا ہے کہ ایسی نازیبا باتوں میں مولوی صاحب کے ہضم ہوں اور اپنی زبان کو گندہ کریں اور اہل عقل اور ارباب حیا سے شرمندہ ہوں مجتہد اصحاب ثلثہ کی اہانت کے انتقام میں مولوی عمار علی صاحب سے دست و گریباں ہونا تو ایسا ہی ہے جیسا چاند سورج پر پھونکنے کی سزا میں کتے کے کوئی پتھر لگائے یا آسمان کی طرف پھونکنے کے عوض میں کسی کم عقل نا بخار کے منہ میں کوئی پیٹاب کی دھار لگائے ظاہر ہے کہ اول تو چاند سورج کو ان حرکات ناشائستہ سے کیا نقصان بلکہ عقلاً کے نزدیک اور دلیل و نفعت مکان ہے دو کم کجا شمس و قمر کجا سگ و کم عقل سگ نژاد مساوات ہو تو ایک بات بھی ہے ورنہ سگ اور سگ مزاجوں کی اتنے میں کچھ عزت نہیں جاتی ہاں اپنی اوقات التبتنی الجملہ خراب جاتی ہے۔ سو ایسے ہی اصحاب ثلثہ کو اول تو مولوی عمار علی صاحب جیسوں کی اہانت یا برا کہنے سے کیا نقصان بلکہ الثاب باعث رفعت شان ہے۔ چاند سورج کی طرح وہ روشن ہوئے تو کتے ان پر بھونکے اور اوروں پر کیوں نہ بھونکے؟ دو کم کجا اصحاب ثلثہ کجا امثال مولوی عمار علیؓ جو ان کے برا کہنے کے عوض میں ان کو برا کہے کہ جی ٹھنڈا ہوا اور دل کا بخار نکلے یہاں تو یہی نسبت مذکور ہے۔ سو مولوی عمار علی صاحب جیسوں کے برا کہنے میں ان کی تو کچھ عزت نہیں جاتی جو قصاص تبرایا اہانت اصحاب ہو، ہاں اپنی اوقات خرافات میں صرف ہوگی۔ سو ہم کون سے محبت و مافی طوسی ثانی مولوی میرن صاحب کے پیلے چانٹوں میں سے ہیں جو عقل کی ریشمادت و بارہ دشنام نہ نہیں، دشنام بمذمبہ کطاعت با شد مذمبہ معلوم و اہل مذمبہ معلوم، اور دشنام کو عجلات نہ سمجھ کر مولوی عمار علی صاحب کو کالیاں مارے کر

ان کی عزت بڑھائیں اور مولوی عمار علی صاحب یا امثال مولوی عمار علی صاحب کو چھوڑ کر کسی
بے کور، کس توکس کو کہیں۔

حب اہل بیت حب صحابہ ایمان کے دو ہیں | اہلبیت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو ہمارے حق میں
چشم و چراغ ہیں ہمارے نزدیک اعتقاد صحاب اور حب اہل بیت دونوں کے دونوں ایمان کے
لئے بمنزلہ دہر کے ہیں، دونوں ہی سے کام چلے ہے، جیسے ایک پر سے ہاتھ بلند پر واز نصف
پر واز تو کیا ایک بالشت بھی نہیں اڑ سکتا، ایسے ہی ایمان بھی بے ان دو پہروں کے سارے
کے موجب فوز مقصود جس کی طرف اُولَئِكَ هُمَا لَفَا تَزُوْنَ يَا فَازُ فَوْزًا عَظِيمًا وغیر
میں اشارہ ہوا نہیں ہو سکتا بلکہ ایسا ایمان ایسا ہی ایمان ہے جس کا آیت لَا يَنْفَعُ نَفْسًا
اِيْمَانًا مِّنْ بِيْنِ يَدَيْهِ اِنَّ اَكْرَمَ قَدَمٍ قَدَمٌ شیعہ حضرات شیعہ ہوتے تو جیسے انہوں نے موافق
مثل مشہور غیروں کی بدشگنی کے لئے اپنی ناک کاٹ لی یمنوں کی خدمت میں اصحاب کرام کو برا کہہ
کے اپنے ایمان کا زیاں کیا ہم بھی شیعوں کی خدمت میں نفوذ یا لہ اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کو برا کہہ کر مثل خواجہ و نواصب اپنے ایمان کو خراب کرتے لیکن ہم کو تو پابندی
عقل و نقل سے ناجاری ہے شیعہ تو نہیں کہ مثل مشترک ہمارے گنہگار جائیں۔

حب اہل بیت و حب صحابہ ایمان کی دو آئیں ہیں | راہ کی بات تو یہ ہے کہ ہم کو دونوں فریق بمنزلہ
دو آنکھوں کے ہیں کس کو پھوڑیں جس کو پھوڑیں اپنا ہی نقصان ہو بلکہ جیسے کوئی
حسین متناسب الاعضا ہو کہ اس کی آنکھ ناک سب کی سب مناسب اور متناسب ہیں
اور پھر اس کی ایک آنکھ بیٹھ جائے تو دوسری آنکھ کی زرب بھی جاتی رہے گی، اور سپر
اگر بیٹھ ہوئی آنکھ کے حصہ کی فرضی بھی دوسری آنکھ میں آجائے اور اس میں بجائے
سپیدی بھی سیاہی ہی چھا جائے بجائے حسن ایسا قبیح المنظر ہو جائے کہ دلدادگان قدیمی
اور عاشقان صمیمی بھی اس کی صورت پر لا حول پڑھنے لگیں، خاص کر دوسری آنکھ جو
باقی رہی ہے بسبب اس کے کہ اپنے اندازہ سے زیادہ فراخ اور کشادہ اور سپیدی کی جا
بھی سیاہی ہی ہو گئی ہے، ایسی بری اور بد شکل ہو جائے گی کہ کچھ نہ پوچھو بلکہ اگر چشم
باقی ماندہ کو شعور اور اختیار ہو تو اپنی اسی حالت اصلی پر آجائے اور دوسری آنکھ کو بھی

پرستور قائم کر دکھلائے کیونکہ اپنا حق بھی اصل کیفیت اور دوسری آنکھ کی معیت میں ہے
شیعوں نے اپنے ایمان کی ایک آنکھ پھوڑ ڈالی | سو بعینہ ہی قصہ حضرات شیعہ کے ایمان کے ملاحظہ
کرنے سے معلوم ہوتا ہے، اعتقاد صحابہ اور حب اہلبیت جو بمقتضائے شہادات کلام اللہ اور
عزت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایمان کیلئے بمنزلہ دو آنکھوں کے ہیں (چنانچہ سالہ
ہذا کے ملاحظہ کرنے والوں پر پوشیدہ نہ رہے گا۔ ان دونوں آنکھوں میں سے شیعوں
نے ایک آنکھ کو پھوڑ دیا اور اس کے حصہ کی فرضی اور کٹاؤں کی بھی بلکہ اس سے بھی زیادہ
دوسری آنکھ کو دے کر اس کو خراب کر دیا۔ یعنی اعتقاد صحابہ کو جو بمنزلہ چشم ایمان ہے اپنے
ہاتھ کھو کر دوسری آنکھ یعنی حب اہل بیت کو اس قدر بڑھایا کہ صحابہ کے حصے کی محبت بھی
انہیں کے لئے سرف کردی، پھر جیسے کہ آنکھیں سفیدی کی جا بھی سیاہی آجائے ان حضرات
بزرگوار ذہن سے شیعہ نے بھی ایسا ہی کیا۔

وہ اس کی یہ ہے کہ جیسے آنکھ میں تل اور سیاہی اور سفیدی غرض چند قسمیں ہوتی
ہیں ایسے ہی عزت میں بھی چند قسمیں تھیں، اولاد اور ازواج اور سوان کے اور اقربا کیونکہ
بأنفاق اہل لغت عزت کے معنی خویش اور اقربا کے ہیں سوان سب میں سے حضرات
شیعہ نے فقط اولاد کو اور اولاد میں سے بھی فقط دس بارہ کو اور سوا اولاد ایک آدمی
کسی اور کو تو مخدوم و مکرم سمجھا باقی سب کے لئے تبرک ہے، پر جنکو اپنا پیشوا اور مقتدا بنایا اور
مخدوم و مکرم ٹھہرایا ان کے حق میں محبت کو کچھ ایسا حد سے بڑھایا کہ گویا صحابہ باقی ماندگان
عزت کے حصہ کی محبت بھی انہیں کے شمار کی، سو بعینہ ہی مثل ہے کہ آنکھ اپنے اندازہ
سے زیادہ کشادہ ہوئی تھی پر سفیدی کے عوض بھی سیاہی ہو گئی، شاید اس اجمال میں
نوافغان شیعہ کو حکم مثل مشہور المراء یقین غلی نفسیہ کے احتمال جعل و تبیس ہوا
لئے تفصیل اس اجمال کی ضرور کرنی پڑی، تاکہ اپنی کتاب اور اہل کتاب کی طرف مراجعت
کر کے باسانی تحقیق کر کے بتدقیق اس بیچارہ کی تصدیق کریں۔

شیعوں نے عزت میں سے بعض کی تکویم اور اکثر پر تیرا کیا | سو تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ حضرت
شیعہ حضرت رقیہ اور حضرت ام کلثوم و خیران مطہرہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم

کو سرے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیاں ہی نہیں سمجھتے یہاں تک کہ زبان
زود خاص شیعہ یہ بات ہوگئی ہے عام تو درکنار خاص بھی اسی حساب عام ہی ہیں بلکہ عام سے
بھی پرے، اور تو کیا کہوں، حالانکہ انہیں کی کتب معتبرہ سے ان دونوں مطہرات کا نسبت
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیاں ہونا ثابت ہوتا ہے، چنانچہ قریب ہی اس بات
کی شرح مرقوم ہو چکی، اور حضرت عباس عم بزگوار سید لاہر صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی
اولاد اور ایسے ہی حضرت زبیر بن العوام کو بھی داخل عمرت نہیں سمجھتے، اور اس قرابت قریب
پر بھی لحاظ نہیں کرتے حضرت عباس کی قرابت تو مشہور و معروف ہی ہے پر حضرت زبیر رضی اللہ
عنه بھی بسبب کثرت علاقہ ہائے قرابت گویا بمنزلہ برابر حقیقی کے تھے اول تو ان کی والدہ حضرت
صفیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمتہ اور ان کی دادی بالہ بنت وہب بن عبد مناف
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی خالہ اور ان کے باپ کی بھوپھی ام حبیب بنت اسد
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دادی اور ان کی حقیقی بھوپھی حضرت ام المومنین خدیجہ الکبریٰ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ و پھر ان سب کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی
ام زلف ان کی بیوی حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہا حضرت ام المومنین
عائشہ رضی اللہ عنہا کی بہن، ماسواں سب کے پانچویں پشت یعنی تعی بن کلاب میں رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملے ہیں، علماء نے لکھا ہے کہ اتنی کثرت سے قرابت کے علاقہ رسول
صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے اور کسی کو نصیب نہیں ہو سکتا۔

لیکن آفرین ہے حضرات شیعہ کو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقربا کے دشمن
ہوں تو ایسے ہوں کہ حضرت زبیر حبیب قریب عزیز کو تو باوجودیکہ وہ مجاہدین اولین میں
اور مجاہدین سابقین میں سے ہیں۔ اور سینکڑوں شبالت فرقانی اور وعدہ صائے
فرقانی ان لوگوں کی بزرگی پر گواہ ہیں۔ از جملہ کفار کونسا اور منافقین بکرہ در سمجھتے ہیں،
اہل بیت سے مراد کون ہیں؟ باقی رہیں ازواج مطہرات جو اہمات مومنین یعنی سب مسلمانوں کی
مائیں ہیں ان کی نسبت جو کچھ حضرت شیعہ ثنا خوان ہیں سب ہی جانتے ہیں، حالانکہ اصل
اہل بیت وہی ہیں کیونکہ اول تو اہل بیت کے معنی بعینہ اہل خانہ ہے اتنی بات تو لوگوں کو کچھ نہ جانتے ہوں

نورانی عمار علی صاحب بھی جانتے ہوں گے ذرا سے لفظ اہل بیت جو کلام اللہ میں واقع ہوا
ہے تو ازواج مطہرات ہی شان میں وارد ہوا ہے گو حضرت علی اور حضرت زہرا اور حضرت
حسین بھی بوجہ عموم لفظ یا بہ سبب التماس حضرت رسالت پناہی صلی اللہ علیہ وسلم البیت
ہونے کی نفی میں داخل ہو گئے ہیں مزید تکیس کے لئے جس آیت میں یہ لفظ واقع ہے
قبل اور ما بعد بیت لکھ کر اس کا ترجمہ لکھ دیتا ہوں تاکہ سب شیعہ و سنی متنبہ ہو جائیں

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لَسْتَ مِنْ أَهْلِ الْبَيْتِ
وَلَا لِحُضْنِهِ وَلَا لِحُضْنِهِ
بِالْقَوْلِ فَيَطْمَنُ الَّذِي فِي قَلْبِهِ
مِنْهُمْ وَيُقْبَلُ فَوَلِّ وَجْهَكَ
وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُمْ وَلَا تَبَرَّجْنَ
تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَى وَأَتِمِّنَّ
الصَّلَاةَ وَآتِينَ الزَّكَاةَ وَ
أَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ إِنَّمَا
يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ
الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ
تَطْهِيرًا وَأَذْكُرَنَّ مَا تُخْلِفُ
يُؤْتِيكَ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ وَاجْتِبَاءَ
إِنَّ اللَّهَ كَانَ لَطِيفًا خَبِيرًا

یعنی اے نبی کی عورتوں میں ہو جیسے ہر کوئی
عورتیں، اگر تم درگاہ، تو دب کر نہ کہو،
پھر لاپ کرے کوئی جس کے دل میں درگاہ
اور کہو بات معقول، اور قرار پکڑو اپنے
گھروں میں اور دکھائی نہ پھر و صیاد کھانا
دستور تھا پہلے نادانی کے وقت میں اور کھڑی
رکھو نماز اور دینی یہ مذکورہ، اور اطاعت میں
رہو اللہ کی اور اس کے رسول کی، اللہ ہی جانتا
کہ دگر سے تم سے گدھی باتیں لے گھردا
اور تھرا کرے تم کو ایک سترائی سے، اور یاد
کر دے پیغمبر کی پیغمبر جو پڑھی جاتی ہیں تمہارے
گھروں میں اللہ کی باتیں اور عقلمندی،
مقرر اللہ ہے مجھ جانتا خبر دار

یہاں تک ترجمہ تھا۔ اب عرض یہ ہے کہ شیعہ ہی اپنے علماء سے پوچھیں کہ
میں نے ترجمہ صحیح کیا یا غلط۔ بہر حال ان آیات سے اول ہی سمجھ میں آتا ہے کہ
اہل بیت ازواج ہی ہیں۔

خاندان امام کو عباد میں لے کر دعا کرنے کی وجہ اسی واسطے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت
علی اور حضرت زہرا اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم اجمعین کو ایک عباد میں لے کر یہ دعا کی کہ

ابن ابی حمزہ سے راجع بہت ہیں تاکہ وہ بھی اس فضیلت میں داخل ہو جائیں، یہ ایسی مثال ہے جیسے کوئی بادشاہ قدرت شناس چشم پوش اپنے وزیر سے یوں کہے کہ تہا بے گھر کے سب لوگوں کو ہم جہاں جاکر دیں گے تو وہ وزیر موافق محاورہ کے یوں سمجھ کر کہ ایسے موقع میں بی بی اندیشہ مراد ہو کر تے ہیں اور بیٹی اور نو اسی مراد نہیں ہوتی۔ کیونکہ وہ دوسرے گھر کی ہوتی ہیں۔ کچھ اپنے جی میں سوچ کر وقت دیکھ کر بیٹی اور داماد اور نواسوں کو بھی پیش کرے، وہ بادشاہ اگر پوچھ بیٹھے کہ یہ کون ہیں تو بایں لحاظ کہ بیٹی اور نو اسی اور داماد بھی قرابت میں کچھ بیٹی اور پوتی اور بی بی سے کم نہیں، یہ کہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لوگ ہیں، تو اس بادشاہ کو گویہ معلوم ہو جائے کہ یہ داماد اور نو اسی اور بیٹیاں ہیں اس کے گھر کے لوگ نہیں پر بمقتضائے اپنی چشم پوشی ذاتی کے انکو بھی جا کر دیں گا۔

یالفظ اہلبیت اصل سے عام ہے ازواج اور حضرت علی اور حضرت زہرا اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم سب کو شامل ہے کو فقط ازواج ہی کی شان میں نازل ہوا ہو، جیسے دلی والا ایک لفظ عام ہے سب دلی والوں کی نسبت بول سکتے ہیں اگر کوئی دودی کے رہنے والوں کو یوں کہے کہ یہ دلی والے ہیں تو اس سے کوئی کون گوار تک بھی یہ نہیں سمجھتا کہ دلی والے فقط وہی ہیں ان کے سوا اور کوئی دلی والا نہیں اس تقریر سے سب پر واضح ہو گیا کہ کلام اللہ سے جو ازواج کا اہل بیت ہونا اور حدیث سے حضرت علی اور حضرت فاطمہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم اجمعین کا اہلبیت ہونا ثابت ہوتا ہے سب صحیح اور درست ہے اگرچہ شیعوں کی سمجھ میں نہ آتا ہو، بالجملة ازواج مطہرات کو باوجودیکہ وہ اصلی اہلبیت ہیں اور کلام اللہ میں ان کی شان میں یوں آیا ہے **وَازْوَاجُهُ أَهْلُهَا تَحْمَدُ** یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیبیاں مومنوں کی مائیں ہیں، پھر بھی حضرات شیعوں کی زبان نہیں سنھالتے اور لگام نہیں دیتے، اگر دوسری آیت کا یوں جواب دیں کہ وہ مومنوں کی مائیں ہیں ہماری تو نہیں تو مسلمان پر آیت اول کا۔ یعنی جس سے ان کا اہل بیت ہونا ثابت ہوتا ہے کیا جواب دیں گے بالجملة ازواج مطہرات کے اعتقاد اور محبت کا اس مذہب میں یہ حال ہے۔

شیعہ اولاد فاطمہ کی اکثریت کے دشمن ہیں | باقی رہی اولاد سوان کا خال بھی شیعہ کے حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی اکثر اولاد کے حضرات شیعہ دشمن جانی ہیں اور برکتے ہیں بخدا ان کے حضرت زید شہید فرزند امجد حضرت امام ہمام زین العابدین رضی اللہ عنہما جو عالم متقی اور متورع تھے، اور مروانیوں کے ہاتھ سے شہید ہوئے اور ان کے بیٹے یحییٰ ابن زید ہیں جو بزرگم اشاعشریہ مرتد ہیں، اور ایسے ہی ابراہیم بن امام موسیٰ کاظم اور جعفر بن امام موسیٰ کاظم جن کا لقب شیعوں نے کذاب رکھ چھوڑا ہے، حالانکہ وہ کبار اولیاء اللہ میں سے ہیں۔ اور یازید بسطامی انہیں کے مرید ہیں اور جعفر بن علی برادر امام حسن عسکری کے شیعوں کے صرف میں کابھی لقب کذاب ہے اور حسن بن شعی، اور ان کے فرزند عبد اللہ محض، اور ان کے فرزند محمد نام جو ملقب بنفس زکیہ ہیں کافر اور مرتد سمجھے ہیں۔ اور ابراہیم بن عبد اللہ کو اور زکریا محمد باقر کو اور محمد بن عبد اللہ بن حسین بن الحسن، اور محمد بن القاسم بن الحسن، اور یحییٰ بن عمر کو بھی جو حضرت زید شہید کے پوتوں میں سے تھے، کافر اور مرتد جانتے ہیں اور جماعت کی جماعت سادات حنیہ اور حسینیہ کو جو حضرت زید شہید کی امامت اور بزرگی کے قائل ہیں مگر اول فضالت میں سے سمجھتے ہیں۔ حالانکہ کتب انساب اور کتب تواریخ سادات اس بات پر شاہد ہیں کہ اکثر سادات حسنی، حسینی حضرت زید کی امامت اور فضیلت کے معتقد تھے۔

حاصل یہ کہ اکثر اشاعشریہ ان بزرگواروں کو کافر اور مرتد سمجھتے ہیں اور بزرگ خود یوں کہتے ہیں کہ یہ سب جگر گوشہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور نعت جگر حضرت قبول ہمیشہ ہمیشہ ابداً بادتک جنم میں رہیں گے اور اس کی وجہ بھی ظاہر ہے کیونکہ ان کے نزدیک دوازدہ امام میں سے کسی امام کی امامت کا منکر ایسا ہی کافری جیسا کہ نبی نبوت کا منکر، اور سب جانتے ہیں کہ کافر ابداً بادتک جنم میں رہیں گے، الغرض قول اکثر اشاعشریہ کا یہی ہے اور یہی ان کے قواعد پر منطبق ہے کہ یہ بزرگوار ان مذکور کافر ہیں اور ان کے لئے کبھی نجات نہ ہوگی، اگرچہ بعضے اس بات کے قائل ہیں کہ یہ گروہ مثل حضرت عباس عم بزرگوار سیدالارسلان صلی اللہ علیہ وسلم اعراف میں رہیں گے، اور بعضے کہتے ہیں کہ بعد

غلاب شدید کے اپنے آباؤ اجداد کی شفاعت سے نجات پائیں گے، لیکن ظاہر ہے کہ یہ دونوں قول پورچ ہیں کیونکہ جب منکر امامت کا فرما تو شفاعت کے ہونے اور اعراف میں رہنے کے کیا مئے، شفاعت بالاجماع کافروں کے حق میں نہ کوئی کر سکے اور نہ مقبول ہو، اور اعراف میں کافروں کا جانا غلات قرآن ہے

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ
كُفَّارًا أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمُ لَعْنَةُ
اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ
أَجْمَعِينَ خَالِدِينَ فِيهَا لَا
يُخَفَّفُ عَنْهُمْ الْعَذَابُ
وَلَا هُمْ يُنظَرُونَ۔

الحاصل حضرات شیعہ کو دعوائے محبت تو اس قدر لاؤر پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد اور اقرباء اور ازواج رضوان اللہ علیہم اجمعین اور اماموں کی اولاد اور ان کے بھائیوں کے ساتھ یہ سلوک، خاک پڑے اس محبت پر ان میں اور نا صبیول میں دس بارہ ہی نمبر کا فرق ہے نقطہ اتنا ہی تو ہے کہ شیعہ دوازدہ امام اولاد کے بعض اقربا کی بزرگی کے معتقد ہیں اور نا صبی معتقد نہیں، سو اس اعتقاد سے تو ان کی بے اعتقادی ہی بھلی کیونکہ اول تو یہ فرقہ محبت کے پردہ میں حضرات ائمہ کے ذمہ صدا ہا عیب گتے ہیں اور پھر ان کفریات کو ہر کس ناکس اپنے بیگانے کے سامنے گاتے ہیں، چنانچہ کچھ تو اس سال کے دیکھنے والوں کو بھی معلوم ہو گیا ہوگا۔

اہل شیعہ کی حضرت علی سے محبت جو دشمنی سے بدتر ہے یہاں ہر چند اس بات کے مفصل لکھنے کا موقع ہے لیکن اس رسالہ مختصر کے مناسب نہیں اس لئے بطور نمونہ اشارہ کئے جاتا ہوں، حضرت امام الاممہ علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے احوال کچھ لیے تراش رکھے ہیں کہ جس سے ہر کوئی سمجھ جائے کہ نعوذ باللہ وہ بڑے بے غیرت نامرد جھوٹے کذاب تھے، کہ اپنی بیٹی کافروں کے حوالہ کر دی، اور بے خوف جان نہ اس مقدمہ میں کچھ چون و چرا

کی نہ کسی اور بات میں دم مارا، کافروں کے پیچھے ساری عمر نمازیں پڑھیں اور ہیشاں سے ہم پیالہ اور ہم نوالہ رہے اور ان کی تعریفیں بارہا ایسی کریں کہ مومنان باخلاص کی اس کے عشر عشر کبھی ایک دفعہ بھی نہ کی جب ان کا یہ حال ہے تو اور دل کا تو کیا ذکر،

ع۔ قیاس کن زنگستان من بہار مرا

خارجی اور نا صبی ہر چند حضرت علی کو برا سمجھتے ہیں پر اتنا نہیں سمجھتے،

انبیاء ائمہ سے بلکہ تمام مخلوق سے افضل ہیں | دوسرے پھر اس محبت نامقول کو اتنا حد سے بڑھایا کہ انبیاء اور مسلمان علیہم السلام کو بھی اماموں سے گھٹایا، چنانچہ مذہب امامیہ نسبت تمام ائمہ ہدیٰ کے کتاب ہے کہ وہ سب تمام انبیاء سے افضل ہیں حالانکہ کلام اللہ اور خود ان کی کتابیں اس بات پر شاہد ہیں کہ انبیاء سب سے افضل ہیں، کلام اللہ میں برابر انبیاء کی نسبت اصطفا اور اجتبا جو معنی چھانٹ لینے کے ہے مستعمل ہے اور ظاہر ہے کہ چھانٹنی ہوئی چیز باقی سے افضل ہوتی ہے، معجزا کل چار فرقوں کی خذوند کریم تعریف فرماتا ہے انبیاء، اور صدیقین اور شہداء اور صالحین سو ہر جگہ انبیاء ہی کو مقدم کیا ہے، تو اس سے معلوم ہوا کہ نبی باقی تین فرقوں سے افضل اور رتبہ میں مقدم ہیں، اور یہ بھی ظاہر ہے ائمہ ہدیٰ نبی تو تھے ہی نہیں پھر تینوں فرقوں میں سے جو نے کو شیعہ پسند کریں اختیار ہے بہت سے بہت اماموں کو صدیق کہیں گے اور ہمارا عقیدہ بھی یہی ہے۔ تب بھی انبیاء سے بعد ہی میں رہے۔

افضلیت انبیاء کتب شیعہ سے | لیکن ہم جانتے ہیں کہ شیعہ کلام اللہ کی کاہے کو سنیں گے اس لئے مناسب ہے کہ انھیں کی کتابوں سے ان کو جھوٹا کیجے اور جتنا دیکھے کہ یہ جو مثل مشہور ہے کہ دروغ اور حافظہ ناشدہ اور ایسے ہی یہ مثل کہ "حق بر زبان جاری شود، دونوں سچی ہیں، بشوایان شیعہ نے ہر چند ان روایات کے تراشنے میں جہد بلیغ کیا جس سے اماموں کا انبیاء سے افضل ہونا ثابت ہو جائے لیکن بمقتضائے مثل اول چوک کر بمقتضا، مفہوم مثل ثانی حق بات کہی گئی روی البطلنی عن ہشام اکا خول عن زید بن علی
أَنَّكَ نَبِيٌّ أَفْضَلُ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ وَإِنَّ قَلَّ غَيْرُكَ إِلَّا فَهُوَ مَلَكٌ

یعنی کلینی بواسطہ ہشام اہول کے زید بن علی سے روایت کرتا ہے کہ مقرر اغیا انا مولیٰ
افضل ہیں اور بیشک جو اس کے سوا کہے گمراہ ہے فقط "ادھر امین یا بویہ کتاب الامالی میں
بروایت صحیح ایک حدیث طویل کے ضمن میں جس میں حضرت زہرا رضی اللہ عنہا اور حضرت
امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کے نکاح کا قصہ مندرج ہے اس طرح روایت فرماتے ہیں -
عَنْ الصَّادِقِ عَنْ آبَائِهِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى قَالَ
لِسَيِّدَتِي الْحَبِيبَةِ مِنْ أُمَّةٍ لَمْ تَكُنْ وَأَرْوَاهُ الشَّرِيفُ وَمَنْ فِيهَا أَكَا
ابْنِي زَوْجَتِ أَحَبَّ النَّبِيِّ إِلَى اللَّهِ أَحَبَّ الرَّجُلِ إِلَى اللَّهِ بَعْدَ النَّبِيِّينَ -

یعنی حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ اپنے باپ دادوں سے روایت کرتے ہیں کہ
مقرر اللہ تعالیٰ نے سیدہ ماجنت کے رہنے والوں سے، یعنی فرشتوں سے اور رسولوں کی
ارواح سے اور جو سوا ان کے جنت میں تھے، ان سے خداوند کریم نے فرمایا کہ خبردار ہو کہ میں
نے اس عورت کا نکاح جو سب عورتوں سے زیادہ مجھے محبوب ہے اس مرد سے کر دیا ہے کہ جو سب
مردوں سے زیادہ مجھے محبوب ہے، انبیاء کے بعد، خود فرمانے کی جسا ہے یہ روایتیں باوجود بلندی
کہتی ہیں کہ حضرت امیر کا رتبہ بعد انبیاء کے ہے مگر ستم یہ کہ باوجود ان روایات کے پھر ائمہ
کو انبیاء سے افضل ہی بتلائے جاتے ہیں، ظاہر اس کا سبب یہی ہے کہ صحابہ کے حصہ کی محبت
اور نیز اکثر اہلبیت کے حصہ کا اعتقاد فقط انہیں چند اشخاص معدود کے حق میں صرف
کرتے ہیں، سو یہ سبب ادغام اور اجتماع محبت ہلے کثیرہ کے محبت دوازہ امام اپنی
حد سے باہر نکل گئی -

اور فی مثل شیعوں کے وہی مثل ہو گئی۔ جو نصرائیوں کی ہے کہ حضرت عیسیٰ کے
ساتھ اس قدر محبت کو بڑھایا کہ ان کو عبودیت سے نکال کر عبودیت تک پہنچایا چونکہ یہ قصہ
بعینہ آنکھ کی مثال کا سا ہے، یعنی جیسے کسی حسین متناسب الاعضا متناسق الاطراف کی
ایک آنکھ بالکل پٹ ہو جائے اور اس کے حصہ کی فراخی بھی دوسری ہی آنکھ میں آجائے اور
اس ایک ہی کی مساحت دونوں کی مساحت کے برابر ہو جائے اور پھر اس آنکھ میں بھی بجائے
سفیدی سیاہی ہی چھ جائے ایسے ہی حضرات شیعہ نے حب اہل بیت اور حب اصحاب میں

تھے ایک کو رکھا اور ایک کو کھود دیا، اور جس کو رکھا اس کو ایسا بڑھایا کہ دونوں کے برابر اس ایک ہی
کو کر دیا، اور جیسے آنکھ میں سفیدی کی جا بھی سیاہی ہی چھ جائے تو انہوں نے بھی تمام اہل بیت
میں سے چند اشخاص معدود کو بزرگ سمجھا اور ہائی کو مردود اور مرد قرار دیا، اور بایں وجہ
کہ جن کے ساتھ شیعہ محبت کرتے ہیں ان کی محبت حد سے ... بڑھی ہوئی ہے یوں
سمجھیں آتا ہے کہ باقیوں کے حصہ کی محبت بھی انہیں چند اشخاص معلوم کے لئے ہے تو اس
صورت میں جیسے آنکھ مذکور خود نازیبا معلوم ہوگی اور تمام چہرے کو بے زیب کر دیگی، ایسے ہی
حب اہل بیت اور حب اصحاب جو بمنزلہ ایمان کی دوا آنکھوں کے ہیں ان میں سے اگر ایک
جاتی رہے اور دوسری بڑھ جائے تو دوسری بھی نازیبا ہو جائے گی اور ایمان کے حسن کو بھی
بے زیب کر دے گی، اس لئے بالیقین یوں سمجھ میں آتا ہے کہ دوازہ امام بھی اس محبت
سے خوش نہیں بلکہ متنفر ہوں، اور اس بات کے خواست گان ہوں کہ ان کی محبت اپنے
اندازہ پر آجائے تاکہ بری نہ معلوم ہو، اور اس کے ساتھ اصحاب بھی محبت اور اعتقاد دل میں
جمایا جائے تاکہ جیسے ایک آنکھ سے دوسری کی زیب زینت ہونے ہی سے چہرہ پر حسن آتا ہے
ایسے ہی حب اصحاب سے حب اہل بیت کو زینت ہو، اور دونوں کی سے ایمان اور اسلام
کی خوبصورتی ظاہر ہو۔

شیعوں نے صدیق کے بارے میں خدا کی سوچ رکھ اہل سنت رضا اہل بیت میں اپنی سعادت
گوئی اور ائمہ کی شہادت بھی مذکور کی سمجھتے ہیں تو یہ خاک پائے غلامان اہلبیت کی طرف سے
نیابت تمام شیعوں کے عموماً اور مولوی عمار علی صاحب کے خصوصاً کان کھولتے ہیں کہ اے
مذہبان محبت اہلبیت یہ محبت نامعقول جب تک مقبول نہ ہوگی جب تک کہ حب اصحاب
اس کے برابر نہ ہو ورنہ ان کے برا کہنے میں تمہارا ہی برا ہوگا، خصوصاً رفیق غار جان نشانہ
سید الارباب علیہ السلام یعنی حضرت ابو بکر صدیق جن کے صحابی ہونے کا خدا خود گواہی
بخا ہے مرقوم ہو چکا اور جن کے صدیق ہونے کی اماموں نے شہادت دی ہے اور کمال
ان کی تعریف کی ہے چنانچہ معلوم ہو چکا ان کا برا کہنا خدا اور ائمہ کو جھٹلاتا ہے ایسی صورت
میں تو ہزار عجیب بھی اُن آنکھوں سے نظرائیں تو یوں سمجھ کہ ہونہ ہو ہماری نظر اور فہم کا

قصور ہے خدا کا فرمایا اور ائمہ ہدیٰ کا کہا غلط نہیں ہو سکتا جن کو ہم عیث سمجھتے ہیں وہ ہنری ہوں گے ہماری سمجھ میں نہیں آتا تو مت کو ہم تو ہم حضرت موسیٰ علیہ السلام نے باوجود اس جلالت قدر اور کمال علم و فضل اور نور نبوت اور نور عقل کے حضرت خضر کی کشتی کے توڑنے اور لڑکے کے قتل کرنے کو کہ وہ ظلم ہرگز نہ تھا، عین مطابق مرضی خداوندی تھا ظلم عظیم سمجھا حالانکہ خداوند کریم کی ہدایت کے موافق گئے تھے اور جناب باری تعالیٰ نے پہلے ہی حضرت خضر کے علم اور ہدایت کی اطلاع کر دی تھی، چنانچہ یہ تمام قصہ سورہ کہف میں رکوع **وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِفَتَاكَ** سے لے کر رکوع **وَلَيْسَ لَكَ عَنْ خِزْيِ النَّفْسِ نَيْبٌ** تک مذکور ہے پھر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے رسول جو مرسلین الہا العزم میں سے بھی اکثروں سے زیادہ ہیں آدھے قرآن کے قریب انہیں کے ذکر سے پُر ہو گا۔ حضرت خضر کے افعال کی حقیقت کو نہ سمجھیں حالانکہ حضرت خضر محققین کے نزدیک ولی ہیں بنی نہیں اور اگر بنی بھی ہیں تو بالاتفاق اس رتبہ کے برگزیدہ نہیں جو رتبہ کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نصیب ہوا تو حضرات شیعہ تو نہ بنی ہیں نہ ولی نہ عقل و دانش سے ان کو کچھ بہرہ چنانچہ اسی لئے یہ مثل ہی ہو گئی ہے کہ **الْمُتَّبِعَةُ لِنِسْوَانٍ هَلِيٍّ بِأَكْثَرِ مَتِّةٍ**۔ یعنی شیعہ اس امت کی خورتیں ہیں۔

ایسے نادان اگر امت مصطفوی کے سید الاولیاء کے کسی فعل کی حقیقت نہ سمجھیں تو کیا بعید ہے بلکہ سین مقتضائے قیاس ہے کیوں کہ یہ امت اور امتوں سے افضل اس آ کے اولیاء پہلی امتوں کے اولیاء سے افضل اور بھی نہیں تو جو اس امت میں ایسا ہو کہ خدا اور ائمہ ہدیٰ دونوں اس کی تعریف کریں وہ تو بیشک پہلی امتوں کے اولیاء سے افضل ہو گا، ایسے شخص کے افعال کی حقیقت تو اگر ائمہ ہدیٰ بھی نہ سمجھیں اور ظلم و ستم کا گمان کریں تب بھی اہل عقل کے نزدیک کچھ حرج نہیں بہت تو تو شیعوں کو یہ خلیجان ہو کہ ائمہ ہدیٰ ہمارے عقیدہ کے موافق افضل الخلائق ہیں ابو بکر بزرگ بھی ہوں تب بھی ان سے افضل یا ان کے برابر نہیں ہو سکتے تو اس کا جواب یہ ہو کہ پہلے تم خداوند کریم اور ائمہ ہدیٰ کی گواہی ابو بکر صدیق کی بزرگی کے باب میں قبول کرو پھر اس کا جواب ہم سے سنو

اگر بالفرض تقدیر ائمہ ہدیٰ ابو بکر صدیق سے افضل ہی ہوں اور خدا کا ہمارا جرن کو علی العموم باقی امت سے صراحتہ افضل بتلانا پھر ان میں سے ابو بکر صدیق کو اشارۃً ربی افضل کہنا چنانچہ اول بفضل مرقوم ہو چکا ہمارے عقیدہ غلط کے موافق غلط ہو تب بھی تو کچھ دشوار نہیں حضرت موسیٰ بھی تو حضرت خضر سے افضل تھے پھر ان کے انحال کی حقیقت نہ سمجھے اور لہسان کو نقصان اور عدل کو ظلم سمجھ کر ایسے مغلوب الغضب ہوئے کہ اپنے سب ہندو پیمان بھول گئے۔

حضرت موسیٰ اور حضرت خضر کا واقعہ کچھ نبیوں کے لئے عبرت ہے **الْقَصَّةُ مَقْصَدًا لِيَمَانِ خُدا** اور ائمہ ہدیٰ تو یوں تھا کہ اگر بالفرض والتقدیر حضرت ابو بکر صدیق بظاہر طہ و زہد و زینت ہی شیعوں کو نظر آتے تو خدا کی گواہی اور ائمہ کی شہادت کے بعد جو ان کی بزرگی کی نسبت اول میں اور اوسط میں اس رسالہ کے مرقوم ہو چکی ہے اپنی بھی نہ سنتے اور اپنی عقل نارسا کی تکذیب کرتے اور حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہم السلام کے قصہ کو پیش نظر کر کے تسکین خاطر پریشان اور تسلی طبع کر لیتے، کیونکہ جناب باری تعالیٰ نے اس قصہ کو ایسے ہی کو دونوں کے واسطے بیان فرمایا ہے حضرات شیعہ جیسے عقل کے دشمن اپنی کج فہمی کے باعث خدا کے مقررین اور دستوں سے بدگمان ہو کر خدا کو اپنا دشمن بنا لیں۔ قرآن ہائے خدا عظیم کے۔ کتنی دور کی موحی ہے مگر آفرین ہے شیعوں کی عقل پر بھی کہ اس پر بھی نہ سمجھے، غیر خدا انہیں سمجھے **الْقَصَّةُ مَقْصَدًا لِيَمَانِ** وادب تو یہ تھا۔

بالفرض اگر صدیق سے گناہ ہوا تو وہ بیک اور اگر بکرم چشم اندیش کہ برکندہ باد یہ عیب نیا بد نہ ہش و نظر بن چکا، حدیث ائمہ ان کی تعریف کرتے یہ بات ان کو دشوار ہی تھی تو یہ تو شیعہ بھی خواہ مخواہ مانیں ہی گئے کہ قیامت کو بعض کفاروں کے اعمال بد کو حسن بنا دیں گے کیونکہ کلام اللہ موجود ہے۔ دیکھو کیا فرماتے ہیں **إِنَّمَا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَأُولَٰئِكَ** **يُتَبَدَّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ خَسَنَاتٍ** یعنی مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور اچھے عمل کے توان کے گناہوں کو بھی خدائیکمال بنا دے گا فقط۔ اور اگر خوردہ بنیان مذہب شیعہ کو یہ خلیجان ہو کہ اس آیت میں جن گناہوں کی نیکیاں بنانے کی طرف اشارہ ہے ظاہر میں وہی گناہ معصوم موتے ہیں جن کا سیاق میں ذکر ہے۔ اور ظاہر ایام کفر کے گناہ ہیں، سو اگر ابو بکر

مقررین کا کوئی گناہ نہ تھی نہ کبھی تو وہی بنے گا جو ایمان جاہلیت کے گناہوں میں کا ہو گا۔
 نہیں تو ایسی بہت سی باتوں میں کلام ہے جو بعد زمانہ ایمان ان سے صادر ہوئیں۔ مثلاً
 غضب فداک کہ وہ بعد وفات سرور کائنات علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والتسلیمات ان سے
 ظہور میں آیا تو اس کا جواب اول تو یہ ہے کہ ایسا شیعہ وہ نہیں لوگوں کا ہے کہ جن کا دل شبہ
 میں پڑا ہو ہے، اور اب تک درجہ یقین ایمان تک نہیں پہنچا، اگر ماضی میں گناہان زمانہ کفر
 ہی کا ذکر ہو اور انھیں کی نسبت تبدیل کا یعنی نیکی بنادینے کا اشارہ ہو تب بھی اتنی بات ثابت
 ہو گئی کہ خدا کو گناہوں کا نیکی بنادینا آتا ہے پھر جب کفر کے زمانہ کے گناہوں کو کہ وہ نسبت
 گناہان ایمان کے گناہوں سے زیادہ ہی ہوتے ہیں، خدا کو نیکی بنادینا آتا ہو تو ایمان ایمان
 کے گناہوں کا نیکی بنادینا تو سہل ہی ہو گا پھر جس کی خدا اور ائمہ ہدیٰ تعریف فرمائیں اس کے
 ایمان اور بزرگی میں اسے ہی شک ہو سکتا ہے جس کو خدا اور ائمہ ہدیٰ کی بات میں شک ہو غرض
 جب ایمان اور صلاحیت اعمال ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بہنات خداوندی اور بگوا ہی ائمہ
 ہدیٰ ثابت ہو گئی تو اس بات میں کیوں متامل ہے کہ ان کے گناہ نیکیاں ہو جائیں۔
 گناہ سے توبہ پر بحث میں داخل سب کو مسلم ہے اور اگر یوں کہیں کہ گناہوں کا نیکیاں بن جانا توبہ
 کے ساتھ معلق ہے ابو بکر صدیق کا ہے سے معلوم ہو کہ توبہ کر کے مرے ہیں تو اس کا جواب اقل
 توبہ ہے کہ اگر معلق ہو بھی تو گناہوں کے نیکیاں بنادینے کا وعدہ معلق ہو گا کچھ امکان تو معلق
 نہیں پھر جب خداوند کریم اور ائمہ دین ان کی تعریف فرمائیں تو اگر ان سے یہ خطا ہوئی بھی تھی۔
 تب بجز اس کے ان کی تعریف کی اور کوئی صورت نہیں ہو سکتی کہ ان کی خطا کو بھی بنیاد ری
 تعالیٰ نے نیکی بنادیا ہو گا انہوں نے توبہ نہ کی ہو۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر توبہ ہی پر تبدیل میںات بحسنات موقوف ہو تو خداوند متین
 اور ائمہ دین کی تعریف خود اس بات کی گواہ ہے کہ وہ توبہ کر کے اس عالم سے تشریف لے گئے
 نہیں تو وہ قابل تعریف تو کیا البتہ لائق مجوا و مستوجب سزا تھے۔

ہاں اگر شیعہ یہ گرفت کریں کہ خداوند علیم نے تو تعریف پہلے کی تھی یہ خطا ان سے
 بعد میں سرزد ہوئی تو اس کا جواب ہمارے پاس بجز اس کے کچھ نہیں کہ البتہ شیعوں کا خدا

ایسا ہی ہو گا جیسے چار دن کے بعد کی بھی خبر نہ ہو ہمارا خدا عالم الغیب سے ازل سے ابد تک
 سب اس کے پیش نظر ہے اگر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سب گناہ بدشعبہ بُرے
 ہی ہوتے، تو خداوند کریم ہرگز تعریف نہ فرماتا، اس کو کیا ضرورت تھی کہ ایک غلط بات کہہ کے
 آج شیعوں سے شرماتا۔ اگر خدا کی نہیں مانتے تو نفوذ باللہ ائمہ ہدیٰ تو بزرگ شیعہ
 خدا سے بھی بڑھ کر ہیں، خدا کو تو بڑا بھی واقع ہوا، ائمہ کو تو بڑا بھی نہیں ہوتا پھر اس پر علم
 ماحکمان اور علم ضایکون ان کو حاصل، ان کی تعریف کا تو بجز اس کے کچھ جواب ہی نہیں کہ
 حضرت صدیق اکبر کے گناہ بھی نیکیاں ہی بن گئے ہوں۔

توبہ کا ثبوت بروایت شیعہ اور یہ بھی نہ سہی ہم اور جواب رکھتے ہیں وہ یہ ہے کہ روایات
 شیعہ اس بات کی شاہد ہیں کہ ابو بکر صدیق گناہ غضب فداک تا ب ہو کر مرے ہیں چنانچہ
 ان اللہ تعالیٰ قریب ہی بحوالہ روایات کتب شیعہ یہ مضمون مرقوم ہو گا کہ ابو بکر
 صدیق نے گو فداک غضب کر لیا تھا، لیکن پھر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ہی کے حوالہ لکڑیا
 اور نیز یہ بھی مرقوم ہو گا کہ حضرت فاطمہ ان سے رضی ہو گئیں اب فرمائیے توبہ اور کسے کہتے
 ہیں اسی کا نام توبہ ہے۔

نیکیاں زیادہ ہونے پر بحث میں داخل متفق علیہ ہے اور اگر اس پر بھی شیعوں کے دل کا کفر نہ جائے
 تو اس کی اور بھی تدبیر ہے آخر شیعوں کے نزدیک بھی اتنی بات مسلم تھی کہ قیامت کو
 حساب کتاب کے بعد جس کے اچھے عمل زیادہ نکلیں گے وہ جنت میں جائے گا جس
 کے برے عمل زیادہ ہوں گے وہ دوزخ میں۔ اور اگر نظر دوزخ میں اس عقدہ میں کچھ
 شک بھی آجائے تو لیجئے یہ کلام اللہ کی آیت موجود ہے اور کلام اللہ میں سے ہم ہی کے پیارہ
 کی، اس میں سے بھی اول ہی کی صورتوں میں کی، جو شیعوں کے یاد بھی نہیں مثل یا تو ضرور
 ہی ہوں گی وہ آیت یہ ہے۔ فَأَمَّا مَنْ تَفَلَّتْ مَوَازِينُهُ فَهُوَ فِي عِيشَةٍ رَاضِيَةٍ وَأَمَّا مَنْ خَسِفَتْ مَوَازِينُهُ فَفَاضَتْ هَٰؤُلَاءِ وَمَا أَذْرَاكَ نَارَ حِمًى بَعْنِ حَيْكَلِ عِل
 توں میں بھاری ہوں گے تو وہ اچھے اور جن کے عمل بکے نکلیں گے ان کا ٹھکانہ دوزخ
 اور جھکو کیا معلوم وہ کیا ہے؟ وہ ایک آگ ہے گرم دھکتی فقط اتنے کچھ تکرار کی بات باقی نہیں۔

سوائے صورت میں خداوند تعالیٰ اور اللہ تعالیٰ کی تعریف فرمائیں وہ اگر خطا وار بھی تھا، تب معلوم ہوا کہ اس کے اچھے عمل زیادہ تھے پھر ان خطاؤں کے باعث ان سے رنجیدہ رہنا و میا ہی بے جیسا کسی نے کہا ہے مدعی سست گواہ چست، یا عربی کی مثل ہے ضعیف الخصمان و قاصر الضعیف، یعنی مدعی مدعا علیہ تو راضی ہو گئے، پر قاضی جی راضی نہ ہوئے خداوند کریم اور ائمہ دین تو راضی ہو جائیں پر شیعی راضی نہ ہوں۔

مہاجرین اولین سے جنت عدن مغفرت دینا اور اس پر بھی خاک ڈالو ابو بکر صدیق کے اچھے عملوں کا وعدہ ہو چکا، اور خدا وعدہ خلافی نہیں کرتا، کا زیادہ ہونا بھی شیعوں کو ناگوار ہو تو اس میں تو کچھ دھوکا ہی نہیں کہ وہ مہاجرین اولین اور مہاجرین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے تھے، سو مہاجرین اولین اور مہاجرین رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا حال آیت والسابقوا الاولون من المهاجرین والا نصارا اور آیت محمد رسول اللہ الا یہ کی شرح کے ذیل میں بیان ہو چکا ہے کہ خدا ان سے راضی ہے اور وہ خدا سے راضی اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے جنات عدن تیار کر رکھی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ مغفرت گناہان اور وعدہ اجر عظیم کا کر لیا ہے، سو اگر بالفرض والتقدیر ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گناہ ہی زیادہ تھے یا فرض کرو کہ وہ سراسر گناہ اور ہمہ تن ظلم و جناہی تھے تب اس صورت میں جائزے طعن باقی نہ رہی کیونکہ خداوند کریم اپنے وعدہ کا سچا اور بات کا پکا ہے، مثلاً حضرات شیعہ نہیں، جن کے دین کی باتوں میں بھی جہل ہے، دنیا کا تو کیا ذکر؟ سو ہم کو یقین ہے کہ خدا ان سے راضی ہے گو شیعوں ناراض ہوں، وہ ناراض ہوں گے خدا کو ناراض اور اہل بیت کو رنجیدہ کرینگے، کیونکہ اہل بیت تو ایسے نہیں کہ گوشتہ عنایت خداوندی کسی طرف کو دیکھیں پھر اس طرف کو نہ جھکیں بلکہ ان کی سعادت انہی اور ہدایت لم یزنی سے یوں یقین کا ہے، کہ اگر بغرض مجال حضرت شیخ ابو بکر صدیق نے کچھ ان پر ظلم اور تعدی بھی کی ہو تب اپنے حقوق سے دستبردار اور لحاظ رضا خداوندی حسب مثل مشہور ہر عیب کے سلطان بہ بند دہن راست، اپنے اوپر جفا کو و فہمیں نقل ہو رہے، جہر ہر رب ادھر سب، اور اہل بیت اپنے حقوق سے آپ کی یاد گذر گئے اور کیا راضی ہوں گے خداوند کریم جب راضی ہو گا سب کو راضی کر دے گا آخر کلام اللہ میں ہو جو

ہے وَكَرَّمْنَا مَنَّا فِي صَدْرِهِ مِنْ غَيْرِ اِخْوَانًا عَلٰی سُرٍّ مِّنْ قَابِلٍ یعنی خداوند کریم بعضے جنیتوں کے حق میں فرماتے ہیں، اور نکال ڈالے ہم نے جو کچھ ان کے دلوں میں رنج تھے، بھائی ہو گئے تختوں پر بیٹھے ہوئے، فقط اس سے صاف معلوم ہو گیا کہ بعضے جنتی ایسے بھی ہوں گے کہ ان کے باہم دنیا میں رنج وعداوتیں تھیں، پر جب خداوند کریم ان کو جنت میں داخل کرے گا ان رنجوں کو ان کے دلوں سے نکال ڈالے گا، سو اسی طرح یہاں بھی تصور فرمائیے، اگر ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا جنتی ہونا بشہادت کلام خدا اور کلام ائمہ بڑی شیعوں کو جبراً کر با تسلیم کرنا تو پڑا ہے، اور اہلیت کے جنتی ہونے کا پہلے ہی شیعوں کو اتفاق یقین ہے اور اگر شیعہ سنیوں کی ضد میں ان کے جنتی ہونے میں کلام کرنے لگیں تو ان کی ہٹ دھرمی سے کچھ بعید بھی نہیں بغرض جب دونوں فریق جنتی ہوئے تو ان کے کینے اور عداوتیں خداوند کریم آپ نکال دے گا۔

حضرت حکیم کا بچھڑے کو جلا نا مبنی برحکمت تھا اور اگر باہم نہم نہائش بین متبعان عبد اللہ بن سبا کو کچھ اثر نہ ہو۔۔۔۔۔ اور جیسے سامری کے ایک کرشمے پر بنی اسرائیل بہک گئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہزار معجزوں پر بھی ڈھیٹ راہ نہ گئے اس دعا باز کے سخن بے سرو پا پر ایسے جس کے میرے ان دلائل محکم اور مستحکم سے بھی اکھڑ جائیں تو جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دستاویز ضلالت آئینہ سامری کو باطل کر دیا یعنی اس سونے کے بھڑے کو جو برکت خاک کائے حضرت جبریل علیہ السلام بولنے لگا تھا اور بنی اسرائیل اسے پوجنے لگے تھے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جلا کر دریا میں ریزہ ریزہ کر کے بکھیر دیا، تاکہ ہر کس و نا کس سمجھ جائے کہ اگر یہ عبودیت اور خدا برحق ہوتا تو بندوں کے ہاتھوں سے یوں کیوں ذلیل ہوتا۔ اسی طرح میں بھی حیلہ بائے حجت نمائے مولوی عمار علی صاحب کو دکھو ہر طرز و انداز میں عبد اللہ بن سبا ثانی اور دعا ہائے تازہ کے بانی مبنائی میں بلکہ ان کی جنتیں اسی سرگروہ متفاوت پردہ کی تراشی ہوئی باتیں ہیں۔ اور اسی کی پرانی خرافاتیں ہیں۔ سو ان دلائل قاطعہ سے قطع نظر کر کے مولوی صاحب کے ہاتھ کاٹے دیتا ہوں تاکہ ہر کوئی جان جائے کہ سخنان پریشان مولوی صاحب اگر قابل پذیرائی اہل انصاف ہوتے۔ تو یوں مثل گوز شتر ہوا کے

سہارے نہ اڑ جائے۔

غضبِ فدک پر آیتِ الفخریٰ سے استدلال اسوگوش گزاران مولوی صاحب کو یہ بات یاد رہے کہ دربارہ غصبِ فدک جو کچھ مولوی صاحب نے مکاری کر کے زیبِ رقم فرمایا ہے، بزمِ خود بہت ہی چالاکی کی تھی۔ لیکن جن کا خدا حافظ ہو ان کو ایسے دھوکوں سے کیا اندیشہ۔

چرباک از موج بحر آں را کہ باشد لوح کشتیان

ہاں ایسے عقل کے اندھے جیسے (گستاخی معاف) ملازمان مولوی صاحب ہیں۔ البتہ اس جال میں پھنس جاتے ہیں تفصیل اس اجمال کی یہ ہی مولوی صاحب اپنے نامہ موسومہ میرزا علی صاحب میں کو مثل نامہ سیراہ مولوی صاحب کے خوبی کا اس میں نام و نشان نہیں یوں رقم فرماتے ہیں کہ جلال الدین سیوطی نے تفسیر درنثور میں اور شیخ علی متقی نے کنز العمال میں اور ابوالعلی موصی نے اپنی مسند میں اور صاحب معارج النبوت نے اور سوا اس کے اور علماء اہلسنت نے روایت کی ہے کہ جس وقت نازل ہوئی آیت **وَاللَّهُ يَخْتَارُ حَقَّهُ** یعنی **وَسَيُؤْتِيهِمْ مِنْ فَضْلِهِ** و سَلَامٌ قَوْلَهُمْ كَوْفًا لَّانَ كَا۔ تو اس وقت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل سے پوچھا کہ قریب میرے کون ہیں؟ اور حق ان کا کیلئے؟ جبریل نے عرض کی کہ قریب تمہارے فاطمہؑ و اوصیاء حق اس کا فدک ہے۔ فدک اس کو دے دو، اس وقت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فاطمہ کو فدک دیدیا پس تحریر سے انکی ثابت ہوا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فاطمہ کو فدک دیدیا اور فاطمہ مالکِ فدک کی تھی جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا سے رحلت فرمائی اور ابو بکر خلیفہ ہوئے تو فدک کو فاطمہ سے چھین لیا اور ان کا قبضہ اٹھا دیا۔ اسی لئے کہ یہ غصب نہیں تو یک بڑا جنتی۔ یہاں تک مولوی صاحب کی عبارت تھی۔

غضبِ فدک کے بتیان کا تاریخی جائزہ اب ہماری سنئے کہ یہ اعتراضِ غضبِ فدک ایک پرانی بات ہے کچھ ملازمان مولوی صاحب ہی کو نہیں سوجھی، سائے شیعہ اسمعیلی گاتے ہے ہیں القصد مولوی صاحب وہی پرانی تھے جانتے ہیں جو اگلے اگلے چلے آئے ہیں پرافسوس یہ ہے کہ ابتدا میں کسی نے یہ دروغ بے فردغ اگر زبان سے نکالا تھا تو جب تک علماء اہل سنت کو اس کی خبر بھی نہ تھی نہ نکالا تھا۔ لیکن جس وقت علماء اہلسنت نے جوابات دندان شکن و شیعوں کے

دانت توڑ دیئے تب تو غیبتِ کبر کی بات یہ تھی کہ اس بات کو منہ پر بھی نہ لاتے اگر مواقع اور صواحن کیا تھے تو بفضلِ تعالیٰ تحفہ اشاعہ عشریہ تصنیف شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی قدس سرہ، اور منتہی الکلام وغیرہ مصنفات مناظرے بدل مولوی حیدر علی سلمہ رہ کر علماء لکھنؤ بھی ان کے سامنے بول گئے تھے کثرت سے موجود ہیں ان میں اس دروغِ بیفروغ کے جو کچھ جواب لکھے ہیں پہلے ان کو رد کرنا تھا جب کہیں اس بات کو زبان پر لانا تھا اگر خدا سے شرم نہ تھی کیا غیرت دنیاوی کبھی طاق میں اٹھا دے، کیا ہی کوئی نامعقول کیوں نہ ہو، پرانی بات کا جواب معقول سن کر ایک دفعہ کوچہ ہی ہو رہا کرتا ہے۔

ہاں نامرد جیسا کہ یہ کام ہے کہ اگر دلاوران شجاعت نرا دوسرا نامز کی منزل میں کچھ سر زلزل کرتے ہیں اور ہاتھ پاؤں سے معقول کرتے ہیں تو وہ چونکہ اجماعِ پانی سے مارا ہوا ہوتا ہے۔ اپنی زبان چلانے سے باز نہیں آتا اور اپنی وہی مرغی کی ایک بانگ گائے جیلا کرتا ہے۔ مثل مشہور ہے مرد کے ہاتھ چلیں نامرد کی زبان، سو یہی ویرہ حضرات شیعہ کا ہے کہ اہل سنت کے جوابات دندان شکن سن کر بھی منع بند نہیں کرتے اور وہی کہتے جاتے ہیں اس موقع میں مناسب تو یوں تھا کہ ہم بھی جوابات سابقہ پر گفتگو کرتے لیکن چونکہ مولوی عمار علی صاحب نے اپنے عنبر میں میدان خالی دیکھ کر یہ ہاتھ پاؤں ہلانے میں توجہ کو بھی لازم ہے کہ ان کو ان کی حقیقت دکھلا دیجئے۔

یہ آیت مکیہ ہے مکہ میں فدک کہاں تھا؟ سو عرض یہ ہے کہ ملازمان مولوی صاحب کو تو کلام اللہ زیادہ نہ یاد ہوا اگر لفظیں نہ ہو تو کوئی صاحب بھی پوچھ دیکھیں کہ یہ آیت کون سے سپارہ میں ہے؟ بالآخر اگر مولوی صاحب ائمہ مہذبہ بیان مولوی صاحب کو کلام اللہ یاد نہ آتا تو اس آیت کو فدک کے باب میں زبان پر بھی نہ لاتے، بلکہ اگر ہم بھی کہتے جب بھی نہ ملتے، وجہ اس سخن کی یہ ہو کہ یہ آیت کل دو جگہ کلام اللہ میں آئی ہے، ایک سورہ بنی اسرائیل میں، دوسری سورہ روم میں، سو دونوں کی دونوں تیر سے مکہ میں نازل ہوئیں تھیں، علامہ تو اس بات کو جانتے ہی ہیں۔ یہ عوام کی تنہیم اور تسکین کے لئے اتنا اشارہ بہت ہے کہ دنیا میں ہزاروں کلام اللہ موجود ہیں کھوکھو دیکھ لیں ان دونوں دونوں کے آزل میں مکیہ لکھا ہوا ہوگا، اور اگر کوئی الٹی کا سمجھتا رہے

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کوئی کیا کہے گا، شاید ان انفرادیوں نے یہ عرض ہو کہ ہم سے اگر خدا اور رسول کے موافق نہیں ہوا جاتا، آؤ جتنا ہو سکے خدا اور رسول ہی کو اپنے موافق کر لیں۔ سبحان اللہ ان تیرہ دونوں سے یہ تو نہ ہوا کہ اعجاز کلام اللہ اور شرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آب و تاب دیں اور ظاہر کر دکھائیں، پر ایسی باتیں کر کے دونوں کو چھپایا بلکہ ایسی باتیں تراشیں کہ جن کو سنکر واقفوں کے تو ایک ذمہ کاں کھڑے ہو جائیں، اور جی میں متروکوں کو یہ بلاغت اور فصاحت کلام اللہ کا شبہ اسے اسی خوبی پر ہے تو بلاغت اور فصاحت معلوم، اس جہت سے لامل بولنے سے کیا حاصل تھا اگر وہ آب و تاب غلطہ نہ دے دیتے تو لفظ مختصر اور معنی واضح ہو جاتے۔

چوتھا حضرت کی دینداری کی حق میں کوئی کلمت ہاں اگر اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے یہ یا مہ وغیرہ سے حضرت فاطمہ زہرا کی ملکیت فدک میں ثابت ہو جاتی، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے دینے میں کسی وجہ سے نعوذ باللہ کچھ قصیر ہوئی ہوتی تو البتہ اس صورت فدک کی جگہ حقہ کہنے کا موقع بھی تھا، کیونکہ اگر کوئی کسی کی کوئی چیز دالیتا ہے تو اس کو کہا کرتے ہیں کہ فلا نے کا حق دے دو۔ قصہ جہاں مخاطب کے پاس کوئی کسی کی خاص چیز دینی ہوتی ہے یا کسی کے ذمہ کوئی حق معلوم ہوتا ہے تو وہاں البتہ اس چیز کا یا اس حق کا لفظ حقہ سے تعبیر کرنا بجائے خود ہوتا ہے، چنانچہ اہل فہم پر پوشیدہ نہیں کہ فہم نہ سمجھیں تو بلائے نہ سمجھیں۔

سواگر مولوی صاحب کا کہنا صحیح ہو، اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف یہ احتمال محال ہو بھی سکے تب بھی کلام نہیں جلتا، کیونکہ اس صورت میں لازم آتا ہے کہ فدک اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے حضرت فاطمہ کی ملک میں ہو، حالانکہ یہ بات خلاف مزعوم شیعہ ہے۔ کیونکہ بیع کے انعقاد سے شیعوں کو بھی انکار ہے۔ باقی بابیہ، سو وہ ان کے اعتقاد کے موافق بعد نزول اس آیت ہی کے واقع ہوا، اس لئے کہ وہ اس آیت ہی کو قبالہ ہے سمجھتے ہیں، چنانچہ اس آیت مذکورہ سے صاف ظاہر ہے اور ظاہر ہے کہ شیعہ مہربوب قبل از مہربوب ہی کے ملک میں ہوتی ہے، تو پھر فدک کو حقہ کی تفسیر میں کہنا روایت کے

بنانے والے کی کمال خوشش بھی پر دلالت کرتا ہے۔ کسی نے یہ سچ کہا ہے، عرب کرنے کو ہنر چاہیے۔

پانچواں بنی ہاشم کے لئے غمراہ اور اگر پیاس فاطمہ حضرت شیعہ مولوی صاحب کی بات کے بنانے کے لئے موافق نقل مشہور، دروغ را جزا باشد دروغ، ہم بھی یوں کہنے لگیں کہ ہاں سچ ہو یہ روایت سچی ہے اور ذالقرنی سے مراد حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حقہ کے معنی فدک ہی ہیں تو مولوی صاحب اس کا کیا جواب دیں گے کہ اس صورت میں جہاں کہیں کلام اللہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تو باکاذب بلطف ذالقرنی ہو گا تو لازم ہے کہ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا ہی مراد ہوں اور جب یہ قرار پایا تو بعد حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کے کسی اور کو بنی ہاشم میں سے خمس کا حصہ لینا درست نہ ہو اور وجہ اس نادرستی کی (در صورت مرقومہ) یہ ہے کہ آیت **وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ** وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَلِلْيَتَامَىٰ وَاللْمَسْكِينِ وَالْحَسْبُ لِلَّهِ الْكَافِرِينَ **وَاللَّهِ** جان رکھو کہ جو کچھ تم غنیمت ملاؤ کچھ چیز، سو اللہ کے واسطے ہے اس میں سے پانچواں حصہ اور رسول کے واسطے اور قربات والے کے واسطے اور محتاج کے لئے اور مسافر کے لئے فقط، اب خمس کی یہ تقسیم جو اس آیت میں مذکور ہے ہماری تمہاری مقرر کی ہوئی نہیں خدا کی مقرر کی ہوئی ہے اس میں کمی و بیشی مسلمانوں سے تو ہو ہی نہیں سکتی، پھر جب کہ ذالقرنی حضرت فاطمہ ہیں تو بعد ان کے اور کسی کو اولاد میں سے یا بنی ہاشم میں سے ان کے خمس میں سے لینا درست ہو، حالانکہ مذہب شیعہ اس باب میں یہ ہے کہ نصف خمس امام وقت کا اور نصف باقی یتامی اور مساکین اور ابن السبیل کے لئے، اور ظاہر ہے کہ امام شیعوں کے نزدیک سو اوادو ائمہ کے اور کوئی نہیں۔ سو وہ سب کے سب بالفاق شیعہ معصوم ہیں، شیعوں کی تقسیم کے موافق جو کچھ حضرت علیؑ نے اپنی خلافت میں خمس میں سے لیا، یا حضرت امام ہدی رضی اللہ عنہ لینگے بقولے روایت مرقومہ بالاعظم اور امام جوادؑ کو کوئی شیعہ مذہب جو طبع کو کارفرما کر لیں گے کہ ہر خندق ذالقرنی حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا ہی ہیں۔ اور خمس اصل میں انہیں کے لئے ہے لیکن ائمہ کو بوجہ میراث خمس کا لینا جائز ہے تو میری بعض

ہے پہلے تو میراث فاطمہ زہرا علیہا السلام کے حصہ میں آئی تھی جو کہ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے حصہ میں آئی تھی اور اس کے بعد میراث کے وقت میں سوا امانوں کے سادات میں سے حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کا اور کوئی وارث ہی نہ تھا جو نصف خمس سلے کا سارا امام کے لئے تجویز ہوا۔

پھر بعد وفات سیدہ جو غنائم آئیں وہ ان اور سلمنا کہ حضرت زہرا کے مال کی وراثت انہیں کی ملک نہ تھیں۔ تو حقہ کیوں منسب فرمایا؟ اشخاص معروہہ کے لئے ہو لیکن جو چیز کہ حضرت امیر رضی اللہ عنہ اور حضرت امام ہمدی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں غنیمت آئی یا آئے گی وہ حضرت فاطمہ کی ملک ہی میں نہیں، مالک ہونے کے لئے حیات ضروری ہے تو اس صورت میں اولیٰ تو خداوند علیم حکیم کے اس فرمانے کے کیا معنی ہوں کہ جو کچھ غنیمت لاؤ اس کا خمس انا لقریبی یعنی حضرت فاطمہ اور تیمامی وغیرہ کے لئے ہے۔

ساتواں، مال غنیمت اللہ کے لئے حرام دوسرے جب وہ حضرت فاطمہ کی ملک ہی نہ ہوئی تو بوجہ دین دیگر مستحقین کے لئے بھی جائز وراثت امانوں کے کیوں لیا، اور یہ بھی نہ ہی خمس وراثت

میں نہ آیا ہو بلکہ استحقاق خمس وراثت میں آیا ہو لیکن یہ کیا انصاف ہے کہ ذالقریبی یعنی حضرت فاطمہ کا استحقاق خمس تو بطور وراثت اولاد میں منتقل ہو جائے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے تیمام اور مساکین اور مسافروں کا استحقاق خمس بطور وراثت ان کی اولاد میں منتقل نہ ہو، اگر یہی توریث ہے تو اس زمانے کے تیمامی اور مساکین اور مسافروں کی اولاد بھی ہر جہ باوجود تیمام ہوں کہ نہ ہوں، اور مساکین ہوں کہ غنی، مسافر ہوں یا مقیم مصرف خمس ہوں اور امانوں کے زمانہ کے تیمام اور مسکین اور ارباب، سبیل کو اس میں سے دینا درست نہ ہو وہ یوں ہی خاک پھاٹکے پھریں، معجزہ جو سخن شناس ہیں وہ اس لفظ ذات ذالقریبی حقیقہ سے یوں سمجھتے ہیں کہ جناب باری کا حضرت رسالت پناہی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یوں ارشاد ہوا ہے کہ ذالقریبی کا حق پورا پورا ادا کر دو،

آٹھواں، یہ کہیلے مری ذک اور غیام کے لئے سب کچھ سوا اگر ذالقریبی حضرت فاطمہ ہوں۔ اور ان کا حق ذک ٹھیرا، تو اس صورت میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ذک دے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حق حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے تو ادا ہو گئے، باقی جو کچھ بچا اور جو کچھ

سوا اس کے بطور ذی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قبضہ میں آیا، یا اس کے بعد میں سے خمس میں آیا یا اس سے پہلے غنیمت میں سے خمس میں آیا تھا، یا سوا اس کے جو کچھ اس آیت کا مفہوم قرار دیکھے، وہ سب مساکین اور ابن سبیل کا رہا، اور ظاہر ہے کہ ذک اس قدر مجموعہ کے ساتھ ہزاروں حصہ کی نسبت بھی نہیں رکھتا، سو موافق گفتار شیخان، قدر شناسی عالم بالا معلوم، اس تقسیم میں خدا سے بھی بڑی انفراد تفریط ہوئی کہ حضرت فاطمہ سیدہ النساء، جگر گوشہ سید المرسلین صلوات اللہ علیہ علی آلہ معین کے لئے تو فقط ذک اور باقی ساری دولت اختیار کے لئے اگر دنیا سے بچنا تھا تو اس قدر کی بھی کچھ ضرورت نہ تھی قوت لایموت تو ذک سے پہلے بھی ملے تھا، فعوذ باللہ منہا خداوند کریم علول کجا اور یہ تقسیم ناموزوں کجا، یہ بعینہ ایسی ہی تقسیم ہے جیسا کہ مشہور ہے، از سخن غارتا طلب بام از آن من وز بام کاخ تا بہ ثریا از آن تو۔

نواں، قدر پنے انصافی کا الزام سنیں کہ طو پر تو اس تقسیم کے جو ان کی ایک صورت بھی ہے، وہ کہہ سکتے ہیں کہ خدا کی شان وہی ہے جیسے کلام اللہ میں ہے ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء ذالک یزید من یشاء۔ لیکن شیعہ تو خداوند حکم الحاکمین کے ذمہ عدل بمعنی معلوم ایسے امور میں واجب بتلاتے ہیں۔ سو بڑے حیف کی بات ہے کہ لعوذ باللہ خدا ہو کر ایسی نا انصافی کر زیادہ استحقاق والوں کو کم، اور کم استحقاق والوں کو زیادہ۔ اور اگر کوئی صاحب یوں ارشاد فرمائیں کہ یہ روایت سنیں کی کتابوں کے حوالوں سے مولوی صاحب نے بیان فرمائی ہے، اگر غلط ہو تو شیعوں کو کیا نقصان، سنیتوں کے الزام کے لئے اتنا بھی بہت ہے کہ ان کی کتابوں میں یہ روایت موجود ہے۔ تو اس کا جواب ہم سے سنئے۔

اول تو یہی غلط کہ روایت شیعہ کی نہیں، کیونکہ مجمع البیان طبری میں حضرت ابو سعید خدری اور حضرت امام محمد باقر اور حضرت امام جعفر صادق کے حوالہ سے یہ روایت موجود ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت فاطمہ کو ذک عطا فرمایا اور اس کو ان کے سپرد کر دیا۔

ابن سنت کے کتب روایت کے صحت و کذب کا معیار قرآن مجید ہے باقی رہا یہ سنیتوں کی کتابوں میں یہ

روایت پائی جاتی۔ تو اس کا جواب بقول ہم سے سنئے۔ جناب میں یہ روایت سراسر دروغ
ساختہ پرواختہ حضرات شیعہ ہے چنانچہ تقریر ماسبق میں بخوبی اس بات کی تحقیق مندرج
ہو چکی ہے۔ لیکن مزید تکلیف کے لئے اتنا اور بھی سنئے کہ سنی اول تو ایسے بے عقل نہیں، کہ
جموٹ سچ کی تمیز ان کو نہ آتی ہو، پس کلام اللہ کے حرف کے اکثر سنی حافظ اور محافظ،
ان کو ہر آیت کے سیاق و سباق پر نظر رہتی ہے اور ایک مضمون کی جتنی آیتیں ہوتی ہیں ان سب
کی خبر رکھتے ہیں جیسے شیعوں کی تیرہ درونی اور کج عقلی اور کلام اللہ کے محفوظ نہ ہونے اور موع
استدلال کے سیاق و سباق کے یاد نہ ہونے کے باعث صحیح مطلب کی جگہ غلط سمجھ جاتے ہیں
سنی غلط نہیں سمجھ سکتے کیونکہ وہ لفظ تعالیٰ ان عیوب سے پاک ہیں، بلکہ جیسے کوئی پرچاندی کو
کو لگا کر کھڑا کھڑا پرکھ لیتے ہیں سنی روایات کو کلام اللہ پر مطابق کر کے صحیح ضعیف کو دریا
کر لیتے ہیں، سو وہ کیوں کر ایسی روایات پسند کر کے قطع نظر سے سند ہونے کے اس آیت کا
سیاق اور سباق بلکہ خود اس روایت کے لفظ اور معنی اس کے غلط ہونے کے گواہ ہوں۔
اپنی کتب میں درج کریں، یہ سب مقتدایان شیعہ کی چالاکی ہے تاکہ عوام اہلسنت کو اس
تلبیس ابلیس سے جاوہ مستقیم سے بے خبر کر دیں۔

روایت مذک آیت کے سیاق و سباق کی مخالفت اول سیاق و سباق آیت کی مخالفت تفسیر مذکور
سے گوش گذار اہل انصاف و خدا را خور سے سنیں، میں نہیں کہتا کہ میری روایت کریں، بلکہ
البتہ انصاف کا خواہاں ہوں، سورہ بنی اسرائیل میں دوسرے رکوع وقضیٰ رکنک سے
لے کر مابعد تک آیت وآت الذرئی حقہ کو ملاحظہ فرما کر دیکھیں کہ حرف خطاب سے
مقصود فقط نفس نفیس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں یا تمام امت، سو اہل فہم جانتے
ہیں کہ مقصود خطاب سے تمام امت کا خطاب ہے۔ کیونکہ لا تعبدوا اور رکنک اعلمکم بما
فی نفوسکم الخ اور لا تفتکروا اولادکم وغیرہ میں تو ضمائر جمع ہی کے ہیں۔ باقی رہا
اما یبلغن عتدک الذکر وآت الذرئی وغیرہ میں ہر چند بظاہر لوح و حدیث
خطاب اور بقرینہ وقضیٰ رکنک جس میں ظاہر خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب
معلوم ہوتا ہے کہ وآت الذرئی وغیرہ میں خطاب خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے

مگر نظر بعہوم حکم و لحاظ قرینہ لا تعبدوا وغیرہ میں معلوم ہوتا ہے کہ یہ خطاب شخص
کے لئے ہے اور اس کا مخاطب ہر عام و خاص ہے، اس میں اور کج تعبید طین اگر فرق ہو
تو یہی ہے کہ وہاں اعنی لا تعبدوا وغیرہ میں مخاطب متعدد، پر خطاب ایک، اور یہاں
دونوں متعدد ہیں، جتنے مخاطب، اتنے ہی خطاب۔

رہی یہ بات کہ بقرینہ وقضیٰ رکنک خطاب بجانب سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام
و علی آلہ الکرام معلوم ہوتا ہے تو اس کا جواب یہ ہو کہ جملہ وقضیٰ رکنک اس امر کے لئے جب ہی
قرینہ ہو سکتا ہے کہ جملہ وآت الذرئی وغیرہ اس پر معطوف ہوں، سو اس بات کو اہل
معانی و بیان سے دریافت کرنا چاہیے کہ انشاء کا عطف خبر پر اور ماضی کا عطف امر پر درست
ہے کہ نہیں؟ حق یہی ہے کہ جملہ وآت الذرئی اگر معطوف ہو تو لا تعبدوا پر معطوف ہے
اور اگر یوں کہنے کہ وقضیٰ رکنک اگرچہ بظاہر خبر ہے پر تحقیق میں معنی امر ہے قرینہ لا تعبدوا
موجود ہے، تو اس کا جواب یہ ہو کہ اس صورت میں بھی لا تعبدوا کا قرینہ اس بات پر کشا ہوا
ہے کہ اگر یہ جملہ خبر معنی امر ہو تو خطاب بھی عام ہے۔

ہاں یہ بات اس صورت میں قابل استفسار ہے کہ جب دونوں جگہ مخاطب تمام
امت ہی تھی تو نظم و نسق عبارت یوں مختلف کیوں ہوا؟ یا دونوں جگہ ضمیر جمع ہوتی؟ یا
دونوں جگہ ضمیر واحد آتی؟ سو وجہ اس تغیر و تبدل کی بظاہر یہ معلوم ہوتی ہے کہ جب کوئی حکم
احکام متعددہ میں سے جو ایک ساتھ صادر فرمائے جائیں، بہ نسبت اور احکام کے زیادہ عظیم الشان
ہوتا ہے یا بہ نسبت کسی خاص حکم کے مخاطبوں کی طرف سے قاعدہ و ترکیب کا گمان ہوتا ہے
تو ایسی صورت میں حکام والا نشان بنظر مزید تاکید ہر فرد بشر کی طرف خطاب کر کے حکم کیا کرتے
ہیں سو یہاں بھی یاس لحاظ کہ شرک کی برائی اور بزور الدین کی بھلائی ہر عاقل کی عقل میں خود
بخود جمی ہوئی ہے اس کی ضرورت نہ دیکھی کہ تہذیب مذمت فرمائیں اور تاکید راہ پر لائیں فقط تہذیب
پر نہ کہ یہ بھی ایک قسم کی تاکید ہے۔ اکتفا فرمایا۔

ہاں اولہ حقوق ندی الذرئی، علیٰ ہذا القیاس لحاظ صرف سچا ہیں، اکثر بشر قاصر اور
خافل نظر آئے، مناسب مقام یہ ہو کہ زیادہ تر اہتمام کیا جائے۔ علاوہ بریں امر نبی دربارہ توحید

وشرکت سے یہ مطلب ہوتا ہے کہ خالق سے کیونکر معاملہ رکھنا چاہیے، ادھر اوامرِ ادا سے حقوقِ اہل حقوق اور نواہیِ اسراف و تبذیر سے یہ غرض ہوتی ہے کہ غلامانِ کینہ کیونکر رہنا چاہیے۔ غرض معاملات کی دو قسمیں ہیں ایک خالق کے ساتھ ایک مخلوق کے ساتھ علیٰ ہذا القیاس اور امر و نواہی بھی منقسم ہر قسم میں چونکہ اصلاحِ معاملات منظور ہے اور ہر معاملہ دو ہی شخصوں سے تمام ہوتا ہے سو معاملہ خالق میں تو تمام مخلوق برابر ہیں ایک ہی خالق اور پھر سب کے ساتھ ایک ہی نسبت اس لئے اس کو تو ایک ہی معاملہ تصور کیجئے، اور معاملہ مخلوق میں ہر شخص کا حال جدا کیونکہ اول تو ہر ایک کے اقربا جدا، پھر اقربا میں سے بھی ہر شخص سے جدا قربت، اس لئے ہر قربت کے ساتھ ایک جدا ہی معاملہ ہوگا، جب یہ بات ذہن نشین ہو چکی تو اب سنئے کہ اول صورت میں تو بلحاظ وحدت معاملہ ایک ہی خطاب مناسب ہے، اور صورت ثانی میں بنظر تعدد معاملہ خطاب بھی جدا جدا چاہیئے۔

وآیت ذی القربیٰ میں خطاب اور اگر اب بھی کسی کے دل سے خلجان بچائے تو پھر بجز اس خاص اور خطابِ عام ہے کے اور کیا کہا جائے کہ یہ تعصبِ بجا ہے بگرتا ہم ہمارا مطلب کہیں نہ گیا اگر خطابِ خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہوگا تب بھی صحیح یہ ہے کہ مخاطب ساری ہی امت رہے گی۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ اِنَّمَا يَتَّبِعُونَ عِندَ لَكَ الْكَلْبَرُ اَحَدُهُمَا اَلْخ لِح کے معنی یہی ہیں اگر پہنچ جائیں تیرے سامنے بڑھاپے کو ماں باپ میں سے ایک یا دونوں، تو نہ کہنا کوہوں اور نہ جھڑک ان کو، اور کہ ان کو باتِ ادب کی اَلْخ فقط۔ اب میں پوچھتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بعد چالیس برس کے کلام اللہ نازل ہونا شروع ہوا اور والدین آپ کے چھٹیں ہی میں گذر گئے تھے پھر جو آپ کو یہ حکم سنایا گیا تو بجز اس کے اور بھی کچھ معنی ہیں کہ امتیوں کو سنانا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے باتیں کرتے ہیں سو اسی طرح لفظ آیت ذی القربیٰ کو سمجھنا چاہیئے۔ اور بیشتر اس قسم کے خطاب کے سب سے بڑے کو منہ پر دھر لینا وہاں کہا کرتے ہیں کہ کسی وجہ سے اس کو کم کا زیادہ تر اہتمام اور عوام کی طرف سے اس میں کسی طرح کا تعاون ظہور میں آیا ہو یا اتفاقاً خدا کا گمان ہو تو ایسے میں بڑے محبوبوں اور مقربوں اور افسروں کو منہ پر دھر کے کہا کرتے ہیں تاکہ سب سمجھ جائیں کہ جب

ایسے محبوب اور مقرب کو اس حکم کی یہ تاکیدیں ہیں تو ہمارا تو کیا ذکر ہے ہم کو بدرجہ اولیٰ اس حکم کی رعایت چاہیئے، بالجلد اِنَّمَا يَتَّبِعُونَ کے قرینہ سے مثل آفتاب روشن ہے کہ گو مخاطب خاص ہے پر خطابِ عام ہے چنانچہ اِنَّمَا يَتَّبِعُونَ کا بھی فی الجملہ اس کی طرف اشارہ کرے ہے۔ کیونکہ تبذیر سے منع کرنا کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے ساتھ مخصوص نہیں اور پھر یہ بات بھی قرینہ مذکور سے واضح ہوگئی کہ ماں باپ بھی ذی القربیٰ میں داخل ہیں، بلکہ اس آیت میں زیادہ تر لحاظ انہیں کی طرف ہے لیکن خطابِ عام بھی ہو سکتا ہے کہ لفظ حقہ سے مطلقاً صلہ رحمی مراد ہو، چنانچہ ظاہر اور متبادر بھی یہی ہے، ورنہ حقہ کا مصدر اگر فردک ہی ہو تو پھر کس کس مومن مسلمان کے پاس فردک ہے جو آفر با کے حوالہ کرے۔ بالجلد سیاق سابق آیت ات ذی القربیٰ الخ مستدرجہ سورہ بنی اسرائیل تو بہدات وجہ مذکورہ اس تفسیر سے انکار کرتا ہے۔

علیٰ ہذا القیاس سورہ روم کو خیال فرمائیے کیونکہ اللہ ببسط الرزق سے لفظ آیت ذی القربیٰ کے مابعد تک اگر لغو و تامل کیا جائے تو صفات و افعیل ہو جائے کہ یہاں بھی گو مخاطب خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں لیکن خطابِ عام ہے کیونکہ پہلے تو یہ مضمون ہے کہ اللہ کو اختیار ہے جس کو چاہے روزی فراخ دے جس پر چاہے تنگ کر دے، اسی پر تفریع کر کے فرماتے ہیں کہ تو قرا تبتول اور مسکینوں اور مسافروں کو ان کا حق دیتا رہ۔ یعنی ہم نے اپنی بے نیازی سے کسی کسی کو مفلس اور تنگ دست بنادیا سو تو ان میں سے اس ترتیب کے موافق خیر لیتا رہ۔ پھر اس کے بعد یہ مضمون ہے کہ یہ بات بہتر ہے ان لوگوں کے لئے جو ایمان لائے اور وہی لوگ فلاح کے پہنچنے والے ہیں۔ اور اس کے بعد اور بھی ایسے ہی مضمون عام ہیں۔ الغرض یہ جو لفظ اللہ کا اشارہ ہے یعنی یہ جو ارشاد ہوا کہ یہ بات بہتر ہے یہ اسی قرا تبتول کے حقوق اور مساکین اور ابناء سبیل کے حقوق کے ادا کرنے کی طرف اشارہ ہے، سو اسی طرح سے اشارہ فرما کر کہنا کہ یہ بات بہتر ہے ایمان والوں کے لئے جیسی صحیح ہو سکتا ہے کہ کوئی حکم عام ہو۔ سو در صورتیکہ مذکور مراد ہو تو اس تفسیر کا حال ہم تو نہیں کہہ سکتے۔ ایسا ہو جائے گا جیسے نعوذ باللہ مشہور ہے من چعی گویم و طنبور من چعی گوید الغرض دستاویز بہرہ فردک و

فترمان عطاء مذکور شیعہوں کے نزدیک سورہ روم کی آیت تھی سو اس کے سیاق
سباق کا بھی حال معلوم ہو گیا۔

حَقَّقْہُ کا معنی مذکور مسئلہ حقیقہ کی تفسیر مذکور ہو تو دو حال سے خالی نہیں یا معنی حقیقی
کسی طرح بھی نہیں ہو سکتا ہو یا معنی کا ایک فرد ہو۔ اور جیسے کوئی شخص گھوڑے کو نہ جانتا ہو۔
اور وہ کسی سے پوچھے کہ گھوڑا کیسا ہے تو ہے۔ اور اتفاق سے کوئی گھوڑا اسوقت سامنے
آجائے تو وہ دوسرا کہنے لگے کہ دیکھو یہ گھوڑا، تو یہ جواب بیان معنی اور تفسیر حقیقت نہیں۔
بلکہ حقیقت اسی کے ایک فرد کو بتا کر گویا یوں سمجھا دیتا ہے کہ باقی افراد بھی اسی پر قیاس کر کے
حقیقت مشترکہ کو سمجھ لو۔ ایسے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حقیقت حق ذی القربیٰ کو نہ جانتے
ہوں؟ اور حضرت جبریل نے ایک فرد کو افراد حقوق ذی القربیٰ میں سے بتلا کر مطلب کا راہ
کمال دیا ہو؟ یا یوں کہئے کہ نہ یہ معنی لغوی ہیں، اور نہ کوئی فرد معین بخلاف ان کے۔ بلکہ جناب
سرور کائنات فقط مقدار حق ذی القربیٰ کو نہ جانتے ہوں، سو اسی کا سوال کیا اور حضرت
جبریل علیہ السلام نے اس مقدار ہی کا ذکر فرمایا۔ بالجملة ان میں احتمال بے زیادہ اور کوئی احتمال
نہیں جس کو غرض اصلی تفسیر مذکورہ کی قرار دیجئے اور حقیقت میں دیکھئے تو ایک بھی احتمال
نہیں مطلب آیت کا ظاہر ہے تفسیر کی کچھ حاجت نہیں۔

سو خیر اگر اس معنی کو معنی لغوی قرار دیجئے تو یہ تو ظاہر ہے کہ ظاہر البطلان ہے کونسا
کو دن یوں کہہ دے گا کہ اس لفظ کے معنی لغوی اور موضوع لمطابق یہ معنی ہیں؟ اور اگر
یوں کہئے کہ مدنیہ العلم اور معدن حکمت یعنی سرور کائنات علیہ وعلیٰ آئمہ افضل الصلوات
والتسلیمات حقیقت حق ذی القربیٰ کو نہ جانتے تھے اور حضرت جبریل نے، ایک فرد کا بیان
فرما کر حقیقت الامر سے مطلع فرمادیا تو یہ جرات بھی مدلولی عام علی صاحب جیسے صاحبوں سے
ہو سکتی ہے اہل فہم کی زبان تو ایسی باتوں کے لئے نہیں اٹھتی۔ مائل چھوڑ دیو۔ نے بھی اتنا تو جانتے
ہیں کہ حقیقت حق ذی القربیٰ یہی دنیا دانا ہے چنانچہ لفظ آت خود مافقیہی کہتا ہے
پھر جب کبھی کچھ دینے دلائے کا اتفاق ہوگا۔ وہی ایک فرد اس حقیقت کا ہر دو جملے گا۔ باقی
رہا تیسرا احتمال بادی النظر میں البتہ فی الجملہ کچھ آیت مذکورہ کے پاس پاس کو پھرتا ہی نہیں

لغوی دیکھئے تو جواب میرے یہ بھی بعید ہے کیونکہ اول تو اقر با کے حق کی کوئی حد نہیں۔
شیعہ سنیوں کا سب کا اس پر اتفاق ہے کہ جتنا کرے اتنا تھوڑا، دوسرے اس صورت میں
لازم تھا کہ سنیوں سے یا جبریتوں سے مثلاً، یا باعتبار ربع یا ثلث مال کے تعیین مقدار میان
فرماتے، اس صورت میں اس سوال و جواب کی وہی مثل ہو جائے گی۔ سوال از آسمان
جواب از لیسال، لغوی بالذکر اس احتمال پر حضرات امامیہ جہیں، تو غریبہ کے اس عقیدہ کو
بھی منظور فرمائیں کہ خداوند کریم کی طرف سے حکم حضرت علی کے پاس وحی کے لئے جانے
کا ہوا تھا۔ پھر حضرت جبریل علیہ السلام نے غلطی کے باعث حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کو وحی پہنچادی۔ کیونکہ اس جواب سے بھی حضرت جبریل کی خوش فہمی کچھ اس خوش فہمی سے
جو غریبہ کے طور پر دربارہ وحی رسانی ان سے بطوریں آئی ہے کم نہیں۔

التفسیر تینوں احتمال اس تفسیر کے ابطال سے مالا مال ہیں۔ ہاں اگر مذکور پہلے
سے مملو کہ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا ہوتا۔ اور بوجہ غلطی مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کے قبضہ میں ہوتا تو البتہ یہ تفسیر باعتبار ظاہر ٹھیک ہو جاتی لیکن اس کو کیا کیجئے کہ اتنی بات
کے سنی تو درکنار شیعہ بھی قائل نہیں بلکہ باتفاق شیعہ مذکور مملوک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
وآلہ وسلم تھا، پھر بعد نزول اس آیت کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ زہرا
رضی اللہ عنہا کے حوالہ کر دیا علی بذالقیاس فلا القربیٰ کی تفسیر میں جو حضرت زہرا رضی اللہ
عنہا کا نام ہے اس میں بھی ان تینوں احتمالوں کا بطلان سمجھئے۔

ابن سبیل در مسکن بھی استحقاق اور ان سب باتوں کو جانے دیجئے اگر ذی القربیٰ۔ اور
میں ذی القربیٰ کے ہم پلہ ہیں کے معنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم نہ تھے تو لفظ
مسکن اور ابن سبیل بھی اس طرح کے اشکال اور خفاء معنی میں کچھ ذی القربیٰ اور حقیقہ
سے کم نہ تھا۔ علی الخصوص تعیین مقدار حق مسکن اور حق ابن سبیل۔ کہ ان دونوں کا عرف میں
بھی کوئی قانون نہیں مخلات قرابتوں کے کان کے لینے دیے کا ہر قوم میں ایک دستور بنھا
ہوتا ہے، پھر کیا وجہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذی القربا کے حقوق کو حضرت جبریل
سے پوچھا اور مسکن اور ابن سبیل بچاؤں کی بات بھی نہ پوچھی؟ اگر یہ غلط ہے کہ اس روایت

میں نہ سہی کسی اور روایت میں ہوگا تو مسلم لیکن کسی دوسری ہی روایت سے مثل ذالقرنی کے مسکین اور ابن سبیل کے انخاص معین کیجئے۔ اور تعین متدرجہ مسکین اور ابن سبیل بیان نہ رہا ہے اور قطع نظر اس بات کے جناب باری تعالیٰ اس آیت میں ایک ساتھ تینوں کو ذکر فرماتا ہے آیت واعلموا انما غنمتم وغیرہ کے ملاحظہ سے بھی یوں سمجھ میں آتا ہے کہ مسکین اور ابن سبیل استحقاق میں ذالقرنی کے ہم پلہ ہیں، جیسا ان کا دینا ضروری ہے، ویسا ہی ان کا، پھر کیا وجہ ہوئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ذالقرنی کے حق کے ادا کرنے کا تو فکر ہوا، اور اس باب میں کچھ کاؤ اور تفتیش اور استفسار فرمایا اور دربارہ مسکین اور بیچارہ ذلیل ابن سبیل کچھ لب کشا نہ ہوئے۔ ۹۔

باقی رہی روایات طرفین کی جو درباب فضیلت خدمت گذاری مساکین اور ابن سبیل کے وارد ہیں، سو ایسی روایتیں صلہ رحمی کے فضائل میں بھی صد ہا مشہور معروف ہیں، اگر مساکین اور ابن سبیل اور ان کے حقوق کی تفصیل اور تحقیق کا پہلے سے معلوم نہ ہو، اس قسم کی روایات سے معلوم ہوتا ہے تو ذالقرنی اور ان کے حقوق کی تفصیل اور تحقیق کا معلوم ہونا بھی صلہ رحمی کے فضائل کی روایات سے معلوم ہوتا ہے، مسکین اور ابن سبیل کے باب میں اگر پوچھنے کی حاجت نہ تھی تو یہ بال بھی نہ تھی۔ اور اگر احادیث فضائل صلہ رحمی میں یہ احتمال ہے کہ شاید بعد اس آیت کے نزول کے لب مبارک نبوی سے صادر ہوئی ہوں تو یہاں بھی وہی احتمال نہ انہی کسی کے پاس تاریخ نگھی ہوئی نہ انہی۔

آیت ذالقرنی اگر اسنی ہے یہ سب رد و کہ تو اس صورت میں ہے کہ جیسا تمام امت خاص تو واعلموا کی طرف اشارہ ہے کہ شیعہ اس آیت کو منہی کہتے ہیں۔ منہی ہی کہیں۔ اور اگر سارے جہان کے بخلاف جیسے مولوی صاحب نے واقعہ اور بشیر بن ولید کے حوالہ سے اس آیت کا مدنی کیا بعد خبر کے نازل ہونا بیان فرمایا ہے ہم بھی اس کے بعد خبر کی فتح کے قائل ہیں تب ایک بات میں جھگڑا ہو چکتا ہے، وہ یہ ہے کہ اگر یہ آیت بعد خبر کے نازل ہوئی تو آیت واعلموا (لما غنمتم) پہلے نازل ہوئی ہوگی، کیونکہ یہ تقسیم آیت واعلموا میں ہے اسی تقسیم کے موافق فتح خبر سے پہلے ہمیشہ غنیمتیں تقسیم ہوتی رہیں۔ سو اس صورت میں

کی حاجت تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل سے پوچھا کیونکر ظاہر ہے کہ اس تقدیر پر آیت آت ذالقرنی حقدہ میں تقسیم مذکور کی طرف اشارہ ہوگا، اور چونکہ اس تقدیر پر ذوی القربی اور مسکین اور ابن سبیل تینوں کے حق سے شرح مشروح معلوم ہو جائے گی، تو جو جو خیالیاں بر تقدیر صحت روایت معلومہ معلوم ہوتی تھیں سب کی طرف سے اطمینان حاصل ہو جائیگا، بہر حال چار طرف وجوہات متعددہ اور قرائن داخلی خارجی اس بات پر شاہد ہیں کہ یہ روایت محض دروغ اور سراسر بہتان ہے، بالجمہ باعتبار روایت کے تونیوں کو اس آیت کے غیر معتبر ہونے کی وجہ سے تلی نہیں اور پہلے تا مل یہ سمجھتے ہیں کہ مطلب اس آیت کا یہ ہے کہ مومنو اقربا اور مساکین اور مسافروں سے سلوک کرتے رہو۔ اور اقربا میں سے ہر ایک کے ساتھ درجہ بدرجہ احسان اور محبت اور ادب اور تواضع سے پیش آؤ۔ ماں باپ کے ساتھ ادب اور خدمت گذاری، اور اولاد کے ساتھ محبت اور خبر داری، اور بھائی بند کے ساتھ حسن اخلاق اور مددگاری سے ملتے رہو۔ القصہ علی العموم سب مومنوں کو یہ حکم ہے کہ غنایہ فقط رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں، نہ یہ کہ فقط رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک حضرت فاطمہ زہراء کو فقط فدک حوالہ کر کے اس بار حکم سے سبکدوش ہو کر فارغ البال ہو جائیں۔

روایت مذکور کے وضعی ہونے باقی رہا بطور قواعد روایت کے اس روایت کا غلط ہونا سوالوں کی دلیل خود عمار علی ہے۔ تو اس روایت کے غلط ہونے میں اس وجہ سے شک و شبہ نہیں کہ مولوی عمار علی صاحب اس بات کے ناقل ہیں کہ یہ روایت سنیوں کی معتبر کتابوں میں ہے۔ اس سے زیادہ اس روایت کے غلط ہونے کی اور کیا نشانی ہوگی؟ کیونکہ مولوی صاحب کا صدق مقال اور راستی گفتار در بارہ نقلیات (ان تحریروں سے جو قریب ہی حضرت رفیقہ اور حضرت ام کلثوم دختر ان مطہرہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ام کلثوم بزرگوارہ حضرت تبول رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مقدمہ میں گذری ہیں بلکہ سوا اس کے اور تحریروں سے بھی واضح ہو چکا ہے، پھر جب مولوی صاحب روایت میں ایسے امانت دار بھڑکے کہ شیعوں کی ضد میں اپنے علماء اور اپنی معتبر کتابوں کو جھوٹ کی طرف نسبت کر دی ہو اور اپنے سب

دین وائین کا اعتبار کھو دیا ہو۔ سنیوں کے ذمے ایک بہتان باہر سے ہوئے ان کو کیا اندیشہ لگیا؟ ایسی باتوں میں یا خدا کا ذکر ہوتا ہے یا دنیا کی شرم ہوتی ہے سو قریان جائے تفسیر کے اس کے صدقے دونوں کو بغل میں مارا مگر بایں ہمہ منتظران کے اطمینان خاطر اور ناظرین کے دفع غلبان کے لئے لازم ہے کہ کچھ مفصل بھی بیان کیا جائے تاکہ یہ جو بالا جہاں مولوی صاحب کا جھوٹا ہونا ثابت ہو اسے خوب دل نشیں ہو کر اہل فہم کو اہل سنت کی حقانیت اور شیعوں کا بطلان کا یقین ہو جائے مگر شاید مولوی صاحب کو اپنی اہانت کی شکایت ہو سو ملا زمان مولوی صاحب کی خدمت میں یہ التماس ہو کہ معاذ اللہ ہم سے ایسا کب ہو سکتا ہے؟ آپ کے دین کو تو دعوہ ہی سے فروغ ہے سو فروغ کی باتوں میں اگر آپ کی استقامت ہماری تقریر یا تحریر سے ثابت ہو جائے تو ہمارا ممنون احسان ہونا چاہیئے۔

فصل کتاب مصنف کتاب کے قابل بالجمہر مد اطمینان کے لئے اس باب میں کچھ دل لبریز نوکریز قبول ہونے کی چند شرطیں قلم ہے مگر اول بطریقہ غیبیہ یہ گذارش ہے کہ کتابیں آدمیوں ہی کی تصنیف ہوتی ہیں، جیسے آدمی سب طرح کے ہوتے ہیں جو جو طے طے سے معتبر غیر معتبر فہمیدہ غیر فہمیدہ۔ ایسے ہی کتابیں بھی سب طرح کی ہوتی ہیں۔ فخران بے دین نے بہت سی کتابیں تصنیف کر کے اچھے اچھے بزرگوں کے نام لگا دیئے ہیں۔ اور اس میں اپنے وائیات سینکڑوں بھر دیئے ہیں اور جو کتابیں کہ کبرائے اہل سنت کی تصنیف ہیں۔ اس میں سے بھی اکثر ایسی ہیں کہ وہ لوگوں کی فیض رسانی کے لئے تصنیف نہیں ہوئیں بلکہ بطور بیاض کے جمع کی گئیں تاکہ نظر ثانی کر کے ان کی روایات کا حال معلوم کریں، اور اتفاق سے نظر ثانی کا اتفاق نہ ہوا ہو اور کسی وجہ سے وہ بیاضیں لوگوں کے ہاتھ پاؤں پر لگیں۔ اور بعض کتابیں ایسی ہیں کہ وہ بہت کباب اور ہر درجہ غایت ناورد و لوجود بلکہ بمنزلہ مفقود ہیں۔ اور وہ متحدوں اور مقبدموں کے ہاتھ لگ گئیں ہیں انہوں نے اپنی گھڑی ہوئی روایات اس میں داخل کر دیں یا اہل سنت کے مقابلے کے وقت کسی روایت کو ان کتابوں کی طرف منسوب کر دیتے ہیں تاکہ اہل سنت خاموش ہو جائیں۔

سو اہل تشیع اکثر ایسا ہی کرتے ہیں اور ایسی ہی کتابوں کا حوالہ دیا کرتے ہیں اس لئے

اہل حق کو لازم ہے کہ جب کسی شیعہ سے کسی کتاب کا حوالہ سنے تو اول تو یہ دریافت کرے کہ یہ روایت اس کتاب میں ہے کہ نہیں؟ دوسرے اس کتاب کا حال تحقیق کرے کہ معتبر ہے کہ نہیں۔؟

پہلی شرط اور معتبر ہونے کی یہ صورت ہے کہ کسی کتاب کی روایات کے معتبر ہونے میں چند باتیں ضروری ہیں اول تو یہ کہ اس کتاب کے مصنف کو تفریح طبعی مخزنہ کے لئے فقط قصہ گوئی اور افسانہ خوانی مد نظر ہو، بلکہ واقعات واقعی کے مشاقوں کی تسکین کے لئے اس کتاب کو تصنیف کیا ہو۔ ورنہ چاہیئے کہ بہار دانش اور بوستان خیال کے افسانے، اور چہار درویش اور بکاؤلی کی کہانیاں، اور فسانہ عجائب اور فسانہ غرائب کے طوفان، سب کے سب دستاویز خاص و عام ہو جائیں۔

دوسری شرط دوسری کہ مصنف کتاب کسی کی روایت اور کسی سے بغض و عداوت نہ رکھتا ہو اور اس کا حفظ اخبار اور صدق گفتار اس درجہ کو مشہور ہو کہ اس کی تحریر کی نسبت کسی کے دل میں شک شبہ نہ ہو، ورنہ طومار کے طومار اخباروں کے لڑکیوں کی زبانوں میں اپنے بزرگوں کی شجاعت اور ان کے غنیوں کی بزدلی سے مشحون ہوا کرتے ہیں، بالاتفاق مسلم ہو جائیں؟ اور یہ جو زبان و خاص و عام ہی کا اخباروں کا کیا اعتبار؟ ایک حجت بیجا اور عقیدہ ناسزا ہو جائے اور شیعہ سنیوں کی، اور سنی شیعوں کی سندیات بر سر و چشم رکھنے لگیں اور ہر کس و ناکس کی بات قبول کرنے لگیں، اور یہ فرق قوت و ضعف، حفظ و تفاوت، صدق و کذب، اور علی ہذا القیاس یہ نہمت روایت، اور کینہ و عداوت، ہرگز قابل لحاظ نہ رہے۔

تیسری شرط تیسرے یہ کہ مصنف کتاب باوجود صدق و دیانت اور حفظ عدالت کے اس فن میں جس فن کی وہ کتاب سے دست گاہ کامل اور ملکہ کما نبغی رکھتا ہو۔ نہ یہ کہ دین میں مثلاً نیم ملا ہو جس سے خطہ ایمان ہو یا طب میں مثلاً نیم طبیب ہو کہ بیماروں کو خطہ جان ہو۔

چوتھی شرط چوتھے یہ کہ وہ کتاب باوجود شر الطمذکورہ کے قدیم سے مشہور و معروف اور ایسے قسم کے لوگوں کے واسطے سے جو جوہر اوصاف مرقوم ہوں دست بستہ ہم تک پہنچی ہو

ورنہ لازم کیا الزم تھا کہ انجیل اور تورات جو کلام ربانی ہیں اور اس خدا کی تصنیف ہیں جو
بوجہ اتم جامع اوصاف مذکورہ کیا۔ مجموعہ جمیع صفات کمال اور معدن حملہ کمالات
جلال و جمال ہے۔ اعتبار اور اعتماد میں ہم پر تو ان مجید اور فرقان میں کدھوٹے؟

پانچویں شرط پانچویں یہ کہ روایت کی کتاب میں اعتبار کے لئے ضروری ہے کہ مصنف کتاب نے
اول سے التزام اس بات کا بھی کیا ہو کہ بزرگ روایتوں اور محقق حکایتوں کے اور روایتیں
اپنی کتاب میں درج نہ کروں گا۔ جیسے صحاح ستہ کہ ان کے مصنف نے یہ شرط کر لی ہو کہ جسن
صحیح روایت کے اپنی کتاب میں درج نہ کریں گے۔ اسی واسطے ان کتب کا نام صحاح ستہ مشہور
ہو گیا۔ سو اگر کوئی کتاب کسی کی بیاض ہو کہ اس نے اس میں ہر قسم کی ربط و بابتیں اور
صحیح غلط حکایتیں اس غرض سے فراہم کر لی ہیں، کہ بعد میں نظر ثانی کر کے صحیح کو قائم رکھ
کر باقیوں کو نقل کے وقت حذف کر دوں گا۔ جیسا امام بخاری اور امام مسلم نے کیا یا صحیح کو
صحیح تیار کر موضوع یعنی بنائی ہوئی باتوں اور گھڑی ہوئی حکایتوں اور ضعیف وغیرہ کو لکھ کر اس
کے بعد لکھ جاؤں گا کہ یہ موضوع ہے یا ضعیف ہے مثلاً جیسے امام ترمذی نے کیا لیکن اتفاقات
تقدیر سے ان کا یہ ارادہ پیش نہ کیا اور یہ ضروری نہ ہونے پائی تھی، جی کی جی ہی میں تھی کہ
اجل نے آدیا تو ایسی کتاب کی روایات کا مرکز اعتبار نہ ہو گا ورنہ کونسا مصنف نہیں کہ اس
نے اول ایک مجموعہ بیاض بطور کلیات کے فراہم نہیں کیا؟ امام بخاری سے بہت سندوں
منقول ہے کہ انہوں نے چھ لاکھ حدیثوں سے چھانٹ کر بخاری شریف کی حدیثیں نکالیں ہیں
اور عبدالرزاق بخاری کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری نے کوئی تین دفعہ حدیثوں
کی بیاض کھٹی کی تھی۔ چھانٹ کر بخاری شریف کا مسودہ کیا تھا۔ چنانچہ یہ مضمون بخاری شریف
مطبوعہ دہلی مطبع احمدی کے مقدمہ کی دوسری اور تیسری فصل میں مندرج ہے۔

بہر حال ایسی بیاضوں کا جمع کرنا ایسے ایسے ائمہ حدیث کی نسبت بھی ثابت ہے سو اگر
اتفاق سے امام بخاری مثلاً بعد فراہمی بیاض قبل اس کے کہ بخاری شریف کی حدیثیں اس میں
سے چھانٹ کر بخاری تصنیف کریں، اس درانی سے کوپ کر جاتے تو گو وہ بیاض امام بخاری
ہی کی تصنیف سمجھی جاتی لیکن کوئی بتائے تو کیا وہ قابل اعتبار کے ہو جاتی؟ سب جانتے ہیں کہ

اگر وہ ایسی ہوتی تو امام بخاری کو چھانٹنے ہی کی کیا ضرورت تھی؟ تو اس صورت میں خود امام
بخاری ہی اس بات کے گواہ ہیں کہ وہ میری بیاض قابل اعتبار نہیں، پھر ہم کیونکر فقط اس
سبب سے اس کا اعتبار کرنے لگیں کہ وہ ایسے بڑے محدث امام الحدیث کی تصنیف ہے کہ جہاں میں
نہ کوئی ثانی ان کا ہوا ہے نہ ہو غرض اگر کوئی کتاب اس قسم کی کسی کو مل جائے اور اس کے مصنف
کو کتابی بڑا محدث کیوں نہ ہو، اس کی تہذیب اور تالیف کا اتفاق نہ ہو اور وہ کتاب کسی
طرح علمدار کیا جہاں کے نزدیک بھی شہادت عقل قابل اطمینان نہیں ہاں مولوی عمار علی صاحب
جیسے ماہر فن حدیث کا ذکر نہیں کہ وہ الٹی کے سمجھن ہاں ہیں۔ وہ اگر ایسی نامعقول بات کہہ رہے
چنانچہ ان کا خط ایسی باتوں سے مشحون ہے۔ تو اس کا جواب بجز اس کے کچھ نہ ہو گا کہ بیاض
معدن الی المقبول کسی نے کہا ہے۔ جواب جابلان باشد غموشی۔ بہر حال یہ نکتہ محفوظ
رکھنا چاہیے کہ بسبب اس کے لحاظ نہ رہنے کے اکثر عالم نام سے گرفتار دام ادہام
ہو جاتے ہیں جو جائیکہ جاہل،

چھٹی شرط چھٹی یہ کہ اگر چند روایتیں باہم مختلف ہوں اور بجز اختلاف بھی حد تصاد یا تنافض
کو پہنچ جائے دونوں کا صحیح ہونا فقط مستبعد ہی ہو تو پھر ترجیح باعتبار قوت حدیث کے ہوگی
ورنہ لازم ہے کہ شیعوں کے نزدیک روایات شیعہ اور روایات اہل سنت جو مخالف روایات
شیعہ میں دونوں صحیح ہوں، ایسے ہی کہیں کی یہ روایت کہ کلام اللہ کی سترہ ہزار آیتیں تھیں۔۔۔
لیکن ماسوا مندرجہ مصاحف متداولہ کے سب چوری گئیں، اداہن بالو یہ صدوق کی روایت
کہ کلام اللہ اتنا ہی تھا جتنا اب ہے، دونوں صحیح ہو جائیں۔ سو سب جانتے ہیں کہ اجماع نقیضین
ازلفاع نقیضین ہوں حال تنبیہ بات مقرر ہو چکی، تو گوش گذار اہل انعام ہو کہ اول تو یہ روایت
اور نیز باقی روایتیں جو الزام اہل سنت کے لئے اہل سنت کی کتابوں کے حوالہ سے مولوی
عمار علی صاحب نے اپنے رقمہ میں درج فرمائی ہیں ان کتب میں نہ سمجھی چاہیے۔ کیونکہ اعتبار کے
ساقط ہو جانے کے لئے آدمی کا ایک جھوٹ بھی بہت ہے۔ مولوی صاحب کا دروغ تو امور
مستعد میں متحقق ہو چکا۔ چنانچہ ناظران الباط متعلقہ نکاح حضرت ام کلثوم جگر گوشہ حضرت
زہرا رضی اللہ عنہا اور ملاحظہ کنان تقریر سب حضرت زقیہ اور حضرت ام کلثوم نبات مطہر

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود جانتے ہیں۔ گزارش مکرر کی کچھ حاجت نہیں۔ اگر یاد رہے رہا ہو تو پانچ سات ورق پلٹ کر ملاحظہ فرمائیں معلوم ہو جائے گا کہ جب مولوی عمار علی صاحب نے اپنی کتب مشہورہ معتبرہ کی مرویات سے چشم پوشی کر کے ایک غرض خفیف یعنی سننیوں کی بات کے ہلکا کرنے کے لئے رقمہ موسومہ میرزا و علی صاحب میں بہت سا کچھ خلاف واقع لکھ دیا، اور پھر جرات کر کے یہ کہہ دیا کہ اگر سند مطلوب ہو تو روانہ کر دی جائے۔ اور یہ خیال نہ فرمایا کہ ہماری صحیح روایتیں غلط ہوئی جاتی ہیں اگر سننیوں کے سر پر بھی ایک طوفان دھرویں تو اس میں تو یہ بھی اندیشہ نہیں اور بڑی دلیل اس بات کی ہے کہ جن کتابوں کے حوالہ سے یہ روایت درج رقمہ مولوی صاحب نے خود انہیں کتب کے مصنفوں کی مشہور کتابیں اس روایت کو رد کرتی ہیں چنانچہ انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ مذکور ہو گا۔

اہل سنت کی کتب میں اور سننا کہ یہ روایتیں سننیوں کی بعض کتابوں میں ملتی ہیں لیکن وہ اہل تشیع کے الحاقات کتابیں ایسی غیر مشہور ہیں کہ کیا بیانی میں بیفہ عفا سے کم نہیں سننیوں کو ان کتابوں کے دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوتا حفظ اور ضبط تو درکنار سو اگر یہ روایتیں ان کتابوں میں ہوں بھی تو بیش بریں نیست کہ جیسے بعض سیہ کاران قبیلہ یہود نے منافقانہ نصرانی بن کر انجیل میں بہت سی خرافات خلاف عقل صریح اور مناقض نقل صحیح درج کر دی ہیں۔ ایسے ہی مقتدیان عبداللہ بن سبا یہودی منافق یعنی حضرات شیعہ بھی کہ ہلقین تبدیل و تحریف میں کو یک ابدال یہود مردود اور موافق نقل مشہور ”سگ زاد بلوڑ شحال“ تیرہ درونی میں ان کے ہمرنگ اور قسادت قلبی اور سنگدلی میں ان کے ہمنگ ہیں، قدیم سے درپے تحریف دین احمدی اور مجتہدین مصروف تحریف آئین محمدی علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام رہے ہیں اور اہلسنت و جماعت کی جماعت پر دانت پیستے چلے آئے ہیں لیکن یہاں وجہ کہ امتیاز مسیح علیہ السلام کو نہ حفظ و محافظت انجیل سے کچھ کام تھا۔ اور نہ اس کی تلاوت اور یادداشت میں چنداں اہتمام تھا۔ یہود مردود کا انجیل پر بھی داخل کیا چہ جائیکہ دیگر کتب زائد غیر مشہور۔

اہل سنت کا نظام مختلف لیکن یہاں یہ حال ہے کہ ایک ایک حرف قرآن پر لکھو کھا سننیوں نے مجموعہ پڑا باندھ رکھا ہے۔ اور ہر روایت صحاح ستہ وغیرہ کتب صحاح احادیث پر ہزاروں

محدثین بیدار مغز نے منیع اور تفیش اور حفظ و ضبط کی یہ نوبت پہنچا دی کہ کسی طحڑے دین کو مجال زیادہ کم کرنے کی باقی نہ رہی، چنانچہ کثرت حفاظ قرآنی اور شیوع محدثین ربانی فرقہ اہلسنت میں اس درجہ کو پہنچی ہے کہ ماہ الامتیاز اور ماہ الافتراق اہل سنت اور شیعہ ایک یہ بات بھی ہو گئی ہے الغرض اس وجہ سے کتاب اللہ اور صحاح ستہ وغیرہ کتب مشہورہ اہلسنت تک تو ان تیرہ درونوں کا دست تپا دل نہ پہنچا۔ گو بہت کچھ ہاتھ پاؤں مارے اور وعدہ ہائے اِنَّا لَنُحَافِظُوْنَ اور وَاللّٰهُ مَتِّعْہُ خُوْدَہُ نے ان نابکاروں کی سعی چکا کو انجام تک نہ پہنچایا۔ لیکن نقل مشہور ہے ”اعل بد از خطا نہ کند۔“ جیسے اس بات سے ہارے تھے جھک مار کر چپ ہو رہتے۔ لاچار ہو کر کتب غیر مشہورہ کی طسٹ متوجہ ہو کر اپنے دل کے پھولے پھولے اور بہت سے طوفان ایسے جوڑے کر عوام کیا بعض علماء سادہ لوح بھی ایک دفعہ کو بچل جائیں سو منجملہ ان کے روایات مندرجہ رقمہ مذکور بھی ہیں۔ لیکن بحوالہ فرقہ اہلسنت جماعت کہ ایک جماعت کلاں ہے۔ محققین سے کبھی خالی نہیں رہا، ان کو کو خداوند کریم جزائے خیر دے وہ لوگ ان کی دھوکہ بازیوں کو سمجھ گئے، اور امداد خداوندی انہیں روایات میں سے علامات اور امارات کذب و دروغ نکال کر عاقلوں کو متنبہ کر دیا اور عاقلوں کو طریقہ تمیز حق و باطل کا بتلادیا، چنانچہ ان روایات کے ابطال کی تقریر کو دیکھ کر انشاء اللہ یہ دعوے مدلل ہو جائے گا۔

القصد دعا بازان شیعہ کی یہ حال کی کتب غیر مشہورہ میں چل گئی، اسی واسطے علمائے اہل سنت ان کتب کو ہمنگ تورات و انجیل سمجھتے ہیں اور ان کی روایات کو معتبر نہیں رکھتے ہاں ان کی روایات کو روایات صحاح ستہ و دیگر کتب صحاح مشہورہ پر پیش کر کے جو مطابقت نکالے اس کو برسرِ حشم رکھتے ہیں، اور جو مخالف نکلے اس کو طحڑاں بدعت کیش دروغ پیشہ شیعہ و خوارج وغیرہ کے سرمارتے ہیں اور جو روایات خلاف و وفاق سے بظرف ہو اگر دلائل عقلیہ کے مخالف ہو تو اس کا بھی یہی حال ہے، ورنہ اگر تکذیب نہیں کرتے تو تصدیق بھی نہیں کرتے۔ بہر حال جو روایت کہ ان کتب میں بلا شرکت غیر بھی پائی جائے اگر روایت صحاح کے مخالف بھی نہ ہو تب بھی قابلِ تمسک اور لائقِ حجت نہیں سمجھتے۔ اور مثل مرویات اہل کتاب بلکہ خود

انجیل و تورات نہ ان کی تصدیق کرتے ہیں نہ تکذیب۔
مصنف معتبر ہو تو ضروری نہیں | سو اگر کسی شیعہ کو ان کتب کے غیر معتبر ہونے میں اس وجہ
کے تصنیف بھی معتبر ہو۔ سے وثوق نہ ہو کہ ان کتب کے مصنف مجاہد مقتدایان اہلسنت
ہیں تو کوئی ان سے پوچھے کہ انجیل و تورات کے مصنف تو خود خداوند اکرام الاکرامین ہیں اگر
کا معتبر ہونا موجب اعتبار کتاب ہو جائے تو قرآن و قرآن انجیل و تورات شیعوں کے نزدیک
معتبر ہو جائیں، ورنہ لازم آئے کہ خود اللہ جناب خداوند تعالیٰ کا شیعوں کے نزدیک کچھ اعتبار
نہ ہو، مگر ہم جانتے ہیں کہ شیعوں کو اس الزام سے کچھ اندیشہ نہیں، کیونکہ وہ اب کون سے
خدا کا اعتبار کرتے ہیں، اس سے زیادہ اور کیا بے اعتباری ہوگی کہ خدا کی رائے اور علم کو قابل
اعتبار نہیں سمجھتے اور خدا کے قائل ہو گئے لعنة الله علی هذا المذنب یہ حال اہلسنت
جماعت کتب غیر مشہور غیر متداول کو ہرگز قابل اعتقاد نہیں جانتے اور کمالاً غلط عداوت اور تجرّبہ
عادت دروغ بردگواران شیعہ اس سے مطمئن نہیں۔۔۔ کہ جیسے انجیل و تورات کو دشمنان
دین نے تحریف کر دیا کتب غیر مشہورہ کو ان حضرات نے حسب مطلب بدل دیا ہو،
مصنف تحفہ کی ایک بہت اور اگر کوئی سادہ لوح میری اس بات کو کو دونوں کی بات اور واپس
مجھے، تو بڑوں کی بات تو بڑی ہوتی ہے دیکھئے شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو شیعوں
سے بھی زیادہ شیعوں کی عادات اور اصول و فروع مذہب سے واقف ہیں تحفہ اثنا عشریہ
میں باب مکائد شیعہ میں جو دوسرا باب ہے کیا فرماتے ہیں احتیاطاً عینہا انھیں کی عبارت
بلاغت آمیز نقل کرتا ہوں۔

کیدسی قدوم آگے جمعی کثیر از علماء ایشان سعی بلغ نموده اند و در کتب اہل سنت
خصوصاً تفاسیر کہ بیشتر و متماں علماء و طلباء باشند و بعضی از کتب احادیث کہ مشہورہ
ندارد و نسخ آن کتب متعدد بدست نمی آید اکاذیب موضوعہ کہ مؤید مذہب شیعوہ و مبطل
مذہب سنیان باشد الحاق نمایند چنانچہ قصہ مذہب مذکور در بعض تفاسیر داخل نموده اند
کہ میان آن حدیث جنین نموده کہ لَمَّا نَزَّلَتْ وَآیَاتُ الْقُرْآنِ حَقًّا دَعَا
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَاطِمَةَ وَاعْطَاهَا فِدْلًا، اما حکم آنکہ

دروغ گویند را نظر باشد بآدابشان نماید کہ این آیت ملی است و در مذہب مذکور کجا بود؟ و نیز
بایستہ کہ برای مساکین و ابن السبیل نیز چیزے وقف می کرد تا علی بر تمام آیت میسر میشد
و نیز اعطای آنکہ کہ لالت صریح بر ہر و تلک نمی کند پس لفظ بہت بایستہ وضع کرد و علی
ہذا القیاس در تفاسیر و سیرتہ جسدہ الحاقات ایشان یافتہ میشود و درین کید ہم اکثر
مغفلان از علمائے اہل سنت بخطای کنند و تشویش می کشند و در شہر دہلی در عہد بادشاہ
محمد شاہ دو کس بودند از امراء ابن فرقہ کہ کتب اہل سنت را مثل صحاح ستہ و مشکوٰۃ و
بعض تفاسیر بخط خوش می نویسا نیدند و در آن حدیث مطلب خود از کتب امامیہ را داخل
داخل نمودند و آن نسخ را جدول و مطلاً و مذہب نموده بقیمتہ ہسل در گذرے می فروختند
و در اصفہان آغا ابراہیم ابن علی شاہ کہ یکے از امراء کبار سلاطین صفویہ بود، ہمیں اسلوب
عمل کردہ، لیکن بایں کید ایشان حاصلے شد، زیرا کہ کتب مشہورہ اہلسنت بجمہتہ کمال شہرت
و کثرت نسخ قابل تحریف نیستند و کتب غیر مشہورہ را اعتبارے نہ، و لهذا محققین اہلسنت
از کتب غیر مشہورہ نقل را جائز نداشتہ اند، مگر در غیب و ترمیم، و در حکم صحائف
انبیاء پیشین می شمارند کہ پیچ عقیدہ و عمل رازان اخذ نتوان کرد بجمتہ احتمال
تحریف انتہی، کلام الشریف۔

ترجمہ بر تیسراں مکہ۔ ان کے علماء کے بڑے گروہ نے بے حد کوشش کی ہے کہ کتب
اہل سنت میں خصوصاً تفاسیر میں (جوان کے طلباء و علماء کی دستاں نبی رہتی ہیں، اور
بعض کتب احادیث میں جو غیر مشہورہ ہیں اور ان کے متعدد نسخے ہاتھ نہیں لگتے، خود ساختہ ایسے
بڑے جھوٹ شامل کر دیں جو شیعہ مذہب کی تائید کریں اور مذہب اہل سنت کی جڑ کاٹ
دیں، چنانچہ مذہب مذکور کا قصہ بعض تفاسیر میں داخل کر کے یوں روایت کرتے ہیں کہ جب
آیت وَآیَاتُ الْقُرْآنِ حَقًّا نَزَّلَتْ ہوئی، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت قاطمہ
کو بلایا اور ان کو فدک عطا فرمایا، لیکن موافق مثل مشہورہ ”مجھوٹے کی یادداشت نہیں
ہوتی“ ان کو یہ یاد رہا کہ یہ آیت مکی ہے اور مکہ میں فدک کہاں تھا؟ اور یہ بھی تو چاہیے
تھا کہ آپ ابن سبیل اور مساکین کے لیے بھی کچھ وقف کرتے تاکہ پوری آیت پر عمل ہو جا۔

نیز اعطاکھا خدائے الہیہ الفاظ ہندو مت کے پر مریج دلائل سے نہیں کرتے وہ کہتا تھا
لفظ گھڑنا چاہیے تھا۔ الغرض اس میں کئی مثالیں تفسیرات اور کتب سیرت میں پائی جاتی
ہیں۔ اور اس چال میں کئی سیدھے سادے علمائے اہل سنت بھی چکلا جاتے ہیں، شہر دہلی
میں محمد شاہ کے عہد میں دو آدمی جو فرقہ شیعہ کے امراء میں سے تھے، اہلسنت کی کتابیں مثل
صحاح ستہ مشکوٰۃ اور بعض تفسیریں خوش خط لکھتے۔ اور ان میں کتب شیعہ ایسی روایتیں
داخل کر دیتے جو ان کے مطلب کی ہوتیں، پھر ان کی اسلئے جلد بندی، جس پر سونے چاندی کا
کام بنا ہوا ہوتا تھا اس کے سستے داموں کسی راہ گزر میں فروخت کر دیتے۔ اسی طرح
اصحابان میں آغا ابراہیم خان علی شاہ جو سلاطین صفویہ کے بڑے امراء میں سے تھا یہی چال
چلتا تھا۔ لیکن اس سکر سے ان کو کچھ حاصل نہ ہوا کیونکہ اہل سنت کی مشہور کتابیں بے حد
شہرت اور کثرت تھیں اور تحریف اور تبدیل کو قبول نہیں کرتیں اور غیر مشہور کتابیں ان کے
ہاں مستحبری نہیں۔ یہی وجہ ہو کہ محققین نے کتب غیر مشہور سے سند لائے تو کجا نثر
نہیں رکھا رسولے ترغیب و ترہیب کے، بلکہ ان کو صحف انبیاء جیسا سمجھ لیا، جن پر حقیقتہ
و عمل کی بنیاد نہیں رکھی جاسکتی۔ کلام مبارک ختم ہوا۔ ترجمہ از اشارہ

عمار علی نے بعض کتب شیعہ اگر ہم پاس خاطر مولوی عمار علی صاحب اور بھی چشم پوشی کریں
بھی اہل سنت کی طرف منسوب دیں اور ان کے اور ان کے بزرگواروں کے ذمہ اس بات کی نسبت
نہ کریں کہ انھوں نے اپنے مطلب کے موافق بعض روایتیں سنیں کی غیر مشہور کتابوں میں
دلائل پائی ہیں تب بھی مولوی عمار علی صاحب کی بات کا پتہ معلوم کیونکہ جن کتابوں کا حوالہ
مولوی صاحب نے درج فرمایا ہے۔ ان میں بعضی کتابیں تو ایسی ہیں کہ سینوں میں سے
کسی نے ان کا نام بھی نہیں سنا اور نہ ان کے مصنفوں کا اہل سنت میں سے کوئی نام نشان
جائے، مثل تاریخ آل عباس کہ علماء سنت نے اس کتاب کو شاید کبھی سنا بھی نہ ہو بلکہ اس
قسم کی کتابیں جیسے شاہ عبدالعزیز صاحب نے لکھا ہے۔

”کید بست و یکم آنکہ کتابے رافبت کنند بیکے از کبر اہل سنت و در ان مطاعن ہما
و بمطالات مذہب اہلسنت درج نمایند آخروہ“

ترجمہ از اشارہ اکیسواں مکر کسی کتاب کو اکابر علمائے اہلسنت کی طرف منسوب کر دیتے
ہیں پھر اس میں مطاعن صحابہ اور اہل سنت کے مذہب کو باطل کرنے والی روایتیں گھر کر داخل کر
سوا اگر یہ کتاب موجود بھی ہو تب کسی شیعہ مکار کی ہوگی اور بعضی کتابیں اس قسم کی ہیں
کہ ان کے مصنفوں کو فن حدیث اور فن تاریخ میں دست گاہ کامل اور تبحر صحیح و غلط ہرگز
نہ تھی، جیسے معارج النبوة، ہال معارج النبوة کا حوالہ اگر زبیر رقمہ ہوتا تو ہمارے برسر
چشم تھا۔ لیکن ایسی معتبر کتاب میں سے مولوی صاحب کے ہاتھوں میں کیا آتا۔؟

عمار سیوطی کی تصانیف پر اور بعضی کتابیں ایسی ہیں کہ ہر چند ان کے مصنف فن حدیث میں
مصنف کتاب کی رائے مہارت کامل اور شوق کما ینبغی اور تبحر وافر رکھتے تھے، جیسے شیخ
جلال الدین سیوطی وغیرہ، لیکن انہوں نے اپنی ان کتابوں میں جن کا حوالہ مولوی صاحب
کے رقمہ میں مندرج ہے یہ التزام نہیں کیا کہ بجز روایات صحیحہ اور کچھ داخل نہ کریں گے
بلکہ رطب و یابس بطور بیاض کے جمع کر لیا ہے، جیسے جمع الجوامع، کہ اس کا نام ہی
اس بات پر شاہد ہے اور نیز اس کا حال شہرہ علمائے آفاق ہے، یا بغرض تفریق و تمیز
صحیح و غلط جمع کیا، جیسے تفسیر درمنثور را ور علی ہذا القیاس موضوعات ابن جوزی۔ کہ ان
دونوں کتابوں میں اگرچہ ہر قسم کی مخالفت موافق روایتیں پائی جاتی ہیں۔ لیکن ان روایتوں
کے ساتھ اس میں یہ بھی ساتھ ہی لگا ہوا ہے کہ یہ روایات غلط ہیں اور یہ اس واسطے کیا
کہ کل کو مولوی عمار علی صاحب جیسے مکار دغا باز ان روایتوں کے بھروسے کسی سادہ
لوح کو دھوکا نہ دے بیٹھیں۔ اور اسی غرض کے لئے متقدمین محدثین بھی ایسا کرتے
ہیں، چنانچہ امام ترمذی اور امام ابو داؤد اکثر جگہ لکھ جاتے ہیں ہذا حدیث ضعیف۔

اور بعضی کتابیں ایسی کیاب ہیں۔ کہ اگر مولوی عمار علی صاحب یوں فرمانے لگیں کہ
اس کی تمام روایتیں جو بہو مطابق مذہب شیعہ اور اصول و فروع شیعہ تہا ہما اس
کی روایات کے مطابق ہے تو بوجہ کیا پائی ان کتب کے مولوی صاحب کی کسی سے زبان
پکڑی جائے، سچا تو خدا سے دے جھوٹے کو کس کا ڈر اس کی زبان کو لگام بھی نہیں ہوتی
مگر قضا کچھ اس خط میں مولوی صاحب نے کیا ہے وہ بھی کچھ کم نہیں، اور انہوں نے کیا کیا یہ

نکایاں اور غایب زیاں تو میراث ہر گواراں شیعہ سے چانچہ شاہ عبدالعزیز صاحب مٹ
دہلوی قدس سرہ العزیز رقم فرماتے ہیں۔

دو کیربت دوم آنکہ مطاحن صحابہ و مطلا ندریب اہلسنت از کتب نادالوجو و کیاب
ایشان نقل نمایند حالانکہ در آن کتب اثر سے اذان بنام شد و بسبب آنکہ ان کتب پیش
ہر کس و در ہر وقت و ہر مکان موجود نہ شود اکثر ناظران و شہد و شک افتند بخیاط نشان رسد
کہ اگر اس نقل صحیح باشد تطبیق در میان او و دیگر روایات اہل سنت چہ قسم خوابد بود حالانکہ
اس بیچارہ بحث دوسرے کشند و کئی فہمند کہ اگر بالفرض نقل صحیح ہم باشد محتاج تطبیق و تفتی
خواب ہم باشد کہ ہر دو روایت در یکدیگر باشند از شہت و صحت ماخذ و صراحت دلالت و کیت
بداۃ و چون این امور در ان نقل مخفی مستور است متقابل روایات مشہورہ صحیحۃ الماخذ
صریحۃ اللہ پر باید کرد و کتا بہائے کہ اذان فرقہ شیعہ برائے الزام اہلسنت نقل می کنند
بہم ازین قبیل است کہ نادالوجو و کیاب میباشند و علی تقدیر الوجدان منصف آن کتب
الزام صحت جمیع مانیہا نہ کردہ اند بلکہ بطریق بیاض و یابس در آن جمیع نمودہ محتاج
نظر ثانی گذارند اندازد علی صاحب کشف الغمہ و علی صاحب یقین از ہن قبیل و دفتر
دفتر نقل کنند و بزعم خود گوئے از میدان مناظرہ برآمدن طاؤس نیز در مؤلفات خود از ہن
جنس خود با پر کردہ و با اعتقاد خود اہلسنت را الزام دادہ انتہی کلامہ اشرف

ترجمہ از انشاء بانیہاں مکرہ۔ یہ ہے کہ اہلسنت کی نادالوجو و کیاب کتابوں سے صحابہ کی
اہانت کرنے والی اور اہل سنت کے مذہب کو باطل کہنے والی روایات نقل کتے ہیں۔ حالانکہ ان
کتابوں میں ایسی روایات کا نام نشان بھی نہیں ہوتا لیکن چونکہ ہر جگہ ہر وقت ہر ایک کے سامنے
نہیں ہوتیں لہذا اکثر شیعہ دیکھنے والے شک و شبہ میں پڑ جاتے ہیں اور ان کے دل میں یہ
آئامہ کہ اگر یہ نقل صحیح ہوئی تو اس میں اور دیگر روایات اہل سنت میں مطابقت کس طرح
ہوگی حالانکہ یہ بیچارے مفت پریشان ہوتے ہیں اور یہ نہیں سوچتے اگر بالفرض یہ روایت
صحیح بھی ہو تو تطبیق کی ضرورت اس وقت پڑے گی جب دونوں روایتیں شہت و صحت
ماخذ و صراحت دلالت و عدد و رواہ وغیرہ میں برابر ہوں اور جب یہ باتیں اس مخفی روایت

کے بارے میں معلوم ہی نہیں تو روایات مشہورہ صحیحۃ الماخذ و صریحۃ الدلائل کا مقابلہ
کیسے کر سکتی ہے اور وہ کتا ہیں جن سے اہل شیعہ اہل سنت کو الزام دینے کے لئے روایات
نقل کرتے ہیں وہ ایسی ہی ہیں جو ہاتھ نہ آنے والی اور کیاب ہوں۔ اور اگر ملیں بھی تو ایسی
ایسی ہوتی ہیں کہ مصنف نے ان میں مندرجہ تمام روایات کی صحت کا التزام نہیں کیا ہوتا بلکہ
بطریق بیاض و یابس اس میں جمع کر کے نظر ثانی کے لائق چھوڑا ہوتا ہے۔ اور پہلی صاحب
کشف الغمہ اور چلی صاحب یقین اس قسم کی روایتوں کے دفنوں کے دفتر نقل کر کے
اپنے خیال میں گویا میدان مناظرہ میں جیت جاتے ہیں اور ابن طاؤس نے بھی اپنی مؤلفات
اسی طرح کی دھوکہ بازیوں سے بھر رکھی ہیں اور بزعم خود اہل سنت کو بڑے بڑے الزام دے رہے ہیں
بہر حال جب ان زبرد گواروں کی ایسی ایسی بزرگیاں تجربہ معلوم ہو چکی ہوں
تو پھر کتب کیاب کے حوالہ کا کیا اعتبار رہے گی؟ اول تو یہی یقین کرنا چاہیے کہ ان کتب میں
اصل سے ان روایات کا نام و نشان بھی نہیں اور اگر اس پر تسکین نہ ہو تو بالفرض اگر ایسی
روایتیں ان کتب میں ملیں بھی تو وہ انہیں کذابوں کی تراشی ہوئی ہیں پھر تفسیر اکثر یہ کتا ہیں
بطور بیاض کے مجموعہ و یابس میں ان کے مصنفوں کو نظر ثانی کا اتفاق نہ ہوا۔ جو فیض
کر کے صحیح صحیح روایتیں جدا کر کے باقیوں کو حذف کر دیتے، یا لکھ جاتے کہ یہ روایتیں
موضوع ہیں یا ضعیف ہیں۔

واقعی کے بارے میں اندر حدیث کی رائے | مہندز مولوی صاحب نے بعض ایسی کتابوں کا حوالہ لکھ
دیبا ہے کہ ان کتابوں کو کوئی جانے نہ اس کے مصنف کو کوئی پہچانے، جیسے تاریخ آل
عباس، پھر جرات تو۔ دیکھو کس دلیری سے کہتے ہیں کہ تاریخ آل عباس اہلسنت کی معتبر
کتابوں میں سے ہے پھر تفسیر اس کتاب میں یہ روایت بھی ہے تو واقعی کی روایت سے جن
کی جھوٹی تو جھوٹی کچھ بات بھی جھوٹی ہی سمجھی جاتی ہے ان کی تعریف میں جو کچھ محدثین نے
لکھا ہے دیکھنے میں نظر کرتا ہوں، مجمع البحار میں امام نسائی کے حوالہ سے جو فن حدیث میں
امام ہیں اور ان کی کتاب منہلہ صحاح ستہ ہے یوں لکھا ہے کہ امام نسائی نے فرمایا ہے
کہ ایسے کذاب جو حدیثوں کے بنانے میں مصروف ہیں، چار ہیں۔ ابن ابی کحیہ مدینہ میں

واقعی بغداد میں، مقاتل بن الیمان خراسانی میں، محمد بن سعید مصلوب شام میں، اور
پھر زینف نے شرح الشفاء کے حوالے سے لکھا ہے کہ واقعی کے ضعف پر سب کا اتفاق ہے
بعد ازاں امام شافعی کا قول واقعی کی شان میں مقاصد کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ واقعی
کی کتاب میں جھوٹی ہیں۔ اب مولوی صاحب انصاف فرمیں کہ جب تاریخ آل عباس کا تو یہ حال
ہو کہ علماء اہل سنت میں سے کوئی اسے جانتا ہی نہیں اور پھر ان کے راوی ایسے نور علی نور
درذریعے چنانچہ شہر یار سے جنیں، تو پھر اہلسنت کیونکر ان روایات پر اعتماد کریں اگر شیعوں
کی طرح سنتوں کے دین کا جھوٹ پر دار و مدار ہوتا تو البتہ مضائقہ نہ تھا سو ایسی کتابوں
کا ناواقفان اہلسنت کے سامنے حوالہ دینا کمال بددیانتی اور دغا بازی اور جھگڑائی کی بات
ہے، اہل فہم پر مثل آفتاب روشن ہے، کہ یہ کتاب اگر ہے بھی، تو کسی شیعہ دغا باز
کی تصنیف ہے۔

خلا علی کی تاریخ دانی پر اس دغا کا حوصلہ مولوی صاحب کا تو معلوم نہیں ہوتا ہاں البتہ کسی پرانے
ابلیس طینت کی گرفت ہے۔ ورنہ اس استدلال اور اس سلیقہ پر کہ مامون عباسی کے
نام پر لفظ رشید بھی بڑھا دیا، یہ فتنہ گری ممکن معلوم نہیں ہوتی۔ کیونکہ عیب
کرنے کو ہنر چاہیئے۔

فلک کا منہ نہیں اس فتنہ کے اٹھانے کا : شکر ایک تیز ناز ہے سائے زمانے کا
سبحان اللہ مولوی صاحب کو اس بحر اور اس علم و فضل پر کہ اب تک یہ بھی نہیں جانتے
کہ ملقب بر رشید ہارون تھا یا مامون تھا؟ دوبارہ غصب فدک یہ یقین ہو گیا ہے کہ خدا
کی وصالیت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا شاید اب تک آپ کو اتنا
یقین نہ ہو؟ اور تہنائی میں سنیوں پر یہ جوش و خروش ہے کہ جامہ سے باز کھلے جاتے ہیں۔
فدک فتحی، محمد حبیب ملوک نے تھا کوئی مولوی صاحب کو تھا ہے تو ہم مولوی صاحب کو سارے
مراتب سمجھا کر اتنا اور سمجھائیں کہ اگر ہم ان سب مراتب سے درگزر کریں تو ہمیں ابھی اور بہت
گنجائش باقی ہے کیونکہ اول تو آیت مَا آتَاكَ اللَّهُ عَلَى رَسُولٍ جو سورہ حشر میں واقع ہے اس
بات پر شاہد ہے کہ قرآن فدک ہو یا غیر، بالاتفاق از قسم فتحی تھا ملوک رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم ہی نہ تھا چنانچہ انشاء اللہ بحث میراث میں جو حدیث لَا تَخُورُ مَا تَرَكَتَ
صَدَقَ سے متعلق ہے معلوم ہو جائے گا یہ ہبہ ہونے کی کوئی صورت ہے جو روایت ہبہ
فدک کو صحیح سمجھے؟ بلکہ بالیقین غلط ہوگی کیونکہ اس صورت میں روایت ہبہ کلام اللہ کی
مخالف ہوگی اور جو روایت کہ کلام اللہ کے مخالف ہو وہ بالاجماع بالیقین غلط ہے، یہی
مشہور کتابوں میں جو تمام علماء کی دستمال دہتی ہیں اور اعتبار میں قریب قریب کلام اللہ کے
ہیں، وہ روایتیں موجود ہیں کہ وہ فدک کے ہبہ نہ ہونے پر ایسی واضح دلائل کرتی ہیں کہ مولوی
صاحب نے جو روایتیں اپنے صحیفہ میں درج فرمائی ہیں وہ فدک کے ہبہ ہونے پر اتنی دلائل
نہیں کرتی، سو ان روایتوں کی ثبوت اور صحت اور صراحت دلائل کو چھوڑ کر ایسا کون ماؤں
ہو گا کہ مولوی صاحب کے ان بیانیات پر کان لگائے گا۔ اور سوائے مولوی صاحب کے ایسا
کون ہے کہ ان افسانہ بانے بے سند پر تکیہ جائے گا اگر بارون ہو تو ملاحظہ فرمائیے۔

فدک کے مختلف تاریخی دور : مشکوٰۃ شریف جو اشہر کتب اہلسنت ہے اس میں یہ روایت
موجود ہے۔ ابو داؤد کی روایت سے حضرت میسرہ کے واسطے سے بیان کرتے ہیں کہ جب
عمر بن عبد العزیز بن عمر بن مروان خلیفہ ہوئے تو انہوں نے مروانیوں کو جمع کیا اور کہا کہ

إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَتْ لَهُ فِدْلَةٌ تَكُنُ
يُنْفِقُ مِنْهَا وَيَعُوذُ مِنْهَا عَلَى صَغِيرَتِي هَاشِمٍ وَيُرْوَجُ مِنْهَا أَيْمَهُمْ
وَأَنَّ فَاطِمَةَ سَالَتُهُ أَنْ يَجْعَلَ لَهَا فِدْلًا فَيَكُنَتْ فِي حَيَاةِ رَسُولِ اللَّهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى مَضَى بِسَبِيلِهِ فَلَمَّا أُنْزِلَتْ بَنُو كُرَيْبٍ عَمِلَ
بِهَاجِمًا عَمَلِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حَيَاتِهِ
حَتَّى مَضَى بِسَبِيلِهِ فَلَمَّا أُنْزِلَتْ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ
عَمِلَ فِيهَا بِمَا عَمِلَ حَتَّى مَضَى بِسَبِيلِهِ ثُمَّ أَفْطَعَهَا مَرْثًا وَانْثَمَرَتْ
مَارَاتِ الْعُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ فَرَأَيْتُ أَمْرًا سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاطِمَةُ كُنْتُ بِي بَحَقٍّ وَأَنَا أَشْجِدُ كَمَ أَتَى
رَدَّهَا عَلَيَّ مَا كَانَتْ لِيَعْنِي عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ وَأَجَى بَكَرٍ وَعَمَّ

حاصل اس کا یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس فدک تھا۔ ہوا اس میں سے خرچ کیا کرتے تھے، اور دیتے رہتے تھے بنی ہاشم میں کے بیٹوں کو اللہ بے شمار عورتوں کے نکاح اس مال میں سے کر دیا کرتے تھے، اور حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا نے یہ درخواست کی کہ فدک حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو عنایت فرمائیں اور سبہ کر دیں، سو آپ نے اس بات سے انکار فرمایا اور دستور مذکور اسی طرح آپ اس میں سے تمام واپس خرچ مذکور نہایت ہے، یہاں تک کہ آپ کا عالم سے تشریف لے گئے۔ بعد میں جب حضرت ابو بکر خلیفہ ہوئے تو انہوں نے بھی جیتے ہی میں مل کیا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے تھے یہاں تک کہ وہ بھی واصل بن ہولے، پھر جب حضرت عمر والی ہوئے تو وہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر صدیق کے موافق عمل کرتے رہے یہاں تک کہ وہ بھی جلد سے، پھر جب مروان کا یعنی اپنے وقت میں قابو چڑھا تو اس نے اسے اپنی جاگیر کر لیا پھر زنتہ رفته مجھ تک نوبت پہنچی اور یہ چیز میرے قبضہ میں آئی، سو میری رائے میں یوں آتا ہے کہ جو چیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ کو نہ دی جو مجھے سزا دانیس اور میں نہیں گواہ کرتا ہوں کہ میں نے فدک کو اسی اطلاع پر کر دیا۔ جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں تھا۔ فقط،

یہاں تک حاصل مطلب روایت تعاب اول تو عرض یہ ہے کہ اس روایت میں جو بعد حضرت عمر کے ذکر کے مروان کی جائزہ بنالینے کا ذکر ہے تو مولوی صاحب یا کوئی ان کا ہمزنگ ہمسنگ یہ نہ سمجھ جائے کہ حضرت عمر کے بعد متصل ہی فدک پر اس کا قبضہ و تصرف ہو گیا تھا۔ بلکہ یہاں قصہ کو مختصر کر کے یوں کہہ دیا ہے کہ انجام کار مروان کے قبضہ و تصرف میں آگیا، ورنہ باتفاق اہل تواریخ حضرت عثمان کے زمانہ میں بھی بدستور سابق ہی رہا، اور قصہ کے مختصر کرنے کی بڑی دلیل یہ ہے کہ اہل تولفظ قطعاً اس بات کو تلقاض کرتا ہے کہ یہ کام اس نے اپنی خلافت میں کیا۔ چنانچہ عربی دان جانتے ہیں کہ اقطاع کے معنے جاگیر کر دینے کے ہیں، سو جاگیر کر دینے کا اختیار جو خلیفہ اور کسی کو نہیں ہوتا، دوسرے

اگر قصہ مختصر نہ ہو تو یہ معنی ہوں کہ بعد حضرت عمر کے متصل ہی مروان قابض ہو گیا، اور علی الاقوال قابض رہا اور پھر بعد اس کے متصل ہی حضرت عمر بن عبد العزیز کے قبضہ و تصرف میں آگیا۔

سو اقطاع فن تاریخ پر روشن ہے کہ یہ دونوں باتیں غلط ہیں، بعد حضرت عمر کے حضرت عثمان کے اختیار میں تھا اور ان کے بعد باتفاق شیعہ و سنی حضرت علی کے اختیار میں تھا، پھر جب کبھی مروان کا زمانہ ہوا تو البتہ اس نے اس کو اپنی جاگیر کر لیا، پھر اس کے مرنے کے بعد کئی خلیفہ ہوئے ان کے بعد کہیں حضرت عمر بن عبد العزیز کی نوبت آئی۔ اور یہ قصہ کا مختصر کرنا کلام اللہ میں بیسیوں جگہ موجود ہے حضرت موسیٰ اور حضرت یوسف کے قصہ کو ملاحظہ فرما دیکھیں۔ بہر حال قصہ مختصر یہ ہے کہ اہل سیر و تواریخ و علمائے حدیث ثابت اور متحقق ہے کہ فدک فیہ منہ و متروکہ بنوی حضرت عمر کی خلافت میں حضرت علی اور حضرت عباس کے قبضہ میں تھا، پھر حضرت علی ہی کا قبضہ رہا حضرت عباس کا دخل اٹھ گیا حضرت علی کے بعد حضرت حسن حضرت حسن کے بعد حضرت امام حسین پھر امام زین العابدین اور حضرت حسن بن حسن کا قبضہ رہا، اس کے بعد زید بن حسن برادر حسن بن حسن کا قبضہ رہا رضی اللہ عنہم اجمعین، یہاں تک تو اس کا جمع خرچ بدستور قدیم رہا ان سب کے بعد مروان کے پنجوں میں پھنس گیا یہاں تک کہ نوبت حضرت عمر بن عبد العزیز کی آئی، انہوں نے سبب کمال عدل کے پھر یہ بدستور قدیم کر دیا،

جب یہ گزارش ہو چکی تو اب یہ اتنا سبب ہے کہ مشکوٰۃ تو شہرہ آفاق ہی ہے۔ البودائی صحاح ستہ میں سے ہے تو جو روایت کہ ایسی کتابوں میں ہوا اس کی صحت اور شہرت کو خیال کرنا چاہیے کہ کس قدر اور کس مرتبہ کی ہوگی، معہذا یہ روایت کتنی صاف اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ تمام واپس فدک جناب سرور کائنات علیہ و علیٰ آلہ افضل الصلوٰۃ و اکمل التحیات کے قبضہ میں رہا، اور باوجود استدعا حضرت زہرا رضی اللہ عنہما کے آپ نے ان کو فدک عنایت فرمایا بلکہ جیسے حکیم تیماردار بیمار سے ان چیزوں کے دینے سے انکار کیا کرتا ہے جو اس کو دخل کریں، ایسے ہی حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خلاۃ الطبیعت

نئے فدک کے دینے سے جو مال دنیا تھا انکار فرمایا۔ (اور کونہ انکار نہ فرمایا) آیت
 إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا۔
 جس کا یہ حاصل ہو کہ اللہ کا ارادہ اسے اہلبیت یوں ہے کہ تم سے ناپاکی دور کرے اور تم کو
 خوب پاک کرے، اس مال دنیا ہی کی طلبگاری کے مقدمہ میں نازل ہوئی ہے۔
 ہبہ اور عطا میں فرق ابھر رہا ہے یہ روایت فدک کے ہبہ نہ ہونے پر مثل آفتاب روشن
 دلالت کرتی ہے، اور وہ روایت جو بزرگ شیعہ و متاویز ہبہ ہے، ہبہ کے ہونے پر صراحتاً
 دلالت نہیں کرتی کیونکہ عربی کی روایت میں جس کا ترجمہ مولوی صاحب نے زیب رقم فرمایا ہے
 لَفْظاً عَطَاً کَھَا ہے سو یہ لفظ عام ہے ہبہ میں بھی بولا جاتا ہے اور عادت میں بھی استعمال
 کرتے ہیں ہر موافقت نہیں، دونوں مواقع میں بلا تفاوت بولتے ہیں، اور بڑی دلیل
 اس کے عموم کی ہے کہ عطا کا ترجمہ ہندی زبان میں دینا ہے۔ سو سب جانتے ہیں کہ بیا
 اوقات عادتاً کھاکھاتے ہیں کہ فلا نے شخص کو دی ہے یا دے رکھی ہے، القصہ لفظ عطا
 سے ہبہ ثابت نہیں ہو سکتا، سو اب روایت مشکوٰۃ کو تو ایک طرف دھریے اور اس روایت
 کو جو مولوی صاحب نے درج صحیفہ شریف فرمائی ہے، ایک طرف رکھئے، اور پھر اسکی صحت
 اور شہرت اور صراحت دلالت کو اس روایت کے ضعف اور اخفا، اور عدم دلالت مقصود سے
 موازنہ فرمائیے اور پھر فرمائیے کہ کس طرف پائہ جھکتا ہے؟ سو اگر مولوی صاحب عقل کو کار فرمائیے
 تو بیشک اس بات کو تسلیم فرمائیں گے کہ واقعی قابل اطمینان اور لائق اعتماد روایت مشکوٰۃ
 ہی ہے۔ اس روایت مندرجہ مشکوٰۃ سے صاف واضح ہو گیا کہ اگر بغرض محال روایت ہبہ فدک
 کتب مذکور میں ہو بھی اور یہ کتابیں بھی سب کی سب ایسے لوگوں کی تصنیف ہوں جو موصوف
 بشرائط اعتبار روایت اعلیٰ صدق و صلاح و فہم و فراست و حفظ و دیانت ہوں اور پھر اس
 کے بعد اخطاء سے مراد بھی ہبہ ہی ہو تو بیش برین نیست کہ ان کتب کے معنفوں نے یہ
 سنا نہیں بطور بیاض کے اکھی کر لی تھیں، اور رطب و یابس غلط صحیح سب ان میں جمع کر لیا تھا،
 تاکہ بعد انفرار جمع لفظ ثانی کر کے تلخیص کرینگے چنانچہ سب معنفین کرتے ہیں لیکن اتفاقاً
 تقدیر سے ان کی عمر نے وفات کی یا فرصت نہ ملی سو اس لئے بہت سی روایتیں شیعوں کی بنائی

ہوئی ان کی کتب میں درج ہو گئیں اور کم فہم اپنی جھلٹی فہم سے ان روایات کو اکابر محدثین
 کی تصنیفات میں دیکھ کر بچل گئے

اہل شیعہ کی مستندات رطب چنانچہ شاہد اس کا موجود ہے شاہ عبدالعزیز صاحب جو عمدة المحدثین
 دیابلس سے زیادہ نہیں اور بقاء المحدثین ہیں تحفہ میں رقم فرماتے ہیں کہ صاحب
 جامع الاصول نے نقل کیا ہے کہ خطیب نے جو متاخرین محدثین اہلسنت سے ہے، شریف
 مرتضیٰ سے جو اجلائے علماء شیعہ میں سے ہے اور علامہ رضی شیعہ مذہب کا بھائی ہے شیعوں
 کی حدیثیں اسی غرض سے نقل کیں کہ بعد جمع و تالیف کے ان میں نظر کرے کہ ان کی کچھ
 اصل بھی ہے کہ نہیں، اور اس سے اول شاہ صاحب عمدة المحدثین شاہ عبدالعزیز صاحب
 ہی رقم فرماتے ہیں کہ جو محدثین کہ فرقہ اہلسنت میں آخر میں پیدا ہوئے ہیں انہوں نے جو
 دیکھا کہ پہلے محدث روایات صحیحہ اور حسنہ کو تو خوب ضبط کر گئے ہیں اور ان میں سعی کی گنجائش
 نہیں، تو وہ ایسی حدیثوں کی طرف جن کی سندیں ضعیف ہیں یا وہ جھوٹی بنائی ہوئی ہیں
 یا غلطی سے کسی حدیث کی سند کسی متن کے ساتھ لگ گئی ہے، ایسے متوجہ ہوئے ہمارے سب
 کو بطور بیاض کے ایک جافراہم کر کے نظر ثانی کریں، اور موضوعات کو حسان و غیرہ سے جدا
 کر دیں لیکن بسبب کوتاہی عمر اور قلت فرصت کے یہ ہم ان سے تمام نہ ہو سکی، مگر جو حدیث
 کہ ان کے بھی بعد پیدا ہوئے انہوں نے ان کی بیانیوں کی حدیثوں میں باہم امتیاز کر لیا چنانچہ
 ابن جوزی نے جسکا حوالہ مولوی صاحب بھی اپنے رقیہ میں رقم فرماتے ہیں
 موضوعات کو جدا کر دیا۔ اور اس کے مقابل میں حسان لغیرہ کو مقاصد حسنہ میں
 جدا لکھ دیا۔ اور ایسے ہی سیوطی نے تفسیر در غنثوں میں کیا، اور خود ان محدثوں
 نے اپنی کتابوں کے مقدمہ میں جو بطور بیاض کے ہیں اس غرض کو کھول
 کر لکھ دیا ہے انتہے۔

اہلسنت نے جو روایات بغرض تدبیر نقل اس نقل سے ہر کس و نا کس سمجھ جائے گا کہ جن کتب
 کی ہیں رشید انھو سند بناتے ہیں۔ کا حوالہ مولوی صاحب نے اپنے خط میں درج کیا
 ہے وہ اکثر ایسی ہیں کہ ایسی ایسی روایتوں کے رد کرنے اور حقیقت حال کے بتلانے

ہے واسطے جمع کی کہیں نہیں جن روایتوں کو مولوی عمار علی صاحب اور ان کے
میشواگاتے پھرتے ہیں لیکن اتفاقات سے ان کے مصنفوں کو اجل نے آدایا، اور بعض
ایسی کتابیں ہیں، جیسے تفسیر درمنثور اور کتاب ابن جوزی، کہ ان میں اگر ایسی روایتیں
ہیں بھی جن سے شیعہ تمسک کرتے ہیں تو وہ اس طور پر ہیں جیسے تحفہ اور فتی (الکلام)
اور مواقع وغیرہ میں بہہ فد کی روایت مندرج ہے، تو ایسا کون ہے جو یہ نہیں جانتا
کہ تحفہ میں اس روایت کو لکھ کر یہ لکھ دیا ہے کہ یہ روایت بنائی ہوئی ہے۔ سو مولوی
عمار علی صاحب بڑے چوکے کہ تحفہ اثنا عشریہ اور فتی الکلام وغیرہ تصنیفات مولانا
حیدر علی کا نام نہیں لکھا۔ اس میں دو فائدہ تھے ایک تو کتابوں کی تعداد زیادہ ہو
جاتی، جس سے ہر کسی کے ایک دفعہ کو کان کھڑے ہو جاتے دوسرے عوام اور جہاں
اہل سنت شاہ عبدالعزیز اور مولوی حیدر علی صاحب کو جس قدر جانتے ہیں۔ اتنا
مستندین کو نہیں جانتے، اور پھر تفسیر مشہور ہے کہ ان دونوں صاحبوں نے رد و نفی
پر کمر بستہ باندھ رکھی ہے، سو اگر ان صاحبوں کا نام بھی ہوتا تو چنداں جھوٹ بھی نہ
تھا اور عوام کو ایک بار تو یہ وہم ہو جاتا کہ جب شاہ عبدالعزیز صاحب نے باوجود
شہرہ علم و فضل و تحفہ حدیث و بابائے صوفیت و بارہ رد و انفض اس
روایت کو اپنی کتاب میں درج کر دیا تو جو نہ ہو یہ روایت صحیح ہی ہوگی، مگر شاید یہ اندیشہ
ہوا ہو کہ یہ کتابیں فارسی زبان میں اور پھر کشمیر الوجود اور فارسی خوان بکثرت
مبادا قلعی کھل جائے۔

بہر حال زوف ہے اس دنیاداری پر اور اس پر ہیز گاری پر، اگر شیوہ دعا
بازی اختیار ہی کرنا تھا تو اس کے لئے بھی دنیا جیف تھی۔ دین کو کیوں بچ لگایا، اور
دین احمدی کو خراب کرنے کا ارادہ کیا، لیکن پھر بھی خیر گذری کہ آپ نے سنتوں کے
دعا دینے کا ارادہ کیا، جو ایسے لوگوں کو لاجول میں اڑا دیتے ہیں، اور ایسے ویسے دام
میں نہیں آتے۔ لیکن شیعوں کی غیر نظر نہیں آتی، کیونکہ جب ان کے ایسے مقدک کا ذکر
چلا ہے۔ کہ یہ تمیز پاتی نہیں رہی کہ فلاں روایت فلاں کتاب میں کس غرض سے بیان کی ہے

ایسا بطور رد کے یا بطور اعتبار کے اور اعتماد کے، تو لا خرم عنقریب ہی مولوی صاحب
اس بات کو تشہیر کریں کہ معاذ اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خداوند کریم سائر
اور مجنون اور کاہن اور مغتری فرماتا ہے، اور پھر شیعوں کی اندھی عقل سے یقین ہے
کہ اس کو تسلیم کر جائیں اور یہ نہ سمجھیں کہ کلام اللہ میں کفار کا قول منقول ہے۔ اور وہ
بھی بایں غرض کہ ان کے قول کو رد فرماتے ہیں، بہر حال مولوی صاحب کی یہ چالاکیاں
دیکھ کر جہان دینی اور دین داران یقینی کی خدمت میں یہ عرض ہے۔ کہ ان
مکاروں پر نہ جائیں۔ ایسے ہی دجالوں نے دین میں رخنہ ڈالا ہے اس علم کے پرہ
میں انہوں نے جاہلوں کے نام کو بھی عیب لگایا، عالم تو درکنار۔

درمنثور کے حوالہ کی حقیقت اب آگے عرض یہ ہے کہ جملہ قواسم وایت کا ہونا نہ ہونا بہ نسبت
سب کتابوں کے معلوم ہو گیا۔ لیکن اگر مفصل بھی کچھ بیان کیا جائے تو اور اچھا ہے
اس لئے ایک دو کتابوں کو بالخصوص ذکر کر کے ان میں اس روایت کا ہونا نہ ہونا
بیان کرتا ہوں تاکہ موافق مثل مشہور، ”مشتے نمونہ خردارے“، مولوی صاحب کے
سب جوابوں کا حال معلوم ہو جائے، مگر چونکہ ان سب کتابوں میں تفسیر درمنثور
کا حوالہ عوام تو عوام بعض علماء اسادہ لوح کو بھی شاید متردّد کر دے کیونکہ مصنف
شیخ جلال الدین سیوطی خاتم المحدثین اور خلاصۃ المفسرین ہیں۔ اور بسبب کثرت
تصانیف اور رواج جلالین وغیرہ کے ان کا نام شہرہ آفاق ہو گیا ہے تو اس لئے
میں بھی انہی کی کتابوں کی نسبت اس روایت کے ہونے نہ ہونے کی تحقیق کرتا
ہوں، سو اس لئے گوش گزار اہل انصاف ہوں کہ تفسیر درمنثور میں اس روایت
کے ہونے کا کچھ مضائقہ نہیں، کیونکہ موضوعات وغیرہابی کے امتیاز کے لئے تصنیف
ہوئی ہے۔ سو اس میں یہ کیا اور بہت سی موضوع روایتیں ہیں، لیکن موقع سند
میں اس کا نام لینا مولوی صاحب کی کمال حیا اور خوبی ذہن و ذکر پر دلالت کرتا ہے
سو اگر یہی استدلال ہیں تو کل کو کہنے لگیں گے کہ حضرت عیسیٰ خدا کے بیٹے ہیں۔ کیونکہ
کلام اللہ میں موجود ہے۔

جلالین اور اتقان میں داخلہ کی تفسیر اور اگر بوجہ کینائی درمیان اس بات کی تسلیم میں شامل ہو تو جلالین اور اتقان تو کثیرا لہ جو میں یہاں تک کہ دونوں چھپ گئی ہیں خصوصاً جلالین، کہ تفسیروں میں میزان الصرف کا حکم رکھتی ہے بلکہ تفسیر کی بسم اللہ کہیے۔ سو اس میں ملاحظہ فرمادیکھیں کہ آیت و آیت ذالقرنی کی تفسیر میں ذالقرنی اور حقہ کی کیا تفسیر کی ہے اگر ان کے نزدیک روایت متنازع فیہا معتبر اور صحیح ہوتی تو اول تو مع حوالہ اس حوالہ کو لکھتے، نہیں تو اختصار ہی کرتے تب بھی اس میں کیا دریغ تھا کہ ذالقرنی کے بعد حضرت فاطمہ زہرا کا نام اور حقہ کے بعد لفظ ذل لکھ جاتے؟ حالانکہ اور جا ایسا ہی کیا کہ جو تفسیر کسی لفظ کی کسی صحیح حدیث سے ثابت ہوئی ہے وہی بعینہ لکھ دی ہے۔ بلکہ حدیثوں کے حوالہ تک لکھ دیئے ہیں۔ معہذا اتقان کے مضامین سے صاف واضح ہوتا ہے کہ یہ روایت جھوٹی بنائی ہوئی ہے۔ کیونکہ اس میں اول ہی نوع میں اسانید متعددہ سے کہ جن میں سے بعض سندوں کو اپنے آپ جید لکھتے ہیں۔ سورہ روم اور سورہ بنی اسرائیل کا مکی ہونا مرقوم ہے اور پھر بعد اس کے سورہ قرآنی کی تفصیل کی ہے کہ فلانی فلانی سورہ میں اختلاف ہے کہ مکی ہے یا مدنی؟ اور فلانی فلانی میں اتفاق ہے کہ یہ مکی ہے مدنی؟ اور پھر تیسرے سورہ روم اور سورہ بنی اسرائیل کو ان میں داخل رکھا ہے جو باتفاق مکی ہیں کسی ایک منفس کو بھی اس کے مکی ہونے میں خلاف نہیں اور اسی اثنا میں یہ بھی تحقیق کی ہے کہ فلانی سورہ اگر مکی ہے تو اس میں فلانی فلانی کیت مدنی ہے۔ پر ان دونوں سورتوں میں سے کسی آیت کو استثنا نہیں کیا، اور اس بات کی سند بھی وہی سند ہے جس کو وہ جید لکھتے ہیں۔ اور اگر بعض علماء کے اقوال کے موافق ان دونوں سورتوں میں سے کسی آیت کا استثنا کیا بھی ہے تو اور ہی آیتوں کا استثنا کیا ہے پر اس آیت کو کسی نے یوں نہیں کہا کہ یہ مدنی ہے۔ الغرض اتقان کی عبارات باوازل بلند یوں کہتی ہے کہ یہ دونوں سورتیں خاص کر یہ دونوں آیتیں باتفاق اہل ملت مکی ہیں۔ اور طرفہ تماشایہ ہے کہ شیعہ بھی اس بات میں سینوں کے

موافق ہیں۔ چنانچہ طبری صاحب مجمع البیان کا قول پہلے مرقوم ہو چکا ہے کہ سورہ روم سواء آیت فبجان اللہ کے سب مکی ہے۔ الغرض اول تو اتقان کی اس تحقیق سے محقق ہو گیا کہ آیت ذالقرنی مکہ ہی میں نازل ہو چکی تھی۔ تو اس صورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوال و جواب میں حضرت جبریل کا یوں کہنا کہ ذالقرنی حضرت فاطمہ ہیں ان کا حق فذک ہے ہرگز درست نہیں ہو سکتا۔ اور ایسا جواب نامعقول حضرت جبریل سے نہیں ہو سکتا، ہاں اگر حضرت جبریل شیعہ مذہب ہوتے تو البتہ کم فہمی کا احتمال ہو سکتا تھا۔

سیوطی نے اس روایت کو مرفوعاً دوسرے المعتبرین نوع میں جو دربارہ معرفت مشروط سمجھ کر نقل نہیں کیا۔ مفسر ہے۔ فصل اختلاف تفسیر میں یوں رقم فرماتے ہیں، کہ ایسی تفسیر جن کی سند صحیح ہو بہت کم ہیں۔ اور پھر اس میں بھی ایسی جن کی سند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی، اور بھی کم ہیں، اور پھر وعدہ کیا کہ میں ان سب کو برابر ترتیب وار بیان کر دوں گا، چنانچہ موافق اپنے وعدہ کے بترتیب سورت قرآنی ان تفسیر کو مع بیان ماخذ بیان کیا، اور تیسرے سورہ بنی اسرائیل میں اس روایت متنازع فیہا کو بیان کیا۔ اور نہ سورہ روم میں جس کی آیت کو شیعہ دستاویز ہب فذک سمجھتے ہیں۔ بلکہ والناس کے متعلق کی جو روایت تھی اس کو لکھ کر آخر میں یہ لکھا کہ یہ ہے جو کچھ مجھے معلوم ہے اور حاضر ہے تفسیر مرفوعہ میں سے جن کے مرفوع ہونے پر لوگوں نے تصریح کی ہے۔ خواہ وہ صحیح ہیں۔ خواہ حسن ہیں خواہ ضعیف۔۔۔ خواہ مرسل خواہ معضل لیکن موضوعات اور اباطیل کو میں نے نہیں لیا۔

اب عرض یہ ہے کہ اس وعدہ اور وعدہ کے قرینہ سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ جو روایت لکھی ہے وہ سمجھ کر لکھی ہے اور جو باوجود معلوم ہونے کے چھوڑ دی ہے وہ سمجھ کر چھوڑ دی، بھولے جو کے نہیں چھوڑی۔ سو یہ روایت متنازعہ فیہا جو نہیں لکھی، تو دیدہ و دانستہ نہیں لکھی۔ اس کو موضوعات اور اباطیل میں سے سمجھا ہو گا جو نہیں لکھا، ورنہ اس کتاب میں ضعیف اور مرسل اور محفل تک نہیں چھوڑا، تو

اس سے معلوم ہوا کہ اہل سنت کی کتابوں میں کسی ضعیف طریق اور ضعیف روایت سے بھی یہ نہیں ثابت ہوتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد نزول آیت مذکورہ کے حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کو ذک ہبہ کیا ہے۔ جو روایت اس بات پر دلالت کرے وہ لاریب موضوع ہے، بلکہ صحیح ہی ہے کہ ذک تادم واپس جناب پاک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے قبض و تصرف میں تھا۔ چنانچہ روایت صحیح اس مضمون کی گزر چکی۔

ذک کے معاملہ میں حضرت علی کا رویہ اور قطع نظر قوت سند اس روایت کی بڑی دلیل اس روایت کے بطلان کی بڑی دلیل ہے اس کی صحت کی (اور دلیل بھی کوئی جس کو شیعہ بھی مان جائیں) یہ ہے کہ حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے بھی موافق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے ذک میں عمل کیا، اور حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے وارثوں پر اس کو تقسیم نہ کیا۔ بلکہ بدستور قدیم فقراء اور مساکین اور ابن سبیل میں تقسیم کرتے رہے، اگر اپنا حصہ خدا کی راہ میں دیا تھا تو سب وارثوں کو کیوں محروم رکھا؟ اور یہ بات شیعوں کے نزدیک بھی مسلم ہے۔ اسی واسطے اس کے چار جواب دیتے ہیں، ان چاروں جوابوں کو مع ان کی تردید کے پیش نظر کرتا ہوں تاکہ خوش فہمی اور انصاف پرستی علماء شیعہ ہر کس و ناکس پر آشکارا ہو جائے۔

اہل شیعہ کی طرف سے حضرت اول تو یہ کہ اہل بیت رضی اللہ عنہم غصب کی ہوئی چیز کو علی کے رویہ کی پہلی تاویل نہیں لیا کرتے، چنانچہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گھر کو جو بعد حجتہ کے کفار نے دبا لیا تھا کفار سے نہ لیا، یہ اسی قسم کا جواب ہے۔ جیسا مثل مشہور ہے کہ مرد کے ہاتھ چلیں اور نامرد کی زبان چلے۔

تاویل کا جواب جناب من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اول تو مکان ہی بہ وقت ثابت ہوگا۔ کیونکہ اول تو آپ کے والد اپنے والد کے آگے مر گئے تھے، دوسرے بنی کے وارث ہونے میں کلام، ہاں حضرت علی کے مکان کی نسبت کہیے تو بجا ہے

اور اگر بوجہ وصیت عبدالمطلب کوئی مکان آپ کا ہذاں خود ملوک بھی ہو، جیسے بعض علماء کی تحریر سے ثابت ہوتا ہے یا کوئی اور وجہ فرض کیجئے، تو اس صورت میں البتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے گھر کو نہ لینا تو مسلم۔ لیکن یہ کہ ہے سے شیعوں کو معق ہو گیا کہ آپ نے اس وجہ سے نہیں لیا؟ نہ لینے کے لئے بہت احتمال ہو سکتے ہیں۔ اول تو یہ کہ بسا اوقات اپنی چیز جو رکھ کر یا غاصب کو معاف کر دیتے ہیں اور معاف کرنا دیر ہی ہوتا ہے جہاں آدمی اپنے آپ بھی لے سکتا ہے اور اگر اس کو اس کا لینا درست ہی نہ ہو تو پھر معافی کے کیا معنی؟ سور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی معاف کر دیا ہو، پھر معاف کرنا اپنے حق کا تو صحیح ہو سکتا ہے۔ دوسرے کے معاف کرنے کے کیا معنی؟ سور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اگر ذک کا لینا ہی درست نہ تھا۔ تو یہ تو اس دلیل سے ثابت نہیں ہوتا۔ اور اگر بوجہ معافی نہیں لیا تو اپنا حق معاف کیا ہوتا۔ حسنین کا اور ان کی بہنوں کا حق کیوں معاف کر دیا؟ معاذ معاف کرنے کے تو یہ معنی ہیں کہ غاصب یا اس کی اولاد کو چھوڑ دے نہ یہ کہ اپنے قبضہ میں رکھے اور اوروں کو دیا کرے۔

دوسرا احتمال یہ ہے اور یہ صحیح بھی ہے کہ جب کسی چیز پر کفار کا غلبہ اور تسلط ہو جائے، اور مسلمانوں کی حکومت باقی نہ رہے اور نہ کوئی ایسا حاکم رہے کہ جس سے مظلوم فریاد کر کے اپنی داد کو پہنچے، بلکہ خود حکام کفار ہی اس کو دبا لیں، تو وہ چیز کفار کی ملک میں آ جاتی ہے اور ان کے سب تصرفات بیع شرا وغیرہ اس میں جاری ہو جاتے ہیں، اور مشتریوں کو وہ چیز حلال طیب ہو جاتی ہے اور یہ حکم اس لئے جائز رکھا گیا کہ اگر یوں نہ کیا جائے تو ایک عالم کی مصیبت آجائے اور سب کے سب حرام خوار ٹھہریں۔ یا ان اروق کلینیں اٹھائیں، کیونکہ ایک ولایت والوں کو دوسری ولایتوں کی چیزوں کی ضرورت رہتی ہے۔ سو جس ولایت کی چیز کی ضرورت ہو اگر کفار اس کو خنجر کر لیں اور وہاں کے اسباب و متاع کو لوٹ کر بیلاام کرنے لگیں تو دوسری ولایت والے اگر خریدیں اور استعمال کریں، تو ظالم اور مخنجر حرام کے ٹھہریں، اور اگر نہ خریدیں

یا خریدیں اور استعمالی نہ کریں بلکہ اصل مالکوں کو ہٹا کر دیدیں تو یہ سخت دشواری ہے۔ ہر چیز میں اور ہر شخص سے نہیں ہو سکتا۔ اس حکمت کے لئے یہ حکم شائع کرنے تجویز کیا۔

چنانچہ علماء اہل سنت نے کلام اللہ ہی میں سے اس کی طرف اشارے پائے ہیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کے نہ لینے کو اسی پر معمول کیا ہے۔ ورنہ اگر گھر کے نہ لینے کی یہ وجہ ہو کہ اہل بیت شیعہ منسوب کو نہیں لیا کرتے جیسے شیعہ فرماتے ہیں، تو یہ تو بے شہادت مولوی عمار علی بلکہ بے شہادت عام اسلاف شیعہ غلط ہے کیونکہ مولوی عمار علی صاحب اپنے زعم پر یہ کہہ رہے ہیں کہ حضرت عمرؓ کی خلافت میں بلکہ حضرت عثمانؓ کی خلافت میں بھی حضرت علیؓ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہم نے دعوے فدک کا کیا۔ سو اگر شیعہ منسوب اہلبیت نہیں لیا کرتے تھے تو حضرت علیؓ نے کس لئے یہ دعوے کیا تھا؟

اور اگر یوں کہیے کہ ان دونوں خلافتوں میں دعوے کیا سنیوں کی روایتوں کے حوالہ سے بیان کیا ہے۔ ان کو اس سے الزام نہیں دیا جاسکتا تو یہ شیعوں کے نزدیک بھی مسلم ہے کہ جب حضرت ابو بکر صدیقؓ نے فدک غصب کر لیا اور زہراؓ کا دعوے سہہ نہ سنا تو حضرت زہراؓ نے میراث کا دعوے کیا۔

از روئے قواعد شیعہ سیدہ زہراؓ سو اگر اہلبیت نبوی رضی اللہ عنہم شیعہ منسوب کو نہیں لیا کرتے کا مطالبہ فدک غلط تھا۔ تو حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا نے پھر کیوں فدک طلب کیا؟

اور اگر عقلاً شیعہ سنیوں کی ضد میں عقل و انصاف کو طاق میں دھر کر یوں فرمانے لگیں کہ یہ دونوں دعوے اگرچہ بصورت دو ہیں۔ لیکن چونکہ متصل بلا فصل واقع ہوئے ہیں ہم ایک ہی دعوے اسے قرار دیتے ہیں۔ سو بعد گفت و شنود کے ختم ہو جانے کے غصب متحقق ہوا اور پہلے غصب تھا ہی نہیں جو کچھ خرابی لازم آوے۔

تو اس کا جواب تو یہ ہے کہ یہ ہمارا احسان ہے کہ ہم ایسے ایسے فقرہوں میں درگزر کرتے ہیں۔ ورنہ اسی بات سے حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کا فدک منسوب کی نسبت دعوے

کرناتابت کیا؟ مثلاً آفتاب روشن ہے۔ لیکن چونکہ علماء شیعہ خصوصاً مولوی عمار علی صاحب کی عقل کی رسائی معلوم ہے۔ اس لئے اس بات سے چشم پوشی کر کے ہم اور جواب دیتے ہیں وہ یہ ہے کہ یہی فدک عمر بن عبدالعزیز کے وقت میں حضرت امام محمد باقر رضی اللہ عنہ نے لیا اور وہ انہیں کے ہاتھ میں رہا۔ پھر خلفاء عباسیہ اس پر متصرف ہو گئے یہاں تک کہ سنہ دوسویس میں مامون عباسی نے اپنے عامل نعم بن جعفر کو لکھا کہ فدک حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہ کی اولاد کے حوالہ کر دے۔ سو اس وقت امام علی رضی اللہ عنہ لیا، پھر متوکل عباسی اس پر متصرف ہو گیا۔ بعد ازاں معتضد نے پھر ہٹا دیا۔ چنانچہ یہ سب قصہ مفصل قاضی نور اللہ نے مجالس المؤمنین میں لکھا ہے اگر کوئی سنی گفتگو شیعوں کے نزدیک اعتبار کے قابل بھی نہ ہوتا۔

قواعد شیعہ کی رد سے حضرت علیؓ اور اس کو بھی جانے دیجئے مجالس المؤمنین کا حال کا خلافت قبول کرنا بھی درست نہ تھا تو پڑھے لکھے یا صحبت یافتہ علماء جانتے ہوں گے

یہ تو سب جانتے ہیں کہ حضرت امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ نے بعد شہادت حضرت عثمان کے خلافت منسوبہ قبول کی اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ بڑید پلید سے خلافت منسوبہ کے طالب ہوئے یہاں تک کہ نوبت شہادت کی پہنچی، اور اگر ان امور میں سے ایک بھی ظہور میں نہ آتا، تو شیعہ منسوب کے لینے کے جواز میں اور دلانے کے وجوب میں عقلاً واللہ الباب کے نزدیک پھر بھی کچھ تامل نہ تھا کیونکہ سابق میں محقق ہو چکا ہے کہ آیت ذات القربیٰ میں گو مخاطب خاص ہے لیکن خطاب عام ہی ہو۔ اگر ذات القربیٰ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے قریبی مراد ہوں تو ان کے حق کا دلانا سب کے ذمہ واجب ہو۔

اور نیز وجوب عدل و انصاف کی فرضیت سے کلام اللہ بھرا ہوا ہے اور عدل و انصاف اسے ہی کہتے ہیں کہ اہل حق کے حقوق دلائے جائیں۔ سو بعد غصب کے اگر مالک کا حق باقی رہتا ہے تو حضرت علیؓ کے ذمہ فدک کا حضرت زہراؓ کے وارثوں کو پہنچانا فرض تھا۔ اور اگر بعد غصب اہل بیت کا حق ساقط ہو گیا تو اس میں اور عفو میں

کیا فرق ہے؟ جو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے باب میں یہ زبان درازیاں تھیں۔

حضرت علی کے دو بیک دوسری تاویل اور سراجواب علمائے شیعہ نے حضرت علی کے فذک میں تصرف مالکانہ نہ کرنے کا اس طرح دیا ہے، کہ حضرت علی نے حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کا اقتدا کیا۔ یعنی جیسے انہوں نے فذک سے کچھ انتفاع نہیں اٹھایا، اس جواب پر تو مناسب یوں ہے کہ علمائے شیعہ کے قربان ہو جائے سبحان اللہ کیا فہم کی رسائی ہے۔ خیر ہمیدہ لوگوں کے لئے تو اس جواب کی تردید کی کچھ ضرورت نہیں۔ کیونکہ عقل خود اس جواب کے مفسون کو ایسے اگلتی ہے جیسے مکھی کو معدہ۔

تاویل کا جواب لیکن چونکہ سب ایک قسم کے نہیں ہوتے۔ تو اس لئے یہ گزارش ہے کہ جن اماموں نے بعد حضرت علی کے باقرار سرگرد شیعہ قاضی نور اللہ فذک کو لیا، چنانچہ بھی مذکور ہوا ہے، انہوں نے حضرت فاطمہ بلکہ حضرت امیر کا بھی کس لئے اقتدا نہ کیا؟ اور نیز یہ اقتدا فرض تھا یا نفل؟ اگر فرض تھا تو اور اماموں نے کیوں نہ کیا؟ اور اگر نفل تھا تو اول تو ائمہ اہلبیت سے ایسی سنت معمول بہا حضرت علی اور حضرت فاطمہ بلکہ معمول بہا حسین اور معمول بہا حضرت امام زین العابدین کا ترک کرنا مستبعد ہے، اور معمول بہا ہونا حسین اور امام زین العابدین کا خود ظاہر ہے۔ کیونکہ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا جیسے بنا چاری فذک سے منتفع نہ ہوئیں تھیں، ایسے ہی یہ بزرگوار بھی بنا چاری منتفع نہ ہو سکے، دوسرے حضرت امیر المومنین نے اس نفل کے واسطے تعدادوں کے حق پہنچانے کو جو ان کے ذمہ فرض تھا کیوں ترک کیا۔؟

اقتدا کن افعال میں ہوتا ہے اور نیز کسی کا اقتدا احتمال اظہار یہ میں ہوا کرتا ہے افعال اضطراریہ میں کوئی کسی کا اقتدا نہیں کیا کرتا، ورنہ لازم آئے کہ حضرت امام ہمدی حضرات ائمہ ماضیین کا اقتدا قیقہ میں جو بوجہ ناچاری وہ کیا کرتے تھے، کریں، اور ایسے ہی حضرت امام حسین قیقہ میں اتباع حضرت امیر کرتے، سو اگر حضرت زہرا کسی کے ظلم و ستم کے باعث فذک سے منتفع نہ ہو سکیں تو ناچار تھیں حضرت علی کے اپنے

وقت خلافت میں اس مظلومیت کے اقتداء کے کیا معنی؟ بالین ہر اگر حضرت امیر کو حضرت زہرا کا اقتدا ہی کرنا تھا۔ اپنے حقہ میں کیا ہوتا۔ حضرت حسین اور ان کی بہنوں کو کیوں محروم المیراث کر دیا۔

اہل شیعہ کی تیسری تاویل تیسرا جواب جو شیعوں نے اعتراض معلوم کا دیا ہے وہ یہ ہے کہ حضرت امیر اس لئے فذک سے منتفع نہ ہوئے تاکہ لوگوں کو متحقق ہو جائے کہ حضرت امیر کی گواہی دربارہ ہب فذک حسبہ اللہ تھی اپنے نفع کی امید پر نہ تھی۔

تاویل کا جواب یہ جو اب بھی مثل جواب ہائے سابق سر تا پا اخل ہے، اول تو جو لوگ اس مقدمہ میں حضرت امیر کی طرف سے گمان فاسد رکھتے ہیں، وہی لوگ ہوں گے، جنہوں نے حضرت امیر کی گواہی کو قبول نہ کیا، سو وہ لوگ پہلے ہی اس جہان سے جلدیے تھے، ان کی خلافت میں ان میں سے کون تھا جو اس کے جتانے کے لئے آپ نے فذک نہ لیا۔؟ اور اگر مردوں کا جتاننا مد نظر تھا تو اول تو ان کو اطلاع نہیں ہو سکتی، دوسرے اپنے مرنے کے بعد ان کو خود حضرت امیر کی حقانیت اور اپنا ظالم ہونا معلوم ہو گیا ہو گا۔ سو یہ نہ لینا یوں ہی رایتگاں گیا، بیوجہ حضرت امیر نے مال حلال کو ہاتھ سے کھویا نہ نفع دین نہ نفع دنیا،

اور اگر یوں کہیے کہ خلفاء ثلاثہ مر گئے تھے تو کیا ہوا، ان کے معتقد اور لوگ تو موجود تھے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ یوں تو یہ احتمال پھر بھی باقی رہا۔ جب آپ کی بعض اولاد نے لیا، خصوصاً مامون کے زمانہ میں، کہ وہ مائل بہ تشیع تھا اور فذک کو حق اہل بیت ہی سمجھ کر حضرت امام علی رضا کے حوالہ کیا، جب بھی آخر لوہب کو یہ شبہ پیدا ہوا ہو گا کہ حضرت امیر کی گواہی اس پیش بندی کے لئے تھی، بلکہ بیشتر اولاد ہی کے لئے ایسی ایسی تدبیریں دودر از کیا کرتے ہیں۔ سو لوہب بحکم المر یقیس علی نفسہ کے بالفرض یہ سمجھے ہوں گے کہ حضرت امیر کی گواہی فقط اس لئے تھی کہ اگر یہ تیر ہمارے زمانہ میں نشانہ پر نہ بیٹھا، تو کبھی نہ کبھی تو کار گر ہو گا ہی۔ سو اگر یہی نفع ہمت مد نظر تھا، تو لازم تھا کہ اپنی اولاد کو وصیت کر جاتے کہ ہر گز اس

کا اجماع آتا ہے جب یہ بات محقق ہو چکی تو ہر دانا و نادان کو محقق ہو گیا کہ روایت متنازع فیہا جو مستند شیعہ ہے، سراسر مبنیان اور دروغ تراشیدہ حضرات شیعہ ہے اور جیسے حسب روایت اس کا غلط ہونا صحیح ہو گیا تھا با اعتبار نوامین روایت بھی ایک انسان بے اصل نکلا، علیٰ ہذا القیاس مامون عباسی کے زمانے میں ولاد حسین کا بہ نسبت فدک دعویٰ کرنا، اور اس کا دو سو علماء اہل سنت کو جمع کر کے دربار فدک استفسار کرنا، الی غیر ذلک بمنزل خیالات بوستان خیال اور حکایات بارع بہار اگر سراسر غلط نہیں تو مثل مرویات صحیح بالکل صحیح بھی نہیں۔

اتنی بات بیشک ظہور میں آئی کہ مامون عباسی نے بوجہ میلان کیش فدک کو اولاد حسین کے حوالہ کر دیا، القصد جب ان افسانوں کا جھوٹا ہونا ثابت ہو گیا تو دعویٰ ثبوت مہبہ جس پر مولوی غار علی صاحب بیڑا اٹھا کر عزم اثبات غصب کیا تھا، مثل غار شیخ چلی کر سولے خیال اور کچھ نہ تھا، بنا بنایا ڈھ گیا۔ اور بعد ازیں ہم کو کچھ ضرورت تردید نہ رہی۔ کہ اہل انصاف کے لئے فدک کے غصب نہ ہونے میں آنا ہی سامان سامان علم الیقین ہے، اور حضرات شیعہ جیسے نالغافوں کے لئے اسی قدر جواب دندان شکن اور قاطع ہر جہیں و کہیں ہے۔

کتب اہل سنت میں دعویٰ سیدہ برائے لیکن بایں ہمہ اور زیادہ طریق تنزل مناظرہ فدک بروایت ضیف بھی مذکور نہیں۔ میں علامت حقانیت ہوتا ہے۔ اس لئے بطور تنزل معروض ہے کہ اہل سنت کی کتابوں میں سند ضعیف سے بھی یہ روایت نہیں کہ بعد وفات سرور کائنات علیہ و علی آلہ۔۔۔ افضل السلوات و اکل التیمات حضرت فاطمہؑ ہر اسے دعویٰ مہبہ فدک کیا۔ اور حضرت ابو بکر صدیقؓ نے ان کا دعویٰ نہ سنا اور گواہ مانگے، اور حضرت زہراؑ حضرت علیؑ اور حضرت ام یمن یا حنین رضی اللہ عنہم جمعین کو علی اختلاف الروایات گواہ لائیں۔ اور حضرت ابو بکر صدیقؓ نے (بسیب نہ ہونے دو مردوں یا ایک مرد و دو عورتوں کے ان کی گواہی کو رد کر دیا، یہ سب خوبی اور بزرگی انہی ہند گواران شیعہ کی ہے، کہ ان روایات کو گھڑ کر زار و جہنم تیار کیا اور سرمایہ

نکتہ ابدی ہم پہنچایا۔ اور پھر حرات تو دیکھو کہ علمائے اہلسنت بے جواب طلب ہیں۔ مبنیان دین کی خدمت میں یہ اتہاس ہے کہ اہل سنت کا شیوہ یہ نہیں کہ وقت پڑے پر جھوٹ بول جائیں۔ ان کے مذہب میں تقیہ کے جواز کی بھی کوئی صحت ہوتی تو مضائقہ نہ تھا، اس لئے جو امور واقعی ہیں۔ اگرچہ ظاہر نظر میں جائے گرفت اور محل لخص ہوں، اپنی کتابوں میں درج کرتے ہیں۔ اور انکار نہیں کرتے مثلاً حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کا میراث کا دعویٰ کرنا اور حضرت ابو بکر صدیقؓ کا نہ دینا، اور تقیہ قرطاس اور واقعہ جمل کہ یہ سب امر واقعی ہیں، اور ان کے جواب معقول رکھتے ہیں، اگر جھوٹ ہی بولتے تو جیسے شیعہ وقت پڑے پر جاہلوں کے سامنے اپنی مرویات صحیح سے بھی انکار کر جاتے ہیں، سنی بھی ایسے امور سے انکار کیا کرتے، لیکن جوابات اصل سے بے اصل ہوں اس کو کینہ کر سرد صریح ہے۔

ہر اس عدوت اور اس دیانت کو دیکھئے۔ کہ سینوں کے دین کی خوبی کے حسد میں مقتدایان شیعہ اور پیشوایان امامیہ اپنے دین کو بھی خراب کرنے لگے، اور جھوٹی روایتیں تراش کر سینوں سے گریبان گیر ہونے لگے، سو دروغ پسندوں کو جھوٹی باتیں ہی شکر اطمینان ہوتا ہے، اس لئے ہم بھی ان کی خوشی کے لئے یہی کہتے ہیں کہ جو کچھ شیعہ فرمائیں سب سچ ہے۔ رع۔ دروغ و اجزابا شد دروغ

روایت مہبہ کے غلط نمونے دو لیلیں مگر بایں خاطر اہل صدق اس روایت کے غلط نمونے دو دلیلیں بیان کرتا ہوں۔ ایک سنیتوں کی طرف سے، ایک شیعہوں کی طرف سے، سنیتوں کی طرف کی دلیل تو ایسی لیجئے کہ جس سے اپنے دل کا تردد دفع ہو جائے۔ اور دشمن کا اعتراض دفع ہو جائے سو وہ وہی روایت مشکوٰۃ ہے جس میں عمر بن عبد العزیز کا فدک کو بدستور سابق کرنا مذکور ہے۔ اس روایت کی صحت اور شہرت کی طرف پہلے بھی اشارہ گذرا اور اب بھی کہنا پڑا کہ مشکوٰۃ کی شہرت تو سب ہی کو معلوم ہے۔ اور ابو داؤد جو اس روایت کا ماخذ ہے۔ وہ خود صحاح ستہ میں سے ہے۔

بالجملہ یہ روایت صحیح سنیتوں کی کتابوں میں موجود پھر جو روایت اس کے خلاف

ہوا اور وہ بھی ایسی کہ نہ اس کی سند اس کی سند کے برابر اور نہ اس کا ماتخذ اس کے ماتخذ کے برابر وہ ہرگز صحیح نہیں ہو سکتی۔ پھر اسکے بعد اگر کوئی کہے کہ سنیتوں کی کتابوں میں بطریق صحیح ایسی حدیث موجود ہے جس سے یہ ہونا فک کا ثابت ہوتا ہے، تو نادان بھی سنکر یقین کر لے گا کہ یہ بات غلط ہے۔ اور اگر صحیح بھی ہو تو یہ معنی ہوں گے کہ بطور تردید کے، یعنی اس بات کے بتلانے کے لئے کہ یہ روایت غلط ہے۔ اس روایت کو کسی کتاب میں داخل کیا ہوگا، یا کسی نے اپنی کتاب میں اور ربط یا بس کے ساتھ اس روایت کو بھی داخل کر دیا ہوگا، کہ بعد میں نظر ثانی کر کے صحیح غلط میں امتیاز کر دیا جائے۔ سو علماء شیعہ نے بوجہ چالاکی اور غلط انداز سے ایسے مواقع سے اس قسم کی روایات کو چن لیا ہے۔

دوسری دلیل شیعوں کی طرف سے جس سے وہ الٹے التزام کھائیں اور خاموش رہ جائیں، سو وہ حضرت علی کا فک کو بدستور سابق فقراء اور مساکین اور ابن سبیل پر تقسیم کرنا، اور آپ زلینا، اور حضرت زہرا کے دائروں کو نہ دینا، جس کو شیعہ برسر و چشم رکھتے ہیں، اور اس کے واقعی ہونے سے انکار نہیں کرتے۔ چنانچہ اس کی تحقیق اور پر گند چکی ہے، اور یہ بھی گند چکا کہ شیعوں نے اس کے غدر میں ہر چند بہت دست دیا ماریے لیکن سب رائیجوں کے لئے بالجمہ اس قبیضہ مسلم الثبوت طرفین اور نیز روایت مشکوٰۃ سے یہ کامعین ہونا سراسر بہتان اور غلط ہے۔ پھر کیا امکان کہ سیدۃ النساء، مگر گوشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو شیعوں کے نزدیک معصوم اور ہمارے نزدیک محفوظ ہیں، ایسا دعوائے دروغ بایں بزرگی سرزد ہوا؟ اور پھر حضرت علی اور حضرت حسین جو باعتبار طرفین یا معصوم ہیں یا محفوظ، شہادتِ زور جو ہمسنگ کفر ہے اس طرح برطاعتی الاعلان ادا کریں۔

بہر حال یہ روایت سنیتوں کی کتاب میں اصلاً موجود نہیں۔ شیعوں کا افترا اور بہتان ہے، پھر ایسی روایتوں سے سنیتوں کے التزام کے درپے ہونا اور ان سے ان کا جواب طلب کرنا کمال سفاہت اور عین حماقت کی دلیل ہے۔ باقی یہ جو مولوی صاحب نے نو دس کتابوں کے نام لکھ دیے ہیں، یہ وہی قدیمی کتبہ ہے، اور پرانی دعا اور فریب کی بات

جو مولوی صاحب کو سینہ بسینہ پہنچی ہے، اور ہم نے اس کی طرف بحوالہ تحفہ اشارہ کیا، جس کا یہ مضمون ہے کہ شیعہ اکثر اپنے مطلب کی باتیں کیماب نادور الوجود کتابوں سے نقل کر دیتے ہیں۔ حالانکہ ان کتابوں میں اس بات کا شان بھی نہیں ہوتا۔ اور اگر ایک دو نسخہ میں کسی کتاب کی یہ روایت ہووے بھی، تو وہ بھی بیشک ایسے ہی دغا بازوں کی چالاکی ہے۔ کیونکہ ان کی ایک یہ بھی عادت ہے کہ کتب غیر مشہورہ میں جو غلط غلط ملتے ہیں، اکثر روایات اپنے مذہب کی یا اپنے آپ تراش کر داخل کر دیتے ہیں، چنانچہ تحفہ ہی کے حوالہ سے یہ بات بھی مفصل مرقوم ہو چکی ہے۔

کتب مؤلفین کے مؤلفین نے اور اگر فرض کیجئے کہ ان سب کتابوں کے سبھی نسخوں میں یہ صحت کا التزام نہیں کیا، روایت ہے، تو اول اس بات کا اثبات چاہیے، کہ ان کتابوں کے مصنفوں نے التزام کر لیا ہے کہ جو کچھ ہم ان کتابوں میں درج کریں، صحیح صحیح درج کریں گے، ضعیف اور موضوع درج نہ کریں گے، سو اس بات کا ثابت ہونا نامعقول، البتہ معاملہ برعکس ہے۔ شیخ عبدالحی محدث دہلوی رسالہ اصول حدیث کے آخر میں جو مشکوٰۃ مطبوعہ مطبع دہلی کے اول میں لگا ہوا ہے۔ یوں رقم فرماتے ہیں کہ شیخ جلال الدین سیوطی نے جمع الجوامع میں کوئی پچاس کتابوں سے زیادہ کتابوں کی حدیثیں جمع کی ہیں اور پھر اس میں صحیح حسن ضعیف ہر قسم کی حدیثیں لائے ہیں، اسی پر اور کتابوں کو بھی قیاس کر لیجئے۔

”مشتہ نمود خردارے“ ع قیاس کن رنگستان من بہار مرا

الفرض ان کتابوں کے مصنفوں نے یہ التزام نہیں کیا کہ ان میں بجز صحاح کے ضعیف حدیثیں داخل نہ کریں گے اور یہ بات ویسے بھی تو ظاہر ہے، اگر یہ بات نہ ہوتی تو ان کو بھی بمنزلہ صحاح ستہ سمجھتے، اور صحاح میں داخل رکھتے، اور اگر فرض کیجئے کہ ان کے مصنفوں نے اپنی طرف سے التزام ہی کیا تھا، کہ بجز صحیح اور کسی قسم کی روایت ان میں درج نہ کریں گے، تب بھی اطمینان کے قابل نہیں، کیونکہ اہل سنت کے نزدیک صحت و ضعف حدیث کے باب میں ایک آدم کا کہا نہیں چلتا، کیونکہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ آدمی غلطی کھا جاتا ہے، اس لئے ان امور میں ضرور ہے کہ اگر سب محدثین کا اتفاق

بھی نہ ہو تو اکثر تو اس کی صحت کے یا ضعف کے قائل ہوں گے۔ اور یہ بات اول تو بشہادت عقل ضروری ہے، دوم بہت سے شیعہ غیث باطن نے بوجہ تفسیر متورع اور متقی بنکر اول تو اپنا اقبال پیدا کیا۔ اور پھر محدثین اہلسنت کی خدمت میں رہ کر ان سے صحیح حدیثیں روایت کیں، اور انہیں سندوں سے اپنے مطلب کی باتیں بھی ان کے ساتھ لاکر عالم میں پھیلا دیں اور بوجہ تقولے ظاہر اور پردہ تفسیر یہ پیچ ان کا چل گیا۔ اکثر ثقافت نے بھی ان کو متورع اور متقی گمان کر کے ان کی روایتیں قبول کر لیں اور بوجہ حسن ظن استدلال کو تھک سمجھا اور سو اس کے اوپر کے اساتذہ کو ائمہ حدیث پایا، اس کی وجہ سے ان کی روایات کو منجملہ صحاح سمجھا، اور اس دغا میں آ گئے۔

تفسیر کے پردہ میں اہل شیعہ کو متاخرین نے بامداد خداوندی اس دغا کو سمجھا اور ان حدیثوں کی خطرناک خیانت کو موضوع قرار دیا۔ اور مردود اور متروک ٹھہرایا۔ چنانچہ شاہ عبدالعزیز صاحب تحفہ میں باب مکاید میں مکاتران شیعہ کی شان میں رقم فرماتے ہیں۔

”کید شاذ دم آنکہ جماعت از علای ایشان خود را از محدثین اہل سنت و انمودہ علم حدیث مشغول شدند و از ثقافت محدثین اہل سنت سماع حدیث حاصل کردند و مانند صحیح آنرا یاد گرفتند و بظاہر بحیلہ تقولے و دروغ متحلی گشتند تا طلبا را اعتقاد صادق و رخص آنہا بھمرسید و انھذا علم حدیث از انہا شروع نمودند و احادیث صحاح و حسان روایت کردند و در انشاء روایت جہان اسانید صحیح موضوعات را کہ مطابق مذہب ساختہ بود و نیز در جملہ روایات درج نمودند این کید ایشان راہ بسیاری از خواص اہلسنت زدہ است چہ جائے عوام۔“

زیرا کہ تمیز و میان احادیث موضوعہ و صحیح بر حال سند است، و چون رجال بسبب اس دغل و تلبیس متحد شد تمیز مشکل افتاد و ماہر لا امتیاز مفقود گشت، اما چون عنایت الہی شامی علوم اہلسنت بردہ، ائمہ ابن فن بعد از تحقیق و تفتیش اس دغل و دریا لغت و متنبہ شد بعد از انکشاف جلیہ جلال طائفہ از ایشان بوضوح اقرار نمودند

و طائفہ صریح اقرار نہ نمودند لیکن امارات اقرار و انہا قائم شد و حال ان امارات در محام مضغفات و اجزاء و ائمہ سائر است، و اکثر تفصیلیہ و متنبہین بذاں احادیث تمسک کنند۔

اول کیکہ اس دغل را موجود شد جابر حنفی است، کہ بعد از تحقیق حال او بخاری مسلم بنابر احیاء مطلق مرویات اور از درجہ اعتبار ساقط و مطروح ساختند و ترمذی و ابو داؤد و نسائی با شعا بعات و خواہد قبول کنند، و آنچه او بیان منقرو است روایت کنند و ابو القاسم سعد بن عبداللہ ابی خلف قمی نیز درین باب استناد پر کار است۔ اکثر ناواقفان اہلسنت بحجت تلبیس اسانید و گمان بند کہ از رجال معتبرین ماست، حالانکہ جعفر بن نیست نجاشی کہ صاحب نقد رجال شیعہ است اورا نقیہ طائفہ وجہ طائفہ قرار دادہ اتھے بلفظ ترجمہ۔ بندر صواں مکر یہ ہے کہ اہل شیعہ کے علماء میں سے ایک جماعت اپنے آپ کو محدثین اہل سنت ظاہر کر کے علم حدیث میں مشغول ہوئی۔ اور ثقافت محدثین اہل سنت سے سماع حدیث حاصل کیا۔ اور ان کی اسانید صحیحہ کو یاد کر لیا اور بظاہر تقویٰ و پرہیزگاری سے آراستہ ہو گئے۔ حتیٰ کہ طلباء علم کو ان کے بارے میں سچی عقیدت پیدا ہو گئی اور انہوں نے ان سے استفادہ علمی شروع کر دیا۔ اور صحیح اور حسن حدیثیں روایت کیں اور انہوں نے روایت میں اسناد صحیحہ کے ساتھ اپنے مطلب کی وضع کی جوئی روایات بھی درج کر دیں۔

علمائے شیعہ کے اس مکر نے بہت سے خواص اہلسنت کا راستہ کاٹ دیا ہے عوام کا تو ذکر ہی کیا، وجہ یہ کہ احادیث صحیحہ اور روایات موضوعہ میں امتیاز تو صرف رجال سند ہی سے ہو سکتا ہے جب اس مکر و فریب سے رجال سند ہی گڈل ہو گئے تو تمیز مشکل ہو گئی۔ اور جس آمر سے امتیاز حاصل ہوتا وہ مفقود ہو گیا۔

لیکن چونکہ تا نید خداوندی اہل سنت کے علوم کو حاصل تھی اس لئے ائمہ فن نے تحقیق و تفتیش کے بعد اس فریب کو سمجھ لیا اور متنبہ ہو گئے۔ پھر حقیقت حال کے ظہور کے بعد علماء شیعہ کے ایک گروہ نے وضع احادیث کا اقرار کر لیا۔ اور دوسرے

لے مزید اڑاؤ نہ کیا لیکن ان روایات میں الزام کی علامتیں قائم ہو گئیں۔ اور اس وقت بھی وہ روایات معاصم، مصنفات و اجزاء میں دائر و سائر ہیں۔ اور اکثر تفصیلی اور متشعین ان سے تمسک کرتے ہیں۔

پہلا شخص جو اس زریب کا موجد ہے وہ جابر جعفی ہے کہ اس کی حقیقت کھل جانے کے بعد بخاری و مسلم نے احتیاطاً اس کی تمام روایات کو ساقط الاعتبار اور بطرح قرار دیا اور ترمذی اور ابو داؤد اور نسائی اس کی روایات کو شواہد اور متابعات لے کر قبول کرنے لگے۔ اور جن روایات کے شواہد و متابعات نہیں ملے، ان کو مردود قرار دیا۔ نیز ابو القاسم سعد بن عبد اللہ ابی خلف قمی بھی اس زریب کاری میں استناد پڑھا ہے۔ اکثر اوقات اتفاق اہلسنت اسانہ کی گڑبڑ کی وجہ سے خیال کرتے ہیں۔ کہ وہ ہمارے راویان مؤثقہ میں سے ہے۔ حالانکہ یہ خیال خلاف واقعہ ہے۔ نجاشی جو ناقد رواۃ شیعہ ہے۔ اس نے قمی کو نقیضہ طائفہ اور وجہ طائفہ قرار دیا ہے۔ انکی ترجمان پڑھو

اب عرض یہ ہے کہ شاہ صاحب کا لکھنا تو آنکھوں کے دیکھنے کے برابر ہی شیعہ سنی سب ان کے علم اور تاریخ دانی اور تبحر مذہب طرفین کے قائل ہیں، حتیٰ کہ علم اہلسنت تو اپنا علم تھا، علم مذہب شیعہ بھی اس قدر رکھتے تھے کہ علماء شیعہ کو بھی میسر نہیں چنانچہ تحفہ اثنا عشریہ اس کے لئے گواہ موجود ہے۔ لیکن اگر شاہ صاحب نہ فرماتے۔ کوئی اور کہتا تب بھی اس بات کا شیعوں کی نسبت یقین مباحثہ ہو جاتا۔ کیونکہ اس نقیضہ کی وجہ پر جھوٹ کو ان کیلئے حلال طیب کیا واجب اور فرض تک کر دیا ہے۔

لسان المیزان میں چند زریب لسان المیزان کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کام بہت سے کاروں کی نشان دہی ہے۔ شیعان نابکار نے کیا ہے، منجملہ حارث بن غصین ہے جو اعش سے روایت کرتا ہے، اور اسی قبیل سے حارث بن محمد معکوف ہے۔ اور ازرا بجلہ حسن بن علی بن زکریا بن صالح ابو سعید عدوی مصری ہے، جو ثقات کے نام سے جھوٹی باتیں دیتا کرتا ہے، خیر کہاں تک بزرگواران شیعہ کی بزرگی کی تعریف اور مدح میں رطب لسان ہے، کہ اس قسم کے مضمون بہت بھی تھوڑے ہیں۔

پر رافع استبعاد اور تسکین خاطر سادہ لوحان کے لئے یہ معروض ہے کہ ایت فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَى عَلَى اللَّهِ كَذِبًا سے جس کا یہ ترجمہ ہو کہ ان سے زیادہ اور کون ظالم ہوگا، جنہوں نے ۔۔۔۔ اللہ کے ذمہ بھی بہتان لگا دیئے۔" یوں معلوم ہوتا ہے کہ لوگ ایسا بھی کرتے ہیں کہ امت کے ذمہ طوفان جوڑ لیا کرتے ہیں، اور کم عقلوں اور سادہ لوحوں کو بمنزلہ شیاطین راہ سے بے راہ کر دیتے ہیں۔ سو اس لیت میں اس فن میں حضرات شیعہ سے زیادہ اور کوئی چلاک معلوم نہیں ہوتا۔ اور کیوں نہ ہو جھوٹ سے ان کے دین کا توام ہے۔ اگر یہ جھوٹ نہ ہو لیں، تو اور کون بولے۔ سو ان کی نسبت جتنا کچھ کہئے تھوڑا ہے، بالجملہ اگر کتب مذکورہ میں روایت دعویٰ مذکور ہو بھی ہو تو جو حسن ظن علمائے اہل سنت اور ترقیہ مکاران مذہب شیعہ اول وہ روایت سائر ہو گئی، پیچھے سے محققین نے گو اس کے بطلان کا اشتہار کر دیا لیکن تاہم کہاں تک؟ پھیلی ہوئی بات کا سینٹا چھوٹے ہوئے تیر کے ہٹانے کے برابر ہے۔

بہر حال وہ روایتیں مشہور ہو گئیں۔ اور مغفیلین کو مسراسیمہ کر دیا، اور متشعین اور مردمان تفصیلی کے لئے سامان اضلال ہو گئیں، جیسا کہ تورات و انجیل کی تحریفات باعث ضلال و اضلال عالم ہو گئیں، پر، جیسے قرآن مجید نے تورات و انجیل کی غلطیوں کی اصلاح کر دی، اور قسمت والوں کو ظلمات سے نکال کر نور میں پہنچا دیا، ایسے ہی روایات صحاح و تحقیقات محققین اولوالالبصائر بھی ان تحریفات کا تدارک کر دیا۔ اور جن کا مادہ قابل اصلاح تھا اسان کو ہدایت کر دی۔ اور ضلالت سے نکال دیا۔ باقی مولوی عمار علی صاحب یا ان کے آوران و اشغال کی اگر اصلاح نہ ہو تو کیا بعید ہے؟ جن کے دلوں پر پیر لگی ہوئی تھی ان کے لئے قرآن جیسی حقانی کتاب سے اصلاح نہ ہوئی، بلکہ تحریفات آبائی اور تبدیلات اسلاف کے پابند رہے۔ ایسے ہی مولوی عمار علی صاحب بھی اس بات میں انہیں کے قدم قدم ہیں اور موافق نقل مشہور۔

کندہم جنس باہم جنس پر وارہ : کبوتر با کبوتر زارغ بازارغ
کندہ اول کی روایات پر جم گئے اور اہل صدق کی بات کو نہ مانا۔ سو وہ کیا کریں؟

مَنْ يُضِلَّ اللَّهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ

دعائے مذکور کی روایت اگر صحیح اور اگر ہم تسلیم کریں اور مناظرہ میں شیعوں سے نرمی ہی بھی ہو تو بھی کام نہیں چلتا برتن، اور اس بات کے قائل ہوں کہ اس روایت میں کسی طرح کا قصور نہیں، باون تولد پاؤرتی ہے تب بھی شیعوں کی آنکھوں میں خاک ہی رہے گی۔ کیونکہ اگر یہ روایت صحیح ہے تو مشکوٰۃ کی روایت اصح ہے، اور یہ قوی ہے تو وہ روایت اقویٰ ہے، اس کو اس پر ترجیح نہیں ہو سکتی۔ وہی ہر طور مرجح رہے گی اور یہ بات کچھ نہیں کہتے کہ اصح اور اقویٰ کو صحیح اور قوی پر مقدم رکھتے ہیں، تمام عالم ہی کرتا ہے عقل اسی بات کی شاہد ہے، شیعہ ہر چند عقل سے کچھ غرض نہیں رکھتے۔ اسی طریق پر چلتے ہیں۔ اور اگر یہ نہ کریں تو پھر دین سے دست بردار ہوں، کیونکہ ان کے یہاں کے اختلاف کے برابر کسی مذہب میں اختلاف ہی نہیں، چنانچہ ناظران تحفہ اثنا عشریہ اور مہتمی الکلام وغیرہ مصنفات مولانا حیدر علی پر پو شیعہ نہ رہے گا، اور قدر قلیل کچھ اس کا تہ اس رسالہ میں سے بھی ملے گا۔

اور دو رکھوں جانیئے مولوی عمار علی صاحب قویوں فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے اور کوئی بیٹی ہی نہ تھی، اور کلینی بصراحت، اور نہج البلاغۃ بلکہ خود کلام ربانی تعدد نبوت پر شاہد ہیں چنانچہ اوپر مفصل مذکور ہوا۔

تو اب ہم مولوی صاحب سے استفسار کرتے ہیں کہ آپ اگرچہ جھوٹے ہیں، پر بزعیم خود تو کچھ ہی ہیں، اور معتقدوں کے نزدیک تو آپ کی بات سے پھرنا، خدا کی بات سے پھرنا ہے۔ تو آپ کی روایت بھی خواہ مخواہ ایک صحیح ماننی پڑی، اور کافی کلیسی خود اصح الکتاب ہے اور نہج البلاغۃ بمنزلہ وحی آسمانی، اور قرآن خود وحی آسمانی ہے۔ پھر آپ نے بانیوہ کہ خدا کے فرمودہ میں تو بدلا کا احتمال ہے، اور کافی اور نہج البلاغۃ میں ائمہ کا قول اس بات میں منقول ہے، اور ان کے علوم، علم خداوندی اور علم نبی کریم کا عرذ ہیں، اور بنی صلی اللہ علیہ وسلم بھی خدا ہی سے لیتے ہیں، تو اس صورت میں ان کے

اقوال میں بھی وہی احتمال رہا، اور آپ کو نہ خدا سے واسطہ نہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے واسطہ، آپ نے جو اپنے ہدیان اور یکساں کو کافی کی روایت اور حضرت امیر اور خدا کی شہادت سے اصح سمجھ کر مقدم رکھا، یہ ترجیح آپ کے نزدیک صحیح ہے یا غلط؟ اگر صحیح ہے تو فہو المراد، ورنہ ”چشم مارو شن دل ماشاد“ یہ بات تو آپ یائیں گے۔ کہ ہاں میرا یہ قول کہ ”سوائے حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کوئی بیٹی ہی نہیں“ غلط ہے۔ باقی اس ترجیح کو کہ اصح اصح پر ترجیح ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس قول سے ہم مرعوج کر دینگے جو نہج البلاغۃ میں مندرج ہے۔

الزمو الشواذ الک اعظم فان يد الله على الجماعة وانا کم والنساقنة فان الشاذ من الناس للقيطان كما ان الشاذ من الغنم يلذ يئ یعنی گروہ اعظم کے ساتھ رہو، اس لئے کہ اللہ کا ہاتھ بڑی جماعت کے سر پر ہے اور دیکھو مجمع سے الگ مت ہو، اس لئے کہ مجمع سے نکلا ہوا آدمی شیطان کے لئے ہے، جیسا کہ ریلوے سے الگ رہی ہوئی بکری بھیڑیے کے لئے ہوتی ہے فقط، سو بالفرض بغیر محال مولوی صاحب کی جھوٹی بات یعنی فقط حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا ہی کا بیٹی ہونا اگر سچ بھی ہوتا مرتبہ صحت سے تو آگے چلنے ہی کی نہیں، پھر اس کو اصح اقوال پر ترجیح دینے میں تمام عالم سے علیحدہ ہونا ہے۔ سو اس وجہ سے شیطان کے زمرہ میں داخل ہونا مولوی صاحب کو مبارک سبحان اللہ

ہر کیے راہر کارے ساختند ہر او اندر دلس انداختند شیعوں کو خداوند کریم نے غلطی ہی پر جے رہنے کے لئے پیدا کیا ہے، جو ایسے ایسے براہین قاطعہ سن کر بھی باز نہیں آتے، اور جیسے اندھا دن کو بھی نور آفتاب فیض نہیں ہوتا، یہ کو راں دین بھی ان دلائل سے جو مثل آفتاب روشن ہیں مستفیض نہیں ہوتے، الغرض روایت مشکوٰۃ کے مرجح ہونے میں وہی متردد ہو سکتا ہے۔ جو دن کو آفتاب کے ہونے میں متردد ہوتا ہے۔

سلسلہ - یعنی مولوی عمار علی کا۔

شیعوں کی پیش کردہ روایت سے بشرط لیکن ایسے حقیقی لائقوں کی حجت خراب بھی نہ مانیں بہرین
حجت بھی بہرہ فک ثابت نہیں ہوتا
علماء شیعہ کی رائے غلط ہی صحیح سی، اور روایت مشکوٰۃ کو روایت مندرجہ صحیح مولوی
صاحب پر ترجیح نہ سہی، لیکن جھوٹی بات کسی طرح پاؤں نہیں چلتی، اب بھی شیعوں کی
مطلب براری اس روایت سے نہیں ہو سکتی، کیونکہ جو روایت اس مضمون کی شیعوں
کی چالاک سے بعضی گنہام کیاب سنیوں کی کتابوں میں داخل ہو گئی ہے تب اس میں
ایسا لفظ کوئی نہیں جس سے بہت ثابت ہو جائے، بلکہ لفظ اعطی واقع ہے جو ہبہ اور
عاریت دونوں میں استعمال کرتے ہیں۔ دفع تردد کے لئے اس روایت ہی کو بعینہ
نقل کئے دیتا ہوں۔

صواعق محرقرہ میں جو درباب رد و افض تصنیف ہوئی ہے، ابن حجر مکی کی (فضا
میں ابو بکر صدیق کے) اس روایت سے اگرچہ شیعوں کی گھڑی ہوئی ہے، ابو بکر صدیق کی
نفیلت ہی نکلتی ہے اور شیعوں نے ہر چند طعن کی بات گھڑی تھی پر خوبی قسمت سے
تعریف ہو گئی ہے گو مولوی صاحب اور ان کے اتباع کو وہ پھر بھی عیب ہی نظر آئے۔
سے چشم بد اندیش کہ برکنہ باد عیب نماید ہر شس در نظر
خبر وہ روایت یہ ہے۔

اخرج الحافظ ابن شیبہ ان زید اھد الامام الجلیل قبل لہ ان
ابا بکر انشزع من فاطمہ، فقال انہ کان رجلاً وکان یکرہ ان
یغیر شیئاً شرکذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فانتد فاطمہ
رضی اللہ عنہا فقالت ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعطانی
فذلک فقال هل لک شایء فشهد لہا علی وائم یمین فقال لہا
فرجل وامرؤہ تنفقتا ثم قال واللہ نورجعم الکمر فیہما
الی لقمقیت بقضاء ائی بکر۔

حاصل یہ ہے کہ حافظ عمر بن شیبہ نے کسی سند سے بیان کیا ہے کہ حضرت زید سے

جو امام جلیل القدر ہیں یعنی زید بن علی بن ابی طالب سے کسی نے کہا کہ ابو بکر صدیق نے حضرت
فاطمہ سے فک چھین لیا تھا۔ انہوں نے فرمایا کہ وہ بڑے رحم دل ہیں یعنی ان سے ایسا
کام کہہ ہو سکتا ہے تو سنگدلوں کا کام ہے وہ تو بڑے رحم دل تھے۔ پر رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم کے کسی انکار کے بدلنے کو ان کا جی نہیں چاہتا تھا، اور اس کے بدلنے سے
ان کو کراہت آتی تھی، سو حضرت فاطمہ کے پاس تشریف لائیں اور یہ فرمایا کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم مجھ کو فک دے یا تھا، سو انہوں نے فرمایا کہ تمہارا کوئی گواہ ہے، اس پر
حضرت علی اور حضرت ام ایمن نے گواہی دی، انہوں نے فرمایا کہ ایک مرد اور ایک
عورت سے تو حق ثابت نہیں ہو سکتا، اس کے بعد حضرت زید فرماتے ہیں کہ واللہ اگر یہ مقدمہ
میں یہاں رتوے ہو تو میں اس میں وہی حکم دوں جو ابو بکر صدیق نے حکم دیا، فقط۔

اب غور فرمائیے کہ یہ ہر چند انتر کردہ کذابان شیعہ ہو جو بظاہر جمیل تقیہ متقی اور
باطن بد کردار تھے، لیکن موافق مثل مشہور، حق بر زبان جاری شود، لفظ وہا جھا
جو صریح ہبہ اور تمیلک پر دلالت کرتا تھا، واضعان روایت کو نہ سوجھا، لیکن تعریف
صدیق اکبر صاف صاف کہنی پڑی، اور یہ تعریف بھی کیسی کچھ؟ اور وہ بھی امام زادہ سے،
اور امام زادہ بھی کون؟ جو خود بھی جلیل القدر اور والد ماجد تو ہیں ہی،

غیر منصفوں کی خدمت میں یہ عرض ہے کہ اگر یہ روایت جملہ عیوب کا دوح
اعتبار سے مبرا ہو، اور پھر مجدد روایت مشکوٰۃ بھی ہو تب بھی اعطاء سے بدو وجہ
ہبہ ثابت نہیں ہوتا، اول تو یہ کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ کا یہ جواب از قبیل مامشت
مع الخصم، یعنی بطور تنزل اور تسلیم ہے، یعنی اگر تسلیم کیجئے کہ چھین ہی لیا تھا۔ تو
اس کی نفلانی وجہ تھی، مگر ظاہر ہے کہ اس صورت میں اس روایت سے ہبہ کا ثبوت
نہ ہو گا، بلکہ انکار نکلے گا۔

لفظ عطا، ہبہ اور عاریت میں مشترک ہے، دوسرے یہ کہ اردو میں اعطاء کا ترجمہ دینا ہے۔ سو
اس پر سلسلہ حدیث سے استدلال جیسے ہبہ نہیں دینا اور اعطاء بولتے ہیں ایسے ہی عاریت
میں بھی یہ دونوں لفظ دونوں زبانوں میں مستعمل ہوتے ہیں اور سند اس کی حدیث صحیح

ہم، یعنی گواہ ملے تو ایک مرد اور ایک عورت ہی ملے، نصاب شہادت بھی پورا نہ ہوا، جو کسی کو کچھ کہنے کی گنجائش باقی رہے، بلکہ ایک عذر معقول ہاتھ آیا اور عذر معقول اہل عقل اور دینداروں کے نزدیک مقبول ہی ہوتا ہے والمعدن عند کرام الناس مشہول اس لئے ہم بالیقین جانتے ہیں کہ یہ بات موجب مزید اقتدار حضرت ابو بکر صدیق نہیں تو باعث رفیع رتبہ قلب پاک حضرت زہراؑ تو ضرور ہی ہوتی ہوگی،

چنانچہ حضرت فاطمہ زہراؑ رضی اللہ عنہا کا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے راضی ہو جانا جو شیعوں کی کتابوں کے حوالہ سے عنقریب انشاء اللہ مذکور ہو گا۔ اس بات پر شاہد ہے۔ اور حضرت زید رضی اللہ عنہ کا یہ قول واللہ نوزجہم اکاھس (اکی لکھا کٹ فیہا بما حکمہ ابو بکر) یعنی واللہ اگر یہ مقدمہ میسر پاس رجوع ہوتا تو میں وہی حکم کرتا جو ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کیا، با واز بلند یہ کہتا ہے کہ حضرت زہراؑ کو حضرت ابو بکر سے کچھ طال نہ تھا، اور تھا تو انجام کار باقی نہیں رہا، بلکہ تبدیل خویشی ہو گیا تھا ورنہ اگر ابو بکر صدیق سے حضرت فاطمہ زہراؑ رضی اللہ عنہا اس جہاں سے ناخوش تشریف لے جاتیں تو اہلبیت میں سے ایک بھی ابو بکر کو بھلائی سے یاد نہ کرتا، چہ جائیکہ ایسی بڑھکے تعریف؟، القصہ اگر علمائے شیعہ کو ہمارا یہ کہنا کہ یہ روایت مؤمنوں سے مسلم ہو تو فہم دور نہ اس روایت میں کوئی بات خلاف اہل ذہبیت کو نہیں پہنچتی، جو علمائے شیعہ دین فدیہ ہو کر زبان دراز کریں۔ اور الزام اہلسنت کے لئے اس روایت کو زبان پر لائیں، ہاں اگر توجیہ وجیہ جو مذکور ہوئی، نہ بن پڑے تو البتہ شیعوں کی فی الجملہ کچھ بن پڑے۔

لفظ عطا کو سمجھنے سے نہ بنائے مگر شاید علماء شیعہ بعد تحسین بسیار وجد وجد ہشمار یوں بات کی ناکام کوشش بنائے لیکن کہ ہر چند عاریت کے موقع میں عطا کا استعمال ہوتا مسلم، لیکن یہ معنی حقیقی ہیں اور عاریت معنی مجازی، اس لئے استعمال میں جب تک کوئی قرینہ صارفہ معنی ہبہ سے نہ پایا جائے، تب تک معنی عاریت مفہوم نہیں ہو سکتے، سوال تو یہ بات ہی غیر مسلم مستدل و مدعی کو لازم ہے کہ دعوائے بے دلیل زبان پر نہ لائے، ورنہ

ایسے ہی پاسداری قرابت سے بھی مقصود یہی ہے کہ جب امور دینی میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناخوشی گوارا نہ کریں گے۔ تو امور اخیریہ میں تو بالاولیٰ مطیع و متقاد رہیں گے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رسول کر کے بھیجنا اصل امور دینی کی اصلاح کے لئے ہے، خصوصاً حقوق مالی میں اور وہ بھی فدک۔ کہ بشہادت دستور نبوی صلی اللہ علیہ وسلم فقراء اور مساکین اور ابن سبیل کی حق تلفی کا فی الجملہ علجان ساتھ لگا ہو۔

کیونکہ تمام آخری حضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ لوگ مصرف فدک ہے، معہذا اہل حق موقع رحمت میں رعایت والوں کو زیادہ دیا کرتے ہیں۔ اس لئے انصاف والے اپنوں کی رعایت نہیں کیا کرتے، تو ان وجہ سے مزج اور موجب یہی تھا کہ محاصل فدک میں دستور نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہرچہ با وادار دستور العمل رکھئے۔

لیکن حکم ماکالہ لکھ لا یشترک کھلہ کے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سبب بحال اخلاص اور نہایت پاس و نیاز کے اس بات کے جو یا ہوئے، کہ تا مقدمہ دلداری حضرت زہراؑ کی جائے، اور جس قدر بن سکے فاطمہ مبارک حضرت زہراؑ رضی اللہ عنہا پر میل نہ آنے دیجیہ بایں ہمہ اپنی غلط فہمی کا جدا احتمال۔ اس لئے طالب شہود ہوئے۔ تاکہ شاید کسی گواہ کی تقریر سے کوئی اشارہ نبوی اس بات کی طرف پایا جائے۔ کہ گو ترک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقف عام ہے لیکن پھر بھی مستحیر یا اتر با حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اولیٰ اور اقدم ہیں، چونکہ حضرت ابو بکر صدیق بوجہ پاسداری قرابت نبوی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے سامنے دو ٹوک بات کہنے میں متامل اور متردد تھے اور پناہ مالی الضمیر یہ بات کہ میں وہی کروں گا۔ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے تھے رہنما ظاں سہی جو نوشتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آشکارا نہیں کہہ سکتے تھے۔

تو خدا ساز غیب سے تدارک ہوا۔ اور حکم و من یتق اللہ فیعمل لہ خیر جاً ایسے جو شخص خدا سے ڈرے۔ خدا اس کے لئے بلاؤں سے نکاحی کی صورت کر دے ہے۔ وہ لطیفہ غیبی پیدا ہوا کہ جس سے حضرت فاطمہ زہراؑ رضی اللہ عنہا کی رنجش کا کھٹکا بھی جابجا

ایک حرف خیف لا اسکرمین وہ دعوائے مسترد ہو جائے گا۔

اور یہ بھی نہ سہی، جیسے علمائے شیعہ ایک دعوائے بے دلیل پیش کر کے بزعم خود اہلسنت کے سامنے عہدہ برآ ہو سکتے ہیں، ہم بھی ایک بے دلیل یوں دعویٰ کرتے ہیں، کہ یہ لفظان دونوں فردوں میں مشترک معنی ہے، یا ان دونوں معنوں میں مشترک لفظی ہے اور یہ دعوائے ایک وجہ سے بہ نسبت دعویٰ علمائے شیعہ مقبول بھی ہے کیونکہ اصل یہی ہے کہ لفظ اپنے معنی موضوع کہ میں مستعمل ہو، سو اس صورت میں ہر ایک معنی کے لئے کوئی قرینہ چاہیے، جو دوسرے معنی سے صاف ہو۔

تین معانی کے لئے قرآن کی جہت | معجزہ یہ کہ ضرور نہیں کہ قرینہ مذکور لفظی ہی ہوا کرے، اور وہ بھی لفظ کثیر المعنی کے پس و پیش ہی لگا ہوا ہو، بلکہ قرینہ کی ضرورت اس لئے ہوتی ہے کہ مخاطب کو فہم مطلب میں غلطی نہ پڑے، سو ہو سکتا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق نے بعد از نبی دینے مسند خلافت اس بات کی تحقیق کی ہو، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ترکہ مملوک کیا گیا ہے، سو اس تحقیقات میں یہی متحقق ہو گیا ہو کہ مذکور تادم باز پس مملوک مقبوضہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی رہا۔ بلکہ خود حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا اور دیگر اہلبیت کے اقوالوں سے یہ بات ثابت ہو گئی ہو۔ اور ظاہر بھی یہی ہے۔ کیونکہ ایسی بات گھر ہی کے لوگ جانا کرتے ہیں۔

لیکن جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بطور خود اس کا بندوبست اور جمع خرچ کرنا چاہا، تب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بایں وجہ کہ مجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دے رکھا ہے، مزاحم حال ہوتی ہوں، اور اس جہت سے یہ عرض ہو کہ گو مذکور ہمارا مملوک نہیں لیکن اولیٰ یہ ہے کہ یہ ہمارے پاس ہی رہے، اور اس کی آمدنی ہمارے ہی پاس آیا کرے، اب منصفان شیعہ کی خدمت میں یہ عرض ہے کہ بشہادت قواعد علم مناظرہ مدعی کے خصم کے لئے بھی تو احتمالات ممکنہ خلاف دعوائے مدعی ہی کفایت کرتے ہیں۔ سو اس احتمال کے امکان میں اہل عقل تو کیا امکان ہے جو انکار کریں؟ اور ایسے ہی یہ بھی ظاہر ہے کہ بعد وقوع اس اجراء کے حضرت زہرا کا یہ فرمانا کہ مجھ کو رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا ہے، بجز عاریت اور کسی معنی پر محمول نہیں ہو سکتا۔ اور باوجود مملوک نہ ہونے کے پھر اتنا حکم بوجہ نازل اہل بیت و نیاز صدیق اکبر جو خصوصاً اس موقع میں کہ رعایت بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی ہو، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اور کہے کے بھروسے ہر صحابی خلفاء پر حکم کر لیتا تھا، چہ جائیکہ اہلبیت؟ اور ان میں سے بھی حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا اور وہ بھی حضرت صدیق اکبر پر، کہ نیاز مندرجہ خاص اہلبیت تھے، رضوان اللہ علیہم اجمعین،

حضرت عمر کا بوجہ قریب سجد حضرت عباس کے پرنا لے کا توڑ ڈانسا، اور ان کا یہ حکم کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ کا لگایا ہوا تھا تم نے کیوں توڑا؟ اور پھر حضرت عمر کا اس پرنا لے کو اپنے ہاتھ سے درست کرنا کتا بوں میں مذکور ہے لیکن۔ ع۔ ہر سخن دقت و نہکتہ مکالمے دارد بہ حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کا یہ حکم پر سر، لیکن حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بوجہ حدیث ہاتھ کا صدقہ جس کا ذکر قریب ہی انشاء اللہ تعالیٰ آتا ہے، مجبور تھے، اور پھر گواہوں کی تقریر سے بھی کچھ عقدہ کشائی نہ ہوئی، کوئی اشارہ کسی قسم کا حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کے پاس رہنے دینے پر گواہوں کی تقریر سے ظاہر نہ ہوا۔

مذکور کے لئے سیدہ کی | معجزہ گواہی بھی اپنی مقدار معین کو نہ تھی، اور اوپر شہادت شہادت بھی ناممکن تھی | دستور نبوی شرکت فقراء اور مساکین اور ابن سبیل کی جس قسم اور جس مرتبہ کی کہی جائے، اس مال میں ثابت، القصہ روایت متنازع فیہا، اگرچہ پاس خاطر شیعہ تم تسلیم ہی کریں! تو کوئی بات خلاف مذہب اہلسنت اور مناقض حدیث مشکوٰۃ اس روایت سے نہیں نکلتی، بلکہ الٰہی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تعریف نکلتی ہے، سو علمائے شیعہ اگر اس روایت کو موضوع سمجھیں تو فیہا۔ ورنہ اگر تسلیم کریں تو جمیع اجزاء تسلیم کریں۔

حضرت زید کے بارے میں | اور اگر یہ غدر نامعقول پیش کریں، کہ ہر چند یہ روایت صحیح دریدہ دینی اور اسکا جواب ہے۔ لیکن حضرت زید ہمارے عقیدہ کے موافق نعوذ باللہ منہا

کافر مرنے ہیں، کیونکہ امامت احق حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کا تھا کہ وہ امام وقت تھے۔ اور امام ہر زمانہ میں ایک ہی ہوتا ہے، پھر جو انہوں نے جہاد کیا تو معلوم ہوا کہ وہ اپنے آپ کو امام سمجھتے تھے اور جو شخص کہ امام نہ ہو اور بایں ہمہ دعویٰ امامت کا کرے تو وہ بعینہ ایسا ہی ہے، جیسا کوئی بنی نہ ہو اور پھر دعوائے نبوت کا کرے، سو جیسا وہ کافر ہے، بلکہ کافروں میں بھی اشتہار ایسا ہی یہ ہے۔ پھر ان کی بات کا اپنے مذہب کی تائید میں کیا اعتبار؟ ہاں ہمہ ہونا مذکورہ مخالف مذہب حضرت زید یعنی مذہب اہل سنت ہے البتہ مقبول ہوتا، لیکن اس کو توجیہ عاریت نے نہ چلنے دیا تو اس کا جواب قاضی نور اللہ صاحب، سنیتوں کی طرف سے آپ دے گئے ہیں، اس لئے ہم کو کیا ضرورت کہ حضرت زید کی بزرگی کے اثبات میں درد سراٹھائیں؟ ان کی روایت نقل کئے دیتا ہوں، کہ ان کا لکھا شیعوں کے نزدیک وحی آسمانی سے بھی زیادہ ہے، مثل نوشتہ تقدیر کوئی اس کو مٹا نہیں سکتا، قاضی نور اللہ صاحب مجالس المؤمنین میں فیصل بن یسار کے اقوال میں امالی شیخ ابن بابویہ نقل کر کے بروایت فیصل بن یسار ہی رسم فرماتے ہیں کہ ”گفت در محرابہ زید بن علی باطاغیان لشکر ہشام با و ہمراہ بودم، و چون بعد از شہادت زید بمکہ بنہ رفتم و بخدمت حضرت امام جعفر صادق رسیدم، آنحضرت از من پرسید کہ اے فیصل باغم من در قتال اہل شام حاضر بودی؟ گفتم بے، انجا کہ پرسید کہ چند کس را از ایشان کشتی؟ گفتم شش کس را فرمود مہار و تراشکے در استحلال خون ایشان باشند؟ گفتم اگر شکے دران میداشتم چرا ایشان را می کشتم؟ زنگاہ شنیدم

سے ترجمہ ازناشر فیصل نے کہا کہ زید بن علی کی لڑائی جو طاغیان ہشام کے ساتھ ہوئی تھی میں اس میں شریک تھا حضرت زید کی شہادت کے بعد جب مدینہ گیا اور حضرت امام جعفر صادق کی خدمت میں پہنچا تو آپ نے مجھ سے پوچھا کہ اہل شام کے ساتھ جو میسر چلائے قتال کیا تو اس میں حاضر تھا؟ میں نے عرض کیا جی ہاں۔ اس وقت آپ نے پوچھا کہ تو نے کتنے شامی قتل کئے؟ میں نے عرض کیا چھ آدمی۔ فرمایا کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ ہمیں ان کا خون حلال ہونے میں شبہ ہو؟ میں نے عرض کیا کہ اگر مجھے کوئی شک ہوتا تو میں ان کو قتل کیوں کرتا۔ اس وقت میں نے سنا کہ آنحضرت نے فرمایا: اہم

کہ آنحضرت گفت، آشکر کنی اللہ فی ثلاث الدماء واللہ زید عی ہو و افضا بہ شہدۃ، امثل ما مضی علی بنی بنی ابی طالب و افضا بہ انتہی لفظ فارسی کا ترجمہ تو اکثر جانتے ہی ہیں پر عربی کا ترجمہ لکھنا پڑا۔ وہ دیوں ہے، خدا تعالیٰ جو ان خونوں کے ثواب میں شریک کرے، واللہ حضرت زید میرے چچا اور ان کے اصحاب سب شہید ہیں، اور یہ سب قصہ ایسا ہی ہے۔ جیسا حضرت علی اور ان کے یاروں پر گذرنا فقط ”اب حضرت امام تالیق بحق امام جعفر صادق کی اس تمنا اور اس تشبیہ کو دیکھنا چاہیے! امام کے منہ سے جو لفظ نکلے تو سراسر صحیح ہے، سو اگر یہ تشبیہ صحیح ہو تو یہ معنی ہوں کہ حضرت زید کا حال حضرت امیر المؤمنین کے حال کے ہم پلہ تھا۔ تو اس صورت میں حضرت زید کا کافر ہونا تو غلط۔ البتہ زید اولیا اور عمدہ اقیاء میں سے ہوں گے۔ ورنہ شہید ہونا کجا؟ اور پھر حضرت امیر کے حال کا ان کے حال سے مماثل ہونا تو محال ہی ہو گا؟ یہ بات جب ہی ہو سکتی ہے کہ عقیدہ اور علما اور حالا حضرت زید متبع اور مطابق حضرت امیر کے ہوں فرق ہو تو مقدار ہی کا ہو۔ یعنی جیسے چھوٹی تصویر اپنے سے بڑے ذی تصویر کے ہر بات میں سوا مقدار کے مطابق ہے، حضرت زید بھی حضرت علی کے (سوائے عظمت اور زیادتی مراتب کے ہر بات میں مطابق ہوں، سو یہ فرق اور انکے میں بھی ہے حضرت امام باقر اور حضرت امام جعفر صادق وغیرہم بلکہ حسین رضی اللہ عنہم اجمعین درجہ میں کون سے حضرت علی کے برابر ہیں۔؟

ذکر کے بارہ میں حضرت زید کا قول ہی صحیح ہے ابہر حال حضرت زید کی بات باون قولہ باورقی کی ہوگی خصوصاً ایسی اختلافی بات کہ جس میں بے غور لب کشائی نہیں کی جاتی۔ کیونکہ سنی شیعہ دونوں کے قول کے موافق بالاتفاق اس خلاف میں ایک طرف جنت اور ایک طرف جہنم ہے، بالجملہ روایت متنازع فیہا بالیقین موضوع ہے، اور بایں ہمہ موضوعیت جو سنیتوں کی بعضی کتابوں میں پائی جاتی ہے تو اہل تو اس کا حال خوب مفصل معلوم ہو چکا دوسرے اس روایت کو بغیر فی الزام شیعہ بھی درج کرتے ہیں کہ جو روایت تہماری بنائی ہوئی اور تمہاری دستاویز اعتراض ہے، وہی روایت ہمارے مفید مطلب ہے

چنانچہ صواعق محرقہ میں حضرت ابو بکر صدیق کے فضائل ہی میں اس کو لکھا ہے۔ پر جو اہل کے سمجھن ہا رہیں۔ وہ الٹی ہی سمجھتے ہیں، اور بے سوچے سمجھے ایسے ایسے مواقع میں سے بھی لوگوں کے دھوکا دینے کو جیسا کہ مولوی صاحب نے کیا ہے (نقل کر دیتے ہیں چنانچہ مولوی عمار علی صاحب نے ایسا ہی کیا ہے۔ اور پھر ہرگز شرم و حیا و پاس کو بھی نہیں چھلتی۔

شیعہ قرآن و حدیث کے کسی اور اگر اس پر بھی علماء شیعہ اپنی ہٹ دھرمی سے باز نہ لفظ کے معنی متبادر اور نہیں لے سکتے آئیں! اور شرم کی آنکھیں بند کر کے یوں فرمانے لگیں کہ گو اعطاء بمعنی عاریت بھی آتا ہے لیکن تاہم متبادر معنی مہدی میں خصوصاً اس روایت میں، تو اس کا جواب اول تو یہ ہے کہ متبادر ہونا مبداء کا لفظ اعطی سے اس روایت میں مسلم، لیکن اول تو شیعہ ملفوظات ائمہ خصوصاً کلمات مرقفوی کے جو صحابہ کرام اور حضرت ابو بکر اور حضرت عمر کی مدت میں صادر ہوئے ہیں۔ اور ان میں سے کچھ اس سال میں بھی منقول ہوئے ہیں، معنی متبادر ہی لے کر شیعہ ہونے سے دست بردار ہوں، اور ایسے ہی آیات قرآنی جو صحابہ کی مدح میں وارد ہوئی ہیں، ان کو اپنے معنی متبادر ہی پر رکھ کر بدل و جان معقد ہو جائیں، اس وقت اگر ہم۔۔۔ سے اس قسم کی ذمہ داری کریں، تو فی الجملہ بجا بھی ہے۔ اگر وہاں وہ مان جائیں، تو خیر توں یہاں ہم مان جائیں، دوسرے اگر معنی متبادر ہی ہر کلام کے لئے جایا کریں تو پھر یہ فرق باریک فہمی وغیرہ سراسر لغو ہو جائے، اور اکثر خلط فہمیاں درست ہو جائیں کیونکہ بیشتر سبب غلط فہمی کا یہ متبادر ہم ہوتا ہے چنانچہ غلط ہے۔

اور اختلافات ائمہ اہلسنت اور ایسے ہی اختلافات باہمی مجتہدین شیعہ مبنی اس اصل پر ہیں، خاص کر اصولیوں اور اخباریوں کا اختلاف جو شیعوں میں باہم پیدا ہوا اس کی وجہ یہی ہے، کہ اخباریہ پر عمل کرتے ہیں۔ اور جو معنی متبادر ہوتے ہیں۔ اسی کو پیش نظر رکھتے ہیں، اور اصول اپنے عندیہ میں غور کر کے معنی مقصود شارح پر عمل کرنے ہیں، اور متبادر معانی ظاہر اخبار کا لحاظ نہیں کرتے، سو حضرت مولوی

عمار علی صاحب اگر اس روایت میں بوجہ متبادر معنی ہیں، ہم سے الجھے کو متبادر ہوتے ہیں، تو پہلے اپنے مذہب اہولیین سے دست بردار ہو کر اخباری بن جائیں۔ پھر ہم سے دوچار ہوں۔ اس وقت ہم بھی ناچار حکم کلّموا النّاس علی قدر عقولہم اس رد و کد سے دیکھا قائل کو ہر جگہ معنی متبادر ہی ملحوظ رکھنا چاہیے، جیسے عوام کا کام ہے؟ یا معنی محقق کی تحقیق ضروری ہے۔ جیسے محققین کا شیوہ ہے؟ اعراض کر کے دوسری طرح مولوی صاحب کے کان کھولیں گے۔

روایت فدک منقطع ہے! اعمی ہم نے تاکہ لفظ اعطاء کے معنی روایت متنازع فیہا میں یہی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فدک حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کو ہبہ ہی کر دیا تھا۔ لیکن مولوی عمار علی صاحب بلکہ تمام علماء شیعہ اس میں کیا ارشاد کریں گے کہ یہ روایت منقطع ہے، حضرت زید اس زمانہ میں کہاں تھے؟ جب حضرت فاطمہ زہرا زہرا رضی اللہ عنہا نے حضرت ابو بکر صدیق سے دعوئے ہبہ فدک کیا؟ یہ بات اگر بالفرض واقع میں وقوع میں آئی ہے، تو قریب وفات حضرت سرور کائنات علیہ وعلی آلہ افضل الصلوات والتسلیمات ظہور میں آئی ہے۔ بلکہ منقول بعد وفات ہی۔ چنانچہ سب جانتے ہیں۔ سو اس زمانہ کے وقائع کا مشاہدہ اور ان کی روایت اور شہادت بجز صحابہ اور کسی کا کام نہیں۔

الفدک حضرت زید کا یہ قول ایک قول بے سند ہے۔ کوئی بات بے سند متصل لائق اعتبار نہیں، ہاں اگر حضرت زید شیعوں کے امام ہوتے تو علم غیب کی وجہ سے سینوں کو نہیں، تو شیعوں ہی کے نزدیک ان کا قول حجت ہو جاتا؟ پر شیعوں کے نزدیک تو مومن بھی نہیں، چہ جائیکہ علم غیب اور امامت؟ ہاں منکر امامت امام وقت تھے جس سے دلی بھی کافر ہو جائے، اور سینوں کے نزدیک گو حضرت زید کا برا ویلایا میں سے ہوں۔ لیکن تاہم آدمی میں جب تک سند نہ ہو کیونکر معلوم ہو کہ انہوں نے جس سے یہ بات سنی ہے وہ معتبر ہے کہ نہیں؟ صحابہ کی ملاقات میں تو احتمال ہے، باقی رہے تابعین سو ان میں جھوٹے پکے نیک و بد سب طرح کے ہیں۔

اور اگر بالفرض کسی معترضی نے ان کی ملاقات ہوئی تو بھی کیا لازم ہے کہ وہ صحابی اس وقت حاضر ہی تھے؟ یا ان کو کسی دوسرے صحابی سے یہ بات سنی ہی تھی، اور پھر حضرت زید نے بھی انہیں سے سنا ہوا احتمال ہے کہ جس صحابی سے ان کی ملاقات ہوئی ہو۔ ان کو یہ بات معلوم نہ ہوئی ہو؟ اور اگر معلوم بھی ہو تو انہوں نے اسے سنا ہو بلکہ کسی تابعی سے سنا ہو؟ بلکہ زبان زد عوام ایک بات دیکھ کر اسی کے موافق نقل کر دیا ہو، یا بطور تسلیم قول معترضین یہ بات فرمائی ہو؟ ہر حال احتمالات چند در چند قاذر اعتبار روایت موجود ہیں، پھر بایں ہمہ احتمالات کوئی کیونکر اس روایت کو دربارہ دعویٰ مہ ذک قبول کرے۔

مشکوٰۃ کی روایت مرفوعہ متصل ہی خصوصاً در سورۃ نیکہ آیت اور روایت صحیح متصل بلکہ مرفوع اعنی روایت مشکوٰۃ اس کے مخالف موجود ہو مگر شاید کوئی کم فہم اس کے وقوع ہونے میں اس وجہ سے کلام کرے کہ روایت مشکوٰۃ میں بھی عمر بن عبدالعزیز سے جو تابعی ہیں ایک روایت بے سند منقول ہے کیونکہ وہ بھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں موجود نہ تھے۔ سو گو ہم کو بعد غیر معتبر ہو جانے روایت متنازع فیہا کے اس روایت کا غیر معتبر ہونا مضر نہیں لیکن تاہم بیاس خاطر شیعہ اس کسر کو بھی مٹائے دیتے ہیں۔ واضح رہے کہ یہ روایت مشکوٰۃ میں ہر چند حضرت عمر بن عبدالعزیز ہی کا قول ہے لیکن اس قول کو مغیرہ بن شعبہ جو صحابی ہیں نقل کرتے ہیں۔ اور صحابی کا ایسی بات کو بیان کرنا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے یا فرمایا ہے حکماً مرفوع ہی چنانچہ واقفان اصول حدیث جانتے ہیں۔

معہذا قرینہ عقلیہ بھی اس بات کو تقاضا کرتا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کا یہ فرمانا صحیح ہو۔ کیونکہ اس قول کو حجت نہ لینے فدک کی اقرار دیتے ہیں، کوئی بات مفید مطلب اس سے ثابت نہیں کرتے، اور نہ لینے کے لئے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو فدک کا نہ دینا حجت ہو سکتا ہے، اس سے بڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ کر دینا ہو سکتا ہے۔ سو اگر یہ قضیہ ان کے نزدیک صحیح نہ ہوتا۔ بلکہ الشاہدہ کا

کرنا صحیح ہوتا تو ان کو کیا ضرورت بھی کہ نقصان دنیاویوں کرتے کہ فدک کو دے دیا، اور نقصان دین یوں کرتے کہ جھوٹ بولا۔ اور جھوٹ بھی کس پر؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جس کی سزا میں جہنمی ہونے کا وعدہ ہے، اور وعدہ بھی متواتر کیوں کہ حدیث من کذب علی متعمداً اقلیٰ تمیواً متعمداً لا من الذلّٰت جس کا ترجمہ یہ ہے جو شخص جان بوجھ کر مہم کے ذمہ کوئی جھوٹی بات لگا دے۔ وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں کر لے۔ بالاتفاق محدثین کے نزدیک متواتر ہے، بلکہ متواتر باللفظ اگر ہے تو یہی ہو ہر حال اگر روایت حضرت زید بن علی بن الحسین رضوان اللہ علیہم اجمعین کو ہم موضوع نہ کہیں، اور چشم پوشی کر کے یوں تسلیم ہی کر لیں، کہ واقعی یہ بات حضرت زید ہی کی فرمائی ہوئی ہے۔ تب اس کے آگے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک مٹ گیا ہے۔

ذک تادم اختام الانیاء کے تصرف میں تھا | معہذا جیسے علامات صحت روایت مشکوٰۃ ظاہر ہیں، چنانچہ مذکور ہو چکا، ایسے ہی روایت متنازعہ فیہا کے علاوہ بے سند ہونے کے امالات کذب بھی ظاہر دبا ہر ہیں۔ کیونکہ باتفاق مؤرخین ذک تادم باز ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے قبض و تصرف میں تھا۔ اور بے قبض ہر موجب ملک مویوب نہ نہیں ہوتا۔ واجب ہی کی ملک میں رہتا ہے۔ اور ملک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حال خود حضرت ابو بکر صدیق کو معلوم تھا کہ بعد وفات وقف ہو جاتی ہے، پھر خود بارہ ہبہ گواہ طلب کئے، تو یوں کیسے، ابو بکر صدیق کی دنیا کی ہوشیاری اور ان مسائل کی واقف کاری کے کہ جو امور دنیا میں مفید پڑیں شیعہ بھی معتقد ہیں۔ جب نہ دنیا ہی ٹھیرا تو ایسی مشکل راہ کیوں چلے جس میں اندیشہ ہار جانے کا ہو؟

کیونکہ اگر گواہ اپنی مقدار معین کو پہنچ جاتے تو پھر یہ عذر بھی بے جا تھا کہ ہبہ بے قبض تمام نہیں ہوتا، ہر کوئی یوں جانتا کہ سارے نہ دینے کے بہانے ہیں۔ اگر یہ عذر قابل سماعت تھا تو پہلے ہی کیوں نہ پیش کیا اور گواہوں کے طلب کرنے کو

میں نے یہ سب کچھ سنا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص میری بات کو سنا اور اسے عمل میں لایا وہ میرا ہوتا ہے۔
 ہونا کہ کیونکہ حکم خداوندی ہی کے موافق عمل کیا ہے، کوئی قاعدہ نہیں کھڑا کیا، باقی میں
 جو کچھ تقریر و زبانہ طلب گواران لکھی ہے، اگر اس کو شیعہ تسلیم کریں تو چشم مار و شن
 دل ما شاد، ورنہ ان کی کوتاہ فہمی سے امید تو یہ نہیں۔

اگر ذک و رخصت تھا تو شخص واحد علاوہ بیس جب بالا جماع یہ بات مقرر ہوئی کہ فدک
 کا قبضہ بقیہ وزراء پر مسلم تھا۔ تادم آخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے قبضہ میں
 رہا، تو باتفاق شیعہ و سنی اگر آپ نے یہ کیا بھی، تب بھی حضرت فاطمہ کی ملک میں
 نہ آیا پس حضرت فاطمہ جوشیعوں کے نزدیک معصوم اور ہمارے نزدیک محفوظ ہیں نہیں
 ایسا غلط دعوے کرتے ہیں جس میں بہر حال حق تلفی خلاقی ہے؟ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ
 وسلم کے ترکہ میں میراث جاری ہوتی ہے تو وارثوں کی حق تلفی ظاہر ہے، ورنہ فقرا اور
 مساکین کی حق تلفی، یہ بھی نہ سہی بلکہ آپ کا ترکہ وقف ٹھہرا خلیفہ کو اختیار ہے جسے
 چاہے دیدے۔ پس اگر حضرت فاطمہ کے پاس آگیا تو اور بھی اچھا ہے، لیکن اس طرح
 فن و فریب سے لینا فریب بازوں اور دنیا سازوں کا کام ہے

بہر حال علامات صدق روایت مشکوٰۃ اور امارت کذب روایت متنازع
 فیہا اہل فہم کے نزدیک تو ایسی روشن ہیں، جیسے اہل نظر کے سامنے آفتاب یوں مولوی
 عمار علی صاحب یا ان کے آوران و امثال اگر نہ سمجھیں تو پھر میں کوئی یوں نہ کہے کہ یہ کیا
 کہتا ہے، ان کے حسب حال پھر یہ شعر پڑھا جائے گا۔

گر نہ بیند روز شیر چشم چشمہ آفتاب را چہ گناہ

غرض روایت مشکوٰۃ کی وہ روایت ہم پلہ نہیں ہو سکتی جو اس کو چھوڑ کر اس
 روایت پر یقین کریں۔ بلکہ موافق قواعد مرقومہ بالا کے لازم ہے کہ سبب تعارض روایت
 مشکوٰۃ کے (کہ وہ درحقیقت روایت ابو داؤد ہے جو صحاح ستہ میں سے ہے اور صحاح ستہ
 کی روایات کی صحت اور قوت کو یہی بہت ہے کہ ان کا نام صحاح ہے) اس روایت کو
 جو حضرت زید کے نام لگا رکھی ہے، رد کریں۔

دعویٰ ہے بغیر قبضہ مسلم اور ملنا کہ روایت بھی صحیح اور حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا
 نہیں، علامہ علی کا فرمان کا ہے کہ دعویٰ کرنا بھی درست لیکن اتنی بات سنی و شیعہ کے
 نزدیک بالاتفاق مسلم ہے کہ یہ بے قبضہ تمام نہیں ہوتا، تاوقتیکہ قبضہ و تصرف
 واجب کا رہے گا، اسی کی ملک بھی رہے گی، چنانچہ ارشاد علامہ علی میں مطلب اول
 مقصد دعویٰ میں مرقوم ہے فَلَا تَسْتَمُّ دَعْوَى الْهَبَةِ حَتَّى دَعَى عَنْ دَعْوَى الْقَبْضِ
 یعنی نہ سنا جائے گا دعویٰ یہ بے قبضہ کے، اور ذک بالا جماع تادم واپس
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے قبضہ میں تھا، آپ حین حیات تک فدک میں
 تصرف مالکانہ کرتے رہے۔ حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کا دخل آپ کی زندگی میں نہیں
 ہوئے پایا، اس بات میں سورعین طرفین، بلکہ محدثین فریقین متفق ہیں۔ مورعین
 کے اخبار کے لکھنے کی اول تو اس وجہ سے حاجت نہیں کہ کتب تواریخ پر سر کسی کو
 عبور میسر آ سکتا ہے، پر علم حدیث تک نوبت کسی کسی کی پہنچتی ہے۔ اکثر لوگوں کو
 مضامین احادیث کی اطلاع نہیں ہوتی۔ دوم تواریخ کی بات اعتبار میں احادیث
 کے ہم پلہ نہیں ہو سکتی۔

دعویٰ ہے فدک کے بطلان پر اس لئے طرفین کی روایات احادیث ہی کی طرف اشارہ
 احادیث طرفین سے استدلال کئے جاتا ہوں۔ پہلے تو یہ وقف ہونے کے معنی میں ہی
 نہیں تراشے، سنیوں کی روایت لیجئے، اول تو وہی روایت مشکوٰۃ جو مرقوم ہو چکی اس
 بات پر تبصرح شاہد ہے۔ دوسرے مشکوٰۃ ہی میں ابو داؤد کی حدیث بروایت مالک
 بن اوس بن الحد ثمان مرقوم ہے جس میں اس بات کا بیان ہے کہ حضرت عمر نے
 اس بات کے استدلال میں کہ مال فیس قابل تقسیم نہیں کچھ ایسا بیان کیا کہ رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تین چیزیں جدا جدا مصرف کے لئے وقف رکھیں تھیں۔
 بنو النضیر خیمہ فدک، سو فدک کے مصرف کے بیان میں فرماتے ہیں، وَأَمَّا فِدَاكُ
 فَكَانَتْ حَقًّا لِأَبْنَاءِ النَّبِيِّ یعنی فدک مسافروں کی خدمت گزاری کے لئے وقف ہے
 اب حکیم قواعد مناظرہ تو ہمیں اپنی ہی کتابوں کا حوالہ بہت ہے، کیونکہ ورد و اعتراض کے

لئے ضروری ہے کہ ایسی بات ہو، کہ جس پر وہ اعتراض ہو، اس کے مسلمات اور مانی ہوئی باتوں کے خلاف ہو۔ اور در صورتیکہ اس کے مسلمات کے خلاف نہ ہو تو اعتراض اعتراض ہی نہیں، سو در صورتیکہ ہم نے اپنی کتابوں سے یہ ثابت کر دیا کہ فک تادم باز پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے قبضہ میں رہا اور پھر کتاب بھی ایسی معتبرہ کہ حجت، مجاہد صحاح ستہ ہے، تو پھر اندوہے دعوے ہبہ اعتراض ہی لغو ہو گیا۔ کیوں کہ ہبہ بالاتفاق طرفین بے قبض موجب ملک ہی نہیں۔

لیکن معترض کا سکوت اور ہے، اور الحینان کچھ اور آئی بات سے شیعہ ساکت ہو جائیں گے۔ لیکن بجائے خود سنیوں کی بات سے ان کا دل مطمئن نہیں ہو سکتا۔ اس لئے گزارش دیگر ہے، مجاہد السالکین جو کتاب معتبرہ امامیہ ہے، اور نیز دیگر کتب معتبرہ امامیہ میں روایت ہے جس کا اس جگہ فقط مضمون ہی لکھ دیتا ہوں عبارت بعینہا انشاء اللہ آئندہ مرقوم ہوگی۔ اس کا مضمون یہ ہے

”جب ابو بکر صدیق نے دیکھا کہ حضرت فاطمہؓ ان سے کھینچنے لگی۔ اور ملنا ملنا چھوڑ دیا، اور پھر فک کے مقدمہ میں کچھ نہ بولیں تو یہ بات انہیں بڑی دشوار معلوم ہوئی۔ اس لئے یوں چاہا کہ انہیں راضی کیجئے، سوالی کے پاس جا کے عرض کیا کہ اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ما جزا دی آپ کا دعوے پہلے پر کیا کروں، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ تمہارے خرچ کے موافق ہمیں دیکر اور عاملوں کی مزدوری دے کر جو کچھ بچتا تھا، اسے فقراء اور مساکین اور ابن سبیل میں تقسیم فرما دیا کرتے تھے، انہوں نے فرمایا تو اچھا اسی طرح کرتے رہو۔ جس طرح میرے باپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے تھے، حضرت ابو بکر صدیق نے عرض کی، کہ لو میں قسم کھاتا ہوں کہ جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے تھے، ویسے ہی کئے جاؤں گا، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کیا تم بھی کھاتے ہو کہ اس طرح ہی کرو گے؟ آپ نے مکر عرض کی کہ قسم خدا کی میں اسی طرح کروں گا، اس پر حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا نے یوں فرمایا کہ خدایا تو گواہ رہ، سو اس بات پر راضی ہو گئیں اور عہد لے لیا، اور حضرت ابو بکر صدیق ان کا خرچ

دے کے باقی کو فقراء اور مساکین اور ابن سبیل کو دیدیا کریں تھے فقط۔
سنئے کہ حضرت ابو بکر صدیق کا یہ غدر کرنا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح کرتے ہوئے دیکھا ہے، اس لئے آپ کے حوالہ کرنے میں مغذور ہوں، اور پھر حضرت فاطمہ کا اس میں کچھ انکار نہ کرنا، بلکہ یوں فرمانا کہ اچھا ابو بکر کئے جاؤ، اور پھر اس پر خوشی سے راضی ہو جانا، صاف اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ تادم باز پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا قبض و تصرف تھا، حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کا قبضہ نہیں ہوا تھا۔

پس حضرت ابو بکر صدیق نے حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے دعوے ہبہ میں تخریب نہیں کی، تصدیق ہی کی، لیکن قانون شرعی کے موافق عمل کیا، تاکہ آپ ناحق دینے کے وبال سے، اور حضرت فاطمہ ناحق لینے کے عذاب و سزا سے محفوظ رہیں، اور انہیں ہم جو گواہ طلب کئے، تو اسی لئے طلب کئے، ہوں کہ اگر گواہوں سے یہ بات ثابت ہو جائے کہ واقعی فک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کو ہبہ کر دیا تو گو سبب عدم قبض کے اب تک ان کی ملک میں نہیں آیا۔ لیکن پھر اولے ہی ہے، کہ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے حوالہ کیا جائے، پر اس کو کیا کیجئے کہ شہادت اپنے نصاب کو نہ پہنچی، اور محمد دعوے حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا جو ان کے حوالہ نہ کیا تو اسکی وجہ انشاء اللہ آگے مذکور کی جائے گی، امیدوار باید بود۔

مگر شاید کسی شیعہ مذہب کو یہ غیجان ہو کہ ابو بکر صدیق کی یہ احتیاط کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہبہ میں بھی (اور ہبہ بھی حضرت فاطمہ کے لئے) وہی شرط قبض و تصرف ملحوظ رہی، یکھ دل کو نہیں لگتی، بلکہ از قبیل دغا و فریب معلوم ہوتی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تو اشارہ بھی کافی تھا، آپ کا اشارہ اور اوروں کا نفل تام بھی برابر نہیں ہو سکتا، سو اس دہم کو خدایا دل سے کھوئے تو کھوئے، یہ اسی قسم کا دہم ہے جو جنود اور یہود اور نصاریٰ اور مجوس کے دل میں بہ نسبت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور خوارج کو بہ نسبت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کھٹکتا ہے، ان مردودوں کو

بھی ہی گمان ہے کہ یہ دعویٰ رسالت اور امامت جو ان دونوں صاحبوں پر منقول ہے۔ ایک دنیا طلبی کا ڈھنگ تھا، کچھ دل کو نہیں گنتا۔ بلکہ از قبیل دغا و فریب معلوم ہوتا ہے۔ ع۔ بدگمان و ہم کی دارو نہیں لقمان کے پاس۔

دوست! اہل عقل اور اہل انصاف سے بات کہیے ہر کسی کا دل شاد ہوتا ہے، ہر جاہل نادان نا انصاف دریدہ دہان دراز زبان سے بات کہہ کے بجز اس کے کہ اپنا مغر خالی ہو، اور کچھ حاصل نہیں ہوتا، ان کا علاج تو ذرہ ہے، یہاں حدیث و قرآن اور دلائل عقلیہ کا بیان نہیں چلتا، پیروں سمجھ کر کہ جہاں چار نادان ہوتے ہیں وہاں ایک عاقل بھی ہوتا ہے۔ مولوی صاحب سے امید فہم نہیں تو کیا سارے علماء شیعہ ایک ہی سانچے کے ڈھلے ہوئے ہیں؟ اپنا مافی الضمیر عرض کرتا ہوں۔

مسئلہ شہادت اور شاہدین کی جناب من اگر یہ مابرا اور یہ سرگزشت بلام و کاست اس تعداد پر معقنا بحث۔

محال حضرت ابو بکر صدیق نے گواہ طلب کئے ہی، تو اولیٰ تو اس کی وجہ کہ کیوں گواہ طلب کئے؟ مذکور بھی ہوئی ہے۔ دوم انشاء اللہ اور وجہ بھی معلوم ہو جائے گی، لیکن در صورتیکہ یہ مقدمہ کسی وجہ سے ہو۔ گواہ طلب کرنے کے قابل ہو، تو بلا شبہ پھر گواہ گواہوں ہی کی طرح چاہیے۔ نہیں تو مفت کا درد سہ تھا۔ سو علماء شیعہ ہی فرمادیں کہ گواہوں کی کیا مقدار کلام اللہ میں بیان فرمائی ہے؟ اور اس میں پھر کسی کی کچھ تخصیص بھی ہے کہ فلاں قسم کے آدمی ہوں؟ تو پھر کچھ اس عدد اور اس کیفیت کی ضرورت نہیں، معہذا صدق نیت حضرت ابو بکر صدیق پر یہ بات گواہ ہے۔ کہ ان کی خلافت میں جو حضرت عثمان نے ان سے یہ بات کہی، کہ میں نے مرض و فوات میں سرور کائنات علیہ افضل الصلوات و اکمل التیمات حکم کے بلوائین کی اجازت لے لی ہے، تو انہوں نے ان سے بھی گواہ طلب کیا۔ اگر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو معاذ اللہ کچھ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا سے بزم شیعہ کا دش بھی تھی تو حضرت عثمان سے تو بزم شیعہ و سنی محبت اور موافقت اور دوستی ہی تھی، پھر کچھ

دینا بھی نہیں پڑتا تھا۔ شیعہ مذہب دیکھتے جو فقیہ کا احتمال ہو، پھر جو حضرت عثمان سے انھوں نے گواہ طلب کئے تو کیوں کئے؟ یہ باتیں کمال دیانت اور استقامت پر دلالت کرتی ہیں۔

لیکن شیعہ اپنی عداوت سے ناچار ہیں۔ کینہ بیجانے ان کا قلب تیرہ و تار کر دیا ہے، حق و باطل کی تمیز نہیں رہی، اچھی باتوں کو برا اور بری باتوں کو اچھا سمجھتے ہیں۔ سو اس کا جواب تو ہماری طرف سے چھ سو برس پہلے شیخ سعیدی کہہ گئے ہیں۔

سے چشم ہداندیش کہ برکنہ باد عیب نماید ہنرش در نظر باقی یوں کہنا کہ گواہ ثبوت دعویٰ کے لئے ہوتے ہیں۔ اور جب مدعی کی طرف سے خاطر جمع ہو کہ یہ جھوٹ نہیں بولتا، تو پھر کیا ضرورت ہے کہ گواہ طلب کیے جائیں، تو اس کی جواب دہی خدا کے ذمہ ہے۔ کیونکہ خدا ہی نے علی الاطلاق یہ حکم دیدیا ہے کہ بڑوں کو گواہ اعتبار نہ کیا کر دو، یہ قانون سینوں نے نہیں گھڑا، بہر حال خداوند کریم نے اہل بیت یا اصحاب یا کسی ولی یا صالح کا استثنا نہیں کیا۔ سینوں کو تو خدا کے اتباع سے کام ہی شیعہ بھی اگر اتباع خداوندی کریں تو فیما بین انہیں کھائیں۔

اگر یہ بات نہ ہوتی تو سنی یہ حکم کا ہے کو مانتے کہ اگر کوئی شخص چاند دیکھے اور اس کی گواہی بسبب تہنائی یا اتہام فسق و فجور تراضی قبول نہ کرے تو لازم ہے کہ وہ سب کے شریک حال ہے۔ اور روزہ رکھے، یا اگر دو غبار میں محاق کے دو روز کے اعتبار سے اگر کبھی انیسویں کا چاند ہوتا تو انیسویں کو افطار کر لیا کرتے۔ علیٰ ہذا القیاس صلیٰ اور علما یا صالحات عورتوں کی گواہی میں یہ قید لغو ہو جاتی بلکہ جن کفار کا صدق مقال تجربہ معلوم ہو جاتا ہے۔ اور بہت سے نام کے مسلمانوں سے زیادہ سچے نکلتے ہیں ان کا کہنا خواہ ایک ہو یا زیادہ قبول ہوا کرتا، بالحد اس بات میں اپنے اطمینان کا اعتبار نہیں، پابندی قوانین مدنیہ نظر ہے، تاکہ امتحان عبودیت اور خود مختاری ہو جائے۔

ہاں حکمت اور مصلحت اس قانون میں البتہ یہی ہے کہ ثبوت حق ہو جایا اگر

اگر رائے پر حکام وقت کے چھوڑ جائے، تو اول تو اندیشہ رکھو رعایت، دوسرے ہر کسی کو یہ دعویٰ ہو سکتا ہے کہ میری بات قابل اطمینان ہے پس جس صلح اور انتظام کے لئے حکام مقرر کئے جاتے ہیں، وہ صلح اور انتظام تو درکنار البتہ فساد اور جنگ و جدال کی توقع ہے۔ اس لئے قانون کی مقرر کردہ جاس میں اکثر مصلحت مذکور پائی جائے، سو برخلاف اس کے اگر کسی صورت میں کبھی مصلحت مذکور نہ بھی پائی جائے گی تو اس کا اعتبار نہ ہوگا۔

الفرض یہ وہم کہ حضرت فاطمہ کے صدق تعالٰی کے بالاتفاق شیعہ و سنی قائل ہیں۔ پھر کیا ضرورت ہوئی کہ گواہ طلب کئے گئے؟ اس مطالبہ کو ابان سے حضرت فاطمہ کی طرف سے بدگمانی پھلتی ہے یا نادھندی کی بوائی ہے، بسبب کوتاہی کے پیدا ہوتا ہے۔ یہاں ہم والوں سے کلام ہے۔ نادانوں سے کام نہیں۔

سید قضا بطر شہادت کی معینا سب جانتے ہیں کہ مدار بزرگی اطاعت خداوندی پر بہت زیادہ پابند ہوں گی ہے چنانچہ کلام اللہ میں خود فرماتے ہیں اَنْ اَمَرَ مَكَّةَ عِنْدَ اللّٰهِ اَفْهَقَكُمْ یعنی بیشک اللہ کے نزدیک زیادہ تعظیم مکرم اسی کی ہے جو زیادہ پرستگار ہو، تو اس صورت میں لازم پڑا کہ ان قوانین کی رعایت حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کو زیادہ تر ہو اور جو ان قوانین کی رعایت کرے وہ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کو زیادہ محبوب اور اسی آپ کے دل میں زیادہ جگہ ہو۔ سو حضرت ابو بکر صدیق کا گواہوں کا طلب کرنا بقرآن آیت مذکورہ موجب ناشاطہ خاطر مبارک حضرت زہرا رضی اللہ عنہا ہوا جو کچھ بعد معلوم کرشیو کیوں لڑے مرتے ہیں۔ یہ وہی مثل جو کہ مدعی اور مدعا علیہ تو راضی ہو گئے، پر تباہی جی راضی نہیں ہوتے۔

اور اس تقریر سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ گواہوں کا جھوٹا جاننا کچھ اور ہے اور ان کی گواہی کے موافق حکم نہ دینا کچھ اور ہے؟ جب تک کہ شہادت اپنی مقدار کو نہ پہنچے، یعنی دو مرد عاقل بالغ یا ایک مرد اور دو عورتیں باہین صفت موصوف نہ ہوں تب تک حاکم کو جاز نہیں، کہ ان کے کہے کے موافق مدعی کی ڈگری کر دے۔ اگرچہ کہے ہی معتبر کیوں نہ ہوں۔ اور ان کے کہنے سے کتنی ہی تسلی کیوں نہ ہو جائے

سو اس حکم نہ دینے اور ڈگری نہ کرنے کو کوئی نادان ہی یوں سمجھے تو سمجھے کہ گواہوں کی تکذیب کی، ہاں در صورتیکہ دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں ایک مقدمہ میں موافق مدعی کے متفق اللفظ ایک بات کہیں، تو پھر بجز عدم اعتبار گواہان کے کوئی صورت ڈگری نہ کرنے اور مدعا علیہ سے قسم لینے اور مدعی کے دعوے کے نہ سننے کی نہیں۔ سوشیوں کے کہے موافق اگر اس روایت کو ہم تسلیم بھی کر لیں تب ظاہر ہے کہ حضرت علی اور حضرت ام ایمن کی گواہی نصاب مذکور کو ہمیں پہنچے بلکہ حضرت حسنین کی گواہی مل کر بھی دجیا کہ جناب دروغ مآب مروی عمار علی صاحب پتھر لگاتے ہیں، مقدار مذکور اور حد مستور کو ہمیں پہنچتی کیونکہ دونوں صاحبزادے اس زمانہ تک نابالغ تھے۔

سو اس گواہی کے موافق حکم نہ کرنے میں یہ ثوابت نہیں ہوتا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کو اور ان کے گواہوں یعنی حضرت علی اور حضرت ام ایمن اور حسنین کو جھوٹا جانا، ہاں ان کی استقامت، شریعت اور سنت پر ثابت ہوتی ہے۔ لیکن نقصان ہم کا کچھ علاج نہیں، یہ تو فون کی اصلاح انبیاء سے بھی نہیں ہوتی، ہم تو کس شمار میں ہیں۔ شاید اس کا یہ ہے کہ امام غزالی کی بعض کتابوں میں کچھ ایسا لکھا ہے کہ ایک بار حضرت علی علیہ السلام کو مسبار کی طرف بھاگے جاتے تھے کسی نے عرض کی آپ ایسے اتقان خیزان اس طرف کیوں جاتے ہیں، آپ نے فرمایا کہ ایک نادان آتا ہے، اس نے عرض کی کہ پھر آپ کو کیا اندیشہ؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ یہ تو فون کا کچھ علاج نہیں وہ کسی کے فیض صحبت یا برکت نصیحت سے زائل نہیں ہوتی، اے اسی کا اثر پڑ جائے تو پڑ جائے فقط، اور کسی نے سچ کہا ہے کہ

لِكُلِّ دَاءٍ دَوَاءٌ يُسْتَشْفَى بِهِ إِلَّا الْحَقَاقَةَ دَاءَ كَادَ وَالْهَمَّ

یعنی ہر بیماری کا کچھ نہ کچھ علاج ہے جس سے اس کے زائل ہونے کی تدبیر کی جاتی ہے پر حقائق ایسی بیماری ہے کہ اس کا کچھ علاج ہی نہیں۔

سچ اجرت کی رعایت کے مطابق حضرت اور اگر بایں ہمہ بیان واضح فتویٰ دل کی کجبت صدیق نے فدک سیدہ کو دے دیا تھا۔ نہ کھلے، اور حضرت صدیق جیسے صادق کی طرف

گمان فاسد ہی ہے، تو لیجئے اب تو زبان کو لگام دیجئے اور اپنا کام کیجئے، یہ روایت کتاب منہج الکرامت میں جو شیخ ابن مطہر علی کی تصنیف ہے موجود ہے۔ انہوں نے سنیوں کی طرف سے جواب شافی و کافی لکھ رکھا ہے۔ القصد اہل سنت کو تحقیف تصدیق ہوئی اور انھیں کی لاپٹی انہیں کامر۔

وَكُفِيَ اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ الْقِتَالَ وَكَانَ اللَّهُ فَوْبًا عَزِيزًا وَهَـذِهِ رِوَايَتُ يَہِہ لَسَاوَعَطَتْ فَاظْطَدَّ أَبَابَكَ فِي فِدْكَ لَتَبْ لَهَا كِتَابًا وَرَدَّ كَا عَلَیْہَا یعنی جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابو بکر صدیق کو دربارہ فدک وعظور پسند کیا۔ تو ابو بکر صدیق نے فدک کی جاگیر کا کاغذ حضرت فاطمہ کے نام لکھ کر فدک انہیں کو ہٹا دیا فقط در صورتیکہ یہ روایت صحیح شیعوں کی ایسی معتبر کتاب میں جس کا نام بیع الکرامت اور پھر تصنیف ایسے علامہ کی جس کا نام ابن مطہر علی ہو پائی جائے تو پھر سنیوں سے کیوں الجھتے پھرتے ہیں؟ اس روایت کے قریب جاسیے اس روایت نے تو شیعوں کو تین پانچ کے قابل نہیں رکھا۔ اب تک مولوی صاحب نے ہبہ و میراث ہی کا دعوے کیا تھا۔

وصیت یا بیع یا کسی عمل کی اجرت کا احتمال باقی ہے۔ سو ہماری طرف سے اس کی بھی اجازت ہے کہ لکھتے ہاتھ ان وجوہ سے بھی طعن کریں کہ نہ جھوٹے سنیوں کا کچھ لکھا نہ کریں، اول تو ان کو یہ روایت مل گئی ہے، دوسرے ان کی پشتی پر خدا ہی جہاں اس روایت کا پتہ لگایا، آگے بھی وہ کام چلا دے گا۔

اب سننے کی بات ہے کہ مولوی صاحب ہر بات میں اپنی کتابوں سے جھوٹے جوتے جاتے ہیں، اور سنیوں کی کتابوں سے مات کھاتے جاتے ہیں، یہاں تک تو ناظرین کو معلوم ہی ہو گیا، اور آگے اور انشاء اللہ معلوم ہو جائے گا۔ سو سخیانے گزشتہ کے دروغ بولنے سے علاوہ اب جس بات کا جملہ نامہ نظر ہے۔ وہ یہ ہے کہ اول تو مولوی صاحب کا یہ طوفان دیکھئے کہ حضرت علی اور ام ایمن کی گواہی کا بیان لکھتے لکھتے یہ جولاہیوں پر آئے کہ حضرت

حنین کو بھی ساتھ ساتھ لیا۔ یہ نہ مضماع کے الزام خصم کے لئے ضرور ہے کہ وہ ہاتھ لکھے جو اس کے نزدیک بھی مسلم ہو۔ سو مسلم ہونا تو معلوم ہے؟ جو روایت کہ سنیوں کے نام لگا رکھی ہے حضرت حنین کا نام تو اس میں بھی نہیں۔ اور اگر اپنے بہتالوں اور اپنے کتب خانوں کے بھروسے سنیوں کو الزام دیتے ہیں تو یہ الزام تو مثل فوارہ انہیں کے سر پر پڑے گا۔ ورنہ تو پھر ہر بات ہر شخص سے ہارینگے۔

حضرت عمرؓ پر عمار علی کا بہتان | دوسرے مولوی صاحب کا یوں رقم فرمنا کہ ابو بکر صدیق نے تو جاگیر نامہ حضرت زہرا کے نام لکھ دیا تھا، یہ حضرت عمرؓ نے پھاڑ ڈالا، مولوی صاحب نے کیا سمجھ کر لکھا ہے؟ یا بے سمجھی لڑنے کو دوڑتے ہیں، سنیوں کی کتابوں سے اگر لکھتے ہیں تو سنیوں کی کتابوں میں تو اس بات کا پتہ بھی نہیں۔ اور اگر اپنی کتابوں کے بھروسے پر زبان درازیاں ہیں تو اس کا اول تو یہ جواب ہے کہ در جواب جاہلان یا شدتوشی۔ بھان لہا ایسا منظرہ کسی نے نہ سنا ہوگا کہ اپنی کتابوں کے کپ۔ بلکہ اپنے خوابوں کے بھروسے دوسروں کو الزام کا ارادہ رکھیں، دوسرے منہج الکرامت کو سنی سنیوں کی کتاب، اور شیخ ابن مطہر علی کون سے سنی؟ یا حضرت عمرؓ اور حضرت ابو بکرؓ کی خلا کے بیٹے تھے؟ جولاہا جملہ زائدہ یعنی پھاڑ ڈالنے کا قصہ ہضم کر گئے؟

مولوی صاحب تو نے ہی مفری ہیں شیخ ابن مطہر علی ان کے بھی پیشوا اور اُستاد ہیں، اور متقدمین سابقین میں سے ہیں جو بات مولوی صاحب میں ماشہ بھر ہوگی۔ وہ ان میں من بھر کھینچی جاسیے، اگر اس بات کا جھوٹا سچا کچھ بھی پتہ ہوتا تو وہ تو سوئی کو بھلا لاکر دکھاتے، ہاں مجھ سے غلطی ہوئی بہت سے شاگرد رشید استاد سے بڑھ جاتے ہیں، شیخ مطہر علی میں ایک بڑا قصور رہ گیا تھا۔ وہ مایہ عقل تو رکھتے تھے، پر چشم بد دور مولوی صاحب اس تصور سے بھی مترا ہیں۔

حضرت صدیق کے حضرت جابر کو نبی | اب مولوی صاحب کی یہ شکایت باقی رہی کہ ابو بکر صدیق شہادت کے صل دینے کے وجوہ نے حضرت جابرؓ کی بات تو بے گواہوں کے مان لی، پر ستم تو یہ ہے کہ حضرت فاطمہ زہرا کی بات باوجود ایسے معتبر گواہوں کے بھی نہ مانی، سو اس کا

اٹل جواب تو یہی ہے کہ یہ روایت اگر سنیوں کی کتابوں میں ہوتی تو البتہ اس شریعت کا کم فہموں کے نزدیک محل اور موقع تھا ہو اس روایت کا سنیوں کی کتابوں میں ہونا نہ ہونا اور اس کا موضوع ہونا نہ ہونا دیکھنے والوں پر انشاء اللہ بخوبی واضح ہو جائے گا۔ اور بے اسکے کہ سنیوں کی کتابوں میں یہ روایت پائی جائے یہ شکایت کرنی اپنی فہم و فراست کی خوبی بیان کرنی ہے۔

اگر یہی الزام ہوا تو کل کو سنی پندتوں کی پوچھیوں اور سکھوں کی گرتھ اور یہود و نصاریٰ کی تورات و انجیل محرف کے لکھے ہوئے سے ملزم ہو جائیں گے؟ اور ان کتابوں کی باتیں مان جائیں گے، اور شیعوں کو تو ہم کچھ نہیں کہہ سکتے کیونکہ ان کا سب طرف لکھا ہے۔ مندرجہ بالا سب کچھ نہیں لکھا ہے، اور یہود و نصاریٰ کے ہم مذہب ہو جاتے ہیں تو انہیں کچھ زیاں نہیں، اگر اندیشہ تطویل نہ ہوتا۔ تو بتلا دیتا کہ شیعوں کو ان سب کے ساتھ ایسی نسبت ہے، جیسے حیوان مشہور مسمیٰ بہ اشتراک و پلنگ کو اونٹ اور بیل اور چیتے سب کے ساتھ نسبت مشابہت ہے۔

اور سنا کہ یہ روایت سنیوں کی ان کتابوں میں جن کا حوالہ مولوی صاحب دیتے ہیں کسی ایک دو نسخہ میں ہے بھی؟ تو اول تو وہ کتابیں غیر مشہور اور غیر معتبر، دوسرے وہ بھی شیعوں کا الحاق ہے، چنانچہ تحقیقات مسطورہ بالا کو دیکھ کر ناظرین کو انشاء اللہ شبہ نہ رہے گا۔ اور بایں ہمہ پھر وجہ طلب گواہان معلوم ہو چکی ہے، اس کے ملاحظہ سے آپ واضح ہو جائے گا کہ حضرت جابر کا قصہ (یعنی ایسے مال کا بے شاہد دے دینا جو ایسوں ہی کے دینے کے لئے ہے۔ اور قسم کا بھی اعتبار کرنا) اس کو حضرت فاطمہ زہراؑ کے قصہ کے ساتھ جس میں بے تحقیق دیرینے میں اندیشہ حق تلفی فقر و مساکین و ابن سبیل تھا کچھ نسبت نہیں جو اس کو اس پر قیاس کیا جائے معینہ گواہوں کا طلب کرنا قاضی مذکور میں ہو سکتا ہے کہ بوجہ غیر خواہی حضرت فاطمہ زہراؑ ہو۔

تفصیل اس اجمال کی ہر چند معلوم ہو چکی پرنا انصافوں سے کام لے رہا ہے۔ اس لئے مکرر عرض ہے، کہ باتفاق شیعہ و سنی اس میں تو کلام ہی نہیں کہ تادم باز ہیں

فدک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے قبض و تصرف میں رہا، پھر جب ابو بکر صدیق کو یہ بات معلوم ہو چکی ہو کہ مترکہ انبیاء وقف ہو جاتا ہے۔ اور میرے قبض مفید ملک نہیں ہوتا۔ تو اس میں تو کلام ہی نہ تھا کہ یہ چیز حضرت فاطمہ زہراؑ کی ملک تو نہیں، پھر جو گواہ طلب کئے جائیں تو اس لئے تو ہم ہی نہیں سکتے کہ تحقیق ملکیت مد نظر تھی۔ جو کسی نادان کو یہ شبہ پڑے کہ بائیں افسوس حضرت فاطمہ کی بات تو گواہوں کی گواہی سے ثابت ہو، اور جابر کی خبر بے گواہوں کے سنی جائے۔ اور بے سزا و مسلم ہو۔ مجزا اس کے اور کوئی احتمال نہیں کہ شاید گواہوں کی تقریر سے کوئی اشارہ بنوی اس جانب پایا جائے، کہ مذکور کو حضرت زہراؑ کو دیدینا چاہیے، اب کوئی مائل غور کر کے فرمائیں کہ یہ بات حضرت فاطمہ کی دوستی اور خیر خواہی کی بات ہے یا دشمنی اور بدخواہی کی۔

حضرت جابر کو نہ دینے میں خلاف وعدہ مگر مولوی صاحب کی عقل تو عاشیہ نشین لے اڑے کا احتمال، حضرت کی طرف عاید ہوتا ہے میں، وہ بھی سمجھتے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق کو حضرت فاطمہ زہراؑ کا اعتبار نہ ہوا، اور حضرت جابر کا اعتبار ہوا، چنانچہ حضرت جابر کے نہ دینے میں یہ احتمال تھا کہ ہر خبر جھوٹی تو ہوتی ہی نہیں، اگر واقعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے وعدہ کیا تھا۔ اور پھر ان کو اس وعدہ کے موافق نہ دیا جائے گا تو ایک گونہ خلاف وعدہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف عاید ہوگا۔ اور یہ خلاف وعدگی ہر چند مجبوری تھی کیونکہ تادم آخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مال بحرین نہ آیا لیکن شان نبوت بہت رفیع ہے اور پھر نبوت بھی کس کی نبوت؟ اس مرتبہ رفیع پر اتنا قصور بھی نازیبا ہے خصوصاً جب یہ لحاظ کیا جائے کہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم روضہ مبارک میں زندہ، اور حضرت ابو بکر ہمزاد داسو دے آپ کے کارکن، اور مال بحرین موجود، اگر واقع میں وعدہ وقوع میں آیا ہے۔ اور در صورت طلب گواہان حضرت جابر کے پاس گواہ نہ نکلتے؟ کیونکہ کچھ ضروری نہیں کہ کسی کے سامنے ہی وعدہ کیا ہو، تو اس صورت میں لاریب ماقولوں کے نزدیک اختلاف وعدہ بجا نب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عاید ہوگا۔

القصہ مقتضائے احتیاط ایسے امر میں ہی تھا کہ بے طلب گواہان ان کا مطالبہ

پورا کیا جائے۔ اگر وعدہ واقعی تھا تو فیہا۔ ورنہ کچھ نقصان نہیں، آخر وہ مال صحابہ ہی پر تقسیم ہوا۔ بخلاف فداک کے کہ اس کے دینے میں لاریب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی نظر آتی تھی، بسبب قبضہ مستمرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تا دم آخر فداک مملوک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھا۔ اور جب آپ کی وفات ہوئی۔ تو وہ بمقتضائے حدیث مَا شَرَكْنَا فِي صَدَقَةٍ کے جس کی تحقیق کا ہم وعدہ کرتے چلے آتے ہیں، اور اب انشاء اللہ تعالیٰ بہت ہی قریب اس کا ذکر آتا ہے، وہ وقف ہو چکا تھا کسی بیٹیا بیٹی یا بھائی بھائی بیوی باندی کا اس میں حق نہ تھا۔ پھر اس کو کسی کے دعوے کے باعث دے دینا۔ اس حدیث کے موافق عمل نہ کرنا ہے۔ مگر مولوی صاحب کے مذہب میں جو ارشادات نبوی پر چلے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایفاء وعدہ اور ادا قرض کا بے وصیت خیال رکھے۔ اس سے برا کوئی نہیں۔ آپ عمل نہیں کرتے۔ پھر جو عمل کرے گا، وہ آپ برا لگے گا۔

اہل انصاف کے نزدیک تو اتنی بات بھی ذکر بعد وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ابو بکر صدیق خلیفہ ہوئے۔ اور مال بخرین آیا، تو انہوں نے یہ منادی کر دی کہ اگر کسی کا کچھ قرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ ہو۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو کچھ وعدہ کیا ہو تو وہ ہمارے پاس آئے ہم اس کو بھگتا دیں گے اور بھرے دے گا۔ بے گواہ دنیا شروع کیا چنانچہ حضرت جابرؓ نے اسی منادی کے باعث پندرہ سو کھالے، اس بات کے لئے دلیل کامل ہے کہ ابو بکر صدیق کو حق تلفی اہلبیت و عنوان اللہ علیہم اجمعین کا خطرہ بھی نہیں گذرا۔ چہ جائیکہ کوئی چیز بایں کسی مائل کے تصور میں آسکتا ہے کہ جو شخص فقط اس خیال پر کہ مبادا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ کسی کا قرض رہ جائے یا آپ کی بات میں فسق آجائے۔ بے تحقیق تھیلیوں کا منہ کھول دے۔ ایسا کھلا ہوا حق پھر وہ بھی جگر گوشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس طرح سے جابجھے۔

علاوہ بریں نہ آپ کھایا نہ انہوں کو کھلایا، بلکہ بدستور تعظیم اہل بیت اور مصائب مقررہ میں صرف کیا۔ اور مفت دنیا کی ملاپیں اور بار عذاب آخرت سر پر لیا، کوئی حضرت

شیعہ سے پوچھے، کہ ابو بکر جیسے ہوشیار کو کہ جس کی ہوشیاری کی قسم کھائی جائے غضب کرنا بھی نہ آتا تھا، اور ان سب کو جانے دیجئے، یہ ایسا فرق لیجئے کہ اہل عقل حضرات ابو بکر کی فہم و عقل پر آفرین اور علماء شیعہ کی کجی عقل اور بلاوت طبع پر نفیرن کریں۔ وہ فرق یہ ہے کہ دعوے ہبہ فداک جو حضرت زہراؓ سے ہر غم شیعہ ظہور میں آیا، تو شیعوں کے طور پر تو منشاء حدیث صحیح مَا شَرَكْنَا فِي صَدَقَةٍ کے جس کا عنقریب انشاء اللہ ذکر آتا ہے۔ معارض اور مخالفت تھا، اور شیعوں کے طور پر استحقاق و رشتہ نبوی کے مناقض اور دعوے جابر کے کوئی استحقاق یا کوئی حدیث معارض اور مخالفت نہ تھی۔ کیونکہ جس مال میں سے انکو دیا گیا۔ وہ مال کسی کے ترک کا نہ تھا، اور نہ کوئی حدیث اور نہ آیت اس کے بیان نصرت کے لئے نازل یا وارد ہوئی تھی، بلکہ وہ مال یا خمس یا عشر یا خراج کی قسم کا تھا۔ سو حضرت جابر بہر طور اس کا استحقاق رکھتے تھے۔

اور یہ بھی اہل عقل پر ظاہر و باہر ہے کہ گواہ تعارض کے رفع کے لئے ہوتے ہیں۔ اور ایک جانب راجح کر دیتے ہیں۔ اسی واسطے دو مختاصین کے رفع خاصیت کے لئے گواہوں کی ضرورت پڑی، اور در صورتیکہ کوئی خبر یا دعویٰ بلازم عقل یا نقلی یا خبری یا غیبی کے پایا جائے۔ اور خبر اور مدعی بھی مومن مسلمان ہو تو پھر حکم نبوی یہ ہے کہ ظَنُّوا الْمُؤْمِنِينَ خَيْرًا اب التماس یہ ہے کہ حضرات شیعہ اگر دو چار گھڑی کے لئے کسی سے عقل مستعار لے کر اس فرق میں غور فرمائیں، تو اس فرق کے مان جانے میں کچھ کلام نہیں، ورنہ ایسے ہی عقل کے دشمنوں کے لئے کلام اللہ میں أَفَلَا تَعْقِلُونَ آیا ہے۔ اگر بوجہ یا دہ زہراؓ نے کلام اللہ کے یہ خطاب کان تک نہیں پہنچا۔ تو یہ سفارت نہیں کرتے ہیں۔

جب نوبت یہاں تک پہنچی، تو اب یہ اور التماس ہے، کہ دقیقہ سنجان معانی رس پر تقریر سے واضح ہو گیا ہوگا، کہ حضرت جابر سے گواہوں کا طلب نہ کرنا، چنانچہ روایات صحاح میں موجود ہے۔ اور نیز حضرت فاطمہ زہراؓ رضی اللہ عنہا سے گواہوں کا طلب کرنا، اگر بالفرض و تعدیر بغرض محال جیسے حضرات شیعہ فرماتے ہیں، واقع میں وقوع میں آیا ہو، تو

حضرت ابو بکر صدیقؓ کی کمال ہم، اور نہایت اطاعت و اتباع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر دلالت کرتا ہے، اگر یہ دونوں باتیں معیوب ہیں، تو مولوی صاحب ابو بکر صدیقؓ پر بائیں وجہ طعن کرنے میں معذور ہیں، اور لاجرم طاعنان ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ مصیب البصواب اور ماجور ہیں لیکن اس صورت میں بڑی تعریف کی بات یہ ہوگی کہ فلاں بڑا لدھا ہے اور سرتاپا بیوقوف ہی فستق و فجور میں یکتائے روزگار، دروغ و بدباغی میں مشہور ہر کوچہ بازار۔

سوا اس صورت میں ہم کو مولوی صاحب کی تعریف کرنی لازم ہے مگر نظم تو سر دست بن نہیں پڑتی، ملازمان مولوی صاحب کی خدمت میں یہ عرض ہے، کہ آپ عتبات فرما کے یہ قدر قلیل نشری قبول فرمائیں سبحان اللہ اس فہم و فراست پر اصحاب کبار پر یہ زبان درازیاں؟ پھر اس پر یہ دھوکے بازیاں؟ کہ عوام کو ایک بار تو یہی یقین ہو جاتا کہ مولوی صاحب کی بات سراسر بجا و درست۔ اغنی آپ میرزا درعلی صاحب کو رقم فرماتے ہیں، اب فرمائیے غصہ نہیں تو کیا ہے، سوا اس کے اور غصہ کس کو کہتے ہیں۔ اور یہ عداوت ہے یا دوستی؟ اور مروت اور رعایت حق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم؟ اور حق اور سچ تو یہ ہے کہ اہل بیت کی دشمنی میں حق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی رعایت نہ کی، آپ نے لکھا تھا۔ مجھے غصہ فدک کی کسی سے صحت نہیں ہوتی۔ اب آپ کو چاہئے کہ میری صحت علماء اہلسنت سے کرایئے، اور میری باتوں کا جواب لکھو اگر بھجوائیے، کہ کیا سبب ہے کہ جابر کو سچا جانا اور فاطمہ کو جھوٹا سمجھا؟ اور اس منظومہ کے گوہروں کو بھی رد کیا انتہی بلفظہ، سو منصفان فہمیدہ اور فیضانِ سنجیدہ کی خدمت میں یہ عرض ہے کہ مولوی صاحب کو میسر نہ ہوئے جواب سمجھا کر یہ سمجھا دیں کہ دیکھو یوں جواب لکھا کرتے ہیں۔ لیکن اس کا کچھ علاج نہیں، کہ مولوی صاحب کی یہ درخواست ہے کہ میری صحت علماء سنت سے کرایئے، مولوی صاحب تو سر اپا غلط ہیں۔ غلط کا صحیح کرنا اور صحیح کبنا سنیوں کو نہیں آتا، ہاں غلط کی جگہ صحیح بنا سکتے ہیں۔ اس لئے آتما ہو سکتا ہے، کہ ملازمان مولوی صاحب سے یہ کہا جاوے

کہ مولوی صاحب غلط ہیں، جب ہی تو اپنی صحت کراتے ہیں، ظاہر و باطن سے صحیح علماء اہل سنت ہیں۔ اگر ہدایت منظور ہے تو غنیمت سمجھو خیرہ قصہ تو بہت دور دراز ہے، مولوی صاحب کی ہدایات بے معنی کا جواب چاہیئے۔ اور ان کی حقیقت الامر کھول کر دکھائیئے، تاکہ معلوم ہو جائے کہ مولوی صاحب اپنے ہوش میں نہیں۔ اس بیداری میں جو اوروں کے خوب سے بدتر ہے۔ مولوی صاحب پڑے برائے ہیں، ورنہ عقل کا کام نہیں، کہ باوجود ایسے ایسے دلائل واضح کے جن کا مذکور ہو چکا۔ پھر بھی غصہ فدک کا ان کے دل میں خیال آئے، اور ابو بکر صدیق جیسے عادل متقی اور مطیع خدا و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ظالم ٹھہرائے، ابو بکر صدیق کے پاس اگر اور فضائل گونا گوں نہ ہوتے تو یہی حکایت ان کی فضیلت کے لئے بہت تھی، کیونکہ عاقل سمجھتے ہیں۔ کہ ملامت دنیا خاص کر اہل عزت سے بے سبب نہیں اٹھائی جاتی۔ دیندار دین کی عزت اور دنیا دار دنیا کی عزت کو جان و مال سے عزیز سمجھتے ہیں، اور عزت بھی عزیز نہ ہو تو پھر کونسی چیز عزیز ہوگی، اسی کا عزیز ہونا ہے کہ عورتیں باوجودیکہ مرد نہیں نامرد ہیں، غیرت کے پتے جان کو تلف کر دیتی ہیں، اور ڈوب مرنے میں، باز بھر کھالیتی ہیں، مردوں کا تو کیا ذکر؟

ابو بکر صدیق کا جان بوجھ کر بدت تیر مانے ملامت ناکسان ہونا کیونکہ ایسے مواقع میں ہر کوئی جانتا ہے کہ یہی انجام ہوتا ہے۔ بجز اس کے نہیں ہو سکتا ہے، کہ پاسبندی خداوند علیم اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مجبور تھے، ورنہ جو شخص زخموں کھائے۔ نہ اپنوں کو کھلائے۔ کاہے کے لئے کسی کی چیز دے؟ ایسا شخص اگر ایسے موقع میں ایسے شخصوں سے تو گواہ طلب کرے۔ اور حضرت جابرؓ سے طلب کرے (قطع نظر و حود مذکورہ بالا کے) بجز اس کے اور کوئی احتمال نہیں ہو سکتا۔ کہ انصاف اور اہل انصاف کو لازم ہی ہے کہ روز رعایت کے موقع میں زیادہ کثرت اور سخت گیری سے پیش آیا کریں۔ اور غیروں سے بد نسبت اپنوں کے نرم رخصا کریں۔ اور ظاہر ہے کہ اپنے اقربا کی رو رعایت نہ کرنے میں بوجہ محبت فقط اپنا دل

ہی دکھا کرتا ہے۔ کچھ اندیشہ ملامت نہیں ہوتا۔ بلکہ امید کلمت الخیر ہوتی ہے اور اپنے پر نادوں اور بزرگ زادوں کی رو رعایت نہ کرنے میں میدان جان نثار کا بوجہ محبت دل جدا دکھا کرتا ہے۔ اور بوجہ اندیشہ ملامت جان پر جدا ہی بنا کرتی ہے۔

سو جب اپنے قریبیوں کی رو رعایت نہ کرنی اور غیروں سے نرمی برتنی محمود خلائی ہوئی، تو پیر زادوں کی رو رعایت نہ کرنی اور بھی زیادہ سمجھنی چاہیے۔ اور جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا جیسی پیرزادی ہو، کہ اس رتبہ کا کوئی پیرزادہ ہوا ہے، نہ ہو، اور ابو بکر صدیق جیسا مرید ہو جس کی صدق و وفا اور جاں نثاری اور الفت اور محبت اور خدمت گداری کے کلام اللہ اور اتوالِ عمرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چنانچہ گذرا، دو گواہ عادل کیا۔ بلکہ اس بات کے گواہ ہوں کہ ایسا یا وفادار نہ کوئی ہوا ہے۔ نہ ہو۔ کیونکہ ایسے رتبہ والے ایسے کی ایسی تعریف نہیں کیا کرتے۔ تو اس صورت میں حکم خداوندی پر قائم رہنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ جیسے مرد کا کام ہے، نہ وہ ہوں نہ اتنی دشواری۔ اور اس قدر ملامت عوام کا لانعام اور دشنام ہائے حیثیتان نافر جام اپنے سر پر اٹھائیں، پر زور ہے شیعہوں کی عقل پر کہ ان کو خوبیاں بھی برائی ہی نظر آتی ہیں۔

چشم بد اندیش کہ برکتہ باد : عیب نہ اند ہر شمس در نظر
مطیعان خدا پر طعن اور تشنیع کرتے ہیں : تجھے ہی نہیں یہ رافضی انکو خدا سمجھے
شیعوں کی اہلیت سے اور نصاریٰ کی طرف تماشا ہے کہ بیدین دینداروں پر بے دینی کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ایک سیبی محبت ہے تہمت لگائیں، اور مخلصانِ قدس شناس کو مقتدیانِ عبداللہ بن سبا یہودی دشمن اہل بیت بتائیں۔ اگر قدر شناسوں سے حد سے گذر جائے والے۔۔۔۔۔ بڑھ جانا کریں، اور قدر شناس دشمن سمجھے جایا کریں ؟ تو نصاریٰ حضرت عیسیٰ کے محب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت حضرت عیسیٰ کی دشمن ہونے چاہئیں۔ غور رکھے اگر دیکھیں مغرطنی انجیت اس کا محب نہیں جس

کی محبت کا مدعی ہوتا ہے۔ بلکہ اپنی خیالی تصویر کا محب ہوتا ہے، نصاریٰ جو دعویٰ محبت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کرتے ہیں، تو حقیقت میں ان سے محبت نہیں کرتے کیونکہ دار و مدار ان کی محبت کا خدا کے بیٹا ہونے پر ہے۔ سو یہ بات حضرت عیسیٰ میں تو معلوم، البتہ انکے خیال میں تھی، اپنی تصویر خیالی کو پوجتے ہیں۔ اور اسی سے محبت رکھتے ہیں حضرت عیسیٰ کو خداوند کریم نے ان کی واسطہ داری سے برطرف رکھا ہے۔

ایسے ہی شدید بھی اپنی خیالی تصویر سے محبت کرتے ہیں، انہ اہلیت سے محبت نہیں کرتے، اس محبت پر مہمانِ قدس شناس کو دشمن اہلیت سمجھنا ایسا ہی ہے جیسا نصاریٰ بزرگم خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی امت کو دشمن عیسیٰ سمجھتے ہیں، دشمنی اہل بیت تو اسے کہتے ہیں کہ حضرت زقیہ اور حضرت ام کلثوم دخترانِ مطہرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تو آپ کی بیٹیاں ہی نہیں سمجھتے۔ حالانکہ کلام اللہ اور احادیث کلینی وغیرہ اور اقوال حضرت امیر اس بات پر شاہد ہیں، اور حضرت عائشہ محبوبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلکہ مدوہ جناب کبریا کو جن کی جہارت اور بزرگی میں سورہ نور میں آیات متعدّد موجود ہیں، اور سو ان کے اور بیٹیوں کو جو شہادت آید کریمہ و ازواجہ امّہاتہم تمام مومنین کی مائیں ہیں اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ علم بزرگوار سید البرار صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ الجبار القبار کو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چھوٹی کے بیٹے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو جو سو اس کے اور بھی ناتے رکھتے ہیں، اور حضرت سید الشہداء شہید اکبر رضی اللہ عنہ کے داماد مصعب بن زبیر اور حضرت عمر فاروق داماد حضرت زہراء رضی اللہ عنہا اور حضرت زید شہید فرزند سیدہ حضرت امام ہمام زین العابدین رضی اللہ عنہ اور سو ان کے اور اقربا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اولاد امجاد امّہ اطہار کو جو شہادت لفظِ عمرت اور اہل بیت میں داخل ہیں۔ شیعہ کا فراور مرتد سمجھتے ہیں اور دشنام ہائے نہ فرجام دیتے ہیں۔

چنانچہ کچھ کچھ اوپر گذرا، پھر ان بے حیاءوں کو غیرت نہیں آتی کہ صحابہ کو دشمن اہلیت بتاتے ہیں، اگر ابو بکر صدیق کو حضرت فاطمہ سے عداوت ہوتی تو اہل سنت میں ہوا ابو بکر

صدیق کا کوئی نام بھی نہ لیتا یا مثل غالی کوئی حضرت فاطمہ کو بتلیم یاد بھی نہ کرتا بلکہ اپنی نعوذ باللہ جیسے شیعہ اصحاب کبار پر تبرا کرتے ہیں، تبرا کیا کرتے، اب مولوی صاحب کی خدمت میں یہ عرض ہو کہ آپ کا کہنا کہ اے بردینداری اہلسنت الحق انصاف فرمائے مجھے یا ہمارے کہنا کہ اے بردینداری عقل و ہوشیاری شیعہ خصوصاً مولوی غامدی صاحب کی دشمنی میں حق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی رعایت نہ کی، بلکہ خدا کی شہادت اور ائمہ اطہار کی گواہی کو رد کیا۔ اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں جس کو یوں سمجھا کہ اس کا گوشہ عاطفت صحابہ کی طرف مائل ہو اسی کو کافر اور مرتد جو چاہا سو کہا۔

اگر عذر نام معقول تقیہ نہ ہوتا تو حضرت علی اور حسین اور امام زین العابدین اور امام محمد باقر اور امام جعفر صادق رضوان اللہ علیہم وعلی آلہم وعلیہم اجمعین کی بھی خیر نہ تھی۔ کیونکہ ان بزرگواروں نے اصحاب کبار کی تعریف میں کیا کی کی ہے۔ خصوصاً حضرت علی اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم کہ ہمیشہ مدار و معادن اور ہم نوا رہے پیالہ اصحاب کبار خصوصاً اصحاب ثلثہ رہے پھر ہم سے تو اس بات کا فرق پوچھتے ہیں کہ فاطمہ سے تو گواہ طلب کئے اور جابر سے کیوں نہ طلب کئے اب ان سے کوئی پوچھے کیا سبب ہے کہ حضرت علی و دیگر بعض ائمہ کی تعریفوں اور معاذتوں اور موافقتوں کو تو تقیہ پر محمول کرتے ہیں حضرت عمر اور حضرت عباس وغیرہم کی ابو بکر صدیق کے ساتھ موافقتوں اور ان کے حق میں ان کی تعریفوں کو تقیہ پر کیوں نہیں محمول کرتے یا مثل حضرت عباس اور حضرت عمر اور حضرت زید شہید حضرت علی اور دیگر ائمہ اطہار کے اقوال اور احوال کو نفاق اور ریا سے خالی کیوں نہیں سمجھتے ؟

اگر ائمہ امین اور حضرت علی کی گواہی اتنی اہم ہے تو خدا اور اوروں کوئی ان سے یہ سوال کرے کہ رسول قرآن و ائمہ اہلبیت کی گواہی صحابہ کے بابے میں کیونکر اہم نہ ہوگی ہم نے انا حضرت ابو بکر کے حضرت علی اور حضرت ام ایمن وغیرہما کی گواہی کے موافق عن زکیہ۔ لیکن وہ حکم خداوندی سے مجبور تھے، خداوند کریم کا حکم یہی ہے کہ دو مرد ایک مرد اور دو عورتیں گواہ ہونی چاہئیں حضرت شیعہ جو خدا کی اس شہادت کو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی ایک

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی گواہی بلکہ آپ کی گواہی بیٹیاں نہیں تسلیم نہیں کرتے اور علی کا حضرت علی کا اسی تعدد بینات میں ہمسفر خداوندی ہونا جو شیعوں کے نزدیک بچانہ ان کا کہا مقبول نہ ہوتا تو کیا بلا پیش آتی؟ یہاں تو یہ عذر بھی نہ تھا خدا تعالیٰ اور علی دواذن مل کر تو دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں سے زیادہ ہی ہیں۔ پھر کہ ہے کہ حضرت علی اور ام ایمن کی گواہی تو قابل سند ہوا اور حضرت علی اور جابر پاک کبریائی کی قابل سند نہ ہو؟

اور اگر مولوی صاحب کی خاطر سے اس طوفان ہی کو تسلیم کریں کہ حضرت اور حضرت ام ایمن اور حسین و جابر نے گواہی دی تھی؟ تب قطع نظر کہ اب بھی مقدار مقررہ شہادت کو یہ شہادت نہیں پہنچی۔ اور شیعوں کو جا۔ دم زدن نہیں شیعہ اس کا کیا جواب دیں گے کہ مدارح صحابہ سے کلام اللہ مشحون تھا ہی۔ اقوال عترت طاہرہ اور ملفوظات ائمہ اطہار بھی ان کی صف و ثنا سے مملو ہیں۔ اور اماموں میں سے بھی ایک آدھا نہیں بلکہ تین چار کے تو تو اس احقر نے بھی اس رسالہ میں نقل کئے ہیں۔ پھر یا وجود یکہ اس گواہی پر عدد ائمہ اطہار ہی دوسے بڑھ گیا خدا تو درکنار؟ پھر کیوں اعتبار نہیں کہ اب رد شہادت اسے نہیں کہتے تو اور کسے کہتے ہیں؟ و اے بردینداری شیعہ کہ صحابہ کی عداوت میں نہ خدا کا اعتبار کیا نہ ائمہ اطہار کا نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت کا خیال کیا نہ بزرگواران مذکور کے افعال حمید اور احوال پسندیدہ پر دھیان دیا۔ پھر اٹے چور کو تو وال کو پکڑیں اور اٹے نکلے ناک والوں کو ہنسیں؟ مولوی غامدی اور ان کے ہم مذہب ابو بکر صدیق پر طعن کریں جن کی بزرگی کا خدا بھی گواہ ہو۔ اور ائمہ اطہار بھی اقرار کریں۔ کفر اسے نہیں کہتے تو اور کسے کہتے ہیں؟ اور دشمنی اہلبیت یہ نہیں تو اور کیا ہے؟ تفصیل ان امور کی اور سندیں ان روایات کی سب اس رسالہ میں مندرج ہے جس میں اس لئے ان کی تکریر میں تقصیر کی۔ ناظرین رسالہ ہذا بے دماغی نہ فرمائیں بلکہ پلٹ کر دیکھیں

ایسا ہے کہ اگر ایک روایت منقول ہے سند میں جس کا اعتبار کسی طرح نہیں ہو سکتا اور اہل سنت کی کسی معتبر کتاب میں اس کا نشان ہے۔ یہ دیکھ لیا ہے کہ ابو بکر صدیق نے حضرت فاطمہ سے گواہ طلب کئے اور ان کی بات بے گواہوں کے ذمائی۔ اور پھر گواہوں پر بھی ان کے دعویٰ کو مسترد کیا۔ تو ان سب خوان الشاطین کا وظیفہ ہی یہ ہو گیا کہ ابو بکر صدیق نے حضرت فاطمہ اور حضرت علی اور حضرت ام ایمن کو جھوٹا جانا۔ حالانکہ اس روایت میں کلب اور سوزن کی بوتک نہیں آتی۔ بلکہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ سبب پابندی قانون خداوندی حکم موافق رضی حضرت زہرا رضی اللہ عنہا نہ دے سکے۔ اور اپنے آپ آیات قرآنی اور خباہت الہ ربانی کو جو بطرق متواترہ یا اسانید مستبرہ ثابت ہوتی ہیں۔ اور کسی طرح لائق اعراض و انکار نہیں بہر طور قابل اعتبار میں مضمر کئے بیٹھے ہیں۔ اور زبان تک نہیں لاتے حالانکہ اعتبار احادیث و آثار کے لئے باتفاق ایک زن معتبر بھی کفایت کرتی ہے نصاب شہادت کی حاجت نہیں چہ جائیکہ تواتر اور تکرار ہو۔

چونکہ یہ قضیہ بہت دور جا پڑا اور جس قدر لکھا گیا گو قلیل ہے لیکن اہل فہم کیلئے کثیر ہے۔ اس لئے عرض رہا ہوں کہ اگر بالفرض بغرض محال روایت پرہ اور قبیح طلب گواہان صحیح بھی ہو تب بھی دامن حال صدیق اکبر لوٹ خطا اور آلودگی جفا سے صاف مصطفیٰ ہے۔ معہذا روایت منہج الکرامۃ ابن مطہر علی سے یہ بات توصاف ہی معلوم ہو گئی کہ گناہ حق تلفی ذک تو حضرت ابو بکر صدیق اپنے سر نہیں لے گئے۔ باقی رہا ان سے گواہوں کا مانگنا اور حضرت جابر سے گواہوں کا نہ مانگنا۔ تو اول تو وجہ متعددہ اس کے مرقوم ہو چکیں۔ اہل فہم سمجھتے ہیں کہ وہ وجہ کیسی برجستہ اور اس سے ایک چڑھتی ہوئی ہیں۔

سید سے گواہی طلب کرنا خطا، علاوہ۔ رہی ابو بکر صدیق کچھ معصوم نہ تھے ایک امام مجتہد اجتہاد ہی تھے جو باعث قدح نہیں تھے۔ اور مجتہد سے اہل سنت کے نزدیک خطا بھی ہو جاتی ہے۔ بلکہ مجتہد کو مجتہد انبیاء سے اجتہاد میں خطا ہو جاتی ہے۔ اور یہ بات شیعوں کو بھی چارنا چارمانی پڑے گی کیونکہ سورۃ انبیاء میں رکوع و نوحاً اذ نادى من قبلہ کے شروع

ہی میں ایک نصیحت کے تنازع میں جو مقدمہ حضرت داؤد کے دربار میں پیش ہوا تھا کہ کوہے سو اس قصہ میں جو حضرت داؤد اور حضرت سلیمان کی رائے مختلف ہوئی اور خدا نے حضرت سلیمان کی رائے کو پسند کیا۔ چنانچہ فرماتے ہیں فَقَهْنَاهَا سُلَيْمٰنُ یعنی ہم نے سمجھا دیا وہ فیصلہ سلیمان کو تو اس سے معلوم ہوا کہ حضرت داؤد سے جو بالاتفاق نبی ہیں اور معصوم ہیں اجتہاد میں غلطی ہوئی۔ سو اسی طرح حضرات شیعہ اگر ابو بکر صدیق کہ بعد غلطی اجتہاد معذور رکھیں۔ اور یوں سمجھیں کہ ابو بکر صدیق نے یا حضرت جابر سے گواہوں کے نہ طلب کرنے میں غلطی کی۔ یا حضرت فاطمہ سے گواہوں کے طلب کرنے میں غلطی کھائی تو کیا نقصان ہے؟ بہت ہو گا تو یہ ہو گا کہ جس کی خدا اور ائمہ تعریف کریں اس کے برائے کھنے سے بچے اور اگر یوں بھی ناک سیدھی نہیں ہوتی تو نہ یہی۔ حضرت ابو بکر صدیق کی نمود بالشر اول مرتبہ میں نیت بد ہی تھی؟ اور اس سبب سے مٹاتے تھے کہیں گواہ طلب کئے کہیں جھوٹے خدا کہنے والوں کو پکڑے بنائے تھے۔ لیکن روایت منہج الکرامت ابن مطہر علی اس بات پر شاہد ہے کہ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے وعظ و بندہ سے انھوں نے ذک حضرت فاطمہ کے حوالہ کر دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ انھوں نے اس گناہ سے توبہ کی کیونکہ وعظ کے سبب جو کوئی کسی گناہ سے باز آئے تو وہ توبہ ہی ہوتی ہے۔ توبہ کے اور کچھ سرسینگ نہیں۔ اور یہ سب جانتے ہیں کہ الثَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كُنْ لَا ذَنْبَ لَكَ یعنی توبہ کرنے والا ایسا ہی ہے جیسے گناہ کا نہ کرنے والا یعنی جیسے وہ عذاب خداوندی سے ناجی ہے ایسے ہی یہ بھی ناجی ہے۔

حضرت سجاد اگر باوجود اہلسنت کے کالی معہذا اگر توبہ نہ کرتے جب کچھ اندیشہ نہ تھا کیونکہ شہادت تصرف میں ہیں۔ تو ابو بکر صدیق اولیٰ ہیں آیات مذکورۃ الصدقات کے ساتھ خداوند صادق القول نے وعدہ مغفرت گناہان کر لیا ہے۔ سو شیعوں کو یہاں تک کچھ نہیں کیونکہ ان کی اصطلاح کے موافق ابو بکر صدیق دلی ہیں نبی نہیں۔ جو معصوم ہونا ضروری ہو۔ پر شکل تو شیعوں کو ہے۔ شیعہ اور اذخوان جس نے صحیفہ کاملہ حضرت سجادین العباد دیکھا ہے یا سنا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ حضرت سجاد جو موافق عقیدہ شیعہ معصوم ہیں۔ اور دست بروخیطان سے مطمئن۔ اپنے حق میں

اکیلا فرماتے ہیں کہ کُلُّ مَلَكٍ الشَّيْطَانُ عَنَانِي فِي شَوْءِ الْقُرْآنِ وَ ضَعُفَ الْيَقِينِ دَلَالِي
أَشْكُو سُوءَ عَمَلِي وَ دَجَمَ بِي وَ طَاعَتِي تَقْصِي لَمْ يَعْنِ شَيْطَانُ لَمْ يَمِرْ بَاغٍ كَمْ دَلِي
ہدگانی اور ضعف یقین میں اور مجھے شکایت ہے اُس کے بُرے پڑوس اور اپنے نفس
کے مطیع شیطاں ہو جانے کی فقط

اب التماس یہ ہے کہ امام کی بات حیوٹی تو ہو ہی نہیں سکتی۔ خاص کر شیعوں کے نزدیک
نہیں تو کافر ہو جائیں۔ پھر جو شیطان کی حضرت زین العباد پر چسپاں رہتی ہے تو اس کا کیا ہوا
ان کے لئے تو کلام اللہ میں کوئی ایسا وعدہ بھی نہیں جس کو سن کر ان کے جتنی ہونے کا قطعی
یقین ہو جائے۔ اور کسی طرح کا احتمال باقی نہ رہے۔ گو شیطان کو بجائے خود معصوم
و مغفورا اور ہم محفوظ و مغفورا سمجھتے ہیں۔

معہذا لفظ سورن اور ضعف یقین اور طاعت نفس ایسے الفاظ ہیں کہ خطائی لاجہل
پر بھی منطبق نہیں سکتے علیٰ ہذا القیاس نہج البلاغۃ میں جو مجموعہ خطب حضرت امیر المؤمنین
رضی اللہ عنہ سے اس میں بھی ایسے ایسے مضامین مندرج ہیں۔ اور ان سے بڑھ کر یہ ہے
کہ کلام اللہ میں بہت سے انبیاء کی نسبت تذکرہ خطا ہے۔ حضرت آدم اور حضرت
یونس کا قصہ مشہور و معروف ہے۔ سو ان سب کے مقابلہ میں حضرت ابوبکر صدیق سے
فقط ارادہ غصب بہت ہی تھوڑا ہے کیونکہ وہ معصوم نہ تھے۔ اسے پروردگار نے نیاں
اس سراپا نیا زواہر اخلاص کی جان لے تو آگاہ ہے کہ کس قدر میرے دلیں بہ نسبت حضرت
زین العباد و دیگر ائمہ اطہار و انبیاء رکھ راخلاص اور اعتقاد اور محبت اور نیا رہے۔
یہ جو کچھ لکھا جاتا ہے بایں نظر نقل کفر کفر نباشد حضرت شیعہ کی کفریات کے مقابلہ میں
لکھا جاتا ہے

فصل

مدینہ ماقرنہ قیامہ کی قیاسیت | اب آگے سنئے مولوی صاحب کیا فرماتے ہیں۔ مولوی صاحب لکھتے ہیں

اب اور سننا چاہئے کہ جب فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جانا کہ ابوبکر نے مجھے ہر فدک میں
جھوٹا سمجھا تو اس معصومہ نے دعویٰ وراخت کا کیا۔ اور ابوبکر سے کہا کہ میں پیغمبر خدا

صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی ہوں مجھے اُن حضرات کا مال ارث میں پہنچتا ہے۔ اور فدک
میرے باپ کا مال ہے مجھے دیدے اس وقت ابوبکر نے ایک حیوٹی روایت قرآن کے
خلاف بنا کر کہا کہ میں نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ وہ حضرت فرماتے تھے کہ
انبیاء کا مال سب صدقہ ہے کسی کو ان کے وارثوں میں سے نہیں پہنچتا۔

اول تو یہ روایت خلاف قرآن ہے۔ دوسرے یہ کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے
وارثوں میں ذیثی سے نہ اپنی بیٹیوں سے کسی سے نہ کہا کہ میرا مال صدقہ ہے ان کو
نہیں پہنچتا تم دعویٰ نہ کرنا۔ اور حکم خدا کا جو ان کے واسطے تھا اس کو ان سے چھپا
رکھا۔ اور ایک جنبی شخص سے کہ اس کو کسی طرح کا دخل پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی وراثت
میں نہ تھا اس کے کان میں کہ دیا اور کسی دوسرے صحابی سے بھی نہ کہا۔ انتہی بلفظ

مولوی صاحب تو فرما چکے۔ اب ہماری بھی سنئے۔ قدما فریب بازاران شیعہ بوجہ
وراخت فدک کے نہ دینے میں ابوبکر صدیق پر طعن کیا کرتے تھے جب اہل سنت سے
جوابات معقول اس اعتراض کے ان مامعقولوں نے سنے۔ اور مجال دم زدن باقی
نہ رہی تو ان کے لواحق نے روایات ہبہ ترش کر برنگ دیگر طعن شروع کیا۔ اور
اس دعویٰ کے ثبوت تک پہنچانے کے بہت سے چیلے کئے۔ یہاں تک کہ بعض کتب
غیر مشہورہ اہل سنت میں بھی الحاق کیا۔ اور سنی بن کر طالع اہل سنت کو دھوکا دیا
اور اس روایت کو روایت کیا۔ لیکن یہ فریب بھی نہ چلا اور بہ سبب وضوح امارات
کذب روایات مذکورہ۔ اور کھل جانے جبل راویان روایت۔ اور غیر مشہورہ اور غیر مشہور
ہونے ان کتب کے۔ جن میں یہ روایت پائی جاتی ہے۔ اول تو یہ روایت پایہ اعتبار
سے ساقط ہو گئی۔ دوم خدا سازد دروغ و اصفاں روایت کام آیا۔ اور بمقتضائے
مثل مشہور "در و غلور حافظہ نباشد" روایت تو بنا فی پر بنانی نہ آئی۔ یہ بھول گئے کہ
ہبہ بے قبضہ موجب لم مفید ملک نہیں۔ اور نیز ایک مرد اور ایک عورت یا دو مردوں کے
مدعا ثلاث نہیں ہو سکتا۔

گو اہوں کی شری تعداد اور کچھ کا نام اور قہر مذکورہ مدعی کی صفائی کا مضبوط سامان ہے۔ بہر حال انہوں نے اپنی

طرف سے کی نہیں کی لیکن قربان جائے خداوند عظیم اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تدریسی اور فداکاری کے کہ ابو بکر صدیق کے طعن سے بری کرنے کی پہلے ہی وہ تدبیریں کر گئے جس کے سبب شیعوں کو طعن کر کے بکروغوغا سگانہ اور شورغرابانہ اور کچھ حاصل نہ ہو۔ خداوند کریم نے تو گواہی کے اعتبار کے لئے دو درو یا ایک مرد اور دو عورتوں کی قید لگادی۔ اور جناب سرکار کا بتا علیہ علیہ الرحمہ الفضل المصلوات داکل العیات والتسلیمات نے تا دم آخر اپنا تصرف رکھا اس لئے ناچار ہو کر شیعہ خراب طینت کو کمر لپنی عاقبت کے خراب کرنے کا فکر ہوا۔ وصیت کی روایت تراشی مگر پھر وہی بات ہے کہ جھوٹی بات کے پانوں نہیں چلتے یہ نہ سمجھے کہ وصیت تو اسی مال میں جاری ہو سکتی ہے جس میں میراث جاری ہو۔ جب میراث جاری نہیں تو وصیت کے کیا معنی۔

القصد جب اس طرف سے بھی قافیہ تنگ ہوا تو علماء شیعہ کو سخت دشواری پیش آئی کہ نہ طعن کئے بن پرٹے اور نہ چپ رہے سے کام چلے ہے۔ اگر طعن کریں تو کس منہ سے کریں؟ اور خاموش بیٹھیں اور مذہب سے دست بردار ہوں تو عوام شیعہ کو کیسا منہ دکھلائیں؟ اور نذر و نیاز کس سے لیں؟ اور اموال اموات کو کیوں بکھر ہضم کریں؟ تو باقی ماندگان شیعہ نے اپنے متقدمین کے انھیں گوریلئے شتر مذکورۃ الصدر کو کی پیشی کر کے زبان پر رکھا اور پھر زبان درازیاں شروع کیں سو مولوی عمار علی صاحب نے بھی اپنے رقیہ کریمہ امی میرنا در علی صاحب میں ایسا ہی کیا لیکن حکم مثل مشہور ”عیب کرنے کو ہنر چاہئے“ ان کا یہ حوصلہ نظر نہیں آتا کہ مضامین مندرجہ رقیہ کو جو فی الجملہ بطرز جدید ہیں۔ اپنے آپ تراشے ہوں۔ یہ بات کہیں حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے قبضہ کی بچر لگائی کہیں حضرت علی اور حضرت ام ایمن کی گواہی کے ساتھ حنین رضوان اللہ علیہم اجمعین کی گواہی بڑھائی کہیں ہیرا اور میراث دونوں کی نسبت بہ ترتیب مذکورہ دعویٰ کرنے کا دعویٰ کیا کہیں حضرت عمر کے کاغذ بھاڑ ڈالنے کا یزعم خود الزام دیا

کسی بڑے مکار ریکٹائے روزگار کی چالاک نظر آتی ہے۔ پر مولوی صاحب حکم میلان طبیعت حیلہ دوست اور نیز بغرض فروغ مذہب سر اسر دروغ ان بہتانوں کو قتل کر کے تنہائی میں جا رہے ہاں نکلے پڑتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے آج تک کسی سنی واقعہ کار کی کوئی بات نہیں سنی نہیں تو یہ سب بوجھ بھول جاتے انھوں نے شاید یہ سمجھا ہو کہ بہت سی چھینا چھینٹی میں فدک میں سے کچھ تو ہاتھ آئے گا اور بہت سے جھوٹ لکھ کر ایک سچ کے برابر ہو جائیں گے۔

لیکن بفضلہ تعالیٰ مذہب اہل سنت میں یہ قوت ہے اور کیوں نہ ہو۔ سنی بات بکتی ہی ہوتی ہے۔ کہ علماء تو ایک طرف امثال احقر بچہ دان بھی جوابات دندان شکن سے شیعوں کے دانت توڑنے کو بہت ہیں۔ چنانچہ اعتراض سابق کا جو کچھ خاکہ اڑا ہے وہ تو ناظرین کو معلوم ہی ہو چکا۔ اسی پر اس اعتراض کو بھی قیاس کر لیجئے۔ ع قیاس کن رگلستان من بہار مرا : اور اگر بے جواب کے اس اعتراض کا دل سے کھٹکا نہیں جاتا تو لیجئے مولوی صاحب یوں رقم فرماتے ہیں۔

”کہ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا نے دعویٰ میراث کیا“ اور حضرت ابو بکر صدیق نے ایک جھوٹی حدیث خلاف کلام اللہ کے بنا کر حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی بات کو رلا دیا۔

مخدوم من سچا آدمی سچی بات کو مان لیا کرتا ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا نے دعویٰ میراث کیا۔ اگر ہم کو ہٹ دھرمی نہ نظر ہو تو اس روایت کو کتابوں میں سے بھی حذف کر دیتے۔ فقط انکار تو دیکھنا کوئی ضرور روایت تو تھی ہی نہیں جو بعد زعم اعتبار بھیجا چھڑا لیتے۔ اور اتنی ہی بات منصفوں کے نزدیک ہمارے اس دعوے کے معتبر ہونے کو کہ روایت ہے غیر معتبر ہی کفایت کرتی ہے۔ پر خداوند کریم ہم کو مولوی عمار علی صاحب کے ہر رنگ ذکر سے کہ نہج البلاغہ اور کافی کلینی جیسی معتبر کتابوں میں حضرت رقیہ اور حضرت ام کلثوم کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیاں ہونا ثابت اور محقق ہو۔ اور پھر ان کی بیٹیوں

ہونے سے انکار کر جائیں اور الٰہی حجتیں لائیں چنانچہ مذکور ہوا۔

حدیث مذکور کلام اللہ کے عین مطابق ہے مگر مولوی صاحب کا یہ منسرمانا کہ "حدیث خلاف کلام اللہ کے بنائی" خلاف واقع ہے۔ واقعہ کار تو اتنی بات سے سمجھ گئے ہوں گے کہ شیعوں کو کلام اللہ سے کیا سروکار؟ جس قوم میں کلام اللہ کا چرچا ہی نہ ہو وہ کلام اللہ کو کیا سمجھیں جو سمجھیں کہ فلائی بات کلام اللہ کے موافق ہے فلائی مخالف۔ مگر علم الیقین عین الیقین کے برابر نہیں ہوتا اس لئے اتنی گزارش کرنی پڑی کہ علماء شیعہ خصوصاً مولوی صاحب اپنے قصور فہم سے ناچا رہیں۔ ورنہ کلام اللہ اور حدیث معلوم جس کی تحقیق کا ہم نے اوپر بھی وعدہ کیا ہے باہم مخالف نہیں بلکہ موافق کیا متعلق ہیں۔ مزید توضیح کے لئے اول سے تقریر مخالف لفظ ایسی طرح بیان کیجئے جس سے شیعہ اور علماء شیعہ بھی ممنون احسان ہوں۔ بعد ازاں اثبات موافقت سے ان کو یہ شرمائے کہ سرگرمیاں ہوں۔ مخدوم من ظاہر اُمولوی صاحب دڑوں کے تیروں کے بھر سے لڑتے پھرتے ہیں جس قدر کہیں سے سن لی وہی کہہ دی۔ ورنہ خیر و عافیت ہے جو یہ طرزنا محقول اختیار کیا کہ جو باتیں ان کے مفید و مطلب تھیں وہی منہ پر مہر لگا کر بیٹھ رہے۔ ان کو لازم تھا کہ اول اثبات مخالف لفظ کرتے جب کہہ کسی سے خواستگار جواب ہوتے۔ یہ کس نامسقول نے ان کو طرز متناظرہ سکھایا کہ دھوکے بے دلیل پیش کرتے ہیں۔

انصاف کی رو سے تو اس کے جواب میں ہم کو فقط لاسلم کفایت کرتا ہے۔ یعنی اتنا بہت ہے کہ ہم یوں کہہ دیں کہ ہم نہیں مانتے اور اگر ہم بھی بے دلیل ایسے ہی دعوے کر لے لیں۔ بلکہ تمام عقائد اہل سنت کو یوں ہی بے دلیل پیش کر لے لیں تو کوئی پوچھے مولوی صاحب کے پاس کیا جواب ہے۔ معہذا ہم تو نہیں کہہ سکتے براگر کوئی ناموسی یا خارجی بہ نسبت ان روایات کے۔ جو فضائل ائمہ اور استحقاق امامت وغیرہ خصوصیات مذہب شیعہ حضرات خیمہ اماموں سے نقل کرتے ہیں۔ یوں کہنے لگے کہ اپنے مطلب کے لئے اماموں نے یا شیعوں نے خلاف قرآن یہ وہ ہیں

گھر مالیں۔ تو پھر پھر اس کے کہ مولوی صاحب اپنی زبان کو منہ میں سمیٹ رہیں اور کیا کر سکیں گے لیکن ہمارے احسان کو دیکھئے کہ اول بمقدار درسا شیعہ ہی بلکہ کچھ اس سے بھی بڑھ کر تقریر مخالف تحریر میں لاتے ہیں۔

اہل شیعہ کا حدیث ما ترکناہ صدقہ پر اعتراض واضح رہے کہ نہایت کوٹ

کر کے علماء شیعہ نے یہ بات نکالی ہے، کہ حدیث ابو بکر صدیق جس کا یہ مقصود کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں ارشاد فرمایا ہے۔ کہ ہماری انبیاء کا کوئی وارث ہی نہیں۔ جو کچھ ہم چھوڑ جائیں وہ وقف ہے۔ باوجودیکہ راوی فقط ابو بکر صدیق ہی ہیں کلام اللہ کے مخالف ہے۔ اور جو حدیث اللہ کے مخالف ہو اگر بالفرض اس کے راوی بہت سے بھی ہوں تب بھی چہ جائیکہ ایک راوی۔ بالخصوص اہل سنت و جماعت کے نزدیک کہ ان نزدیک کلام اللہ میزان صحت و ضعف و معیار صدق و کذب اخبار۔ تفصیل اس مجال کی یہ ہے کہ اول تو حدیث مذکور اس آیت کے مخالف

ہے یَوْمَئِذٍ نُّؤْتِيكَمُ اللَّهُ فِیْ اَوْ لَا دَکْھَرُ لِّلَّذِیْ کَرِهَ مِثْلَ حُطَّ الْأَنْثٰیْنِ جس سے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ترکہ میں میراث کا جاری ہونا نکلتا ہے۔ کیونکہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تم کو پہلے سے کہے دیتا ہے کہ تمہاری اولاد میں لڑکے کو دو لڑکیوں کے برابر ملے گا۔ سو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور احکام صوم صلوٰۃ حج زکوٰۃ میں شریک ہیں ایسے ہی اس حکم میں بھی امیر کے شریک رہیں گے۔ معہذا اس آیت میں بنی غنیم کی کچھ تخصیص نہیں پھر لو کہنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی وارث نہیں۔ اس آیت کی تکذیب کرنے دوسری اور آیت وَ هَبْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْکَ وَلِیْنًا یَرْثِیْ وَ یَرِثُ مِنْ اِلٰی یَقْفُو دَوْرُکَ دَاوُدَ وَ سُلَیْمٰنَ کے (جیسے اور انبیاء کے ترکہ میں میراث کا جاری ہونا) نکلتا ہے) مخالف اور مناقض ہے۔ کیونکہ دوسری کا ترجمہ یہ ہے "کہ وارث نہ حضرت سلیمان حضرت داؤد کے۔ اور پہلی آیت کا مطلب یہ ہے کہ حضرت زکرم

عَلَيْهِ السَّلَامُ جَنَابُ بَارِي تَعَالَى سَعَى يَهْ التَّجَاكَرُتِ فَيَنْقُذُكَ الْهَيَّ مَجْهُ كَوَافِئِهِ بِأَسْئَلِهِ
اَيْكٌ وَلِجَدِّ عَنَامَتِ قَرَابَتِ جَوَامِزِ اَيْكٍ دَارِثُ هُوَاوَرَاوَلَا دِلْعَقُوبِ كَا بَحِي دَارِثُ
هُوَ نَقَطٌ ۛ

سودوسری آیت سے صاف معلوم ہو گیا کہ حضرت داؤد علیہ السلام جو نبی
تھے ان کے ترکہ میں میراث جاری ہوئی۔ اور پہلی آیت سے گویہ بات بتصریح نہیں
نکل سکتی لیکن اول تو حضرت زکریا علیہ السلام سے جو مشہور نبی ہیں ایسے قدیمی حکم
کے خلاف طلب کرنا مستبعد ہے۔ تصویر میں نہیں آتا کہ جو حکم حضرت آدم علیہ
السلام کے زمانے سے لیکر ان کے زمانہ تک برابر معمول رہ رہا ہو ان کو بڑھاپے
تک معلوم نہ ہوا اور نہ اس باب میں کوئی وحی آئی۔ حالانکہ زمانہ پیری موت کا
مقدمہ ہوتا ہے ایسے وقت میں لازم ہے کہ جو موت نبی کے متعلق مسائل ضروری
ہوں ان کی اطلاع کی جائے تاکہ اس کے موافق وصیت کر جائے۔ ورنہ جو بات
نبی ہی کو معلوم نہ ہو تو پھر امتیوں کے معلوم ہونے کی کیا امید ہے۔

بائیں ہمہ جیسے حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے کی نجات کی دعا کے جواب
میں بطور تنبیہ و عتاب رَاقِيْ اَعْطَلْتُ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجَاهِلِيْنَ فرمایا اور اس
سے معلوم ہوا کہ یہ دعا خلاف مرضی جناب باری تعالیٰ تھی۔ حضرت زکریا کی
اس التجا کے جواب میں بشارت قبول دعا پہنچائی گئی۔ کچھ تنبیہ و عتاب نہیں
کیا۔ اس بات کا وہم جائے کہ یہ عتاب اسی سبب سے ہوا کہ حضرت زکریا نے
وراقت کا کیوں نام لیا۔ بہر حال ان آیات سے اتنا ثابت ہوا کہ انبیاء کے مال
میں بھی میراث جاری ہوتی ہے۔

پھر یہ بات کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی العموم سب انبیاء کو شامل
کر کے فرماتے ہیں کہ ہمارے گروہ کے گروہ کا کوئی وارث نہیں ہوتا کیونکہ صحیح
ہو بلکہ ان دونوں آیتوں سے تو یہ بھی ثابت ہوا کہ یہ جو بعض روایات حدیث
مذکور میں لفظ لَا يَرِثُ بھی آیا ہے یعنی ہم بھی کسی کے وارث نہیں ہوتے یہ بھی

غلط ہے کیونکہ حضرت یحییٰ اور حضرت سلیمان علیہما السلام بھی بالاتفاق نبی ہیں جب وہ دونوں
اپنے اپنے والد کے وارث ہوئے تو یہ بات کہ کوئی نبی کسی کا وارث ہی نہیں ہوتا سراسر غلط
یہ ہے تقریر مخالفت کلام اللہ و حدیث مذکور۔ اس سے بہتر شاید شیعہ بھی تقریر نہ کر سکیں۔

اعراض کا جواب | اب ہماری بھی تحقیق صحیح اور تنقیح فصیح کے حراہ عقل آشیانہ کی طرف متوجہ
ہو جائے۔ کہ ما شاء اللہ کیا دلکشا اور راحت افزا ہے جس سے کان میں بڑے ہی اطمینان
ہو جائے۔ ظاہر کی مخالفت کا ظہان انشاء اللہ تعالیٰ ایسی طرح دور ہو کہ پھر بھی دہیان
نہ آئے۔ بہ ترتیب آیات موافقت کی بات تحریر میں آتی ہے۔ لیکن چونکہ باریک بینی
بے تمہید کے ادا نہیں ہو سکتے اس لئے اول یہ گزارش ہے کہ ہر چند کلام اللہ میں اولیٰ
آخرہ حرفاً حرفاً خدا ہی کا تصنیف ہے اور اسی وجہ سے اس کو کلام اللہ کہتے ہیں۔
لیکن مراسلات اور خطوط بنی آدم کلام ربانی بھی دو قسم پر ہے۔ ایک تو جسے کوئی نبی
اپنی طرف سے کسی کو خط لکھے یا کوئی شخص کسی قاصد کو پیام دے کر بھیجے۔ تو اس صورت
میں وہ عبارت بھی اسی منشی اور اسی شخص کی ہوتی ہے۔ اور وہ خط اور وہ پیام بھی اسی
کی طرف سے ہوتا ہے۔ خط رساں اور پیام برفقہ مثل ہوا ہوتے ہیں۔ کہ ایک کے
منہ کی آواز دوسرے کے کان تک پہنچا دیتے ہیں۔ اسی قسم کا تو اکثر کلام اللہ ہے مثال
کے لکھنے کی کچھ حاجت نہیں یعنی جیسے خدا کا تصنیف ہے ویسے ہی خدا کی طرف سے
امت کو۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یا دونوں کو یا کسی خاص قوم کو خطاب ہے
سو اکثر وہ عبارات ایسی ہی ہیں نشان دہی اور تحریر مثال کی کچھ ضرورت نہیں۔

پھر شاید شیعہ بے لکھے نہ سمجھیں اس لئے یہ ایک دو مثال کافی و وائی مرقوم ہیں۔
يَا عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ اُدْكُودُ ابْنُ مَرْيَمَ الْبَنِيَّ. يَا اَيُّهَا الرَّسُوْلُ الْوَايَا اَيُّهَا النَّبِيُّ
الْوَايَا اَيُّهَا النَّبِيُّ الْوَايَا اَيُّهَا النَّبِيُّ الْوَايَا اَيُّهَا النَّبِيُّ الْوَايَا اَيُّهَا النَّبِيُّ الْوَايَا اَيُّهَا النَّبِيُّ
ڈرو۔ دوسری آیت میں بنی اسرائیل کو سنایا جاتا ہے کہ اے گروہ بنی اسرائیل میری فلاں
نعمت یاد کرو۔ اور دو آیتیں باقی ان میں خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو خطاب
ہے بہر حال جیسے یہ عبارات خدا کی تصنیف کی ہوئی ہیں۔ ایسے ہی ان کے مضامین بھی

خدا ہی کی طرف سے ہر کسی اور کا پیام سلام لقل نہیں فرماتے۔

دوسری یہ صورت ہے کہ جیسے لکھنا پڑھنا جاننے والے کسی ایسے جاہل کا خط
بے فارسی نہ آتی ہو فارسی میں لکھ دیا کرتے ہیں۔ تو عبارت گو اس فنی ہی کی ہوتی ہے
کوئی نادان بھی یوں نہیں کہہ سکتا کہ یہ عبارت اس مرد جاہل کی ہے پر مضمون اس جاہل
ہی کا ہوتا ہے۔ اور خط بھی اسی کا لگتا جاتا ہے۔ یا جیسے کسی کو کوئی شخص کچھ تلفظ میں
کسے کہ تو اپنے فلا نے مطلب کے لئے فلا نے سے یوں کہیو۔ جیسے مختاروں اور
وکیلوں سے لوگ مسودہ کرا لیا کرتے ہیں، تو گو عبارت تلفظ میں کرنے والے ہی کی بنائی ہوئی
ہوتی ہے پر اس کا مضمون کہنے والے یا عرضی والے ہی کا سمجھا جاتا ہے۔ ایسے ہی کلام
اللہ میں بعض بعض عبارات ایسی ہیں کہ گودہ بھی خدا ہی کی بنائی ہوئی ہیں لیکن ان کے
مضامین بندوں کی طرف سے سمجھے جلتے ہیں جیسے قل یا ایہا الکافرون اور قل ھو
اللہ اور قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس اور سو اس کے جہاں
لفظ قل یا قولوا اول میں ہے۔ اور پھر بعد میں ایسے الفاظ ہیں کہ جس کے ملاحظہ سے
یوں معلوم ہو کہ متکلم مخاطب ہیں۔ مثلاً قل اعوذ کے یہ معنی ہیں کہ کہہ اے محمد میں پناہ
مانگتا ہوں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ متکلم جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ہیں
تو بعد تسل کے جتنی عبارت ہے اُس سب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی طرف سے
سمجھنی چاہئے۔

لیکن جیسے زبانی تلقین میں تو اس کی ضرورت ہوتی ہے کہ تلقین کرنے والیوں کہے کہ تو یوں کہیو۔ عرض کے مسودہ میں اس کی ضرورت نہیں۔ کہ اس کے اول میں یوں لکھیں کہ تو یوں کہیو بلکہ مسودہ کر کے یوں ہی حوالہ کر دیتے ہیں۔ ایسے ہی کلام پاک خداوند کریم میں بھی بعضی عبارتیں ایسی ہیں کہ وہ بندوں کی طرف سے علی العموم فقط۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی طرف سے ہیں۔ لیکن اس کے اول میں قل یا قولا نہیں بلکہ بمنزلہ مسودہ و کلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یا سب کی طرف سے تصنیف کر کے ان کے حوالہ کر دیا ہے۔ چنانچہ سورہ فاتحہ اسی قسم کی ہے

خاص کرایا تک نعبہ سے لیکر آخر تک۔ جس کا یہ مضمون ہے کہ ہم تیری ہی عبادت کرنے
ہیں اور تجھی سے مدد چاہتے ہیں ہمیں سیدھی راہ چلا کر۔ ظاہر ہے کہ یہ عبارت خداوند
کریم نے بندوں کی طرف سے بنا کر ان کے حوالہ کر دی ہے۔ تاکہ وقت حضور دربار خداوندی
یعنی وقت نماز کے اس طور پر خداوند کریم سے عرض معروض کیا کریں۔ ورنہ اگر خدا کی طرف
سے کہے تو خداوند تعالیٰ شانہ سے زیادہ کون ہے جو خداوند کریم کی عبادت کئے
اور اس سے مدد کا خواستگار ہو؟ اور پھر کون سے جناب باری تعالیٰ بے راہی پر ہیں
جو سیدھی راہ کی تمنا اور آرزو ہے؟

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَبِرُوْا عَلٰی مَا لَکُمْ مِّنَ النَّاسِ وَرَسُوْلٍ یَّزِیْرٍ
ہو کر سنے کہ آیت یٰصبرکم اللہ بلکہ ابتداء سورہ نساء سے لیکر یہاں تک۔ بلکہ عجب
نہیں تمام سورۃ کی سورۃ بمنزلہ سورۃ فاتحہ جناب باری تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم کی طرف سے تصنیف کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالہ فرما دی ہے تاکہ
آپ بجائے خود لوگوں کو اس طرح سے سمجھا دیں۔ دلیل اس بات کی کہ یہ آیت رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے تصنیف کی گئی ہے خدا کی طرف سے نہیں یہ ہے کہ یٰۤاَیُّهَا
اللہ فرمایا اور یا عباداً و یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مثلاً نہ فرمایا اگر خدا ہی کی طرف سے بندوں کے خطاب میں
یہ آیت ہوتی تو لازم تھا کہ یا عباداً و یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مثلاً فرماتے۔ یہ عبارت جواب موجود ہے
صاف اسی پر دلالت کرتی ہے کہ منکلم اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور مخاطب
امت۔ آپ اپنی طرف سے ان الفاظ کے پیرایہ میں خداوند کریم کا حوالہ دے کر احکام میراث
تعلیم فرماتے ہیں۔ کیونکہ معنی اس کے یہ ہیں کہ پہلے سے تمہیں خدا تعالیٰ نے آگاہی دی ہے کہ
تمہاری اولاد میں بیٹوں کو دو بیٹیوں کے برابر ملا کرے ۔

یہ ایسی بات ہے کہ جیسے سرشتہ دازج یا کلکٹر کا حکم اہل مقدمہ کے سناتے وقت کہا کرتے ہیں کہ صاحب تنخواہی نسبت یہ حکم دیتے ہیں۔ اور اگر حاکم خود کلام کیا کرتا ہے تو اہل مقدمہ کو اس کے نام یا لقب سے جیسے چودھری یا شیخ جی مثلاً پکار کر کہا کرتا ہے کہ ہم تمہیں یوں حکم دیتے ہیں۔ یا ہمارا تمہارے لئے یہ حکم ہے مثلاً۔ نہ یہ کہ اپنا نام لیکر

یوں ہیں کہ ہمیں ظالم محض یوں کہتا ہے۔ پس درود مذکور علیہ یا عباد اذ حیث مکرمہ فرمایا جس کا یہ مطلب ہوتا کہ اے میرے بند میں تمہیں کہے دیتا ہوں بلکہ یوں ارشاد ہوا کہ انہیں یوں کہتے ہیں تو بالیقین معلوم ہو گیا کہ جیسے سورہ فاتحہ سب کی طرف سے بنا دی ہے ایسے ہی یہ آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بنا دی ہے۔ تاکہ ہم اس طرح سے باتیں کریں۔ اور ظاہر ہے کہ جب سرشتہ دار کسی اہل مقدمہ کو کوئی حکم سنایا کرتا ہے تو اس حکم سے اپنے آپ خارج ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ سوا سرشتہ دار جتنے آدمی روئے زمین پر ہیں اگر اُس وقت موجود ہوں۔ اور یہ بھی سبھی کہ یوں کہے کہ حاکم تمہارے لئے یوں فرماتے ہیں۔ تب بھی اُس وقت کی گفتگو سے کوئی یوں نہیں سمجھ سکتا کہ یہ سرشتہ دار بھی اس حکم میں داخل ہے۔

علیٰ ہذا القیاس جناب سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی جو اس حکم کے سنائے میں حکم الحاکمین کے سامنے بہ نسبت ہمارے ہمارے سرشتہ دار کے ہیں اس حکم سے خارج سمجھنا چاہئے۔ اور یوں سمجھنا چاہئے کہ حکم فقط امتیوں ہی کے لئے ہے۔ اور حدیث لا تُؤدُّ رُتَّ مَا شَرَكْنَا صَدَقَہُ اس دقیقہ معنی کے سمجھا دینے کے لئے۔ اس آیت کی تفسیر ہے۔ پر شیعہ بسبب اپنی کم فہمی اور نہایت کج طبیعت کے باعث تفسیر کو تبدیل اور تغیر سمجھتے ہیں۔ اور حدیث و آیت میں تخالف جانتے ہیں۔ قصور تو اپنا اور طعن ابو بکر صدیق کے ذمہ۔ اس تقریر کے بعد تو یقین یوں ہے شیعہ اپنے دل میں پشیمان ہو کر مومن خاں کا یہ مصرع پڑھیں۔ ع میں لزام انکو دیتا تھا قصو اپنا نکل آیا الغرض ذرہ بڑا۔ ہر حدیث مذکور اور آیت معلوم میں تخالف نہیں۔ بلکہ حدیث مذکور آیت معلوم کی تفسیر ہے۔ اور شیعوں کی سب حدیثیں کلام الشکی تفسیر ہیں۔ اہل فہم سمجھتے ہیں اور کم فہم نہ سمجھیں تو اپنا سرکھائیں۔ اور اس حکم سے اور سوا اس کے جو حکم کہ ایسی ہی عبارات میں مندرج ہیں۔ جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم خارج ہیں جیسے کبھی سرشتہ دار اہل مقدمہ یا رعیت حاکم کو حاکم کا کوئی حکم سناتا ہے اور حاکم کے دل میں سرشتہ دار کی نسبت بھی وہی حکم کمزور خاطر ہوتا ہے۔ تو آگے

پہچے اس کو متنبہ کر دیتے ہیں کہ تمہارے لئے بھی یہی حکم ہے مثلاً کسی صلح میں کوئی کلٹر ہوا اور اسی صلح کا رہنے والا کوئی مالگزار اس کی پچھری کا سررشتہ دار ہو۔ اور مالگزاروں کے کوئی حکم صادر ہو۔ اور وہ سررشتہ دار مالگزاروں کو یوں حکم سنائے کہ تمہارے لئے یہ حکم ہوا ہے۔ تو گو ان الفاظ سے بیبات نہیں ثابت ہوتی کہ سررشتہ دار کے لئے بھی یہی حکم ہے۔ لیکن بایں وجہ کہ سابقاً غلوۃ جلوة میں اس کو یہ بات متحقق ہو چکی کہ سب مالگزاروں کے لئے ایک ہی حکم ہے۔ وہ سررشتہ دار بھی وقت تکمیل حکم ہی حکم کا پابند رہے گا۔

سوا اگر بعض احکام میں مثل صوم، صلوة، حج، زکوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی شریک ہوں اور پھر بالفرض وہ بھی ایسے ہی الفاظ سے کلام اللہ میں وارد ہوئے ہیں۔ کہ موافق تقریر مسطور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُس حکم سے خارج ہونے چاہئیں۔ تو کسی اور قرینہ یا غلط پنهانی سے آپ کو اپنا شمول اس حکم میں ثابت ہوا ہو۔ مگر چونکہ اس حکم میں متحقق ہو گیا ہو کہ میں اس میراث سے خارج ہوں۔ بلکہ بالخصوص اس بات میں میرے لئے اور حکم ہے۔ تو بایں نظر مبادا صوم و صلوة کا اشتراک دیکھ کر باقی ماندگان یہ سمجھ جائیں کہ گو اس آیت سے آپ کا شمول اس حکم میں معلوم نہیں ہوتا لیکن کیا عجب کہ مثل صوم و صلوة اس حکم میں بھی کبھی وحی جدید کے باعث آپ شریک ہو گئے ہوں۔ اور یہ سمجھ کر اموال و کو جو بضرورت اخراجات روزمرہ کسی کو دیا نہیں گیا تھا تقسیم کر لیں۔ اور تصرف غیر شرعی سے انجام کار دین و دنیا کی خرابی اٹھائیں لا تُؤدُّ رُتَّ مَا شَرَكْنَا صَدَقَہُ فرمایا ہو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اور تخصیص کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کمال بعد وفات میں ہستنا کی دیگر نظیریں۔ میں نہیں آسکتا کچھ نئی تخصیص نہیں۔ بہت سے حکم ایسے ہیں جس میں امت کے لئے کچھ حکم ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کچھ اور حکم تھا۔ بشہادت شروع سورہ مزمل اور آیت وَ مِنَ الْكَلْبِ فَتَحْتَجَّ بِہُ نَاجِلَةً لَّكَ رَسُولَ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باتفاق اکثر آپ پر فرض تھا۔ اور باقی تمام امت پر فرض نہیں، صوم وصال آپ کے حق میں موجب ثواب تھا باقی تمام امت کے لئے ممنوع۔ اگر کوئی عورت

آیت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچ کر دیتی تو آپ کو وہ حلال تھی اور وہ لے حلال نہیں۔ آپ کے ذمہ مہر اور عورتوں کے حق میں عدل یعنی سونے لیٹنے میں برابری نہائی فرض یعنی گو آپ نے تمام عمر عدل ہی سے گزاری اور مہر بھی دیا۔ اور باقی تمام امت پر یہ دونوں باتیں ضروری ہیں۔ سب امت کے لئے چار عورت کے ساتھ نکاح کرنے کی اجازت ہے۔ چنانچہ اسی سورت کے شروع میں اس تعداد کا ذکر ہے اور باتفاق امامیہ اثنا عشریہ بلکہ اکثر فرقہائے شیعہ و سنی اُس کے یہی معنی ہیں کہ چار تک اجازت ہے آگے نہیں۔ حالانکہ جناب سرور کائنات علیہ و علی آلہ افضل الصلوات و اکمل التسلیمات اس حکم سے خارج ہیں۔ آپ کے حق میں سب جانتے ہیں یہ قید نہ تھی۔

اور اس حکم سے آپ کے خارج ہونے کی وجہ بھی یہی نکتہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کلام خدا کی طرف سے نہیں بلکہ بمنزلہ آیت **يُؤْتِيكَ اللَّهُ** وہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی طرف سے ہے۔ جیسے کچھ ہی کے عرضی لوئیں کسی کو عرضی لکھ دیتے ہیں۔ اور وہ عرضی لکھو الے والے ہی کی بھی جاتی ہے عرضی لوئیں کی کوئی نہیں کہتا۔ ایسے ہی اس سورت سے ان احکام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم احکام یعنی عظم پند سمجھنا چاہئے کیونکہ اس تعداد کے ذکر سے کچھ ہی پہلے شروع میں اس سورت کے اس طے سے خطاب ہے **يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ** یعنی اے لوگو! تم اپنے رب سے جس نے تمہیں ایک جان یعنی حضرت آدم سے پیدا کیا فقط سو یہ کلام اور یہ خطاب ظاہر ہے کہ خدا کی طرف سے تو بندوں کو ہو ہی نہیں سکتا ورنہ یوں فرماتے **يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّ** فانی دیکھو اللہ ہی خالق کو لکھو یعنی اے لوگو! تم سے ڈرو اس لئے کہ میں تمہارا وہ رب ہوں جس نے تمہیں پیدا کیا ایک جان سے فقط۔

اب ہونا ہو یہ کلام اور یہ خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہے۔ اور مخی طلب اس پند کے امتی ہیں۔ تو لا جرم یہ احکام بھی بنسبت امتیوں ہی کے ہوں گے تیمار دار جو حکم حکیم حاذق بیمار کو نصیحت کرتے ہیں کہ تو دوا پی لے اور بد پرہیز ممتی کر تو کسی کے نزدیک نہ بیمار کے نہ غیر کے یہ لازم نہیں۔ کہ تیمار دار خود بھی دوا پئے

اور پرہیز کرے۔ بلکہ سب کے نزدیک تیمار دار ان احکام سے خارج ہے۔ ہی جناب سرور کائنات علیہ السلام جو ہم بیماروں کے لئے بمنزلہ تیمار دار کے ہیں حکیم مطلق یہ احکام مندرجہ ذیل **يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّ** الی آخر السورۃ سب امتیوں کو سناتے ہیں۔ تو لا جرم آپ ان احکام سے خارج ہیں۔

اور اگر کسی حکم میں شریک بھی ہیں تو اس کی ایسی مثال ہے کہ جیسے اُس تیمار دار کو بھی حفظ صحت کے یا کسی اور مصلحت کی رعایت کے لئے وہ حکم کو دوا یا کوئی پرہیز ہی متلائے جو اُس بیمار کے نسخہ اور پرہیز میں داخل ہے اس سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ یہ تمام سورۃ خاص کر شروع سے لیکر آخر رکوع **يُؤْتِيكَ اللَّهُ** تک جتنے احکام مذکور ہیں وہ سب بہ نسبت امتیوں کے صادر ہوئے ہیں۔ اس میں سے اگر کسی حکم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شریک امت ہیں بھی؟ تو کسی اور اشارہ کنایہ وحی وغیرہ کے سبب ہیں۔ اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ یہ تمام سورۃ نہیں تو آخر رکوع مذکور تک تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی طرف سے عبارت بنائی گئی ہے۔ بالجملہ جناب سرور کائنات علیہ و علی آلہ افضل الصلوات و اکمل التسلیمات اکثر احکام سے مستثنیٰ ہیں۔

اور مردمان فہمیدہ سوار امثلہ مذکورہ کے دنیا کے کاروبار میں سے اور اس کی بہت سی مثالیں نکال سکتے ہیں مثلاً افسر بہ نسبت عوام ملازموں کے بہت سے احکام میں مستثنیٰ ہو پایا ہے۔ اور بہت سے احکام اسی کے لئے مخصوص ہوتے ہیں۔

پہر سپاہی دیتے ہیں افسروں سے معاف ہوتا ہے پہر بدلانا اور حکم پلانا اور انتظام کرنا اور موجودات یعنی اور امور ضروری کی حکام بالادست کو اطلاع کرنی افسروں کے ذمہ ہوتی ہے۔ محاصل حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم مثل حکم تعداد منکوحات اس حکم سے بھی خارج ہیں۔ اور جب خارج ہوئے تو یہ آیت اور وہ حدیث باہم مخالف نہ ہوئی موافق اور متعاقب ہی نکلی ہاں مخالفت سے کہتے ہیں کہ شیعہ اپنے اماموں سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنے والد کے بعض وارثوں کو بعضے ترک کا حصہ نہیں پایا

بلکہ خود اپنے آپ سب سے لیا ہے جیسے شمشیر اور مصحف اور انگشتری اور پوشاک بدنی۔ سو جن روایتوں کی سند سے اماموں نے اوروں کو حصہ نہیں دیا اول تو وہ فقط انہیں کی روایت ہے۔ اور کوئی اس کا راوی نہیں۔ دوسرے یہ بات آیت یوصیکم اللہ کے ہر طور مخالف ہے تطبیق کی کوئی صورت نہیں۔

اب اگر بالفرض یہ حدیث غلط بھی ہو اور ابو بکر صدیق ہی نے بنالی ہو تب مضمون صحیح ہی نکلا۔ حکم بہر حال یہی ہے کہ فدک غیرہ متروکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں میراث جاری ہونے کا حکم نہیں۔ اور اس لئے اب ہمیں اس کی ضرورت نہیں کہ اس حدیث کی صحت کے دلائل جمع کر کے پیش کریں۔ یا کوئی اور وجہ دربارہ تطبیق حدیث مذکور اور آیت یوصیکم اللہ بیان کریں۔ یا اس حدیث میں اور روایات باقیہ میں موافقت ثابت کر کے شبہ تخالف کو دور کریں۔ کیونکہ کلام فدک میں میراث جاری ہونے میں تھی۔ سو اس کی طرف سے اطمینان ہی ہو گیا لیکن تاہم بایں نظر کہ اولیائے کرام اور مقربان درگاہ خداوندی کی طرف داری اور ان کے بدگوئیوں کی دماندگی میں امید نظر عنایت خداوند تعالیٰ و رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور توقع دعا و شفاعت اولیا و مقربان خدا ہے۔ جس میں سے خاص ابو بکر صدیق کہ مبرا مقربان اور سرشکر اولیا ہیں۔ اس لئے اس آیت سے مطابقت کی بھی ایک اور وجہ مرقوم ہے۔ اور تطبیق آیات باقیہ بھی معروض خدمت اہل انصاف ہے۔ ازاں بعد بطور ضمیمہ دیکھ بیان صحت و علما بعد صحت حدیث مذکور بھی انشاء اللہ کیا جائے گا۔

حدیث معاشر الانبیاء مختصہ سو اول آیت یوصیکم اللہ کے ساتھ مطابقت کی ایک آیت تو یہ ہے۔ ذکر معارض اور وجہ لیجئے۔ اگر بطور مذکور جس سے جناب سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا مشتقی ہونا اس حکم سے معلوم ہو جائے یہ حکم بیان نہ ہوتا۔ بلکہ ایسے الفاظ ہوتے کہ جن سے باعتبار اللفظ عموم خطاب ہی سمجھا جاتا۔ یا کوئی عقل کا اندھا نہیں الفاظ کو یوں کہنے لگے کہ عموم بردالت کرتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس حکم میں بہر نہی شامل ہی ہیں۔ تب بترتقدیر صحت حدیث مذکور کوئی دشواری ہی نہیں

بہت سے بہت ہو گا تو آیت مذکور کی تخصیص لازم آئے گی مخالفت پھر بھی نہیں مخالفت کو تعارض اور تناقض کو کہتے ہیں تخصیص کی صورت میں استثناء کی صورت ہو جائے گی۔ مثلاً کوئی یوں کہے کہ میرے پاس سب آئے مگر یہ نہیں آیا تو اس کلام کا دل اور آخر میں کوئی نادان بھی تعارض نہیں سمجھتا۔ حالانکہ یوں کہنا کہ سب آئے اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ نہ یہ بھی آیا۔ یہ کہنا کہ یہ نہیں آیا اس کے مخالف ہے سو اس کی جلم ہی ہے کہ آخر کا کلام اول کا مختص ہو گیا۔

باقی کوئی یوں کہے کہ اس مثال پر توجب قیاس کیا جائے کہ جیسے اس کلام میں جملہ مختصہ ساتھ لگا ہوا ہے ایسے ہی مضمون حدیث کا کوئی لفظ اس آیت کے متصل آگے پیچھے لگا ہوتا؟ سو اس کا جواب یہ ہے کہ مختص کا لفظوں میں متصل ہی ہونا کچھ ضرور نہیں۔ اسی کلام میں کہ سب آئے مگر یہ نہیں آیا ایک زیدی کی تخصیص تو لفظی ہے۔ باقی اور جو لاکھوں تخصیصیں اس کے ساتھ لگی ہوئی ہیں وہ لفظوں میں کہاں ہیں؟ تو صیح اس کی یہ ہے کہ اس قسم کے کلام کا بھی کو اتفاق پڑتا ہے اور بالاس ہر تمام مخلوقات بلکہ سب بنی آدم اور سارے روئے زمین کے رہنے والوں کا آنا بھی مثلاً مقصود نہیں ہوتا۔ ایک بستی کے یا ایک گروہ کے یا ایک ذیل خاص کے آدمی مراد ہوتے ہیں۔ سو یہ تخصیص کو لئے لفظ سے نکل آئی اور اس پر تسکین نہ ہو تو اب کے ایسی مثال لیجئے کہ پھر کسی کو مجال دم زون نہ رہے جیسے آنحضرت فَاَنْتَ كَوْ اَمَّا كَلَاب

اول میں اسی سورت کے یہ حکم ہے فَاَنْتَ كَوْ اَمَّا كَلَاب
مشتقی ہیں ایسے ہی یوصیکم اللہ ہیں
لَكَوْ مِنْ النِّسَاءِ مَثْنٰی وَ تِلْكَ وَرَبَاعٌ لِّعِنِّیْ

کہ عورتوں سے جس قدر تمھاری مرضی ہو دو دو۔ تین تین۔ چار چار فقط۔ اب غرض یہ ہے کہ باتفاق شنی و شیعہ خصوصاً امامی و اشاعری اس کے معنی یہی ہیں کہ چار تہا درجہ ہے اس سے زیادہ کی اجازت نہیں۔ سو اگر یوصیکم اللہ عام ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور غیر کو رب کو شامل ہے تو فاکو لہا خطاب لکھ بھی عام ہے اور رب کو شامل ہے۔ کوئی لفظ ایسا جس سے رسول اللہ صلی اللہ

صلیٰ علیہ وسلم کا اس سے پہلے ہونا ثابت ہو چکا ہے۔ پس وہ اس کی جہت سے کلام مفصل سے اس آیت کو تخصیص کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مستثنیٰ کر لیا ہے ایسے ہی حدیث مذکور سے آیت جو صلی اللہ علیہ وسلم کو مخصوص کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مستثنیٰ کر لیا۔

اور اگر یوں کہے کہ آیت فانکحوا کی تخصیص تو دوسری آیت ہی سے کی گئی سورہ احزاب کی یہ آیت یا اَکْهَآ النَّبِیُّ اِنَّا اَخْلَلْنَا لَکَ اَزْوَاجَکَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ تک اس پر دلالت کرتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چارے زیادہ عورتوں سے نکاح کرنا جائز ہے کیونکہ اس آیت کا یہ مطلب ہے۔

کہ اسے نبی ہم نے حلال رکھیں تیرے لئے تیری عورتیں جن کے تو مہر دے چکا اور جو باندیاں تیری ملک میں آگئی ہیں اس لوٹ جیسا جو اللہ نے دلوادی ہے اور تیرے چچا کی بیٹیاں اور تیری بھوپھیوں کی بیٹیاں اور تیرے ماموں کی بیٹیاں اور خالوں کی بیٹیاں جنہوں نے وطن چھوڑ دیا تیرے ساتھ ہیں اور جو کوئی عورت ہوسلمان اگر بچنے اپنی جان نبی کو اور نبی چاہے کہ اس کو نکاح میں لے آئے نری بچی کو سوار اور مسلمانوں کے فقط۔

سو اس سے صاف ظاہر ہے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چارے زیادہ کی اجازت نہیں تھی تو اتنی کیوں گنا دیتے۔ سو جیسے آیت فانکحوا کی تخصیص اس آیت سے ہو گئی ایسے ہی کوئی آیت تلاؤ جو آیت یوصیکم اللہ کی تخصیص اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مستثنیٰ ہونے پر دلالت کرے۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حکم جیسا کہس سے روا ہو گیا۔ کہ کلام مختص بھی ہو تو آیت ہی ہو عقل سلیم کو آیت اور غیر آیت اس بات میں دونوں یکساں نظر آتے ہیں اور عقل کے سلیم نہولے کے عذر سے یہ جواب مسلم نہیں۔ تو ہم کہتے کہ اول تو آیت فانکحوا کا مخصوص ہونا آیت انا احللنا سے مسلم نہیں ہے۔ کیونکہ مقام دعویٰ میں لازم ہے کہ ایسی دلیل پیش کی جائے جس میں خلاف دعویٰ کا احتمال نہ ہو۔ اور

اس آیت میں احتمال ہے کہ بمنزلہ ذَا اَھْلِ لَکُمْ مَا وَاَدَّ ذَا لَکُمْ اس امر کے بیا واسطے نازل ہوئی ہو کہ تمہارے لئے اس قسم کی عورتیں حلال ہیں۔ نہ یہ کہ جتنی و نکاح کر لو۔ جیسے واحل لکم ما واداء ذلکم کے یہ معنی ہیں کہ تمہارے لئے سوا مذکورہ کے سب قسم کی عورتیں حلال ہیں۔ بشرطیکہ مہروں سے ان کے نکاح کر لو۔ سو اس سے یہ نہیں نکلتا کہ سوا محرمات مذکورہ جس قدر چاہو ان سے کر لو۔ اور مؤید اس احتمال کی یہ بات ہے کہ سورہ احزاب سورہ نسا سے نازل ہوئی ہے۔

چنانچہ تفسیر اتقان میں نوخ اول میں ترتیب نزول سورہات قرآنی میں ایک حدیث مفصل نقل کی ہے۔ اس سے یہ بات ظاہر ہے۔ سواب تک آیت فانذ نازل ہوئی ہی نہ تھی جو آیت انا احللنا نازل ہوئی۔ اور جب تک آیت فانذ نازل نہیں ہوئی تھی تب تک نکاح کے باب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تخصیص کسی کو بھی کوئی قید عدد نہ تھی۔ پھر کیا ضرورت تھی جو اس آیت کو ناکر کے یہ اطلاع کی گئی کہ تمہارے لئے جتنے نکاح کرو درست ہیں؟ اس صورت میں لاجرم یوں ہی کہا جائے گا کہ آیت فانکحوا کی تخصیص کسی اور نبی وجہ سے ہو اور اگر یوں کہے کہ ترتیب مذکور باعتبار فواج سورہ ہو۔ یہ کیا لازم ہے کہ سورہ کی تمام آیتیں سورہ نسا کی تمام آیتوں سے پہلے ہی نازل ہوئیں؟ چنانچہ حد مشارالہ سے کچھ ایسا ہی واضح ہوتا ہے۔ سو ہر چند یہ احتمال ہمیں ساکت نہیں کہ اسی لئے کہ مدافع ان احتمالات کی ہمارے ذمہ نہیں۔ ہم کس بات کے مدعی ہیں؟ احتمالات مخالفت کو رفع کریں؟ ہاں اس احتمال کا دفعیہ کہ شاید ساری ہی یا فقط آیت انا احللنا۔ ساری سورہ نسا یا فقط آیت فانکحوا اس سے نازل ہوئی ہو۔ ان کو ضروری ہے تاکہ ان کا دعویٰ تخصیص ثابت ہو۔

یوصیکم اللہ کی تخصیص معجزہ ہمارے چشم پوشی دیکھئے کہ ہم اس سے بھی دوسری آیت بھی ہے۔ آیت یوصیکم اللہ کی تخصیص بھی آیت ہی بتلاتے ہیں

سورۃ بقرہ آیت ۱۷۷ میں فرماتا ہے: **وَمَا جَاءَ اللَّهُ عَلَى رَسُولٍ مِنْ أَهْلِ الْقُرَىٰ فَلَهُ وَآلِهِ وَبَنُوهُ**۔ اس میں یہ آیت موجود ہے: **وَمَا جَاءَ اللَّهُ عَلَى رَسُولٍ مِنْ أَهْلِ الْقُرَىٰ فَلَهُ وَآلِهِ وَبَنُوهُ**۔ **وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينُ وَابْنُ السَّبِيلِ كَيْلًا لَّيَكُونُ ذَلِكُمْ بَيْنَ الْأَعْيُنِ وَمِنْكُمْ** مطلب یہ ہے کہ جو مال بطور فقی کے خداوند کریم نے اپنے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دوا دیا۔ بستیوں والوں سے۔ (یعنی بے لڑے بھلے فتح ہوگئی) تو وہ اللہ کے واسطے اور رسول کے اور نکلے والے کے اور یتیموں کے اور محتاجوں کے اور مسافر کے لئے ہے۔ تاکہ نہ آوے لینے دینے میں دو ہمتوں کے تم میں وقفہ۔

اب علماء اہل سنت اور مفسران علماء شیعہ کی خدمت میں یہ عرض ہے کہ مال فی کی تقسیم جناب باری تعالیٰ نے چھ حصوں پر کی ہے بعض علماء کا تو یہی قول ہے کہ چھ حصوں پر تقسیم کر کے خدا کا حصہ بیت اللہ اور مساجد کی تعمیر میں خرچ کیا جائے۔ بڑا کثرت کا مذہب یہ ہے کہ مال فی کے پانچ ہی حصہ ہیں لیکن جو نیک عبارت **فَلَهُ وَآلِهِ وَبَنُوهُ** الح جو یہاں ہو یہ وہی عبارت ہے جو بارہ دہم کے شروع میں مصرف خمس کے بیان کے لئے وارد ہوئی ہے۔ اور شیعوں کا اس جگہ پانچ حصوں پر تقسیم کرنا بالیقین معلوم ہے۔ تو بالیقین معلوم ہوا کہ یہاں بھی شیعوں کے نزدیک وہی تقسیم ہوگی۔ سو اس مذہب کے موافق ذکر خدا کی وجہ سے اس کے اور کچھ نہیں ہوگی کہ جو چیز خداوند کریم کے ارشاد کے باعث اس کی رضا کے موافق خرچ کی جاتی ہے تو اس کو خدا کے ساتھ اور نیز ان کے ساتھ جو موافق ارشاد خداوندی اس کے مصرف مقرر ہوئے ہیں ایک نسبت حاصل ہو جاتی ہے۔

خدا کے ساتھ تو یہ نسبت کہ اس کی راہ میں خرچ ہوئی۔ اور اہل مصرف کے ساتھ یہ نسبت کہ ان کے لئے مقرر ہوئی۔ تو اس کو خدا کے واسطے بھی کہہ سکتے ہیں چنانچہ عرف ہی یہ ہو گیا ہے کہ جو چیز بنیت ثواب دیا کرتے ہیں اس کو خدا کے واسطے کہا کرتے ہیں۔ اور اہل مصرف کے واسطے بھی۔ چنانچہ عرف میں ان کی طرف بھی نسبت کرتے ہیں اور ہوا کرتے کہ فلاں چیز فقروں کے یا مسکینوں کے

واسطے ہے مثلاً۔ تو اس صورت میں حاصل یہ ہوا کہ مال فی خدا کے واسطے ہے اور فلاں فلاں قسم کے آدمیوں کے واسطے یعنی خدا کی رضا مندی کے لئے اُن کو دیا جائے۔ اور ضرورت اس کہنے کی یہ ہوئی کہ مال فی تو اُسے کہتے ہیں کہ جو کفار کے بچوں میں سے بے لڑے بھلے بسبب رعب لشکر اسلام کے یا بطور صلح اہل اسلام کے قبضہ میں آجائے سو یہ مال حقیقت میں تو جناب باری تعالیٰ نے اپنے فضل سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قبض و تصرف میں داخل کر دیا۔

لیکن چونکہ بظاہر اس کا باعث رعب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوا ہے۔ اور رعب میں فی الجملہ جمیع لشکر کو مدخلت ہے۔ تو لشکریوں کو اس میں طبع ہو سکتی تھی اس لئے یوں ارشاد ہوا کہ جو مال بے لڑے بھلے ہم نے اپنے رسول کو دوا دیا ہے اس میں تمہیں جانفشانی کی نوبت نہیں آئی کہ کسی قسم کی مشقت تم پر نہیں پڑی۔ سو مناسب یوں ہے کہ اس کو خدا کے واسطے چھوڑ دو۔ تاکہ مصارف مذکورہ میں صرف ہووے لیکن پہلی آیت میں جو یہ جملہ ہے **فَمَا أَذْجَفْتُمْ** سے لے کر **بِأُزْكَاءِ** اس جملہ کے مناسب یوں ہے کہ یوں کہیے۔ کہ جب خداوند کریم نے تمہاری بے بسی و کوشش کے یہ مال اپنے رسول کو دوا دیا تو اس میں تمہارا کچھ حق نہیں۔ جیسا مال غنیمت بسبب اس کے کہ بظاہر تمہاری جانفشانوں کے باعث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ آیا تھا تم پر تقسیم کیا جاتا ہے۔ ایسے ہی جو مال فقط خدا کی عنایت سے ہاتھ آئے وہ خدا کا ہونا چاہئے۔ اور جو لوگ اللہ والے ہیں اور خدا کے نام پر بیٹھے ہیں یہ خدا کے نام کا مال اُن کو ملنا چاہئے۔

آنحضرت فدک کے بہر حال لفظ علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قبض مالک نہ تھے متولی تھے و تصرف ثابت ہوا لیکن جیسا لفظ علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قبض و تصرف ثابت ہوا ویسا ہی لفظ **فَلَهُ** سے یہ بھی ثابت ہوا کہ وہ قبض و تصرف مالک نہ نہیں بلکہ متولیسا نہ ہے یعنی آپ خازن اور امین مالک نہیں۔ ورنہ اس مصرف کے مقرر کرنے کے کیا معنی ہوا مالک کو اپنی چیز کا اختیار

ہوتا ہے؟ اور اگر بالفرض والتفہد لزمان فی مملوک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہوا اور ایک قدر میں کے لئے ذوی القربی اور تثنائی اور مساکین اور ابن سبیل کو مقرر کروینا ایسا ہی ہو جیسا زکوٰۃ کے لئے (جو ایک حصہ معین ہے) فقرا اور مساکین وغیرہ کو مقرر کر دیا ہے۔ تو قطع نظر اس کے کہ یہ بات بشہادت عبارت آیت ظاہر البطلان ہے اس کے معنی ہوئے کہ نعوذ باللہ سرور کائنات علیہ وعلی آلہ افضل الصلوٰۃ والتسلیمات جو بالفاق سرا مشر معصوم ہیں۔ اس جہان سے با حق و مند رجح آیت اپنے سر پر لگے سوا اس کے قابل ہونے کی جرات شیعوں ہی میں نظر آتی ہے اہل سنت کو ایسی بات کہہ کے اپنا ٹھکانا نظر نہیں آتا۔

باقی رہائی کے اندر ہی کا مصارف مذکورہ میں خرچ کرنا۔ سوا اس صورت میں اس سے کام نہیں چلتا کیونکہ لفظ اخاء اللہ اس صورت میں صاف اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ذوی القربی اور تثنائی وغیرہ کو اصل زمین بانٹ کر دینی چاہئے۔ الغرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مملوک ہونے کی کوئی صورت نہیں۔ پھر معلوم کہ کس وجہ سے روایت ہب فدک کو علمائے شیعہ سمجھتے ہیں یا فدک کو بتما مسحق و ارثان رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم؟ بلکہ فقط حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا حق خاص قرار دے کر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بلکہ تمام اکابر صحابہ خصوصاً خلفائے ثلاثہ پر زربان طعن دراز کر کے اپنی عاقبت خراب کرتے ہیں۔ اگر پہلے سے عذر چاہتے تو البتہ یہ عذر معقول ہے۔ لیکن بعد استماع ان کلمات طببات اور مضمون آیت سراپا ہدایت کے تو بہ واستغفار میں کیا توقف ہے؟

ہاں اگر قریہ فدک بطور فخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قبض و تصرف میں نہ آیا ہوتا یا بعد ازاں قدر ما وجب منجملہ اراضی وسیعہ اور قریات کثیرہ قریہ فدک خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رہ جاتا تو البتہ دوسرے احتمال مخروض فی الجملہ جالے گرفت تھی لیکن شیعہ ہی فرماتے ہیں کہ فدک کا فہونا اور پھر غیر مقسوم ہونا اس کے نزدیک مسلم نہیں؟ بلکہ انصاف سے دیکھئے تو اس قسم کی تقسیم بھی مفید مطلب شیعہ نہیں

کیونکہ اگر بالفرض قریات تقسیم ہوئی تھیں تو ہر ہر قریہ والوں سے جدا جدا صلح واقع ہوئی تھی کسی ایک کی سلطنت ہی نہ تھی جیسا کہ اسی سے صلح کرنی کافی اور کتنی ہوجاتی سوا اس صورت میں لازم تھا کہ ہر قریہ میں سے تقسیم کر کے حقوق واجبہ کو ادا کرتے۔ کیونکہ لفظ ما جوا انشاء اللہ میں ہے عموم اور شمول افراد پر دلالت کرتا ہے مثل غنیمت ہرنے کو جدا گانہ تقسیم کرنا چاہئے تھا۔

اور اگر کوئی عقل کا اندھا اور تعصب کا پورا سنیوں سے دامن چھڑانے کے لئے فدک کو کسی غنیمت کا حصہ خمس کہہ کے سنیوں کے سامنے آنکھیں کرنے کا ارادہ کیے تب بھی موافق مثل مشہور عہد ہر کجا کہ رسیدیم آسمان پیدا است :- وہی خرابی کی خرابی برسر رہے گی۔ کیونکہ جن الفاظ اور جس عبارت سے مال فہ میں سوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصناف اربعہ ذی القربی وغیرہ کے حقوق کا تعلق ثابت ہوتا ہے۔ وہی الفاظ بعینہا خمس کے مصرف کے بیان کے لئے جناب باری تعالیٰ نے ارشاد فرمائے ہیں۔ اگر علماء شیعہ کو بوجہ یاد ہونے کلام اللہ کے حکم المرد یقیس علی نفسه اس گفتار میں میری طرف دروغ کا احتمال ہو تو کلام اللہ تو ہر جا موجود ہے۔ سیپاؤ دہم کی پہلی آیت کو مطالعہ کر دیجیے۔

معہ خمس تو مال غنیمت میں سے ملتا ہے۔ سوا اگر بالفرض فدک جنگ و جدال سے فتح ہوا ہوتا تو چار خمس تو پھر بھی غانیم کے ہوتے۔ علیٰ ہذا القیاس سوائے اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حصہ اگر کہئے تو جو حال اور مجاہدین کا ہے وہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ سو کسی طرح سارے فدک کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مملوک ہونے کی کوئی صورت نہیں۔ یہ بھی احتمال نہیں کہ فدک کسی قریہ کے اس حصہ معین کا نام ہے جو بعد ازاں حقوق واجبہ رو گیا تھا۔ کیونکہ بالاتفاق اہل سنت صاحب قاموس وغیرہ اس بات پر متفق ہیں کہ فدک ایک قریہ کا نام ہے علماء شیعہ کو بھی اس میں کلام نہیں۔ اور جابلوں سے اپنی کلام نہیں۔ بہر حال قبل اس بات کے کہ بعد تقسیم اراضی کثیرہ فدک خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے پاس رہ گیا تھا۔

یہ جہاں باطل کا ہے کہ اراضی فی بلکہ اراضی جس میں بھی مخلوق کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی نہیں) مثل خیال محال مجاہدین پریشان ہی رہے گا۔

آیت کے ہر لفظ فدک کا مملوک نہ ہونا ظاہر ہے مگر شاید کسی عقل کے دشمن کو اس احتمال کے بطلان کی حقیقت میں غلبان رہے۔ اس لئے ہم کو بھی لازم ہے کہ اس احتمال کے بطلان کے وجہ جن سے مال فی بھی ثابت ہو جائے۔ بیان کر کے ابو بکر صدیق کی برادرہ بلکہ حقانیت اور علمائے شیعہ کی خوش فہمی کو آخر کار کر دکھلائیں۔ سو اول تو اس احتمال کے بطلان کے لئے کہ فدک جو منجملہ اراضی فی ہے مملوک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھا (اور ان مصارف معلومہ کا مقرر کردینا بعینہ ایسا ہے جیسا اموال مملوکہ میں قدر زکوٰۃ کے لئے فقراء اور مساکین وغیرہم کو مقرر فرمایا ہے) قطع نظر اس کے کہ ادنیٰ سے عربی داں کو بھی یہ وہم نہیں گذر سکتا۔ چنانچہ ظاہر ہے یہی ایک لفظ فذلہ کافی ہے کیونکہ مملوک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہونا اموال فی کا اس لفظ سے ظاہر و باہر ہے۔ چنانچہ مطالعہ کثرتان تقریر مرسطور بالا پر انشاء اللہ مخفی نہ رہے گا۔

دوسرے اگر لفظ مَا آتَاءَ اللہَ عَلٰی رَسُوْلِهِ تملیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر دلالت کرتا تو پھر فذلہ رَسُوْلٍ کہنے کی کیا حاجت تھی؟ بلکہ مثل دَاْعَلْمُوْا اَنْفُسَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاِنَّ لِلّٰہِ خُمُسَهُ وَاَلِیْہَا مِمَّا جَاءَہُمْ جِسْمٌ قَدَرِہٖ اَوْنَدِہٖ کہ کوہ نظر ہوتا کہ اس کی راہ میں خیر کیا جائے اس کی تعیین فرما کر فذلہ کے بعد دِلٰہِی الْقُرْبٰی وَاَلِیْسَا فِیْہِ فَرَادِیۡہِ فَلَیْسَ رَسُوْلٌ نہ فرماتے۔ اور اگر یوں کہے کہ لفظ مَا آتَاءَ اللہَ سے تو تملیک نہیں ثابت ہوتی پر فَلَیْسَ رَسُوْلٌ تملیک پر دلالت کرتا ہے تو البتہ یہ بات نادانوں کے نزدیک دانوں کی سی بات ہے لیکن سمجھنے والے سمجھتے ہیں کہ اگر فَلَیْسَ رَسُوْلٌ میں لام تملیک کے لئے ہو تو لاجرم فذلہ وِلٰہِی الْقُرْبٰی کا لام بھی تملیک ہی کے لئے ہوگا۔ اور ظاہر ہے کہ اس جگہ تملیک بے اس کے ہوئی نہیں سکتی کہ جس جس کی ملک کیا گیا ہے پہلے سے اس کی ملک میں نہ ہو۔ بلکہ بعد ازاں یعنی مسلط کردینے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جملہ اصناف مندرجہ آیت مال فی کے

مالک ہونے ہوں۔

کیونکہ اول تو بات ظاہر ہے قبل افادۃ اموال فی میں کفار کے سب تصرفات مثل بیع عمارت وغیرہ کے سب کے نزدیک صحیح ہیں۔ مہذبہ اگر وہ قبل افادۃ مسلمان ہو جائیں یا جزیہ قبول کر لیں تو بہ نسبت اموال کوئی ان کا مزاحم حال نہ ہو یعنی اس سے معلوم ہوا کہ قبل افادۃ کفار ہی مالک تھے۔

لام تملیک کے لئے ہو۔ تو اموال دوسرے فاعل تعقیب خود اس بات پر شاہد ہے کہ اگر فی غیر مملوکہ حندا ہوں گے لام لِلرَّسُوْلِ وغیرہ سے ملکیت ثابت ہوتی تب اس کا خداوند مالک الملک خالق ارض و سما کا پہلے سے مالک ہونا شیعوں ہی کے نزدیک ہو سکے تو ہو سکے؟ کیونکہ پہلے سے مالک نہ ہونے کی وجہ اگر ہو تو یہ ہو کہ اموال فی قبل اس کے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر قابض ہوں۔ کفار کے مملوک تھے۔ اور ایک شے کے تمامہا ایک وقت میں دو مالک نہیں ہو سکتے پھر خداوند کریم کو کبھی کس طرح مالک کہہ دیجئے لیکن یہ استبعاد جب ہی ہو سکے ہے کہ ملک خداوند کریم ہم پر ملک کفار ہو سو شیعہ برنگ محترکہ جیسے بندہ مخلوق کو کہ افعال اختیار یہ کا خالق قرار دیکر خالق حقیقی کے برابر سمجھتے ہیں۔ ایسے ہی اگر ملک میں بھی خالق اور مخلوق کو برابر سمجھنے لگیں تو کون روکتا ہے، عقیدہ غلط سے بجز عقل کے اور کوئی نہیں روک سکتا۔ سو وہ پہلے ہی نصیب شمنان ہوئی۔ اور اہل سنت جو بنوں کے ملک کو مالک الملک کے ملک کے سامنے بمنزلہ قبضہ خراجی بلکہ مستعیر مالک اصلی کے ملک کے سامنے سمجھتے ہیں تو ان کو مالک الملک کے ملک اور بندوں کے (خصوصاً کفار کے) ملک کے اجتماع میں کوئی محال نظر نہیں آتا۔

آیت کا مقصد بیان تملیک نہیں ہے اور لہذا کہ تملیک بمعنی مذکور نہ ہو بلکہ مقصود فقط بیان ملک ہوا اور موافق عقیدہ اہل سنت فذلہ وَلِیْسَ رَسُوْلٌ کے یہی ہوں کہ مالک حقیقی خداوند مالک الملک ہے اور مالک مجازی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیکن لذلہ الْقُرْبٰی اللہ کے لام سے جو ذی الْقُرْبٰی و یتامی وغیرہ کی ملکیت ثابت ہوتی ہے

معبود اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ذی القربی وغیرہ ہر ایک ہر ایک کو شہید و بند مالک الملک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام تمام اموال فی مالک کہے۔
 چنانچہ بظاہر للرسول اور لذی القربی کا عطف اللہ ہی پر ہے اور وہ اسی بات کو مقتضی ہے۔ تب تو اس کے محال ہونے میں کلام ہی نہیں۔ اور اگر لیں کہ الذی القربی کا عطف للرسول پر ہے۔ اور یہ دونوں معطوف معطوف علیہ لکر اللہ پر معطوف ہیں۔ تب اس سے بھی کیا کم کہے کہ اموال فی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اصناف باقیہ میں اور خدا میں مشترک ہوں۔ سو یہ بات ادل تو یوں کسی مسلمان کے دھیان میں نہیں آسکتی۔ کیونکہ اس صورت میں لازم تھا کہ جیسے غنیمت غانمین پر تقسیم کیجاتی تھی اموال فی اصناف معلومہ پر تقسیم کئے جاتے تاکہ ہر کوئی اپنے حسب وخواہ اس میں تصرف کرتا۔ ضرورت ہوتی تو کسی کے ہاتھ بیچ دیتا نہیں تو آپ رکھتا یا کسی کو دے دیتا۔ سو یہ وبال کس کی گردن پر رہا کہ مالکان اشیاء کو حسل نہ ملائے۔
 سواہل سنت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو درکنار ان کے خدام کی طرف بھی یہ وہم نہیں آسکتا کہ ایسے عظیم کے مرتکب ہوئے ہوں۔ ہاں شیعہ کہیں تو ان سے کچھ دور بھی نہیں۔ ان کی اور خرافات کو اگر مٹولے تو اس سے کم نہیں بلکہ زیادہ ہیں۔ دوسرے اگر تقسیم بھی وقوع میں آتی تب یہ بات تصور میں نہیں آسکتی کہ شرکاء غیر معتقین میں ایک چیز مشترک ہو۔ غانمین کی تو ایک تعداد معین ہوتی ہے۔ ان کو غنیمت میں شریک کئے تو زیبا ہے۔ ذی القربی اور یتامی وغیرہ کا کوئی عدد معین کسی کو معلوم نہیں ہو سکتا اور معلوم بھی ہو تو سب کو ان کا حق پہچانا بندوں سے محال ہے۔ معہذا اصل زمین کا دینا تو ایک طرف اراضی فی کی آمدنی بھی تمام ذی القربی اور تمام جہان کے یتامی اور مساکین اور ابن سبیل کو نہیں پہنچی۔ نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے۔ اور اگر ان اصناف اربعہ کو اہل اسلام ہی میں منحصر رکھ کے کلام کیجے تب بھی شیعوں کا قافیہ تنگ ہی رہے گا۔

اور اگر بالفرض بفرض محال مقصود جناب باری تعالیٰ خلافت سے تو یہ ہو کہ مالک حقیقی جناب باری تعالیٰ ہے اور ظہر رسول سے یہ مطلب ہو کہ مالک مجازی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور لذی القربی الجواب صرف کے لئے ہو تو اہل سنت کو سوائے اس کے کہ اس صورت میں خدا کی طرف حروف عائد ہوگا چنانچہ معلوم ہو جائے گا انشاء اللہ تعالیٰ اس کی تسلیم میں کچھ دشواری نہیں۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملک جو اس صورت میں فقط برائے نام ہی ہوگی اگر بالفرض بطور وراثت وارثوں کی طرف منتقل بھی ہو جائے گی۔ تو استحقاق اصناف باقیہ تو کسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وارثوں کی طرف منتقل ہو ہی نہیں سکتا جیسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اصل کا یا آمدنی کا خرچ کرنا ضروری تھا، بعد وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی طرح بدستور رہے گا۔
 اور اگر بفرض محال منتقل بھی ہو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے اصناف اربعہ کے وارثوں کی طرف منتقل ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وارثوں سے کچھ تعلق نہیں۔ سوا ابو بکر صدیق نے جو حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کو نہیں دیا تو ہم اس کی یہی ہے کہ ان کی طلب گاری سے یہی بات چلتی تھی کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا فدک کو جو بطور فی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قبض و تصرف میں آیا تھا مثل اور مالک ہر قسم کے تصرف فی قابل سمجھ کر فقط اپنی گذران کیلئے طلب کرتی تھیں بطور تولیت نہیں مانگتی تھیں۔ ورنہ دعویٰ ہبہ اور دعویٰ میراث کے کیا معنی؟ معہذا روایت مجاہد الساکین جس کا ترجمہ نو مذکور ہوگا اور عبارت بھی انشاء اللہ قریب ہی مذکور ہوگی اس دعویٰ کے لئے دلیل کامل ہے۔ اہل فہم اس روایت سے آپ سمجھ جائیں گے کہ ابو بکر صدیق کا نہ دینا فقط اسی وجہ سے تھا کہ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا فدک کو اپنے صرف کے لئے طلب فرماتی تھیں۔ ورنہ اگر حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا بھی اس لئے طلب فرماتیں کہ صرف مذکور میں صرف کریں تو ابو بکر صدیق یوں کیوں عذر کرتے کہ میں نے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان میں سے صرف ایک ہی نے دیکھا ہے۔
مگر چونکہ اہل حق بعد ظہور حق کے ان لیا کرتے ہیں جب حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ
عنها کی فہم مبارک میں حضرت ابوبکر صدیق کی بات آگئی اور صدیق اکبر کو اکم ہونے
صدیق صادق پایا، یہ گمان خود پہلے سے تھا کہ ابوبکر صدیق آپ خود بردار ہیں
اس کام کے اپنے سر رکھنے میں جبان دیکھا۔ تو حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا نے
ابوبکر صدیق کا عذر قبول فرمایا اور ان کا قول مسلم رکھا۔ اور فدک کی آمدنی کے صرف
کا انتظام اور اہتمام ابوبکر صدیق ہی کے سر ڈالا اور راضی ہو گئیں۔ چنانچہ ناظران
روایت مذکورہ مخفی نہ رہے گا۔ اس پر بھی شیعہ نہ مایں تو اور کیا کہا جائے کہ ان
نالاہوں کو حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے اتباع سے غرض نہیں۔ صحابہ کی عداوت
کے لئے اہل بیت کے نام کو آکر رکھا ہے۔

آیت میں لام کے مختلف
معنی مراد لینے پر مباحثہ
الحاصل اگر بفرض محال خلفہ سے تو یہ مراد ہو کہ مالک
حقیقی خداوند کریم ہے اور خلیفہ رسول کا یہ مطلب کہ مالک
مجاہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور لذی القربی الخ کے معنی ہوں کہ ان
مصارف میں صرف کیا جائے تو اہل سنت کو تو اس کی تسلیم میں کچھ دشواری نہیں
مالک فدک بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بطور وراثت حضرت فاطمہ زہرا رضی
اللہ عنہا ہی ہی لیکن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت فاطمہ کی طرف سے خرچ
کرنے کے داروغہ تھے۔ برضائے حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا فدک کی آمدنی کو
مصارف معلومہ میں صرف کرتے تھے۔ پرستیوں کی اس طفل نسلی سے شیعوں
کے کیا ہاتھ آئے گا۔ اٹا بیس طرح کی خرابیاں اور جو ابھی بدھری سرورہنی پڑیگی۔
اول تو نعوذ باللہ یہ لازم آئے گا کہ خداوند کریم نے بایں ہمہ عنایت اس
تملیک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مقرب اور محبوب کے ساتھ وہ معاملہ
کیا جیسے کہا کرتے ہیں ”گھر باہر سب تیرا ہے پر کوئی کھٹلے کو ہاتھ نہ لگاتا“
بحان اللہ جو بات مخلوق کے حق میں بھی میوب ہو وہ شیعوں کو اس صورت

میں جناب باری تعالیٰ کی نسبت بخیر کرنی پڑے گی۔ دوسرے یہ کہ قرآن
شریف کے اعجاز کا شہرہ اور بوجہ فصاحت و بلاغت اور خوبی عبارت و
مضامین جناب باری تعالیٰ کے لایوں دعوے کرنا فَاُولَٰئِكَ سُوْرَةٌ مِّنْ مِّثْلِهِ یعنی
ایسی کوئی ایک سورت ہی لے آؤ زیادہ نہیں تو رَاٰ اَعْطٰنَا ہٰی کے برابر ہی۔
اس صورت میں محض بے جا اور بے موقع ہو جائے گا مضمون ایسا کچھ کہ مالک
تو کر دیا پر اختیار ذرہ برابر نہ دیا۔ اور عبارت ایسی کچھ کہ معنی مقصود سے کچھ لگاؤ
نہیں۔ اگر اس وجہ سے اس موقع میں یوں کہا جائے کہ ”المنعٰنی فی بطن الشاعر“
تو بے موقع نہ ہو۔

بلکہ انصاف سے دیکھئے تو خلاف مقصود پر البتہ دلالت موجود ہے قرینہ عطف
سے للرسول ولذی القربی سے ایک طرح کا استحقاق ثابت ہوتا ہے۔ ہاں اگر
کوئی اور قرینہ اس سے اقویٰ اس کے محارض ہو جاتا جیسے للشر میں موجود ہے
تو کچھ مضائقہ بھی نہ تھا۔ اس لئے سوا اس کے کہ بطور احوال میری زبان پر آگیا
آج تک کسی نے اس کا پر مطلب ہی نہ سمجھا۔ اور بایں ہمہ قرآن قرآن سین بھی رہا۔
تیسرے للشر کے لام کو اگر تملیک کے لئے اس لئے نہیں کہہ سکتے کہ تملیک
وہاں ہوا کرتی ہے جہاں پہلے سے ملک نہ ہو تو یہ مسلم لیکن لذی القربی الخ کے
لام کے یہ معنی کیوں نہیں؟ لذی القربی وغیرہ تو کچھ ہم پائے خدا اور شریک موجودات
نہیں جو مالک حقیقی اور مالک قدیمی ان کو کہا جائے؟ اور تملیک بمعنی مذکور کے
گنجائش نہ ہو۔

چوتھے یہ کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملک مثل ملک جملہ بنی آدم ہے
اور آپ اس قسم کی ملک کے قابل ہیں۔ تو قرینہ عطف یوں تقاضا کرتا ہے کہ جو
بات للرسول کے لام سے ثابت ہو وہی لذی القربی کے لام سے ثابت ہو
ورنہ ترجیح بلا مرجح ہے۔ اور اگر مثل ملک خداوندی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
سلم کی ملک بھی جو ام کی ملک سے ممتاز ہے اور ایک نوع جدا لگا نہ ہے۔ تو ہم

اول کہتے ہیں کہ جیسے باری تعالیٰ کی ملک میں وراثت جاری نہیں ہو سکتی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملک میں بھی وراثت جاری نہیں ہو سکتی۔

آپ کی ملک میں وراثت جاری اور یہ بات دو وجہ سے قرین قیاس بھی ہے۔ اول نہیں ہو سکتی کیونکہ آپ زندہ ہیں تو یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلکہ تمام انبیاء باقیین قبر میں زندہ ہیں۔ تو اس صورت میں آپ کی ملک زایل ہونے ہی نہیں پائی جو وارثوں کی ملک اس کے قائم مقام ہو۔ بلکہ جیسے ہم تم کہیں چلے جائیں یا چندے کسی گوشہ میں بیٹھ رہیں۔ اور ہمارے لواحق وغیرہ ہماری اشیاء کو برتیں تو اس سے ہماری ملک زائل نہیں ہوتی۔ اور برتنے والے وارث مالک نہیں ہو جاتے۔ ایسے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی گوشہ قبر میں پنہاں ہو گئے ہیں۔ اور آپ بدستور اپنی اشیاء اموال کے مالک ہیں کوئی اور مالک نہیں ہو گیا۔ اور حدیث لا توارث منّا ترکنا صدقہ جوابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ اس حدیث کی اہم بھی یہی معلوم ہوتی ہے کہ آپ اب تک بقید حیات ہیں۔ پر شیعہ نہ سمجھیں تو کیا کیجئے؟

خدا کی مالک دستان آپ کو اتنی مشاہدتی اور اگر شیعہ یا کوئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زندہ ہونے کو نہ مانے تو دوسری وجہ یہ ہے کہ انبیاء خاصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بسبب کمال درجہ کی حقیقت شناسی کے ہر دم و ہر لحظہ خداوند کریم مالک الملک کی ملکیت کو دیکھتے ہیں۔ اور اس کا مالک ہونا ہر وقت ان کے پیش نظر ہے۔ اس لئے اپنی ملک کو ملک ہی نہیں سمجھتے۔ بلکہ جیسے کوئی کسی کے گھر دعوت کھانے جاتا ہے اور اس کے کھانے کو بمنزلہ اور اثاث البیت کھانا کھلانے والے ہی کی ملک سمجھتا ہے۔ پر خاص اس کھانے کی نسبت جو اُس کے سامنے رکھا جاتا ہے فقط کھالینے کی اجازت سمجھتا ہے۔ نہ یہ کہ اپنا سمجھ کر کسی کو دیدے یا بیچ ڈالے یا اپنے لواحق کے لئے لیجائے۔ بلکہ اپنے لئے لیجانا بھی ممنوع جانتا ہے۔ نہیں تو عوف و مشرع میں اس بات کو کوئی معبود

نہ سمجھتا۔

ایسا ہی انبیاء بھی ان اشیاء کو جو ان کے قبضہ میں بطور ملک ظاہر کے آجاتی ہیں اپنی ملک نہیں سمجھتے۔ بلکہ ملک مالک الملک سمجھ کر بمنزلہ مہان یا دعوتی کہ جو کچھ اُس سے کھا گیا کھا یا گیا باقی مالک خاۃ کا ہے۔ جو کچھ اپنے کام آیا اپنے کام میں لائے باقی کو خدا کی ملک سمجھ کر اس دار دنیا سے اوجھ کھڑے ہوتے ہیں۔ پھر جب ان کے نزدیک ان کا ترک ان کی چیز ہی نہ ہوئی تو یہ قبض حین حیات اور استعمال بمنزلہ قبض طعام دعوت اور استعمال مال مستعار ہو گا۔ اور ان کے عندیہ میں وارثوں کو اُس میں سے کچھ حق نہ پہونچے گا۔ اسی واسطے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمایا ہو۔ لا توارث منّا ترکنا صدقہ۔

ایک شبہ کا ازالہ اور یہ بات کہ اگر انبیاء کا مقبوضہ ان کی ملک ہی نہیں تو ان کی بیع و شرا بھی چاہئے کہ نافذ نہ ہو اگر کسی نادان ہی کے دل میں کھٹکے تو کھٹکے کیونکہ جسے محبت ہوتی ہے بسا اوقات اہل دنیا بھی اُن کو اس بات کی اجازت دیدے یا کرتے ہیں کہ وقت ضرورت ہماری چیز کو بیچ لینا خداوند کریم تو درکنار بلکہ یا ران بے تکلف تو اجازت کے بھی محتاج نہیں ہوتے۔ دوستوں کی چیز میں اجازت ہی سمجھتے ہیں لیکن اس اجازت کو موجب ملک کوئی نہیں سمجھتا۔ یہاں تک کہ اُس کے وارث بھی اُس کے مستحق ہو جائیں۔ الحاصل انبیاء کی حقیقت شناسی اسی بات کو مقتضی ہے کہ اپنے مقبوضہ کی نسبت اپنے آپ کو مالک نہ سمجھیں۔ ہاں اُس کو جسے اجازت اللہ وقف سمجھ کر اور ملک خداوند کریم جان کر حسب ضرورت اپنے کام میں لائے رہیں۔

باقی رہے عوام اور سوائے انبیاء کے اور لوگ ہر چند کہتے ہی باکمال کیوں نہ ہوں بمنزلہ عوام ہی کے ہیں سوائے انبیاء کے مقابلہ میں بمنزلہ اطفال اور بچانین کے بڑوں بلکہ عاقلندوں کے مقابلہ میں سمجھنا چاہئے یعنی جیسے اطفال بے تمیز اور مجنونان اطفال سیرت دعوت یا غیر کی کسی قسم کی چیز کو اگر اُن کے پتے پڑ جائے۔ اپنی سمجھ کر اگر مالک بھی اُن سے لینے لگے تو غل جھا دیتے ہیں۔ اور روئے دھونے لگتے ہیں۔ اور ان کا کان حیرت

چشم پوشی کر کے چپ ہو رہے ہیں اور اس کھانے کو انھیں کو بیجا لے دیتے ہیں۔ اور ان اشیاء کو انھیں کے پاس چھوڑ بیٹھے ہیں۔ ایسے ہی عوام بھی اس متاع دنیا کو جو حقیقت میں ملک مالک الملک۔ مالک حقیقی کی ہے ان کے پاس مستعار ہے۔ گو زبان سے خدا کی کہے جائیں پر دل سے اپنی ہی سمجھتے ہیں۔ اور اگر کسی ایک آدمی نے اُس کو دل سے بھی خدا ہی کی سمجھا۔ تو اول تو پورا پورا کھنا کھاں؟ دوسرے کسی کو کیا معلوم؟ دل کی بات سوا خدا کے کون جانتا ہے؟ جو ان کے مال میں وراثت جاوے نہ کی جاوے مثل نبوت اگر ان کے اندر بھی اس کی کوئی علامت ہوتی تو یوں بھی ہوتا۔ اس لئے خداوند اکرم الاکرم نے براہ چشم پوشی اُن کے متروکہ کو انھیں کی ملک قرار دے کر بقدر ممانعت ان کے پس ماندوں کو تقسیم کر دیا۔

القصة ان وجودہ سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ ملک انبیاء برنگ ملک خدا قابل وراثت نہیں۔ اور اگر براہ تعصب ان وجہ کو کوئی تعصب سمجھے۔ تو یہ احتمال تو کہیں نہیں جائے گا۔ کہ ملک انبیاء شاید قابل وراثت نہ ہو۔ یہ وجہ غلط ہیں تو ہوا کریں شاید کوئی اور ہی وجہ ہو۔ مدعیان وراثت کو جب بھی مشکل ہی رہے گی۔ القصہ للرسول سے ایسی ملک کو ثابت کرنا جو برائے نام ہوا اہل سنت کو تو کچھ مضرب نہیں۔ پر شیعی اتنا تو سمجھ لیں کہ کوئی اجنبی ایسی نامعقول باتوں پر کیا کہے گا؟ القصہ اہل دانش و فہم کے نزدیک لام للرسول و لذی العرقی سے ملکیت اور استحقاق اصناف مندرجہ آیت مثل لام للذکر مثل حظ الانثیین یا لام للکھرو س اموالکھو جو پہلا ملکیت اور دوسرا استحقاق پر دلالت کرتا ہے ہرگز ثابت نہیں ہو سکتا۔

آیت میں لام بیان مصاد کے لئے ہے | ہاں اگر مثل لام انھا الصدقات للفقراء و المساکین الخ بیان مصرف کے لئے کہا جائے تو البتہ قرین عقل و شیعوں کے نزدیک بھی واجب التسليم معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ اول تو اس میں کچھ خرابی نہیں۔ بے غل و غش عقل اسے تسلیم رکھتی ہے۔ اور بوجہ بے عقلی اگر عقل کی بات کے تسلیم کرنے میں شیعوں کو

کچھ غدر ہو تو آیت و اعلموا انما غنمتم من شئ فان الله خسرہ میں جو بیعتہا آیت ما اذن الله کے مطابق ہے۔ اتفاقات سے شیعوں کے نزدیک بھی لام بیان مصرف ہی کے لئے ہے۔ چنانچہ ابوالقاسم صاحب شرائع الاحکام نے جو ملقب بحقیق ہے اور سوا اُس کے اور علماء امامیہ نے اس بات کو بتصریح کہلے ہے۔ بلکہ اس مذہب کے اماموں سے بھی برسر بیان کرتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ جو کوئی کسی چیز کا مصرف ہوتا ہے اگر مالک مال اُس کو نہ دے تو اہل مصرف اس کے دادخواہ نہیں ہو سکتے۔ بالجلد اہل مصرف قبل عطا مالک نہیں ہوتے۔ اس لئے فقراء وغیرہ کو رکوۃ او صدقات کا قبل از عطا کوئی مالک نہیں سمجھتا تو اس صورت میں اس آیت میں بھی لام ملکیت اور استحقاق پر دلالت نہ کرے گا۔ اور یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فدک وغیرہ آراضی فیہ کا تقسیم کرنا ضروری نہ سمجھا۔ بلکہ آمدنی کو ہمیشہ تقسیم فرماتے رہے۔ اگر لام للرسول وغیرہ ملکیت اور استحقاق پر دلالت کرتے تو قرین لفظا فاء الله کا اس بات کو مقتضی تھا کہ اصل زمین کو بانٹ کر مستحق کو حوالہ فرماتے۔ کیونکہ اصل زمین مصداق ما فاء الله ہو سکتی ہے نہ کہ آمدنی چنانچہ ظاہر ہے۔

اہل شیعہ کا اعتراض کہ ما فاء الله کا مقتضی یہاں اگر شاید کسی عقل کے دشمن کو یہ شریحیران زمین کا تقسیم تھا اور آپ مدنی تقسیم فرماتے رہے؟ کرے کہ ہم نے مانا یہاں مصرف سے ملکیت اور استحقاق ثابت نہیں ہوتا تا وقتیکہ اہل مصرف کو کچھ عطا نہ کیا جائے۔ ان کی ملک میں نہیں آتا۔ لیکن لفظ ما فاء الله اس بات کو تقاضا کرتا ہے کہ اصناف مندرجہ آیت مصرف اہل زمین ہوں۔ تو اس صورت میں لازم تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اصل زمین کو تقسیم فرماتے۔ آمدنی کا تقسیم کرنا بظاہر خلاف آیت ہے۔ سوا اس خاکپائے علماء کی گزارش یہ ہے کہ اس قسم کے شبہ کا جواب اہل سنت تو انشاء اللہ بطور معقول دے سکیں گے۔ لیکن شیعی اتنا تو سمجھیں کہ یہ اعتراض اہل سنت پر نہیں بلکہ صاحب سنت سرور کائنات خلاصہ موجودات غلیہ و علی الفضل

الصلوات والتسلیات پر ہے۔ سو اس صورت میں اپنے مذہب کی بھی جیڑ نہیں
ایسے شیعہ کا جواب ہماری طرف سے تو وہی شعر مشہور بہت ہے۔
شام کا ازرقیان دامن کشاں گشتی : گو مشیت خاک ماہم برباد فرزند
بایں ہمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فدک کو تقسیم کر کے دینا نہیں تو ایسا
کے لئے کچھ اور افعال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کم نہیں۔ ہم تو بے دلیل اس کو
صحیح سمجھتے ہیں لیکن در صورتیکہ ابو بکر صدیق وغیرہ اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین کی
طرفداری میں ہم کو اتنا بکھیرنا پڑا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرفداری اور حجت
کیونکر نہ کریں گے اگر شیعوں کو خلفاء کے بغض اور حد کے باعث رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم پر بھی اس بات کا طعن ہے۔ کہ آیت سے تو آمدنی کا مصارف مندرجہ آیت
میں صرف کرنا معلوم نہیں ہوتا۔ اگر اہل مصرف کا دینا اس آیت سے نکلتا بھی ہے
تو اصل زمین کا نکلتا ہے۔ پھر آپ نے اصل زمین ہی کیوں نہ تقسیم فرمائی ؟ تا کہ سب
نہیں تو کچھ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حصہ پر آتا۔ اور حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام
عنها کا بہ نسبت فدک دعویٰ وراثت صحیح ہو جاتا۔ اور یہ طعن جو ابو بکر صدیق پر
رہا جو نہ دینے میراث کے ہم کرتے تھے حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا پر حسب
مرعوم شیعہ پلٹ کر نہ آتا کیونکہ وہ معصوم تھیں۔ اور معصوم سے یہ بات کہ جو اپنے
مورث کی چیز ہی نہ ہو اس میں دعویٰ وراثت کا کرے (اس اہتمام سے کہ شیعوں
سے سب ہی نے سنا ہوگا) ہرگز تصور میں نہیں آسکتا۔

اور ایک شے اگر مالک اہل مصرف میں سے کسی ایک کو اس غرض سے عطا
کرے کہ اس قدر اوروں کو دے کر باقی جو بچے اس کو اپنے آپ رکھے۔ تو او
دینا لینا تا وقتیکہ جس کو وسیل تقسیم بنایا ہے تقسیم نہ کرے، اُس قدر میں کہ جس قدر
تقسیم اس کے پاس باقی رہ جائے گا اس کے لئے موجب ملک نہیں ہو سکتا، اور
دجر اس کی ظاہر ہے۔ کیونکہ ہر شیاے مشترکہ میں باتفاق فریقین بے تسبیح
موجب ملک نہیں ہو سکتا۔ اور قبض بے تقسیم متصور نہیں۔ تو اس صورت میں یوں

بھی نہیں کہہ سکتے کہ آخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاطمہ کو بے ہی لے کر لے گئے
احصاف مندرجہ آیت میں سے بایں وجہ مالک نہیں ہو سکتا کہ اہل مصرف قبل
عطا، او قبل قبض مالک نہیں ہو کرتے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو سب ہی
پر فاطمہ تھے اپنا حصہ بھی اس میں آگیا۔

بہر حال کوئی صورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مالک ہونے کی نہیں
نکلتی جو دعویٰ وراثت حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا صحیح ہو۔ بالجملہ ان مقامات
میں تصدق اور انفاق ہے اور موصوف تصدق اور انفاق (یعنی اموال) کا لحاظ
شیعوں کے اطوار سے یوں ٹپکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس تقسیم
نہ کرنے میں ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دو وجہ سے حرف ہو۔
ایک تو یہ کہ بظاہر خلاف آیت کیا۔ دوسرے اس تقسیم نہ کرنے کی بدولت حضرت
فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی معصومیت بالکل ہی تھامنی شکل پڑ گئی۔ اس لئے ہمیں بھی
اپنا مافی الضمیر ضرور عرض کرنا پڑتا کہ بسبب طرفداری جناب رسالت مآب
سروکائنات صلی اللہ علیہ وسلم دامن رحمت خداوندی میں ہیں بھی جگہ ملے۔ اور شیعہ
جواب دندان شکن سنا کر اپنے کردار کو پہنچیں۔

اعراض کا جواب کہ اموال فقہ جناب بن شیعوں کا ایسے مقامات میں لڑنا قطع نظر اس
وقف ہیں نہ کہ ملکیت کہ اہل سنت پر کیا اعتراض کرتے ہیں اپنے مذہب پر
کرتے ہیں اس مثل مشہور کا مصداق ہو جانا ہے عخن شناس دلبر اخطا نجاست
کیونکہ انا للہ الخ جملہ اسمیہ کلام بلغاء اور فصحاء میں موجب دوام
و ثبوت ہوتا ہے۔ اور کوئی بشر بمقتضائے بشریت اس قاعدہ کی رعایت میں جوک
جائے تو جوک جائے۔ خداوند مکمل جوک نہیں سکتا۔ مگر اس صورت میں لازم ہے کہ
اللہ اور للرسول اور للذی القربی ہونے کی صفت ما انا للہ سے رائل اور
منفک نہ ہو۔ اور بایں صفت موصوف ہونے سے اس کی ذات میں کچھ انکار نہ ہو
سو یہ بات حجتی بن پڑتی ہے کہ اموال فقہ کو چنانچہ مرقوم ہو چکا وقف کہا جائے۔

کیونکہ وقت کو ذرا سا لٹکے بھی کہتے ہیں اور اہل معرفت کے لئے یہی کہہ سکے ہیں
 فی اور صدقات کا باقی رہا جملہ انما الصدقات للفقراء الخ ہر چند وہ بھی
 ایک لطیف فرق جملہ اسمیہ ہی ہے لیکن اہل دانش و فہم پر مخفی نہ ہوگا کہ صدقہ
 ہونا کسی چیز کا خود ایک آتی بات ہے یعنی کبھی ان واحد کے لئے اس صفت کو
 اپنے موصوف سے ارتباط پیدا ہوتا ہے۔ اور پھر مثل حرکات کہ سرع الزوال ہوتی
 ہیں اپنے موصوف سے جدا ہو جاتی ہیں۔ کیونکہ اس صفت کے وجود کے یہی معنی ہیں
 کہ قدر مقرر اس کی کسی کو دیدیجئے۔ ورنہ قبل دینے کے صدقہ نہیں۔ و الا تمام احکام
 صدقات مثل اداء فرض اور حصول ثواب اور اطفاء غضب رب وغیرہ بے دیئے
 اس بر مرتب ہوا کریں۔ اور جب دے چکے جب ہی وہ صفت صدقہ ہونے کی اس
 سے رائل ہو جاتی ہے۔ اس لئے اگر کوئی محتاج فقیر مسکین مال زکوٰۃ کسی اہل نصاب کے
 لیکر اپنی طرف سے کسی غنی یا ہاشمی وغیرہ کو دینے لگے تو کچھ ممنوع نہیں۔ بالجملہ صدقہ ہونے
 کی صفت کا وقت فقط عطاء اور قبض ہی ہے۔ اور سب جانتے ہیں کہ یہ ایک آن کی ہاتھ
 سو اس آن تک اس کا تلفیق ہونا نہیں نہیں گیا۔ بعد میں اگر فقر اور غیرہ اس کو
 کسی کو ہبہ کر دیں یا بیچ ڈالیں تو وہ صدقہ ہی نہیں۔ جو پھر بھی فقر کا استحقات باقی
 رہے۔

القسمۃ یہ قضیہ بھی دوام ہی پر دلالت کرتا ہے۔ اور اس کے دائرہ ہونے سے
 ہمیں کیا انکار رہے۔ پر اتنا یاد رکھنا ضروری ہے کہ دوام کے یہ معنی ہیں کہ محمول وقت
 و جو موضوع حقیقی تک اس کے ساتھ مربوط رہے۔ مگر موضوع حقیقی کا پہچانا نہ ہر کسی
 کا کام نہیں۔ ان باتوں کے لئے حقائق شناس معانی سنج چاہئے جس کو خداوند عظیم
 اس قدر بصیرت عنایت فرمائے کہ منطاط علم اور مدار ارتباط موضوع و محمول اور سابق
 کلام کو دریافت کر سکے۔ اس کا یہ کام ہے۔ سو جملہ ما افاء اللہ میں موضوع حقیقی مصداق
 ما ہے اور اس سے مراد خود اراضی نئے ہیں۔ اور صفت افاءۃ فقط تیسین اور تفہیم
 اور رفع ابہام کے لئے ہے۔ اس لئے اللہ وغیرہ ہونا جو مضمون خبر ہے اس کی ذات

کے ساتھ دائم رہے گا۔ اور موافق اصطلاح اہل منطق یہ قضیہ دائم ہوگا۔
 اور جملہ انما الصدقات وغیرہ میں موضوع حقیقی صفت تصدق ہے ذات
 اموال نہیں۔ وجہ اس کی ظاہر ہے کیونکہ یہ جملے اگرچہ خبر یہ ہیں اہل فہم کے نزدیک انشائیہ
 ہیں مطمح نظر ان مقامات میں تصدق اور اتفاق ہے۔ اور موصوف بتصدق اور اتفاق
 (یعنی اموال کا لحاظ) فقط اس لئے ہے کہ یہ صفت بغیر اس موصوف کے متحقق نہیں
 ہو سکتی۔ سو اس جملہ میں دوام محمول تا دوام و صفت تصدق چاہئے اور موافق اصطلاح
 اہل منطق اس کو عرفیہ عامہ سمجھے اور قضیہ ما افاء اللہ اگرچہ انشائیہ ہے پر اس قضیہ میں
 صفت افاءۃ مطمح نظر نہیں۔ ورنہ جیسے جملہ انما الصدقات یا جملہ ما انفقتہ کا محمول
 تصدق والہ اور انفقوا ہے اس جملہ کا خلاصہ اذینا ہوتا۔ اس تقریر کو سنکر اہل فہم کو
 تامل نہ رہے گا کہ فعل جناب سرور کائنات علیہ و علی آلہ فضل الصلوات و اکل التحیات
 میں مطابق آیت ہے۔

معصوم سے خطا سرزد باقی رہا حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کا معصوم
 ہونا محال نہیں ہو کر ایسی غلطی کرنا سوا اول تو اہل سنت کے نزدیک
 سوائے انبیاء کسی کی معصومیت مسلم ہی نہیں۔ دوسرے کسی مقدمہ خاص میں معصوم
 غلطی فہم ہونا اور غیر معصوم سے نہ ہونا کچھ محال نہیں چنانچہ مضامین متعلقہ آیت محمد
 رسول اللہ کی تفسیر میں اس کی تحقیق گذر چکی ہے۔ اور بیسیوں نظریوں اس کی
 کلام اللہ اور احادیث میں موجود ہیں منجملہ اس کے کھیتی کے قضیہ میں حضرت اؤد
 کا غلطی کھانا حالانکہ شی ہو چکے تھے۔ اور حضرت سلیمان کا حتی بات کا سمجھ جانا حالانکہ
 جب تک نہ نبی ہوئے تھے۔ نہ موافق اصطلاح شیوعہ امام تھے اس نعوے کے لئے
 دلیل کافی ہے۔ مگر شیعوں کو کلام اللہ یاد نہ ہو یا معنی فہم نہ ہو یا سلیمان کا فہم نہ ہو
 تو اہل سنت کا کیا قصور؟ اس جگہ سے ہر کوئی سمجھ گیا ہوگا کہ شیعوں کا اہل سنت
 پر یہ طعن کرنا کہ وہ ایسے اماموں کی تقلید اور اتباع کرتے ہیں۔ جو انھیں کے اقرار
 موافق غلطی کر سکتے ہیں۔ ایسا ہی ہے جیسا انہا آفتاب کو بے نور بتلائے۔

اور جیسے اندھا آفتاب کو بے نور نہیں کہتا اپنی آنکھوں کو بے نور کہتا ہے جیسی بھی اہل سنت کا تصور نہیں بتلاتے اپنی عقل کے تصور کی گواہی دیتے ہیں۔

اموال نے آپ کی ملک | اب تیسری دلیل بھی اس احتمال کے بطلان کی کہ اموال نے دے دی تھے اس کی تیسری دلیل | مملوک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ تھے۔ اور یہ مصارف معلومہ کا مقرر کرنا ایسا ہی ہے جیسا زکوٰۃ کے لئے فقراء و مساکین وغیرہ کا مصرف بنادینا۔ پھر دلیل بھی ایسی کچھ کہ احتمال مذکور تو باطل ہو ہی جائے یہ شبہ بھی مرتفع ہوگا کہ ما افاض اللہ تو تقسیم اصل زمین کو مقتضی ہے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اصل کی جائے آمدنی کو کیوں تقسیم کیا۔؟ صورت اس کی یہ ہے کہ زمین باغ کی آمدنی بھی انشاء اور کھیتی کی پیداوار ہے۔ لیکن بسبب اس کے کہ پھل اور کھیتی اشجار اور اور زمین کے توابع اور لوازم میں سے ہیں۔ تو پھل کے توڑنے سے پہلے مجموعہ درخت اور پھل کو درخت۔ اور کھیتی کاٹنے سے اول کھیتی سمیت زمین کو زمین کہا کرتے ہیں اس وجہ سے آمدنی بھی ما افاض اللہ ہی میں داخل ہے لیکن جیسے کھیتی میں جو مجموعہ اناج اور بھس کا ہوتا ہے آدمی اور گائے بیل حسب لیاقت شریک ہیں۔ اناج آدمی کے لئے اور بھس گائے بیل کے لئے تو ایسے ہی اس شرکت خدا اور بندگان خدا میں بھی جو خلقہ و المرسل و لذی القربی الخ میں مذکور ہے خدا نے تعالیٰ اور بندگان خدا نے تعالیٰ کو حسب لیاقت و قابلیت شریک سمجھنا چاہئے۔

مصارف مندرجہ آیت کی تمہین | لیکن خداوند کریم خور و نوش سے غنی ہے اور بندے و استحقاق کی باریک حکمت | خور و نوش اور نان و نفقہ کے محتاج یہاں تک کہ ان کے شریک کرنے کی وجہ یہی ان کی احتیاج ہوئی ہے۔ چنانچہ لفظ فقر اور مساکین میں اہل فہم کے لئے اس کی طرف اشارہ موجود ہے۔ اسی لئے کہ فقیر اور مسکین تو وہی ہوتا ہے جس کے یہاں قوت یعنی رزق نان نفقہ کی کوتاہی اور کمی ہو چنانچہ زبان دانان عربی اور واقفان اقوال علما رفقہ پر مخفی نہ ہوگا۔ بلکہ لفظ رسول مجاہد اگر غور سے دیکھے تو سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی احتیاج اور فقر پر دلالت کرتا ہے

اس لئے اس لفظ سے بے یاسی ہر کوئی یوں سمجھتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے محتاج کے ہم پہنچانے کی فرصت نہ ملتی تھی۔ کیونکہ جب آپ پیغام رسان خداوندی اور قاصد جناب باری ٹھہرے۔ تو تا وقتیکہ آپ اس مشغلہ میں مشغول رہیں اور کار کی فرصت کہاں۔ بلکہ مثل قاصدان پیغام رسانان دنیاوی کا تا وقتیکہ پیغام پہنچا کر اپنے گھر پر نہیں پہنچ لیتے۔ اپنے کاروبار نہیں سنبھال سکتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی تا وقتیکہ پیغام خداوندی سے فارغ نہ ہوئیں۔ اپنے کاروبار کو قیام متوجہ نہ ہو سکتے تھے۔ مگر جب فارغ ہوئے تو وطن اہل کو تشریف لے گئے۔ اس وطن کے کاروبار ہی نہ رہے جو بطور خود کچھ کھانے پینے کا فکر کرتے۔

مصارف کے ترتیب | غرض بہر حال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بے سروسامانی خود غفلت کی حکیمانہ تشریح | اس لفظ رسول ہی سے ظاہر ہے۔ اتنا فرق ہے کہ اور اصناف مندرجہ آیت کی بے سروسامانی کسی وجہ دنیاوی کے باعث۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بے سروسامانی بسبب مشغولی کا خداوندی ہو۔ اسی لئے آپ کو مقدم رکھا۔ غرض ان الفاظ سے خود اہل فہم پر واضح ہے کہ خداوند کریم نے جو ان اصناف کو اموال نے میں شریک کیا ہے۔ تو بوجہ احتیاج اصناف مذکورہ شریک کیلئے تو اس صورت میں شرکت اور تقسیم حسب لیاقت یوں ہو سکتی ہے کہ مجموعہ اشجار و اشجار اور مجموعہ زمین اور پیداوار میں جو ہیئت مجموعی عرف میں اور دیکھنے میں ایک شے واحد گنی جاتی ہے اور ایک نظر آتی ہے۔ اور مجموعہ کو ما افاض اللہ کہہ سکتے ہیں ملکیت جو ملزم غنی ہے خدا کے لئے رہے۔ اور پیداوار جو رفح احتیاج کے لئے ہے بندوں کے واسطے تجویز کی جائے۔

اب دیکھئے کہ اس تقریر سے وہ احتمال بھی باطل ہو گیا کہ مال نے مملوک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوا اور مصرف بطور مصرف زکوٰۃ ہو۔ اور وہ شبہ بھی مرتفع ہو گیا کہ چاہے تھا اہل زمین کا تقسیم کرنا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو تقسیم نہ کیا اور آمدنی کو تقسیم فرمایا۔

انہ کے آئینے آئینہ کی ایک جو بھی دلیل کے لئے لکھے ہیں تیار ہونا چاہئے۔
 ملک نہ ہونے کی جو بھی دلیل تاکہ کثرت دلائل کے زور سے احتمال مذکور دل سے باطل
 محو ہو جائے۔ جناب من خبر پر خفاء کے دخل ہونے کے قرینہ سے اور نیز بشہادت
 وجدان صاف ظاہر ہے کہ مبتدا یعنی ما افاض اللہ متعین معنی شرط ہے تو اس صورت میں
 اللہ وغیرہ ہونے کا ترتیب اور توقف افارہ اور تسلیط پر ضروری ہے اور در صورتیکہ
 اراضی نے کو مملوک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہے تو یہ ترتیب اور توقف تو درکنار
 وجود خبر بھی اپنی ذات سے ضروری نہ ہوگا۔ گو بوجہ معصومیت رسول اللہ صلی اللہ
 علیہ وسلم ان امور میں جن کے آپ مامور تھے قصور ممکن نہ ہو۔ ہاں اگر صرف کہے تو
 پھر یہ ترتیب اور توقف ظہر من الشمس ہے۔ چنانچہ تو جہات ذکر اللہ سے جدا ہو چکی
 ہیں آپ عیاں ہے۔

معجزہ اگر مقصود شائع ہی ہوتا کہ اراضی نے مملوک رسول اللہ صلی اللہ علیہ
 وسلم ہیں اور اللہ اور لدی القربی بایں غرض فرمایا ہے کہ خدا کے واسطے ذی القربی
 وغیرہ کو دینا چاہئے تو لاجرم فلا رسول واللہ ولدی القربی الخ فرماتے اس صورت
 میں گو یہ آیت مصداق "المنی فی بطن الشاع" تو رہتی لیکن بلا سے یہ ترتیب اور توقف
 تو جو بدلول فاء ہے درست ہو جاتا۔ اور معنی گو کسی کی سمجھ میں نہ آتے فی حد ذاتہ تو صحیح
 ہو جاتے۔ فصاحت و بلاغت بلکہ باعتبار قواعد زبان دانی صحت عبارت بھی نہ ہی
 لیکن اتنی غلطی تو نہ ہوتی کہ عبارت پر عکس معنی مقصود دلالت کرے۔

اموال نے کے غیر مملوک پانچویں وجہ احتمال مذکور کے بطلان کی یہ ہے کہ ضمیر کیل کیوں
 ہونے کی پانچویں دلیل دولت بجانب ما افاض اللہ راجع ہے اور کیل کیوں علیہ تعین
 مصرف مذکور ہے سو اس صورت میں یہ معنی ہوں گے کہ یہ مصرف اس اندیشہ کے لئے
 مقرر کیا گیا ہے کہ مبادا اراضی نے تحت تصرف اغنیاء آجائیں۔ مگر اس اندیشہ سے
 جب ہی تک بچاؤ ہو سکتا ہے کہ اراضی نے کو متوجہ اوصاف معلوم کہا جائے
 ورنہ اگر مملوک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا مملوک کس دیگر ہوں تو ایک نہ ایک نہ

یہ خرابی بالضرور پیش آئے گی۔ اوصاف مذکورہ آیت اگر خود اغنیاء نہیں تو خداوند
 بے نیازی کی بھی عادت یہ ہے کہ دولت و فقر کو فقط ایک ہی خاندان میں دائم و قائم
 نہیں رہتے دیتا۔ بسا اوقات اولاد اغنیاء فقیر اور پس ماندگان فقیر امیر ہو جاتے
 ہیں۔ سو بعد وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور پس از انتقال ذوی القربی وغیرہ
 اگر حسب مزعوم شیعوہ اراضی نے میں وراثت جاری ہوگی۔ تو بیشک اس سلسلہ
 میراث میں بہت سے اغنیاء بھی نکلیں گے اور وہ خرابی جس کے بچاؤ کے لئے یہ
 مصرف مقرر کیا تھا بحال خود رہے گی۔

اور یوں کہنا کہ اغنیاء سے مراد فقط حکام یا اغنیاء کے لشکر ہی ہیں محض تعصب
 ہے۔ لفظ عام سے بے قرینہ معنی خاص مراد لے لینا عوام کا بھی کام نہیں چہ جائیکہ
 علماء جو خواص امت ہیں۔ ہاں اگر قطع طبع اغنیاء لشکر افسران فوج کے لئے یہ آیت
 نازل ہوئی ہو۔ یا حکام جاہلیت اس قسم کی اراضی کو خاص اپنے لئے رکھتے ہوں
 اور اس قانون نامعقول کے موقوف کرنے کے لئے یہ مصرف مقرر فرمایا ہو۔ تو در
 صورت فرض وقوع امور مذکورہ پیش بریں نیست کہ حکم عام کے لئے شان نزول
 خاص ہو۔ سو یہ بات کچھ اسی جگہ خاص نہیں بیسیوں آیات اور سنکڑوں احادیث
 کی شان نزول خاص اور حکم عام ہے۔ اور اس کا عموم بالعموم مسلم ہے۔ خاص کہ ترتیب
 علم اصول میں بتصریح صحت و امکان خصوص شان اور عموم احکام مذکور ہے۔

اموال نے کے غیر مملوک چھٹی وجہ احتمال مذکور کے بطلان کی یہ ہے کہ اراضی نے کے
 ہونے کی چھٹی دلیل لئے جن اشخاص اور اصناف کو مقرر فرمایا ہے تو ان کو ان کے
 اوصاف سے تعبیر فرمایا ہے مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بصفہ رسول اس
 جگہ ذکر فرمایا اور تیمی اور مساکین اور ابن سبیل کو بصفہ یم اور مسکینہ اور مسافرت
 یا دفرا یا۔ اور ان کے حسب و نسب وغیرہ شخصیات اور تعینات کو ذکر کیا۔ اور
 پھر اس کے بعد للفقراء المهاجرین الخ اور الدین کبیر السدا الخ اور
 الدین جاء دامن بعد ہم الخ کو جو لدی القربی والیتامی والمساکین دامن

السبیل سے بدل ہے مابقی کا ضمیمہ کیا۔ اس سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ ان اوصاف کو اراضی فنی کے مصرف ہونے میں دخل اور ان اراضی کا مصرف ہونا ان اوصاف پر موقوف ہے۔ اور چونکہ زمین باغ ملک مثل منافع اکل و شرب مثل روٹی پانی وغیرہ جن سے انتفاع ان کے ہلاک ہونے پر موقوف ہے نہیں ہیں۔ بلکہ وقت انتفاع بدستور بحال قدیم قائم رہتے ہیں۔ تو دائماً الی یوم القیامہ اراضی فنی سے انتفاع انھیں اشخاص کو جائز ہوگا جو موصوف یا اوصاف مذکورہ ہوں۔ ورنہ دوام و ثبوت جو مدلول جملہ اسیر ہے باطل ہو جائے گا۔

مگر یہ بات جب ہی بن پڑتی ہے کہ اراضی کو مبنی وقف کہا جائے اور مصرف مذکورہ میں اصل زمین کو تقسیم نہ کریں اور اوصاف مندرجہ کو اس کا مالک نہ کر دیں ورنہ بالفعل نہیں تو بعد انتقال مالکان اول یا بعد بیع و شراء کے غیر مصرف میں اس کا صرف ہونا لازم آئیگا۔ اور لحاظ اوصاف ہی کی وجہ سے معلوم ہوتا ہے کہ محققین کے نزدیک اس زمانہ کے نفس اور فنی سے کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت کے نفس اور فنی میں سے بھی ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم راقط ہو گیا۔ بعد وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وصف رسالت مثل اوصاف مسکنات اور مسافرت وغیرہ کسی میں باقی نہیں رہا۔ باقی رہی زکوٰۃ اور صدقات واجبہ ان کے مصرف ہونے کے لئے بھی تحقیق اوصاف فقر و مسکنات وغیرہ جس کی طرف آیت انما الصدقات مشیر ہے ضروری ہے مگر چونکہ وصف تصدق کو بجز ان واحد قیام نہیں چنانچہ ابھی مرقوم ہوا ہے۔ تو وقت تصدق تحقیق اور وجود اوصاف معلوم ضروری ہو ا کیونکہ فقر اور غیر ہم کو آیت انما الصدقات میں فقط ان اموال کا مصرف مقرر کیا ہے۔ جو موصوف بصدقہ ہوں۔ اس لئے بلفظ صدقات تعبیر فرمایا۔ اور اگر قطع نظر اس وصف کے فقر وغیرہم کو نفس مال کا مصرف مقرر فرماتے تو مثل انما المخرج من الاموال بنیت الصدقات یا سوا اس کے اور کوئی ایسی عبارت جس سے مطلق مال کے لئے فقر وغیرہم کا مصرف ہونا ثابت

ہونا بیان فرماتے۔ الحاصل آیت انما الصدقات میں اسناد کو دونوں طرف میں اوصاف ہی سے ارتباط ہے۔ اور آیت ما افاء اللہ میں ایک طرف ذات اور دوسری طرف اوصاف ہیں۔ اس لئے زکوٰۃ میں دونوں اوصاف کو اور فنی میں فقط ایک جانب میں اوصاف کو ملحوظ رکھنا چاہیے۔

اموال فنی کے غیر ملوک ساتویں وجہ احتمال مذکور کے بطلان کی یہ ہے کہ مالک حقیقی ہونے کی ساتویں دلیل تمام مخلوقات اور موجودات کا بالاتفاق اور بالبداهت مالک الملک خداوند کریم ہے۔ اور باوجود اس کے پھر ہمارا مختار مالک ہونا ایک معنی مجازی ہیں۔ جیسے کوئی شخص اپنے چند مکان چند آدمیوں کو مستعار یا کرایہ پر رہنے کو دے۔ اور وہ چند اشخاص اپنے اپنے رہنے کے مکان کو محاورۃ اپنا گھر کہہ دیا کرتے ہیں۔ چنانچہ سب جانتے ہیں۔ ایسے ہی ہیں بھی مالک حقیقی نے ہماری اشیاء مقبوضہ کو انتفاع کے لئے دے رکھی ہیں۔ اور ہم ان کو اپنے محاورات میں اپنا کہنے لگے ہیں لیکن جیسے مکانات کا مستعیر یا کرایہ دار ہونا عاریۃ لینے اور کرایہ لینے پر منحصر اور موقوف ہے۔ فقط مالک مکان کی ملکیت کفایت نہیں کرتی۔ بلکہ اگر عقد کرایہ اور عاریت ظہور میں نہ آئے تو پھر مالک اصلی کی طرف آرہے گی۔ ایسے ہی ہمارے مالک ہونے کے لئے بھی اسباب تملیک ظاہری مثل بیع و شراء ہیضیت وغیرہ ضروری ہوئے۔ ورنہ تمام موجودات پھر خدا ہی کی طرف ملوک ہونے میں منسوب رہیں گے۔

مگر چونکہ اموال فنی مشار الیہا بلفظ ما افاء اللہ میں ان اسباب میں سے فقط غنیمت ہونے کا تو ہم ہو سکتا تھا اور اس کو جناب باری نے خدا و جفتہ سے دفع کر دیا تو یہ اموال سوائے خداوند کریم مالک الملک کے اور کسی کی طرف بطور ملکیت منسوب نہیں ہو سکتے۔ پھر اس صورت میں للرسول ولذی القربی کے معنی بجز بیان مصرف اور کچھ نہیں ہو سکتے۔ سو یہی ہمارا مطلب تھا بالجملہ ان سات وجوہ سے اراضی فنی کا مذکور پنج اقسام معلوم ہونا مثل مدولیات حواس ہرکس و

ناکس پر واضح اور لائح ہو گیا۔ اور باوجود فخر ہونے کے وجہ طلب کیے دھڑکے
خیر النساء فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اول تو یہ ہے کہ جناب سیدۃ النساء
رضی اللہ عنہا معصوم نہیں۔ اور معصوم بھی ہوں تو معصوم سے غلط فہمی محال نہیں۔
چنانچہ معلوم ہو چکا اور وجہ غلط فہمی کی یہاں ظاہر بھی ہے۔ کیونکہ جناب رضی اللہ عنہا
فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا نے ہمیشہ انہی فتنے پر قبض و تصرف حضرت خلاصہ موجودات
سرور کائنات علیہ علی آلہ افضل الصلوٰۃ وکامل التحیات والتسلیمات کا دیکھا تھا۔ اور
اس بات کی تحقیق کہ یہ ازرقم غنیمت ہے یا ازرقم خسرت ہے۔ زنان خانہ نشین اور وہ بھی
ایسی راہدہ کہ سامان دنیا و مافیہا سے کچھ غرض نہ ہو بہت دشوار ہے۔ خاص کر خیبر اور
قریٰ خیبر کی نسبت کہ فدک بھی انھیں میں سے ہے۔

کیونکہ بعض قریٰ خیبر عنوة یعنی بعد جنگ و جدال اور بعض قریٰ جیسے فدک
صلیٰ مفتوح ہوئے ہیں۔ اس لئے یہ نسبت خاص خیبر کے مابین علما اختلاف بھی
ہے۔ کہ آیا خیبر عنوة فتح ہوا ہے یا صلیٰ الحاصل اراضی فتنے کا مملوک رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہونا اہل انصاف پر روشن ہو گیا۔ اگرچہ اہل فہم کو پہلے بھی اس میں
تامل نہ تھا کیونکہ باوجود یقین مصارف معلومہ اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے
مملوک ہونے کی کوئی صورت بھی تھی تو یہی تھی کہ ان اوصاف کا مقرر فرمانا ایسا
جیسا کہ زکوٰۃ اموال مملوکہ اغنیاء کے لئے فقراء وغیرہم کا مقرر کرنا۔ سو یہ بات گو
فی حدیثہ ممکن تھی لیکن قرینہ عطف للرسول اور لذی القربی اس بات کو متفق
تھا کہ جیسے ذوی القربی وغیرہم بالاتفاق مالک اراضی فتنے نہیں۔ رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم بھی مالک نہیں۔

ذوی القربی کو اگر فتنے کا مالک اور اگر قطع نظر اتفاق امت کے ذوی القربی وغیرہم کو
بائیں دو خرابیاں موجود ہیں مالک کہا جائے تو بہت سے بہت ہوگا تو اراضی فتنے
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اصناف باقیہ میں مشترک ہوں۔ لیکن دو خرابیاں
اور موجود ہیں۔ ایک تو شرک وغیرہم کا شریک ہونا۔ کیونکہ ذوی القربی وغیرہم کا

کوئی حد و پایاں نہیں۔ ہر روز کی دیشی لیتی ہے۔ خاص کر والدین جہاد امن
بعد ہونے تو دائرہ اہل مصرف کو اتنا فراخ کر دیا ہے کہ قیامت تک کے مبین
کو گھیر لیا ہے۔ دوسرے قبل عطا مال غنیمت۔ بلکہ دین بھی ملک میں نہیں آسکتا۔
اراضی فتنے جو کسی طرح اس کے حصول میں اہل مصرف کی سعی و کوشش یا کسی کے
فعل کو دخل نہیں بعض فضل خداوندی سے ہاتھ لگ گیا ہے۔ کیونکہ قبل عطا اور
قبل قبض کسی کا مملوک ہو سکے۔

الحاصل اہل عقل پر بادی النظر میں اس عبارت سے اراضی فتنے کا غیر مملوک
ہونا عیاں تھا اور اب سب پر واضح ہو گیا بلکہ اس کے ساتھ یہ بھی واضح ہو گیا
کہ جیسے اس آیت سے ملکیت ثابت نہیں ہوتی ہے۔ امکان ملکیت بھی ثابت
نہیں ہوتا بلکہ اٹل محال ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اور اسی لئے مجھ کو بھی اتنی تطویل
کی ضرورت پڑی۔ ورنہ عدم ثبوت ملکیت خود ظاہر تھا۔ البتہ بایں نظر کہ کم
فہموں سے مقابلہ ہے۔ عدم ثبوت ملکیت میں گفتگو کرنی ضروری تھی۔

ما مملکت یمینک سے مگر اتنی بات باقی رہی کہ لفظ ما افاض اللہ عام ہے اشیاء
دعویٰ وقف براۓ کال منقولہ وغیرہ منقولہ کو براۓ بر شایع ہے پس اگر ما افاض اللہ

بوجہ مذکورہ وقف ہے تو لاجرم اسباب منقولہ بھی وقف ہوں گے۔ سو اس صورت
میں دو خرابیاں لازم آئیں گی۔ اول تو یہ کہ حنفیوں کے نزدیک اشیاء منقولہ کا وقف
ہونا ہی صحیح نہیں۔ دوسرے یہ کہ اموال فتنے میں سے بہ نسبت اموال منقولہ کے
وقف ہونا کسی سے منقول اور مروی نہیں۔ بلکہ اگر تعادل سلف و خلف پر نظر
کیجئے تو عیاں ہے کہ منجملہ اموال فتنے اسباب منقولہ میں تصرفات مالکانہ کرتے
تھے۔ بیع و شرا وغیرہ آثار ملکیت جو وقف نہ ہونے پر دلیل کارل ہیں برابر
بے تکرار اور انکار مروج رہے ہیں۔ چنانچہ بنی انصاریہ کے ہتھیار وغیرہ اموال منقولہ
جو ہاتھ آئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو تقسیم فرمادیے تھے۔ اور
صراحتاً نہ کنایتاً یوں نہ فرمایا کہ یہ اشیاء وقف ہیں۔ ان میں تصرفات مالکانہ کیجئے۔

اور یہ بھی نہ سہی کلام اللہ سے زیادہ کو کوئی محبت نہیں کلام اللہ میں خود موجود ہے مملکت عینک مافا اللہ علیک مطلب یہ ہے کہ اسے نبی ہم نے حلال میں تیرے لئے وہ باندیاں جن کا تو مالک ہوا ہے اموال فئے میں ہے اس آیت سے صریح ثابت ہے کہ فئے کے غلام باندی ملوک ہو سکتے ہیں و نہ تھے جب ایک چیز کا بھی اموال فئے میں سے ملوک ہونا ثابت ہوا تو غلّہ وغیرہ الفاظ آیت مافا اللہ اور الفاظ سیاق و سباق آیت مذکورہ کے اور جن کے وسیلہ سے وقف ہونا اراضی فئے کا ثابت کیا گیا ہے۔ وہ معنی نہ ہوں گے جو وقف ہونے پر دلالت کریں۔ اور نہ کلیۃً قضیہ مافا اللہ اس بات کو مقتضی ہے کہ تمام افراد مافا اللہ کا ایک حکم ہو۔ خواہ اسباب منقولہ ہوں خواہ غیر منقولہ وقف ہوں تو دونوں ہوں۔ وقف نہ ہوں تب دونوں ہوں اشکال مذکور کا جواب اس لئے نہیں بھی اس فلجان کو رفع کرنا ضرور پڑا۔ سواہل انصاف کی خدمت میں ایگز آرٹش ہے کہ واقعی امام ابو حنیفہ کے نزدیک اشیاء منقولہ وقف نہیں ہو سکتی لیکن خداوند کریم و عظیم و حکیم کچھ امام ابو حنیفہ کا منقولہ جو اس کے ذمہ اتباع رائے ابو حنیفہ ضروری ہو۔ اور اگر اتفاقات سے کوئی بات بظاہر خلاف مذہب حنفی صادر ہو جائے تو اس کی جوابدہی اس کے ذمہ پر لازم ہو۔ بیش برین نیست کہ امام ابو حنیفہ سے خطا ہوئی ہو۔ لیکن شیعہ ہی یہ فرمایں کہ اہل سنت امام ابو حنیفہ کو معصوم ہی کب سمجھتے ہیں جو یہ خرابی ان کے سر پڑے بلکہ اہل سنت کا یہ منقولہ ضرب النثل ہو گیا ہے المجتہدین یخطئون و یصیبون یعنی مجتہدین خطا بھی کرتا ہے اور صحیح بھی کہتا ہے ہاں اتنی بات مسلم کہ مرتبہ اجتہاد کو یہ لازم ہے کہ اکثر صحیح کہا کرے۔ سو اس بات میں ان سے غلطی ہو گئی ہو تو کیا حرج ہے ان کے صاحبین وغیرہ کی رائے تو آخر یہی ہے کہ اشیاء منقولہ بھی وقف ہو سکتی ہیں۔ وہ بھی اہل سنت ہی کے پیشوا ہیں شیعوں کے نہیں اور اگر شیعہ ان کو اپنا پیشوا بنالیں اور طوسی و رشتی و شریف رضی و ابوالقاسم محقق وغیرہم کا اتباع چھوڑ دیں

تو ہے نصیب ان کے۔ پھر کچھ کلمہ نہیں منعنا یہ آیت کچھ معارض اور مناقض رائے ابو حنیفہ نہیں بلکہ موافق ہی ہو تو کچھ عجیب نہیں۔ اگر اس معما کی شرح مطلوب ہے تو کان دھکر سنئے لیکن شرط یہ ہے کہ انصاف مد نظر ہو اور میری بچدانی پر نظر نہ ہو مابقی اس آیت کا حوالہ ای اخراج الذین کفرو امن دیا رہو سے لیکر لجزی الفاسقین تک اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ مافا اللہ سے مراد فقط مکانات سکنی اور ارضی صحرائی ہیں تو اب اس صورت میں بحر۔ اموال غیر منقولہ اراضی باغات مافا اللہ سے مراد نہ ہوں گے۔ اور باعتبار خصوص مابقی کے لفظ ماکا با وجود عموم ذاتی کے مخصوص ہو جانا ایسا شائع و ذائع ہے کہ ہر ادنیٰ واعلیٰ جانتے ہیں افعال کا فیہ خوان بھی سمجھتے ہیں کہ الاسمہ مادل علی معنی میں ماسے مراد کلمہ ہے۔ اس لئے مولانا جامی شرح ملا میں کلمہ ماکا کی شرح میں کلمہ ہی لکھتے ہیں۔ القسم مافا اللہ سے علی العموم اموال منقولہ غیر منقولہ سب مراد نہیں فقط اموال غیر منقولہ مراد ہیں۔ چنانچہ جملہ کئی لایکون دولت بھی اسی طرف فی الجملہ کہینچتا ہے۔ اس لئے کہ تداول در دولت کے تو یہ معنی ہیں کہ ایک شئی بحالی خود باقی رہے۔ اور با اس ہمہ کسی کسی کے پاس منتقل ہوتی رہے۔ سو یہ بات بحر۔ اموال غیر منقولہ اور کسی میں بطور کمال تصور نہیں۔ اقسام غذا اور اقسام لباس اور اقسام مرکب سب کے سب بسبب استعمال فنا ہو جاتے ہیں یا فنا ہونے لگتے ہیں۔ اگر چندے کوئی چیز قائم رہی تو کیا قائم رہی یوں تو کچھ نہ کچھ سب اشیاء کو قیام ہے روٹی سالن بھی تھوڑی دیر تو ٹھیرے ہی رہتے ہیں خامکر اس جگہ اتنے قیام سے کیا کام چلتا ہو۔ یہاں تو بشہادت والذین جاؤ امن بعد ہمد قیامت تک کا حساب کتاب ہے۔ بہر حال مافا اللہ میں اموال غیر منقولہ داخل ہی نہیں جو اعتراض معترض واقع ہو۔ اور میں فکر جواب بدی ہو۔ وقف کا معنی کیا ہے اور وقف ہاں اتنی بات البتہ قابل لحاظ ہے کہ ہم نے مانا اموال قابل کوئی چیز میں ہیں؟ منقولہ مافا اللہ میں داخل ہی نہیں لیکن اموال منقولہ کا جو بطور نے حاصل ہوتے ہیں کیا حکم ہے؟ مثل اموال غیر منقولہ وقف

بعضی مذکور سمجھنا چاہئے یا مثل عنیت مملوک ہو سکتے ہیں؟ سو اپنے فہم نارسا میں یوں آتا ہے کہ وہ قابل ملک و عطا ہیں۔ اگر اہل فہم بھی اسی جانب ہوں تو فہما ورنہ ہمارا کیا نقصان ہے؟ ہم اس کے وقف ہونے کو اگر ثابت ہو جائے تو اپنی کمی ہوئی بات یعنی وقف ہونے سے بھی زیادہ خوش ہو کر تسلیم کریں۔ اگر وہ بھی وقف ہو جائے تو کچھ اعتراض ہی باقی نہ رہے۔ خیر اب اپنے خیالات کو عرض کرتا ہوں گوش ہوش و چشم انصاف غور سے سنئے اور ملاحظہ فرمائیے وقف ایسی چیز ہونی چاہئے کہ بحال خود باقی رہے۔ اور پھر کام آ سکے۔ چنانچہ وقف کے معنی بھی یہی ہیں کہ اصل محبوس اور موقوف رہے۔ اور منافع مصارف و وقف میں صرف کئے جائیں۔

اشیائے منقولہ میں سے مہذبہ فنی کے وقف یعنی مذکور ہونے میں اس تناہر ذات چھل اور غذا وقف کے قابل ہیں اور منافع کی خواہ مخواہ ضرورت ہے۔ کیونکہ اللہ اور الرسول ولدی القربی وغیرہم ہونا جب ہی صحیح ہو سکتا ہے کہ اصل اللہ تعالیٰ کے لئے ہے اور منافع اوروں کے لئے چنانچہ مذکور ہو چکا۔ سو یہ بات وہاں ہو سکتی ہے جہاں وہ چیز اور ہوا اس کے منافع اور ورنہ خود منافع میں یہ قابلیت نہیں سو اموال منقولہ میں سے اقسام غذا کا تو بجملہ منافع ہونا ظاہر ہی ہے۔ کیونکہ منافع کے معنی اس جگہ فقط اتنے ہی ہیں کہ استعمال کامل کے بعد پھر قابل استعمال باقی نہ رہے۔ بلکہ استعمال ہی میں فنا ہو جائے۔ سو اقسام غذا کا منافع ہونا تو ظاہر ہے ماسوا اس کے اور اسباب منقولہ مثل اقسام لباس سواری وغیرہ اور ضروریات انسانی۔ کہ اگرچہ ایک بہرے مثل اشیا غیر منقولہ خود اوروں اور ان کے منافع اور کیونکہ گھوڑا اور چرہ ہے۔ اور اس کی منفعت اور فائدہ یعنی سواری اور تخفیف مشقت سفر اور شے۔ علیٰ ہذا القیاس کپڑا اور شے ہے۔ اور اس کا فائدہ یعنی پہنا اور گرمی سردی کی تکلیف سے بچنا۔ اور زیب و زینت اور شے۔

لیکن غور کیجئے تو اس قدر فرق سے کوئی چیز اشیا ضروریہ انسانی میں سے خالی

نہیں۔ اقسام غذا میں بھی یہ بات موجود ہے کہ روٹی مثلاً اور شے ہے اور اس کے منافع یعنی کھانا اور مزہ آنا اور قوت کا پیدا ہونا اور شے۔ لیکن اس قدر فرق سے قابلیت و قیمت پیدا نہیں ہوتی۔ ورنہ جیسے زمین کا وقف ہونا تکم الثبوت ہے انج غلہ بھی وقف ہوا کرتے۔ حالانکہ اس کے وقف ہونے کے عقل کے نزدیک کوئی معنی نہیں۔ وقف ہونے کے لئے ضروری ہے کہ اصل محبوس اور موقوف رہے۔ اور منافع مصرف میں صرف ہوں۔ اور یہاں اصل۔ منافع کے ساتھ ہی فنا ہوتی ہے۔ نقل مشہور ہے ”جیسی اصل ویسی نقل“ ہاں اگر غلہ بھی وقف ہونے کے قابل ہے تو اراضی وقف کا غلہ بلاشبہ وقف ہو۔ پھر نہ اہل مصرف کو اس کی بیع درست ہو نہ ہب۔ نہ اس میں میراث جاری نہ وصیت۔ حالانکہ جہاں میں اس کا کوئی منکر ہی نہیں۔ تو معلوم ہوا کہ غلہ کو جس چیز جوہ منافع ہی مقرر رکھا ہے۔ سو منافع وقف اہل مصرف کے حق میں صدقہ ہوتے ہیں۔ اور صدقہ جس کو کر دیا جائے اس کا مملوک ہو جاتا ہے۔ تو اب اس کی بیع و شرا وغیرہ میں کچھ دشواری نہ ہوگی۔ اور کسی کے نزدیک غلہ وقف بھی ہو سکے تو ہوا کرتے۔ یہاں تو کلام اراضی فنی کے غلہ میں ہے جن کو ہم نے وقف خداوند کریم کہا ہے۔ سو اراضی فنی کا غلہ با تفاق وقف نہیں ہوتا اسی واسطے مملوک اہل مصرف ہو جاتا ہے۔

سواریاں اور کپڑے بھی بالجملہ پیداوار زمین اور علیٰ ہذا القیاس اشار و اشجار سے وقف وقف کے قابل نہیں۔ نہ ہونا تو ظاہر ہو گیا۔ باقی رہے انواع مرکب اور اقسام لباس وغیرہ ان میں بہ نسبت غذا کے کوئی فرق نکالے تو یہ نکالے۔ کہ غذا استعمال کے ساتھ ہی فنا ہوتی ہے اسی لئے وقف نہیں ہو سکتی۔ بجز سواری۔ لباس کے یہ جڑ سے پھٹنے وغیرہ سے فنا نہیں ہوتی۔ لیکن بعد غور یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ فرق بعینہ ایسا ہے کہ روٹی کا ایک ٹکڑا تو کھا لے کر کھالے اور باقی کو چھوڑ دیجئے سو حاصل ہر گاہ یہ ہوا کہ بعد در استعمال فنا ہو گئی۔ سو کپڑے سواری وغیرہ میں بھی یہ بات موجود ہے کیونکہ گھوڑا وغیرہ جو جانور سواری میں رہتے ہیں۔ بہ نسبت ان جانوروں کے جو ان کا

بازار کھانیں پر سواری میں ذہین و بے اور کردار ہو جاتے ہیں۔

اور اگر چند سے بسبب امداد بدل مانتھل باقی بھی معلوم ہوں۔ تو اول تو بدل مانتھل ہی یوں کہے۔ ہے کہ اصل باقی نہیں۔ اور اگر ایسے مواقع میں اسی کو بقائے اصل کہے تو وہ بقا کہاں؟ جو بے کسی استعمال کے ہو۔ اور یہی دو چیزیں جانور کی (زور اور بدن) استعمال میں آتی ہیں جان استعمال میں نہیں آتی۔ چنانچہ ضمیمہ میں جو قابل استعمال نہیں رہتا تو یہی دو باتیں گھٹ جاتی ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس کپڑا بھی استعمال سے پتلا بڑ جاتا ہے۔ چنانچہ بیدار مغزوں پر غنی نہ ہوگا اور اس کے تار کردار ہو جاتے ہیں۔ اور انھیں دو چیزوں پر مدار کار استعمال کا تھا۔ اسی واسطے رفتہ رفتہ بہت استعمال کے باعث قابل استعمال نہیں رہتا۔ سو یہاں بھی وہی حاصل نکلا کہ منافع بقدر استعمال فنا ہو گئے۔ غایت مافی الباب کہیں نقصان ایک طرف سے ہو کہیں چاروں طرف سے کہیں شکل جی رہی کہیں بگڑ گئی لیکن استعمال ہونے کا مضمون دونوں جا برابر ہے۔ باقی مشکل صورت کو لے کر کیا چاہئے۔ اس کو استعمال میں کچھ دخل ہی نہیں عکس آئینہ میں شکل و صورت موجود ہے مگر چونکہ حیثیت اور زور و طاقت نہیں کوئی صورت استعمال کی نظر نہیں آتی۔

امام ابو حنیفہ کا اشیائے منقولہ بالجلہ جن چیزوں سے منافع کا تعلق ہے وہ چیزیں بعد کو ناقابل وقف کہنے کی وجہ استعمال فنا ہو جاتی ہیں۔ اور جو چیزیں بحال خود باقی ہیں ان سے منافع کو کچھ تعلق نہیں۔ یہ بات اگر ہے تو زمین یا سوائے اس کے اور اشیائے غیر منقولہ ہی میں ہے۔ کہ استعمال میں منافع ہی فنا ہوں اور اصل باقی رہے استعمال کی وجہ سے اصل میں کچھ نقصان نہ آئے۔ اور یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ امام ابو حنیفہ نے اشیائے منقولہ کو قابل وقف ہی نہ سمجھا۔ اور صاحبین یا کسی اور نے اگر طافا بقائے صورت بعض اشیائے منقولہ ان کو قابل وقف سمجھا تو ان کی صورت کو اصل منافع اور بقائے صورت کو بمنزلہ بقائے اصل منافع سمجھ کر اس کے وقف ہونے کے قابل ہو گئے ہیں لیکن بس اس تحقیق کے اہل حق سے توقع یوں ہے کہ رائے امام ابو حنیفہ

ہی کو ترجیح دیں۔

صاحبین کا اشیائے منقولہ کو قابل وقف کہنے کے وجہ معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ بایں خیال کہ اول تو منافع مرکب و لباس وغیرہ اشیاء ضروریہ دنیاوی عزت میں مرکب اور لباس ہی کی طرف منسوب ہوتے ہیں۔ اور وہ تا وقتیکہ صورت اور جان باقی ہے قوت اور بدن کی نظر منسوب نہیں ہوتے جو یوں سمجھئے کہ استعمال میں فنا ہوتے جاتے ہیں۔

دوسرے منافع مرکب لباس وغیرہ منافع کلیہ ہیں۔ کہ اوقات مختلفہ میں ان کے افراد لہو میں آتے ہیں۔ اور جیسے ہر ہر فرد بشر انسان کا دل ہے جزا انسان نہیں ایسے ہی منافع اشیائے منقولہ بھی جو اوقات مختلفہ میں حاصل ہوتے ہیں منافع تامہ ہیں۔ اجزائے منافع نہیں۔ اور ظاہر ہے کہ بعض افراد کے فنا ہو جانے سے نوع فنا نہیں ہوتی۔ بلکہ جب تک ایک فرد بھی باقی ہے تو تمام نوع باقی ہے۔ تو اس صورت میں معلوم ہوا کہ بعض اوقات کے انتفاع سے اصل منافع فنا نہیں ہوتے پھر وقف کیوں نہ ہو سکے گا؟ کیونکہ بقائے منافع دلیل بقائے اصل ہے۔ بخلاف منافع اقسام غذائے کہ وہ منافع جزئیہ ہیں۔ جو نفع کہ ایک روٹی سے حاصل ہوتا ہے۔ آدمی سے اس کا آدھا حاصل ہوتا ہے۔ پورا باقی نہیں رہتا۔ چنانچہ ظاہر ہے۔ ہاں اگر اصل باقی رہتی تو منافع بھی بوجہ کمال باقی رہتے۔ خیر اگر مذہب ابو حنیفہ حق ہے تو اموال منقولہ کا سمجھنا اموال فنا وقف نہ ہونا تو درست اور قابل وقف نہ ہونا ظاہر ہو گیا۔ صاحبین کی رائے بھی اور اگر رائے صاحبین صحیح ہے تب بھی مطلب ہاتھ سے نہیں گیا مقصود کے موافق ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ تمام ضروریات بشری میں سے احتیاج غذا بمنزلہ ضروریات اصلیہ ہے۔ اور باقی اموال منقولہ تب ما ضروریات فرعیہ میں داخل ہیں اگر غذا کی ضرورت نہ ہوتی تو نوکر یوں کی تلاش کے لئے سواری کی ضرورت مثلاً نہ ہوتی تو معلوم ہوا کہ سواری کی ضرورت غذا کی ضرورت سے پیدا ہوتی ہے۔ پھر سواری کی ضرورت سے مثلاً گھاس دانہ کی ضرورت پیدا ہوتی ہے۔ علیٰ ہذا القیاس

جہاں تک یہ مسئلہ ضرورتوں کا پتلے کا۔ تو بعد ازاں کی فرما ہوگا اور حقیقت میں ضرورت اصل ایک ضرورت غذا ہی نکلتی گی۔ اور باقی اشیاء کی احتیاج گو کہنے کو ان اشیاء کی احتیاج ہے لیکن حقیقت میں غذا کی احتیاج ہے۔ تو اس صورت میں بایں خیال کہ وقف رفع ضرورت کے لئے ہوتا ہے۔ اور حقیقت میں ضرورت اگر ہے تو ضرورت غذا ہی ہے۔ تو صرف وقف میں اس ضرورت کا ہونا ضروری ہوا۔ اور کسی اور وقف میں نہیں۔ تو وقف فے میں تو رفع احتیاج غذا ہی مقصود ہے چنانچہ جناب باری تعالیٰ عوامہ نے بھی لفظ رسول اور مساکین اور فقراء اور ابن السبیل میں اس طرف اشارہ فرمایا ہے۔ اس لئے کہ فقیر اور مسکین کے معنوں میں رزق کی کمی اور کوتاہی معتبر ہے۔ بلکہ لفظ رسول یتامی اور ابن السبیل بھی اسی طرف مشیر ہیں۔ چونکہ لفظ رسول تو اس بات کی طرف مشیر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بایں وجہ کہ رسول ہیں۔ یعنی خدا کے بھیجے ہوئے ہیں خدا کے کام میں لگے ہوئے ہیں۔ اتنی فرصت ہی نہیں کہ حرب دلخواہ کمائیں۔ اور فراغت سے پہلے کر کھائیں۔ اور جب کمائے کی فرصت نہ ہونے کی یہ وجہ ہوئی کہ خدا کے کام میں لگے ہوئے ہیں تو لاجرم بمقتضائے قدر شناسی خداوندی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نان نفقہ بھی خدا ہی کے ذمہ ہونا چاہئے۔ اس کی بہتر صورت اس سے کیا ہوگی کہ جو مال خاص خدا کا ہوا اور بے منت غیر حاصل ہوا ہو۔ اس میں سے کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تجویز کیا جائے۔ یتیم اور ابن السبیل کا مورد رحم ہونا بھی تو باعتبار اکثر کے سبب القطار اسباب رزق ہو جاتا ہے۔ اور نہ ہی لفظ فقراء میں تو بیشک قوت کے نہ ہونے پر دلالت ہے۔ سودہ بوجہ ارتباط بدلیت سب کو شامل ہے۔ اور اسی لئے سب ہی میں فقر کا ملحوظ رکھنا ضروری ہوا۔ خواہ ددی القربی ہوں خواہ اقوام باقیہ۔ بالجملہ مصرف وقف میں احتیاج غذا کا ہونا ضروری ہوا۔

اشیائے منقولہ کا وقف فقراء و مساکین کو مفید نہیں سو اگر ان کو اموال منقولہ دیا جائے

تو دو طرح سے رفع احتیاج مذکور میں کام آسکتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ بطور مذکور ان کو سلسلہ اسباب تحصیل غذا میں داخل کیا جائے مثلاً سواری پر چڑھ کر نوکری وغیرہ کے لئے سفر کیا جائے تاکہ کچھ کمائے اور غذا بہم پہنچائے۔ یا مثلاً ہنڈیا رکابی چچہ کھانے پکانے کے لئے رکھا جاوے۔ تاکہ بایں وسیلہ کھائے پکائے۔ دوسرے یہ کہ اشیائے مذکورہ کو بچکر کھا جائے لیکن اگر اتفاق سے پیٹ کو ایسی لگی ہو کہ جان پر بڑی ہوئی ہو۔ تو اس صورت میں بیع کی اجازت دینی جیسا وقف میں ہوتا ہے رفع احتیاج کے بدلے اور احتیاج کا پابند کر دینا۔ اور آسائش کے بدلے جو رفع احتیاج اس کے لئے ہوتی ہے (دونا تکلیف میں ڈال دینا ہے۔ کیونکہ اس سے زیادہ اور کیا تکلیف ہوگی کہ چیز پاس ہو اور پھر اس منتفع نہ ہو سکے۔ شعرا خرابی دل پر دوا نازیں بترجہ بود۔ کہ طبع را بنماید و سوختن ندہند اور اس قسم کی احتیاج کا ہونا فقراء و مساکین کے تو مفہوم میں داخل ہے۔ یتامی اور ابن السبیل میں بھی کثیر الوقوع ہے۔ اور چونکہ سبب اس قسم کی احتیاج کا فقراء اور مساکین اور یتامی اور ابن السبیل کے حق میں بے سرو سامانی معلوم ہوتی ہے تو پھر اس کا ارتقاء بجز اس کے متصور نہیں کہ اور کچھ عطا کیا جائے۔ تاکہ اگر غذا ہو تو خود اس سے در نہ اُسے بچ کر اپنا پیٹ پالیں۔ سودر صورتیکہ عطا میں ان کو یہ اختیار ہی نہ ہو تو ان کی طرف سے بھاڑیں پڑے۔ ہاں اگر ان کے منافع مثل پیداوار زمین و اثاثہ و اشجار اقسام غذا میں سے ہوتے تو پھر اس کا بیچنا تو درکنار مستوی وقف کو ان کا دنیا ہی کیا ضروری ہوتا۔ بہر حال اموال منقولہ کا وقف ہونا فقراء اور مساکین وغیرہم کو مفید نہیں۔ یہ دوسری وجہ ہے جس سے تدبیر امام ابو حنیفہ موجب معلوم ہوتا ہے۔

بعض اشیائے غیر منقولہ جو حاجت برآری باقی رہے چاہے یا مکانات سوان کا وقف ہونا نہیں کرتیں۔ مگر ان میں قابلیت ہے بھی بظاہر رافع احتیاج فقراء اور مساکین وغیرہ نہیں ہو سکتا۔ لیکن ان میں اولاً اموال منقولہ میں دو فرق ہیں جن کے سبب ان کو اموال

منقولہ پر قیاس نہیں کیا جاتا۔ ایک تو اموال منقولہ مختلف رزق ہی نہیں جو مخرج قوت ہو سکیں۔ بخلاف مکانات کے کہ ان کی زمین بہر حال قابل پیداوار ہے۔ اول چونکہ مدار و قفیت کا اسی قابلیت پر ہے پیداوار کا ہونا کچھ ضرور نہیں۔ ورنہ زمین وقف اگر مرنے سے پہلے ایک سال یا چند سال کسی سبب سے افتادہ رہے تو اس وقفیت باطل ہو جایا کرے اس لئے مکانات وقف کی زمین بھی قابل وقف ہی رہے گی۔ حاصل یہ ہے کہ اگر غرض اصلی کسی فتنے کی کسی وجہ خارجی کے باعث مسدود و مفقود ہو جائے تو جو حکم اس غرض کی وجہ سے اس پر متفرع اور مترتب ہوا تھا وہ حکم موقوف نہ ہو جائے گا ویرانوں کی مسجدوں میں گو بالفعل نماز جس پر بھی جاتی۔ پر چونکہ قابلیت نماز بدلتی رہتی ہے تو حکم وقفیت بھی باقی ہے۔

دوسرا فرق یہ ہے کہ گو ضرورت غذا ضرورت اصلی ہے لیکن ضرورت مکان اور ضرورت آب بھی ضرورت اصلی ہے۔ کسی اور ضرورت کی ضرورت سے ان کی ضرورت نہیں چنانچہ ظاہر ہے۔ اور پھر یہ دونوں بھی مثل غلاتین سے حاصل ہوتے ہیں تو زمین کے وقف کرنے میں ان تینوں ہی کا لحاظ چاہئے۔ ان تینوں میں سے کوئی شے بھی کچھ غذا ہی کی خصوصیت نہیں پر چونکہ پانی اول تو اکثر بے دام و دم کے میسر آتا ہے۔ دوسرے بیشتر پیاس غذا کے کھانے سے پیدا ہوتی ہے۔ اس وجہ سے گویا پانی کی ضرورت غذا ہی کی ضرورت پر موقوف ہوئی۔ غایت مافی الباب اور ضرورتیں منجملہ سلسلہ اسباب غذا ہوں اور یہ داخل مسببات غذا تیسرے اکثر غذاؤں کا قیام اور قوام بھی پانی ہی سے ہے تو اس وجہ سے پانی بھی منجملہ اسباب غذا اور مثل اور ضرورت فرعیہ کے فرع غذا ٹھہرا۔

تو پانی کی ضرورت کے ارتفاع کی طرف تو ضرورت نہ ہوئی اس لئے نہ آیت مَا أَفَاءَ اللَّهُ مِنْهُ أَسْ کے صلہ میں اس کی طرف کچھ اشارہ فرمایا۔ مگر ضرورت مکانات من کل الوجہ ضرورت اصلی ہے۔ اور پھر بجز مال کثیر کے اس کے ارتفاع اور اندفاع کی کچھ صورت نہ تھی۔ اس لئے اس کے رفع دفع کی ضرورت پڑی۔

منقولہ جانتا ہوں لفظ اخراجات میں دیار و عمارت کی طرف بھی اشارہ ہے لیکن اموال منقولہ میں سے کسی میں یہ قابلیت نہیں کہ بالذات ان ضرورتوں کو رفع کر سکے۔ البتہ ان ضروریات ثلثہ کی تحصیل کے سامان میں خواہ بطور سہولت کے جیسے ہنڈیا رکابی وغیرہ سے پکانا کھانا۔ اور گھوڑے پر چڑھ کر نوکری کے لئے جانا یا بطور بدلتیت کے یعنی اموال منقولہ کو بیچ کر روٹی مکان پانی بہم پہنچانا لیکن چونکہ ایسی ضرورت جس میں گھوڑے لباس وغیرہما کے بیچنے کی نوبت پہنچے۔ بدنسبت اس ضرورت کے کہ یا اس حق میں منجملہ اسباب ہوں شدید ہے۔ اور پھر بایں اہل مصرف میں موجود۔ ورنہ مصرف ہی کیوں ہوتے تو اموال منقولہ میں اس کی رعایت کرنی ضرور پڑی۔ یعنی مثل پیداوار زمین اموال منقولہ میں بھی بعد عطا کے اہل مصرف کو اختیار ملے۔ تاکہ بیچ کھوج کر رفع ضرورت کریں۔ بالجملة اموال منقولہ مثل پیداوار کہ وہ بھی منقولات میں سے ہے۔ ملک میں اہل مصرف کے کر دینے چاہئیں۔

مَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ كَالْفَقْرِ ذَائِدِ | اب سب کو معلوم ہو گیا کہ آیت ما مَلَكَتْ يَمِينُكَ صَافَا اللَّهُ عَلَيْكَ کچھ ہمارے معنی نہیں۔ بلکہ الٹی مودید ہے کیونکہ بظاہر من جو مملکت میں ہے تبغیضہ ہے۔ سو اس سورت میں ما مَلَكَتْ يَمِينُكَ سے دو باتیں معلوم ہو جائیں گی۔ ایک تو یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام اموال فقے کے مالک نہ تھے۔ دوسرے جس قدر کے مالک ہوئے وہ بجز مسلط ہو جانے کے مالک نہیں ہوئے تھے۔ ورنہ بھی کے مالک ہوتے کیونکہ سبب ملکیت اس صورت میں تسلط ہی ہوگا سو وہ بھی میں پایا جاتا ہے۔ تو اب لاجرم کسی اور سبب کے مالک ہوئے ہوں گے۔ اور لفظ ہر بجز اس کے کہ لفظ تقسیم آپ کے قبضہ میں آگیا اور کچھ معلوم نہیں ہوتا۔ چنانچہ لفظ يَمِينُكَ خود قبضہ پر دلالت کرتا ہے ورنہ اگر قبض کی ضرورت نہ ہوئی فقط مَلَكَتْ بے قصہ خطاب فرما جیتے لفظ يَمِينُكَ کی کچھ حاجت نہ تھی۔ اموال فقے میں آنحضرت | باقی کلام رہی اس میں کہ قبل قبض مالک نہ تھے۔ پر جیسے کے حصہ کی نوعیت | قرص خواہ مال مدیون میں اور غائبان مال غنیمت میں مستحق

ہوتے ہیں۔ اور چونکہ اس استحقاق کے مدعی بن سکتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی مال فائز میں مستحق تھے، یا مثل فقر اور مساکین کہ ان کو مال اغنیاء کا لگان زکوٰۃ میں اس قسم کا استحقاق نہیں ہوتا کہ مدعی ہو سکیں۔ بلکہ قابل اعطاء اور مصرف عطا ہوتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی فقط بمخلہ مصارف تھے۔ اس لئے اس کی تحقیق بعد از ہم نارسا گذارش ہے۔ جناب من استحقاق دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک استحقاق قوی۔ اور اس کو ہم استحقاق فعلی اور استحقاق شخصی اور استحقاق حقیقی بھی کہتے ہیں۔ دوسرا استحقاق ضعیف اور اس کو ہم استحقاق انفعالی اور استحقاق نوعی اور استحقاق مجازی بھی کہتے ہیں اور وجہ تسمیہ بیان معنی سے انشاء اللہ ظاہر ہو جاوے گی۔ استحقاق قوی میں مستحق کی جانب کوئی امر وجودی ہونا چاہئے جو منشاء استحقاق اور مبداء دعوی بن سکے۔ ورنہ مستحق حقیقت میں مستحق نہ ہوگا غیر مزاحم ہوگا۔

سو یہ بات دین کی صورت میں تو ظاہر ہی ہے۔ غنیمت میں بھی غنمی نہیں کیونکہ جہاد امر وجودی ہے اور یہی لم معلوم ہوتی ہے کہ مال غنیمت کی تحصیل کو بندوں کی طرف منسوب فرمایا، اور یوں فرمایا **وَأَعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ** ورنہ حقیقت میں سب چیزیں خدا ہی کی دی ہوئی ہیں۔ اور استحقاق ضعیف میں فقط مفلسی اور ناداری جو امر عدی ہے کفایت کرتا ہے لیکن ظاہر ہے کہ عدم ثبوت وجود نہیں ہو سکتا۔ اس لئے حق جو امر وجودی ہے۔ ناداری سے جو امر عدی ہے ثابت نہ ہوگا۔ اسی واسطے اگر کوئی کسی مفلس کو کچھ دے تو بہ نسبت اُس مفلس کے ظالم نہ گنا جائے گا۔ اور یہ مفلس اس کی نالائش و فریاد کر سکے گا۔ ہاں اگر حقوق واجبی کسی مفلس کو بھی نہ دے تو عند اللہ گنہگار ہوگا۔ کیونکہ مفلس کا حق نہیں تو خدا کا تو ہے۔ بالجملة ناداری اور مفلسی مثبت حق نہیں فقط موجب قابلیت ہے۔ اور یہ قابلیت تمام نوع مظلومین میں برابر ہے۔ تو جس کسی کو فتنے کا کام چل جائے گا اسی واسطے محققین کے نزدیک جملہ مصارف مندرجہ آیت اغنا الصدقات کا احاطہ اور استیعاب ضروری نہیں یعنی یہ لازم

نہیں کہ سب ہی اصناف کو ملے۔ کیونکہ یہاں مدار کا دائرہ عدلی پر ہے جو ناداری سے اور وہ سب میں برابر ہے اور یہ مابعد آیت سلم ہے کہ سب اشخاص اصناف مذکورہ کا دینا لازم نہیں۔

مصارف کے مقرر کرنے کی وجہ | سو اگر بالفرض بوجہ مفلسی دینا ضروری ہوتا تو سب کو دینا اہل مصارف کی ناداری ہے ضروری ہوتا اور جب سب اشخاص کا دینا ضروری نہیں تو سب اصناف کا دینا بھی ضروری نہیں۔ اور اس ناداری کی وجہ سے ان مصارف کا مقرر کرنا اکثر اصناف میں تو ظاہر ہی ہے۔ پر عاقلین اور مؤلفہ القلوب میں ناداری کا ہونا ہی سرے سے ضروری نہیں۔ مدار استحقاق ہونا تو درکنار؟ سو اس کا جواب یہ ہے کہ عاقلین کا دینا تو وہ فقر اور مساکین وغیرہم ہی کا دینا ہے۔ کیونکہ یہ نہ ہوں تو صدقات کی وصول ہوں؟ تو گویا یہ ان کے نوکر اور اجر ہیں ان کا دینا فقر اور مساکین ہی کے کام میں خیر کرنا ہے۔ گویا انھیں کیا دیا فقر اور مساکین وغیرہم ہی کو دیا، باقی رہے مؤلفہ القلوب سوان کا دینا بھی موجب تکثیر صدقات تھا کیونکہ زکوٰۃ خوشی ظم سے تو کوئی کوئی دیتا ہے۔ البتہ عامل کو اگر سلطان وقت کی پشتی ہو تو وصول ہو سکتی؟ سو فتح مکہ سے پہلے پہلے بسبب قلت اہل اسلام کے مددگاروں کی حاجت تھی۔ اور وقت فتح مکہ کو بظاہر ایک وجہ سے جماعت کثیر ہو گئی تھی لیکن حقیقت کو دیکھئے تو قصہ بدستور تھا۔ کیونکہ مؤلفہ القلوب بظاہر مسلمان تھے جب تک ایمان دل میں خوب نہ جاتا تھا۔ مگر چونکہ داد و دیش میں اثر ہے کہ دینے والے کی محبت لینے والے کے جی میں پیدا کر دیتی ہے۔ تو اس تدبیر سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت جو بیخ ایمان ہے اُن کے دل میں جمائی گئی۔

اور چونکہ بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمان بکثرت ہو گئے۔ اس واسطے اب مؤلفہ القلوب کا سہم ہی ساقط ہو گیا۔ الحاصل مؤلفہ القلوب کا دینا بھی ایک وجہ سے فقر اور مساکین وغیرہم ہی کا دینا تھا۔ کیونکہ ان کا دینا اُن کے حق میں بمنزلہ تجارت تھا۔ اس واسطے جب اس تجارت میں کچھ نفع رہا اس کو موقوف کر دیا

مہذا اس لہجہ کے فقرا اور مساکین اسلام کے فقر و مسکنت کی وجہ سے کفار کی مخالفت ہوئی تھی سو ان کو کچھ دے کر اپنا موافق دلی کر لینا گویا فقر اور مساکین ہی کو دینا ہے۔ کیونکہ داد و دہش سے فقر کا فقر رفع ہو جاتا ہے سو وہی بات یہاں بھی نکلی۔ ان وجوہ سے یوں سمجھ میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا لام عہد کے لئے ہو الغرض استحقاق ضعیف میں مصرف کی جانب فقط امر عدی ہوتا ہے۔ اسی لئے ان کی طرف سے دعویٰ اور طلب گاری نہیں ہو سکتی۔ ہاں خدا کی طرف سے حکم جو امر و جودی ہے منشاء استحقاق ہوتا ہے۔ اس لئے خدا کی طرف سے مطالبہ اور مواخذہ رہتا ہے۔ اور زکوٰۃ کو حق خداوندی کہتے ہیں گو فقر اور مساکین کی طرف بھی مجازاً منسوب کر دیں۔

جب یہ بات متفق ہو چکی تو اب سنئے کہ اموال فے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب کسی ایسے امر و جودی کا ہونا تو جو منشاء استحقاق ہو سکے ظاہر البطلان ہے۔ قرض آپ کا کفار کی جانب نہ آتا تھا۔ وصیت کی کوئی صورت نہیں۔ ایک غلیمت ہونے کا احتمال تھا۔ سو اُس کو بھی جناب باری تعالیٰ نے مٹا دجفتہ فرما کر رفع کر دیا تو اب بجز اس کے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا استحقاق از قسم سخاوت ضعیف ہو کوئی صورت بن نہیں پڑتی۔ اور یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ خداوند کریم نے مال فے کی تحصیل کو بندوں کی طرف منسوب نہیں فرمایا بلکہ لفظ اخاء اللہ میں اپنی ہی طرف نسبت کیا۔ اور اسی لئے یوں سمجھ میں آتا ہے کہ بعد وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کا سہم سا قط ہو جائے۔ چنانچہ مذہب اکثر اہل حق یہی ہے اور شیعہ جو یہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امام کے لئے تجویز کرتے ہیں محکم محض ہے۔ آیت میں کوئی دلیل نہیں۔ جس صورت میں فقط اخاء اللہ سے یعنی خداوند کریم کے اس مال کو کفار کے قبضہ سے نکال کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا دینے سے ملکیت ثابت نہ ہوئی چنانچہ بدلائل ما ملکیت عینک مذکور ہو چکا اور پھر اگر کوئی صورت استحقاق کی بھی نہیں۔ تو بجز اس کے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منجمل

مصارف مال فے ہوں کیا کہئے۔
میتا اخاء اللہ کے لغوی فائدہ بہر حال آیت ما ملکیت عینک مما افاء اللہ میں اگر اخاء لفظ بمعنی اصطلاحی سے مشتق ہو تو در صورتیکہ من متا میں تبیضیہ ہو ہمارے مخالف نہیں۔ بلکہ اور موید ہے اور اگر بخلاف ظاہر من کو بیان نہ کہئے تو پھر ما مہا میں موصولہ نہ ہوگا جو عموم پر دلالت کرے۔ اور تمام فے ملوکے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہو۔ بلکہ موصولہ نہ ہوگا۔ ورنہ لازم آئے کہ مال فے ما ملکیت میں منحصر ہو۔ اور سوار ما ملکیت اور کچھ نہ ہو الغرض اگر من بیان نہ ہو تب بھی ہمارے مخالف نہیں۔ غایت مافی الباب ہمارے لئے دلیل بھی نہ ہو۔ یہ سارا جھگڑا تو اس صورت میں ہے کہ اخاء فی بمعنی اصطلاحی سے مشتق ہو۔ اور در صورتیکہ اخاء بمعنی اعادت اور رد کے ہو اور عا مل یہ ہو کہ خداوند کریم نے اپنے مال کو کفار سے ہٹا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں ڈال دیا۔ تو پھر مسئلہ ملکیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اس آیت میں کوئی دستاویز نہ ہوگی۔ کیونکہ یہ معنی غنیمت اور فے میں دونوں میں بن پڑتے ہیں۔

فے کے معنی کی تعیین اور حق دیکھئے تو یہی بات معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ منشاء اور مبداء اس اصطلاح کا اگر ہے تو آیت سورہ حشر اعمیٰ ما افاء اللہ علی رسولہ ہے مگر سورہ احزاب جس میں آیت ما ملکیت عینک مما افاء اللہ ہے۔ سورہ حشر سے پہلے نازل ہو چکی تھی۔ چنانچہ اتفاق میں ابن خریس کی روایت جو در باب ترتیب نزول سورہ تہائے قرآنی نقل کی ہے۔ اُس میں یہ ترتیب مصرح مذکور ہے۔ مہذا سورہ حشر میں بھی خود اخاء اذ بمعنی اصطلاحی نہیں بلکہ معنی لغوی مراد ہیں۔ کیونکہ شرط فے بمعنی اصطلاحی کی یہ ہے کہ جنگ و جدال کی نوبت نہ آئے۔ سو یہ بات کہ بے قتل و قتال اور بے جنگ و جدال مال ہاتھ آ جائے۔ یہ تو فہما دجفتہ سے ماخوذ ہے۔ اگر اخاء کے مفہوم میں یہ بات داخل ہوئی تو فہما دجفتہ کی کیا حاجت تھی۔ یہ جب یہ لفظ کثیر الاستعمال ہوا ہو تو اختصار کے لئے سائے

اَحْمَدُ مَا قَالَ اللهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَمَا وَجَّهْتُمُ الْاَمَّةَ فِي سَبِيلِ اللهِ فِي سَبِيلِ
جِسْمِ جِهَادٍ فِي تَامِ جَاهِدٍ وَابَا مَوَالِهِمْ وَانْفِصَهُمْ فِي سَبِيلِ اللهِ فِي سَبِيلِ
دَاخِلٍ كَرَسَتْ هِيَ - الْغَرَضُ فِي آيَةِ سُورَةِ حَشْرِ فِي جَوَافِظِ اصْطِلَاحٍ مَذْكُورٍ هِيَ
خُودِ الْاَمَّةِ بِمَعْنَى الْغُزَى هُوَ - تَوْجُوْهُ آيَةِ اس سے پہلے نازل ہو چکی اُس میں اِنْفَار
بمعنی اصطلاحی کیونکر ہوگا۔

اب بفضلہ تعالیٰ اجمالہ مراتب متعلقہ آیت ما افار الشہ سے فراغت پائی،
اور ہر فہمیدہ غیر فہمیدہ کے نزدیک یہ بات متحقق ہو گئی۔ کہ فدک مملوک رسول
الصلی اللہ علیہ وسلم نہ تھا۔ اس میں ہبہ کی قابلیت اور نہ اس میں میراث جاری
ہو سکے۔ اور یہ بھی یقین ہو گیا کہ روایت ہبہ فدک جو شیعوں کے نزدیک
در باب غصب فدک دلیل کامل ہے محض افتراء اور بہتان ہے۔ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم سے تصور میں نہیں آسکتا کہ مال غیر مملوک کو دیدہ و دانستہ کسی کو
بطور ہبہ حوالہ کر دیں۔

آنحضرت فہم قرآن میں غلطاً چکے ہاں اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نہ بھنے
تھی کیونکہ اصلاح کے کوئی حوالہ ہی نہیں تھا۔ احتمال ہوتا تو یوں ممکن تھا لیکن رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم ہی کلام اللہ اور کلام اللہ کے دقائق کو نہ سمجھیں تو پھر کون سمجھے؟ ہم
جیسے پیچیدان تو کلام اللہ کے اشارات سمجھ جائیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ
سمجھیں؟ سمجھ میں نہیں آتی۔ مگر شیعوں کے نزدیک یہ بات ہوتو ہو۔ یا یوں ہوتا
کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رسول نہ ہوتے کوئی امتی ہوتے تو یوں بھی کہہ سکتے۔ کہ
اجتہاد تھا کچھ دجی تو تھی ہی نہیں جو غلطی نہ ہو سکے۔ یہاں تو یہ صورت کہ اگر اجتہاد
بھی ہوتا بھی یہ امر ممکن نہیں کہ آپ غلطی کریں۔ اور پھر متنبہ نہ ہوئے ہوں۔

اس صورت میں اگر بالفرض والتقدیر بغرض محال نقل کفر کفر بنا شد آپ کلام
اللہ سے اس اشارہ کو کہ فدک جو منجملہ فتنے ہے مملوک نہیں نہ سمجھتے ہوتے؟ اور اس
وجہ سے برا غلطی ہبہ بھی کر دیتے تب لازم تھا کہ وحی ربانی سے اصلاح اور تصحیح ہوتی

اور فدک کو مسترد فرماتے۔ سو اگر شیعہ اتنی گتیاں لٹ پا کر کہ شیعوں کے نزدیک ممکن ہے
کہ نبی سے اجتہاد میں غلطی ہو جائے۔ چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام سے باوجود نبوت
حکم میں غلطی ہوئی اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا باوجود نبی ہونے کے صحیح سمجھ جانا چنانچہ
سورۃ انبیاء میں آیت داؤد و سلیمان اذ یحکمان فی النحر الخ میں مذکور ہے اس
بات پر شاہد بھی ہے۔ اپنے مذہب سے دست بردار ہو کر حضرت ابو بکر صدیق
کی ضد میں یوں کہنے لگیں۔ کہ فدک کا مملوک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوتا
بشہادت کلام اللہ مسلم۔ لیکن میں اس میں بھی شک نہیں کہ فدک کو ہبہ بھی ضروری
کیا۔ بہت ہو تو یہ ہو کہ بوجہ غلطی اجتہاد کلام اللہ کا یہ اشارہ نہ سمجھا ہو۔

آیہ ما قال اللہ، یوصیکم کی محض ہے اس کا جواب اول تو یہ ہے کہ اتنی دور
جانے اور اس قدر تکلیف کرنے کی کیا ضرورت ہے اس سے پہلے ترکیب میں
بتائے دیتا ہوں جس میں مذہب کو بھی آج نہ آئے اور بات کی بات بنی رہے یعنی
مناسب یوں ہے کہ یہ بات لغو بذات اللہ خدا ہی کے ذمہ لگائیے اور اس بات میں
بھی بدستور دیگر غلط خداوندی لغو بذات اللہ خدا ہی کے ذمہ لگائیے اور رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس لوٹ سے بچا لیجئے کیونکہ یہ بزرگی تو اسلاف شیعہ نے
خدا ہی کے لئے تجویز کر رکھی ہے۔ اور بایں ہبہ کچھ حاصل بھی نہیں۔ بنیوں کے
نزدیک اگر نبی کی نسبت غلط فہمی کا امکان ہے اور ان کے نزدیک کیا وہ بھی خدا
ہی کی ہی کہیں ہیں تو وہ اس بات کے بھی قائل ہیں کہ وحی سے اُس کی اصلاح
ضروری ہے۔

بہر حال فدک کے ہبہ ہونے کی کوئی صورت نہیں جو روایت ہبہ کو مانئے۔ اور
اس وجہ سے حضرت فاطمہ زہرا کو مالک جلئے۔ غرض ہبہ کا باطل ہونا روشن ہو گیا
اور کیونکر روشن نہ ہو ہبہ کے لئے ملک واجب مقدم ہے۔ سو یہاں رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کا بہ نسبت اراضی فنی جس میں سے فدک بھی ہے مالک نہ ہونا
ثابت ہو گیا۔ اور علیٰ ہذہ القیاس فدک میں میراث کا جاری ہو سکتا نہ ہو سکتا

بھی بخوبی واضح ہو گیا۔ اور معلوم ہو گیا کہ اگر آیت یٰٰصِبِّکُمْ اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور غیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو برابر شامل ہے۔ اور خطاب عام ہے خاص امت ہی کو نہیں۔ تب بھی بہ نسبت ابو بکر صدیق کوئی حرف عائد نہیں سکتا کیونکہ آیت مَا آفَاکَ اللہ منجملہ متروکہ نبوی بہ نسبت فدک وغیرہ اموال فتنے کے مختص ہے۔ چنانچہ واضح ہو گیا۔

یٰٰصِبِّکُمْ اللہ فدک کو شامل ہی نہیں بلکہ غور سے دیکھئے تو تخصیص کے کہنے کی بھی کچھ حاجت نہیں تخصیص ہو تو معنی ہوں کہ آیت یٰٰصِبِّکُمْ اللہ سے بہ نسبت فدک بھی یہی حکم نکلتا تھا۔ لیکن مثل استثنا آیت مذکور یا کسی مختص لے فدک وغیرہ کا استثنا کر دیا۔ سو یہ بات یہاں کوسوں پاس کو نہیں چلتی کیونکہ آیت یٰٰصِبِّکُمْ اللہ اگر متروکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شامل بھی ہوگی۔ تو اُس متروکہ کو شامل ہوگی جو مملوک نبوی بھی ہو۔ کیونکہ میراث تو اشیائے مملوک مورث میں جاری ہوتی ہے۔ فدک جب وقف ہوا تو مملوک ہی نہیں۔ تو عموم آیت یٰٰصِبِّکُمْ اللہ میں داخل کیونکر ہو۔ اگر یہ آیت نہ ہوتی تو البتہ در صورت تسلیم عموم خطاب اس کی ضرورت پڑتی۔ کہ حدیث مَا تَوَكَّنَا کَصَدَقَہُ کو مختص کہئے لیکن بعد اللہ اس کی ضرورت ہی نہ ہوئی۔

یٰٰصِبِّکُمْ اللہ کی جیسے بہت سی احادیث لیکن تاہم کثیر سواد وجوہ رفع مخالفت آیت مختص ہیں۔ ایسے ہی مَا تَوَكَّنَا ہے مذکورہ حدیث مسطور کے لئے ماسوا اس تقریر کے جو دوبارہ تخصیص گذر چکی ہے۔ اس قدر اور مرقوم ہے کہ آیت یٰٰصِبِّکُمْ اللہ میں کچھ بھی تخصیص نہیں ہوتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ترکہ میں میراث جاری نہیں ہوتی بلکہ باتفاق فریقین اور بہت سی تخصیص ہوئی ہیں چنانچہ کافر وارث نہیں ہوتا غلام وارث نہیں ہوتا۔ قاتل مورث وارث نہیں۔ باہر ہر ان تخصیص پر کلام اللہ کو کوئی لفظ آیت مذکور سے متصل جو یا مفصل دلالت نہیں کرتا۔ بجز اس کے نہیں کہہ سکتے کہ احادیث مختص ہوئی ہوں پھر اسی حدیث مَا تَوَكَّنَا کَصَدَقَہُ لے کیا قصور کیا ہے کہ مختص نہ ہو سکی۔ اگر یہ حدیث آیت مذکور کے باطنی مخالف کہتے ہو کہ مختص ہے۔ تو جو حدیثیں اور تخصیص

دلیل کرنی ہیں بدرجہ اولیٰ مخالفت ہوں گی۔ کیونکہ نہ کوئی لفظ اس آیت میں اُن کے مؤید ہے جیسا کہ قرینہ غیبت یوحی جو خصوص خطاب کثر پر دلالت کرتا ہے۔ چنانچہ مذکور ہوا مضمون حدیث مَا تَوَكَّنَا کَصَدَقَہُ کے مؤید ہے۔ اور نہ کوئی اور ہی آیت اُن احادیث کے مساعدتی ہے۔ جیسا کہ آیت مَا آفَاکَ اللہ حدیث مذکور کے مساعد ہے۔

الحیصل اگر آیت مَا آفَاکَ اللہ سے بھی قطع نظر کیجئے اور حدیث مذکور کو میں خطاب اور مفسر مراد حدیث رکھئے تب بھی بیش برین نیست کہ حدیث مذکور آیت مسطور کے مختص ہوگی۔ مخالفت کجا؟ اور اگر تخصیص بھی مخالفت کہلاتی ہے تو ایسی لفظ خبیثہ سنی سب کے نزدیک درست ہے۔ تکرار کی کیا بات ہے۔

بعض آیات اور روایات ہاں مخالفت اسے کہتے ہیں کہ میت کے ماں باپ کے ہوتے شیعیہ میں کالی تضا د اس کی اولاد کی اولاد کو میراث نہ دی جائے جیسے کہ شیعہ کہتے بھی ہیں اور کرتے بھی ہیں۔ حالانکہ اولاد کی اولاد بلاشبہ اولاد ہی میں داخل ہے۔ اور خود جناب باری تعالیٰ ہی فرماتے ہیں یٰٰصِبِّکُمْ اللہ فی اَوَّلَادِکُمْ وَلِلّٰہِ کَرَمٌ مِّثْلُ حَظِّ الْاَنْفِیْئِیْنِ یعنی اولاد کو میراث دلانے کے باب میں خود جناب باری تعالیٰ وصیت فرماتے ہیں۔ پھر حجب اولاد کی اولاد بھی اولاد ہی ہوتی تو ان کی وراثت آپ ثابت ہوگئی۔ اور اگر اولاد اولاد کی اولاد ہے تو میراث خیمہ کو سندی کی ضرورت ہے۔ اور بے سند اور بے دلیل ایسے مضامین نہیں سمجھ سکتے۔ تو لیجئے سند بھی موجود کلام اللہ میں اولاد کی اولاد ہی کو آیت مباہلہ یعنی تَلَحُّ اَبْنَاؤُنَا وَاَبْنَاؤُکُمْ مِّنْ اَبْنَانِ فرمایا اس لئے کہ باتفاق فریقین ابنائنا سے حضرات حسنین وغیرہ مراد ہیں۔ حالانکہ وہ دونوں صاحبزادے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نہ تھے۔ بیٹی کے بیٹے تھے۔ دوسرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو حضرت یعقوب کی اولاد کی اولاد تھی ان کو خداوند کریم بار بار بنی اسرائیل کہتا ہے۔ حالانکہ بنی اسرائیل کے معنی بعید اولاد یعقوب ہے۔ اس لئے کہ بنی اسرائیل سے مراد حضرت

یقوت ہیں۔ اور بظاہر جانتے ہیں کہ اس زمانہ کے بنی اسرائیل حضرت یعقوب کے بیٹے تو تھے ہی نہیں اولاد کی اولاد تھے وہ بھی کئی پشتوں بعد۔ علیٰ ہذا القیاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے آدمیوں کو خداوند کریم اس آیت میں یَا بَنِي آدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطَانُ اور نیز آیات میں بنی آدم فرماتا ہے حالانکہ حضرت کا ان میں سے کوئی بھی بیٹا نہ تھا۔ اگر تھے بھی تو کہیں اڑتنگ کے پڑتنگ جا کر اولاد کی اولاد ہوتے تھے۔

دوسرے مخالفت اسے کہتے ہیں کہ یہی کو زمین اور زمین کی قیمت سے میراث نہیں دیتے اور علیٰ ہذا القیاس برادران اور ہمیشگان مادری کو مقتول کی دیت میں سے میراث نہیں دیتے۔ اور دیں تو قاتل کو مقتول کے ترکہ اور دیت میں سے میراث دیں۔ بشرطیکہ خطا سے یا بشرطی قتل کیا ہو۔ حالانکہ نصوص قرآنی زوجہ اور بہنوں اور بھائیوں کی سب کی توریث میں عام ہے۔ زمین کی اور اس کی قیمت اور دیت کی کچھ تخصیص نہیں۔ اور اسی طرح جملہ القاتل لایوت بھی جس سے قاتل کا محروم ہونا ثابت ہوتا ہے عام ہے۔ عدا اور خطا کی تخصیص کی کوئی وجہ نہیں۔

بائیں ہمہ اور بھی سب میراث کے بڑے فرزند کو شمشیر اور مصحف اور انگوٹھی اور پوشاک (میت کی) بدون عوض دلاتے ہیں۔ اور اس باب میں شیعہ بعض اپنے ائمہ سے بھی روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے اپنے باپ کے ترکہ میں ان اشیاء میں سے اور وارثوں کو حصہ نہیں دیا۔ بلا عوض سب کا سب ہی رکھا۔ اور پھر اس روایت کا راوی سوائے شیعہ اور کوئی نہیں۔ حالانکہ یہ روایت سراسر مخالف قرآن ہے اگر علی عصمت ائمہ ہے اور یوں کہے کہ امام معصوم ہوتا ہے اور معصوم سے ظلم و ستم اور خطا نہیں ہوتی جو کچھ انھوں نے کیا صحیح ہی کیا ہوگا۔ ہم نہ سمجھیں تو کیا ہوا؟ تو اول تو اہل سنت کسی کو سوار انبیاء معصوم ہی نہیں سمجھتے جو ان کے سامنے یہ عذر چل سکے۔

قول قابل اتباع ہے اور اور سنا کہ فعل معصوم میں خطا نہیں ہو سکتی لیکن بالاتفاق قول معصوم فعل معصوم کے احتمال میں اتباع اور اقتداء میں فعل معصوم سے مقدم ہے کیونکہ افعال میں تو یہ

بھی احتمال ہے کہ خاص اس کے لئے ہوا آخر بیسیوں احکام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص تھے۔ مجملہ ان کے دوبارہ نکاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں چاہے کی قید نہ ہونی معلوم ہی ہو چکی صوم وصال کا آپ کے لئے جائز ہونا اور ان کے لئے نہ ہونا سب کو معلوم۔ علیٰ ہذا القیاس اور بہت سے امور ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے ساتھ مخصوص تھے اور کچھ کچھ ان کا ذکر بھی ہو چکا اور قول میں یہ احتمال نہیں ہوتا اگر اس میں کسی وجہ سے کوئی تخصیص بھی ہوتی ہے تو کسی ایک آدمی کی ہوتی ہے۔

بہر حال جب قول بعض ائمہ کہ وہ اگر بالفرض معصوم بھی ہیں تو کہیں اتنے ہیں؟ جتنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قابل اقتدار و اتباع ہیں۔ چنانچہ شیعوں کے نزدیک علی العموم حکم جاری ہے۔ کہ اس دن اس کو یہ مقام حاصل ہے کہ مصحف انگریزی وغیرہ ترکہ پداری میں سے بدون عوض لے لے۔ تو قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لَئِنْ لَمْ تَدْرُسْ مَا تَرَكْنَا مِنْ بَدْرٍ اُولَىٰ لَلْفِ اتِّبَاعِ ہوا۔ اور جب ان امور کو بھی لحاظ کیجئے کہ ائمہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر نہیں۔ اور ابو بکر صدیق نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات سنی اور اب جمل کے شیعہ جو روایت مذکور پر عمل کرتے ہیں انھیں سننا تو کہاں نصیب ان کی زیارت بھی میسر نہیں آتی۔

حدیث کا نورث مفسر متین آیت | معجزہ حدیث کا نورث ما تَرَكَنا مِنْ بَدْرٍ اُولَىٰ لَلْفِ ایک ہے اور روایت شیعہ مخالفت | وجہ سے میں خطاب بھی ہو سکتی ہے اس کا مخصوص ہونا

ایسا ظاہر نہیں کہ اس کے سوا احتمال ہی نہ ہو۔ بلکہ قرین عقل بعد غور کے مفسر و مبین ہونا ہی ہے بخلاف روایت شیعہ کے کہ وہ مخصوص کیا مخالف ہے کیونکہ تخصیص کے لئے کوئی وجہ تو چاہئے یہاں بجز دھینگا دھنگی کے اور کچھ نہیں۔ غرض ان امور کے لحاظ سے روایت شیعہ روایت ابو بکر صدیق کے پاس تک بھی نہیں ہو سکتی۔ معجزہ ہم پوچھتے ہیں کہ سند ائمہ دربارہ تخصیص کیا ہے۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی فعل قول ہے تو ابو بکر صدیق نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے قول سے تخصیص کی تھی کہ فدک دیا تو کچھ چنگیز خاں اور فانون انگریزی کا حوالہ نہیں دیا تھا۔ ہاں ابو بکر صدیق کی جانب البتہ

اسنا تصور ہے کہ انھوں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا کوئی راوی پنج میں نہ تھا۔

انہوں نے روایت مذکورہ علاقہ اور اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس باب میں کچھ علاقہ آنحضرت بیان کی ہو تو وہ خرابیاں نہ آئیں نہیں تو وہ خرابیاں لازم آئیں گی اول تو مصحوم ہو کر کلام اللہ کے مخالف کیا مصحوم کے معنی تو یہی ہیں کہ احکام خداوندی کے خلاف اس سے نہ ہو سکے دوسرے اس پر بھی اکتفا نہ کیا امت کے لئے بھی یہی حکم مخالف رہا اور یہ دونوں خرابیاں پہلی شق پر بھی برابر وارد ہیں۔ کیونکہ کلام اس صورت پر ہے کہ تخصیص کو مخالف کہئے۔ سو اس صورت میں مخالفت کہیں نہیں گئی۔ اس میں کوئی کیوں نہ ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوں یا کوئی اور کلام اللہ کے مخالف تو کسی کی بات کیوں نہ ہو قابل شنوائی نہیں۔ علیٰ ہذا القیاس اور تخصیصات مسطورہ کو جو بحوالہ مذہب شیعہ مرقوم ہوئی ہیں اور واقع میں تخصیصات نہیں مخالفت ہیں چنانچہ ظاہر ہے۔ ایک طرف دھریئے اور حدیث ابو بکر کو ایک طرف رکھئے اور دوسری عقل اور نقل آیت یٰٰوَصِیْکُمْ اللّٰہُ سے اس کی چسپیدگی اور مخالفت شیعہ کی منافیہ کو ملحوظ کر کے دلوں کو تولئے۔ اور پھر تولئے کہ کس طرف پلہ جھکتا ہے؟

الحاصل ہر ہر سخن سے شیعوں کی سخن فہمی اور ہر ہر قدم پر ان بزرگواروں کی عقل و نقل سے مناسبت معلوم ہوتی جاتی ہے۔ ہر ہر بات پر گرفت کرنے میں بھی تھکا جاتا ہوں۔ اور نیز شرم آتی ہے کہ ان بیجاؤں کو الزام دے کر کہاں تک شرمائے۔ اس لئے باقی امور کا جواب لکھنے سے جی رکتا ہے۔ اور یوں خیال آتا ہے کہ جب اس فرقہ کی خوش فہمی ہر ہر سطح پر معلوم ہو گئی تو اہل انصاف اسی سے سمجھ جائیں گے کہ اور بھی ایسے ہی گل کھلائے ہوں گے لیکن یقین سے اطمینان کا رتبہ زیادہ ہوتا ہے۔ گواہی تقریر سے جو مرقوم ہو چکیں۔ مولوی عمار علی صاحب کے خط معلوم کے امور باقیہ کا غلط ہونا بھی متیقن اور متحقق ہو گیا لیکن شایقین کو یہ تردد ہو گا کہ دیکھئے ان کے غلط ہونے کے کیا کیا وجوہ ہوں؟ اس لئے باوجود قلت فرصت اور کثرت ضروریات اور بھی

حرکت کرتی پڑی۔ اس لئے بقدر مناسب دوبارہ مخالفت حدیث کا ذکر ہوتا ہے۔ تَرْکُکَ مَا صَدَقَ اور آیت وَهَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ ذَلِیْلًا یُرِیْشَنِیْ وَیُبْرِئْ مِنْ اِلِیْ یُعْقُوْبُ اور آیت وَوَرِّثْ سُلَیْمٰنَ وَدَاوُدَ کے اپنے مافی الضمیر کو ظلم کے نیچے کھینچتا ہوں۔

اول قابل لحاظ یہ بات ہے کہ جب آیت یٰٰوَصِیْکُمْ اللّٰہُ میں خطاب مخصوص امت کے لئے ہوا تو اس حدیث ہی کی اہل سنت کو کچھ ضرورت نہ رہی۔ اور کسی کے مال میں میراث جاری ہو کہ ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مال میں تو وراثت جاری ہو ہی نہیں سکتی کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس حکم میں داخل ہی نہیں۔ بایں ہر جب آیت مَا اَخَا اللّٰہُ سے مذکور کا غیر مملوک ہونا ثابت ہو گیا۔ تو جھگڑا ہی تمام ہو گیا۔ اب اگر کوئی کہیں سے خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے ترکہ میں میراث کا جاری ہونا ثابت بھی کرے تب بھی مذکور میں تو میراث جاری ہو ہی نہیں سکتی۔

حدیث معاشرۃ الانبیاء اگر غلط القصد اگر بوجہ مخالفت ظاہری جو حدیث مذکورہ آیات باقیہ بھی ہو تو بھی مذکورہ بات نہیں آتا میں ظاہر ہونے کو معلوم ہوتی ہے۔ حدیث مذکورہ اگر غلط بھی ہو جائے تب بھی کچھ حرج نہیں۔ اول تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باشارہ آیت یٰٰوَصِیْکُمْ اللّٰہُ ہی اس آیت سے مستثنیٰ ہیں۔ پھر اگر اور انبیاء کے ترکہ میں میراث جاری ہو ہی نہیں تو ہو کرے۔ کلام تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ترکہ میں ہے غایت مافی البات حد مذکور غلط ہو لیکن اس کے غلط ہونے سے مذکور نہیں مل سکتا ہاں آیت یٰٰوَصِیْکُمْ اللّٰہُ اگر غلط ہو جائے تو البتہ شیعوں کا کلیہ ٹھنڈا ہو۔

دوسرے اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ترکہ میں بھی میراث جاری ہو؟ تب جس چیز میں تنازعہ ہے یعنی مذکورہ آیات میں بشہادت آیت مَا اَخَا اللّٰہُ میراث جاری نہیں ہو سکتی۔ اب اگر مخالفت مابین حدیث و آیات کے ثابت بھی ہو گئی تو حدیث ہی غلط ہو جاوے۔ پر شیعوں کا مطلب تو ثابت نہیں ہوتا۔ ہاں اگر آیت مَا اَخَا اللّٰہُ پر شیعہ خط لا کھینچ کر ایمان پر خط کھینچ جائیں تو کیوں نہیں؟ بہر حال بغرض اثبات برات

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خدمت کا نہ دینا موافق حکم نبوی تھا۔ ہمیں اس میں اس کی ضرورت نہیں کہ حدیث مذکورہ روایات مذکورہ میں موافقت ثابت کریں۔ اور مخالفت جو بظاہر نظر آتی ہے اس کو باطل کر کے حدیث مذکورہ ثابت کریں۔ اس باب میں اشارہ یوحیکم اللہ اور دلالت ما آذا اللہ کافی ہے۔

فصل

وراثت انبیاء پر بحث۔ کہ وہ مالی ہے یا علمی؟ اور مالی مراد لینے پر خرابیاں بھی گفتگو کرنی ضروری ہوئی اس لئے نظر پر تقدم و تاخر آیات اول در باب مخالفت حدیث اور آیت وَهَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ الْخَيْرَ گفتگو چھیڑتا ہوں۔ پر شرط یہ ہے کہ بغور سنے اگر وراثت سے اس آیت میں وراثت مالی مراد ہے۔ اور اس وجہ سے حدیث کو اس آیت کے مخالف کہتے ہیں تو دو حال غالی نہیں۔ آل یعقوب سے یا تو خود ذات بابرکات حضرت یعقوب علیہ السلام مجاراً مراد ہو چنانچہ محاورات عرب میں اکثر پایا جاتا ہے کہ آل فلان بولتے ہیں اور اس سے خود وہی منفر مراد ہوتا ہے۔ یا حقیقی معنی مقصود ہوں۔ یعنی آل یعقوب سے اولاد یعقوب مراد ہو۔ سوال صورت میں تو لازم آئے گا کہ تادم دعا مذکور مال حضرت یعقوب جن کے انتقال کو دو ہزار برس سے زیادہ ہو چکے تھے مجسمہ غیر منقسم رکھا ہوا ہو۔ اور آگے حضرت زکریا کو یہ یقین ہوا کہ میری وفات سے پہلے بھی تقسیم ہو لیا تھا۔

یا بعد اس دعا کے قبل وفات حضرت زکریا کے تقسیم ہو جاتا تو پھر جملہ بیٹ من آل یعقوب کے زیادہ کرانے کی کیا حاجت تھی؟ لفظ یَرِثُ بھی کافی تھا کیونکہ اس صورت میں وہ مال حضرت زکریا کا ہو چکا۔ اب حضرت یعقوب کا دعویٰ رہا نہ شرعاً۔ حضرت یحییٰ وارث ہوں تو ہر طرح سے حضرت زکریا ہی کے وارث کہلائیں حضرت یعقوب کے وارث نہ کہلائیں گے۔ اس صورت میں لاجرم جملہ بیٹ من آل یعقوب غلط ہو جائے گا۔ اور پھر خود دار ہے گا کیونکہ حضرت زکریا کی نسبت تو وراثت پر دلالت یَرِثُ میں موجود تھی بیٹ من آل یعقوب کی کیا ضرورت تھی؟

بہر حال اس صورت میں اس وجہ سے یوں کہنا چاہئے گا کہ دو ہزار سال سے زیادہ عرصہ گزرا اور باہیں ہر حضرت یعقوب کا مال غیر منقسم ہی رہا۔ سو ایسی بات دیوالوں کے سینے کی ہے۔ عاقلوں کے کانوں میں تو ایسی نامعقول باتوں کی سمائی نہیں۔ کون کہہ دے گا کہ دو ہزار سال سے زیادہ ایک شخص خاص کامل باوجود اس کثرت اولاد کے کہ شاید کسی کی نہ ہوئی ہو غیر منقسم رکھا رہا ہو۔ اور اگر آل یعقوب معنی حقیقی مقصود ہوں اور اولاد یعقوب مراد ہو۔ تو یہی ہوں کہ حضرت یحییٰ تمام بنی اسرائیل کے وارث ہوں۔ جو تعداد میں گھس گھاسے متجاوز ہوں گے۔ اور پھر باہیں ہر حضرت یحییٰ تمام احبار و اموات سے ایسا رشتہ و قرابت رکھتے ہوں جو موجب وراثت ہو سکے۔

مہذبایہ بھی ضرور ہو کہ اس زمانہ کے بنی اسرائیل میں جو جو زندہ ہوں وہ لاجرم حضرت یحییٰ کے سامنے مرہی جائیں۔ تاکہ وارث جو حضرت زکریا ہیں اور یَرِثُ من آل یعقوب اس پر دلالت کرتا ہے ظہور میں آئے۔ سو یہ بات پہلی بات سے بھی کچھ آگے بڑھی ہوئی ہے۔ بجز اس کے کہ ان عبارات کے ایسے معنی لے لے کر زبردستی اور بے ہودہ کہئے اور کیا کہئے؟ عالم و عاقل کے تو تصور میں یہ بات نہیں آسکتی کہ ایسے امور و چرچہ میں آئیں۔ اور پھر کوئی نادان ہی ایسی نامعقول تمنائیں کرے۔ چہ جائیکہ حضرت زکریا انبیاء کی تیرہٹی ذہن و سلامت عقل سب جانتے ہیں اور پھر باہیں ہم کیا زیبا تھا کہ جتنا باری تعالیٰ ایسی چرچہ زبانون کو اپنے ایسے کلام پاک میں نقل فرماتا کہ جس کی بلاغت و متانت کا شہرہ آسمان سے زمین تک پہنچا۔

غایت مافی السباب کوئی بات کو بنائے تو یوں بنائے کہ من کل واحد من آل یعقوب اگر فرماتے تو یہ اعتراض ہو سکتا۔ اور فقط من آل یعقوب سے تو سب بنی اسرائیل کے مال کی وراثت لازم نہیں آتی۔ مگر اہل انصاف سمجھتے ہیں کہ اگر یہ معنی ہوں کہ بنی اسرائیل میں سے ہر فرد بشر کی وراثت مراد لینا ضروری نہیں۔ ایک دو کی وراثت بھی کافی ہے۔ تو اتنی بات تو یَرِثُ میں موجود تھی۔ اس قدر عبارت بڑھانے سے کیا حاصل ہوا؟ مہذبایہ سوانح میں حکم محاورہ تمام افراد ہی

الفقہ شیعہوں کا اس آیت کو وراثت پانے پر معمول کر کے پوجہ مخالفیت حدیث مانتا کہنا صدقہ حضرت ابو بکر صدیق اور پیر وان حضرت صدیق برطن کرنا بعینہ ایسا فقہ ہے۔ جیسا کہ ناک والوں پر نہیں جس فرقہ کے علماء کی فہم و فراست اور خوش فہمی اس درجہ کو ہوتا ہوا ہوں کو تو کچھ نہ پوچھے۔ ان کی عقل سے تو بیشک بھینس ہی بڑی ہوگی۔ معہذا حضرت زکریا لے مقام دعائیں دو لفظ فرمائے ہیں ایک تو وَلِیْتَہُ دوسرے بِرِثَّتِہِ اگر ولی سے فرزند مطلوب ہے تب بِرِثَّتِہِ بیکار اور لغو گفتار ہے بیٹا آپ وارث ہوا کرتا ہے۔ ایسا کوئی فرزند ہوتا ہے جو قابلیت وراثت نہ رکھتا ہو۔ اور اگر بِرِثَّتِہِ کی قید سے یہ غرض ہو کہ ایسے اوصاف اس میں پیدا نہ ہوں جو مانع وراثت ہوں مثلاً کافر نہ ہو۔ یا میرا قاتل نہ ہو۔ کیونکہ کافر اور قاتل میت کے وارث نہیں ہوتے تب بھی اس کی کچھ حاجت نہ تھی اس لئے کہ وَاجَعْلَہُ سَرَبَ رَضِیْتُ اگے موجود ہے۔ اس کے یہی معنی ہیں کہ ولی بھی دے تو ایسا دے جو تیری مرضی کے موافق ہو۔

باقی رہا یہ احتمال کہ بِرِثَّتِہِ کی قید اس لئے بڑھائی کہ عباد فرزند تو عطا ہو گین سامنے ہی مر جائے۔ تو یہ احتمال اسی کو روا ہے جو نعوذ باللہ خداوند عظیم کو نہیں سمجھے۔ اسی دعائیں یہ الفاظ موجود ہیں اِنِّیْ خِفْتُ الْمَوَالِیْ مِنْ وَرَآئِیْ جس سے یہ بات نکلتی ہے کہ مجھے اپنے بعد کا اندیشہ ہے اس اندیشہ کے سبب ولی طلب کرتا ہوں۔ سو اب اس دعائیں یہ بات صاف موجود ہے کہ ولی طے تو ایسا طے جو بعد تک زندہ رہے۔ معہذا لفظ ولی تو اُسے ہی کہیں گے جو ولی عہد اور خلیفہ ہو۔ اس مضمون کو حضرت زکریا کے بعد تک زندہ رہنا آپ لازم ہے۔

اور ان سب خرابیوں سے قطع نظر کیجئے۔ وراثت مالی کے نہ ہونے کی ایک یہی وجہ بہت ہے۔ کہ اس صورت میں حضرت زکریا کے منصب نبوت کو بٹا لگتا ہے۔ مال کا اتنا خیال کہ جیسے جی تو تھا ہی۔ مرنے کے بعد کا بھی ابھی سے بند و بست ہے۔ اور وہ بھی اس قدر کہ خدا سے بھی کچھ شرم نہیں۔ یہاں تک کہ خود جناب باری ہی سے یہ التجا ہے۔

کہ اس کے بڑھتے نہ گئے فرزند عاقبت کر۔ پھر بے درجہ کے دنیا داروں اور محبان دنیا کا کام ہے نہ کہ انبیاء کا۔ اور ان میں سے بھی حضرت زکریا کا جو آزادگی اور راستگی میں مشہور تھے۔ استغفر اللہ شیعہ بھی کس قدر یہود ہیں۔ کہ حضرت ابو بکر صدیق کے ساتھ انبیاء کو بھی نہیں چھوڑتے۔ انبیاء کی یہ لوگ کیا قند جائیں؟ ان کی ہمت بلند کے سامنے تو تمام متاع دنیا میٹنگی کے برابر ہے۔ پھر ان میں سے حضرت زکریا جیسے بے تعلقی۔ وہ ایک قدر لیل متاع دنیا کے لئے کیا اس قدر بند و بست کرتے؟ اور وہ بھی اتنا کچھ کہ خدا تک نوبت پہنچی۔ اور وہ بھی اس اہتمام سے کہ اول تمام مراتب اپنے استحقاق کے جس سے خواہ مخواہ دعا قبول ہی کرنی پڑے۔ بیان کے جائیں۔

کیونکہ بعد تہید مطلب ہے تو یہ ہے انی خفت الموالی جس سے اپنی کمال بقاری اور بے تابی الہ ضرورت فرزند ثابت ہو جائے۔ تاکہ کچھ توقع نہ ہو۔ سبحان اللہ نبی نہ ہوئے دنیا دار ہوئے۔ اتنی دور کی تو انھیں بھی نہیں سوچتی جن کی رگ و پے میں محبت دنیا رچی ہوئی ہے۔ اور شب و روز اسی دھیان گیان میں رہتے ہیں۔ علاوہ بریا اگر حضرت زکریا کو یہ اندیشہ تھا۔ کہ ان کے بنی اعمام ان کے مال کو ان کے بعد بیجا اور بے موقع صرف نہ کریں۔ تو اول تو یہ اندیشہ ہی بیجا کیونکہ نقل مشہور ہے آپ ہوئے جگہ برلوں مرے کے بعد کوئی سیاہ کرے یا سفید مردہ کو کیا اندیشہ؟ بعد مردن کوئی مواخذہ کی صورت ہی نہیں۔ اور اس پر خدا سے عرض کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ اس اندیشہ کی تدبیر اور تدبیر بھی وہ عمدہ کہ در صورت قبولیت دعا وہ بات ہرگز نہیں۔ خود ان کے ہاتھ میں موجود تھی۔ یعنی اپنے ہاتھ سے تمام احوال خدا کی راہ میں شا جاتے۔ جو اس خوف سے بھی بجات ہو جاتی اور ذریعہ مزید ترقی درجات آخرت بھی میسر آتا۔ فرزند اگر نیک بھی ہوا اور اس نے مال کو خدا کی راہ میں صرف بھی کیا تو مردہ کو کیا؟ وہ مال اب فرزند کا ہو گیا ثواب دینے دلائے گا اس کو اختیار ہو باقی رہی یہ بات کہ ایک دفعہ مال کے ٹا دینے میں یہ اندیشہ تھا کہ اگر بعد اتفاق حیات طویل باقی نکلی تو پھر اپنا گزارا مشکل ہے۔ سو اس کی یہ صورت ہے کہ اگر ایسی

ہی بے صبری اور اس بات کی پابندی تھی۔ اور باوجود نبوت تو کل دشوار تھا تو انبیاء کو ان کی موت کی اطلاع ہو جاتی ہے۔ وقت اطلاع موت سب سے دلچسپ اور وارثان بد وضع کے لئے کوڑی نہ چھوڑتے۔ القلم نظر پر وجہ مذکورہ وھب فی من ذلک سے وراثت مالی مراد نہیں ہو سکتی۔

دورث سلیمان میں | علیٰ ہذا القیاس آیت دَوْرَتْ سُلَيْمَانُ دَاوُدَ میں بھی حکم قرآن وراثت مالی مراد نہیں عقلیہ ارادہ وراثت مالی منبوع ہے۔ مگر شاید شیعوں کو یہ یہ عذر ہو کہ یہاں عقل ہی ندارد ہے۔ تو البتہ یہ عذر محقول۔ خیر اگر شیعہ انصاف کے ہیں تو اس قدر اور معروض ہے کہ باتفاق مؤرخین اور اجماع اہل توارخ حضرت داؤد کے انیس بیٹے تھے۔ ایک حضرت سلیمان اور اٹھارہ دوسرے۔ پس اگر وارث ہوتے تو سب ہی ہوتے۔ حالانکہ بطور خصوصیت جناب باری تعالیٰ کا یوں فرمانا کہ حضرت داؤد کے حضرت سلیمان وارث ہوئے اس بات کو متفق ہے۔ کہ حضرت داؤد کے وارث فقط حضرت سلیمان ہی تھے۔ اور بھائیوں کی شرکت نہ تھی۔ اور نیز یہ بھی کھلی ہوئی بات ہے کہ سب بیٹے باپ کے مال کے وارث ہو کرتے ہیں۔ پھر اس بات کے بیان کرنے سے کیا حاصل نکلا۔ جو جناب باری تعالیٰ نے اس قصہ کو یا فرمایا۔ ایسی لغویہ ہودہ باتیں خدا وند تین کے کلام میں نہیں ہو سکتیں۔

علاوہ بریں ایسی بات کے بیان کرنے میں جس میں تمام عالم نیک و بد شریک ہوں کیا بزرگی نکلی جو خدا وند کریم نے حضرت سلیمان کے فضائل و مناقب میں اس کو درج فرمایا۔ اور مقام تعریف میں چنانچہ سیاق و سباق سے ظاہر ہے ذکر کیا۔ القلم بوجہ مذکورہ یہاں بھی وراثت مالی مراد نہیں ہو سکتی۔ جب بدلائل واضح اس سے اطمینان ہوا کہ ہر جہہ بادا وراثت مالی تو مراد نہیں۔ تو یہ تردد ہوا کہ پھر اذکون کی مراد مراد ہوگی؟ اس بات کے اطمینان کے لئے اول تو حضرات ان کی طرف رجوع کیا اور ہر سے یہ جواب ملا اِنَّ سُلَيْمَانَ وَرِثَ دَاوُدَ وَ اِنَّ مُحَمَّدًا صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرِثَ سُلَيْمَانَ یعنی بیشک حضرت سلیمان حضرت داؤد کے وارث ہوئے۔ اور حضرت

محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سلیمان کے وارث ہوئے۔ ان کے وراثت سے مراد علم دین و روایت انہی ہے | چنانچہ یہ روایت حضرت امام جعفر صادق کے حوالہ سے امام المحدثین شیعہ حضرت کلینی نے اپنی کتاب میں نقل کی ہے۔ سنیوں کی کتابوں میں ایسی ویسی باتیں ہوتیں تو شیعوں کے لئے گنجائش انکار بھی تھی۔ بہر حال اس روایت سے عیاں ہے کہ آیت دورث سلیمان میں تو وراثت علمی و وراثت منصب نبوت مراد ہے۔ وراثت مالی مراد نہیں۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت سلیمان سے کیا قربت تھی؟ کہ اس کے وسیلہ سے جو مال حضرت سلیمان کو حضرت داؤد کے ترکہ میں سے بلا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میراث میں ملتا مہذال ملا تو کب بلا؟ بجز اس کے کہ یہی کہ ایسی میراث جو حضرت داؤد سے حضرت سلیمان کو پہنچی۔ اور حضرت سلیمان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی بجز میراث نبوت اور میراث علم کے اور کچھ نہیں۔

سیاق و سباق آیت سے | علاوہ ازیں خود کلام ربانی میں کلام سابق اور کلام لاحق کو تو بھی وراثت علمی ظاہر ہے | اسی بات پر دلالت کرتے ہیں۔ کہ جملہ وراثت سے میراث علمی مراد ہے میراث مالی مراد نہیں۔ چنانچہ حافظان عربی داں پر پوشیدہ نہیں۔ بالاس ہمسہ بندہ بھی ماقبل مابعد دونوں کو لکھ کر اطمینان کئے دیتا ہے۔ کلام سابق تو یہ ہے وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ عِلْمًا وَقَالَ الْاِخْطَارُ لَوْلَا الَّذِي فَضَّلْنَا عَلَى الْكَثِيرِ رَمْنُ عِبَادِ وَالْمُؤْمِنِينَ جس کے جملہ دورث سلیمان سے بل کر مرعی ہوئے۔ کہ بیشک دیا ہم نے داؤد اور سلیمان کو ایک علم۔ اور کہا ان دونوں نے شکر اس الشکاجس نے فضیلت دی ہم کو اپنے بہت بندوں ایمان والوں پر۔ اور وارث ہوئے سلیمان داؤد کے اور کلام لاحق یہ ہے وَقَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ عَلِمْنَا مَعْطَيْنَ الْغَيْرِ الْخِ اور مجموعہ کے بل کر یہ معنی ہوئے کہ وارث ہوئے سلیمان داؤد کے۔ اور بولے وہ۔ لوگو ہم کو سکھائی ہے یعنی خدا نے گفتگو پر ندوں کی فقط۔

اب دیکھئے کہ جب جملہ دورث جملہ وَلَقَدْ آتَيْنَا پر محطوف ہو اور جملہ وَقَالَ وَرِثَ پر محطوف ہو اور پھر ان دونوں میںوں محطوف اور محطوف علیہ کے ایک دوسرے

اور انکی معنی قرابت قریب قائم مقام ہونے کا حاوی اور تسلط ہو جانے کے ہیں۔ قائم مقام کے بطور معروف ہونا بطور دیگر ایسا ہے کہ بعض ایسے موقع میں کلام اللہ میں یہ لفظ متبادل ہوا ہے کہ وہاں وراثت علی ہو سکے۔ کیونکہ جو چیز میراث میں لی ہے وہ مال ہے۔ اور میراث بطور معروف ہونے کے اس لئے کہ میراث اپنی ماں سے رشتہ داری تو کیا قرابت دینی بھی نہ تھی۔ بلکہ یہ مسلمان تو وہ کافر جن سے میراث بطور معروف پہنچتی بھی پہنچے۔ ہاں اگر بمعنی قائم مقام ہونے اور نیابت منصب کے کہا جائے تو البتہ معنی بن جائے دیکھئے فرماتے ہیں وَادْرَأْنَا الْقَوْمَ الَّذِينَ كَانُوا يُسْتَضْعَفُونَ مَشَارِقَ الْأَرْضِ وَمَعَارِبَهَا الَّتِي بَاذِكُنَا مُحِيطًا جس کے معنی یہ ہیں۔ اور وارث کیا ہم نے ان لوگوں کو جو مکہ و رتھے مشرق اور مغرب میں اس زمین کا جس میں ہم نے برکت رکھی فقط آب سنے اس قصہ میں جن کو زمین دلائی وہ بنی اسرائیل تھے۔ اور جن سے دلائی وہ فرعون اور قوم فرعون تھی۔ ان میں قرابت نسبی تو کیا رشتہ داری اسلام دایمان بھی نہ تھی۔ بلکہ یہ مسلمان تھے تو وہ کافر اگر بالفرض آپس میں ایسی رشتہ داری بھی ہوتی تب ظاہر یہ ہے کہ اس شریعت میں بھی مسلمانوں کو کافروں کی میراث پہنچتی ہوگی۔ بجز اس کے کہ میراث سے مراد قائم مقام ہونا۔ اور وارث منصب مراد ہو۔ اور کوئی صورت نہیں۔ سو اس صورت میں نہ وراثت علی ہے جو معنی مجازی کہئے اور یوں کہئے کہ معنی حقیقی وراثت مالی ہے۔ سب جانتے ہیں کہ وراثت میں جو چیز زلی وہ زمین ہے جو مال ہے اور نہ یوں کہئے بنے کہ وراثت بمعنی معروف ہے۔

عَلَىٰ هَٰذَا الْقِيَاسِ إِنَّ الْأَرْضَ لِلَّهِ يُورِثُهَا مَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ ۖ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ میں بھی جس کے معنی ہیں کہ بیشک زمین اللہ کی ہے وارث کر دے ہے جسے چاہے اپنے بندوں میں سے۔ اور آخر بھلا ڈرنے والوں ہی کا ہے وہی وراثت بمعنی قائم مقام ہونے کے ہے۔

وارث بمعنی حاوی و تسلط الغرض ان مواقع میں تو وراثت ظاہر میں بمعنی قائم مقام

ہونے کے ہے؟ اور عورت سے دیکھئے تو حاوی ہو جانا اور تسلط ہو جانا مراد ہے؟ کیونکہ آیت ذَٰلِكَ الْجَنَّةُ الَّتِي تُوْرَثُ مِنْ عِبَادٍ نَّاجِينَ کَانَ تَقِيًا میں جس کے معنی ہیں کہ یہ وہ جنت ہے جو میراث دیں گے ہم اپنے بندوں میں سے اس کو جو پرہیزگار ہوگا فقط۔ بجز حاوی اور تسلط ہو جانے کے اور معنی مراد نہیں ہو سکتے کیونکہ یہاں قائم مقام ہونے کی بھی گنجائش نہیں۔ اس لئے کہ جنت پہلے کسی اور کے قبضہ میں کب تھی۔ جو پرہیزگاروں کو ان کے قائم مقام کیا؟ اور جنت کو ان سے جہنم لیا۔

اور مجازاً میراث حضرت آدم علیہ السلام کہئے تو قطع نظر اس کے کہ جب تک حقیقی معنی بن سکیں مجازی کیوں لیجئے؟ اس کا کیا جواب ہوگا کہ حضرت آدم علیہ السلام تو خود جنت میں موجود ہوں گے۔ سو باپ کے ہوتے اولاد کے وارث ہونے کے کیا معنی؟ بہر حال ایسے معنی عام جو تمام مواقع میں برابر صحیح ہو جائیں یہی معنی صحیح ہونے ہیں کہ وراثت سے حاوی ہو جانا اور تسلط ہو جانا مراد ہو۔ اور جب ایک معنی عام حقیقی بن سکیں جو سب مواقع میں صحیح ہو جائیں۔ تو ہمیں کیا ضرورت ہے کہ اس کے قائل ہوں کہ بعض مواقع میں معنی حقیقی کہئے اور بعض مواقع میں معنی مجازی؟ کیونکہ جیسا بے ضرورت معنی حقیقی چھوڑ کر معنی مجازی مراد لینے درست نہیں۔ لیساً ہی بے ضرورت اس کا قائل ہونا کب درست ہے کہ ایک جا معنی حقیقی لیں اور ایک جا معنی مجازی؟

ہاں اگر معنی عام کے حقیقی ہونے کی کوئی صورت نہ ہو تو یوں بھی ہوتا۔ معنی قانون میراث لاریب قدیم سے قانون شریعت ہے۔ کیونکہ ہر نبی کی شریعت میں کچھ کچھ اس کے قواعد ہیں۔ اگر یہ بات رسوم دنیا میں سے ہوتی تو یہ بات نہ ہوتی۔ لہذا اس صورت میں میراث مالی معنی شرعی ہونے اور وضع لغت اصطلاح شریعت سے ہر قرن میں مقدم بھی جاتی ہے۔ خواہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ ہو خواہ کسی اور نبی کا اور ظاہر ہے کہ اصطلاحات اقوام معنی حقیقی میں سے نہیں ہوتیں

بلکہ اقشام منقولات ہیں۔ تو لاجرم معنی حقیقی اور ہی ہوں گے۔ سو اگر وہی ہوں جو میں نے عرض کئے تو نہ ہا در نہ جو کچھ ہوں وہی ہی۔ ہمارا تو ایسا مطلب ہے کہ وراثت بمعنی معروف معنی حقیقی نہیں بمعنی اصطلاحی ہے۔

اب سنئے کہ باوجود اصطلاح کے پھر اصطلاح بھی ایسی غالب نہیں کہ معنی حقیقی پر ترجیح ہو۔ کیونکہ کلام اللہ میں اکثر مواقع میں معنی اصطلاحی کا احتمال ہی نہیں ہو سکتا۔ بہت ہی کم ایسے مواقع ہیں کہ بظاہر وہاں معنی اصطلاحی کا احتمال ہو۔ اور تلاش کیجئے تو بجز ان آیتوں کے جو تمسک شیعہ ہیں اور کوئی آیت نہ نکلے، اور یہ ظاہر ہے کہ ان آیتوں میں بھی احتمال ہی احتمال ہے۔ اور پھر احتمال بھی ایسا کہ غور سے دیکھئے تو وہ احتمال ہی محال ہے۔ چنانچہ بخوبی واضح ہو چکا۔ پھر کون سی ضرورت ہے کہ معنی حقیقی کو چھوڑ کر معنی منقول مراد لیجئے؟ ہاں اگر خدا تعالیٰ کی خود اصطلاح مقرر کی ہوئی ہوتی۔ اور مثل صوم و صلوة معنی اصلی مراد ہی نہ ہو کرتے تو ایک بات بھی تھی۔ اس تقریر اخیر سے متحقق ہو گیا کہ وراثت علمی اور وراثت بمعنی معروف دونوں معنی مجازی ہیں یعنی معنی غیر حقیقی ہے۔

وراثت علمی اگر معنی مجازی اور سنا کہ وراثت بمعنی معروف وراثت حقیقی ہے اور وراثت ہی ہو تو مجاز متعارف ہے علمی وراثت مجازی لیکن مجاز متعارف اور مجاز مشہور ہے خصوصاً استعمالات قرآن میں یہاں تک کہ حقیقت اور معنی حقیقی کی برابری کرتا ہے۔ چنانچہ دو آیتیں اس بات کی شاہد مذکور بھی ہو چکی ہیں ایک تو نَعَاؤْ دَرْتَنَا الْكِتَابَ الَّذِي نَحْنُ مِنْ بَعْدِهِ خَلْفٌ وَرَثَاؤُ الْكِتَابِ يَأْخُذُونَ عَنْ حَضِّ هَذَا الَّذِي أُوذِيَ اور ظاہر ہے کہ یہ دونوں وراثت علمی پر بے تکلف دلالت کرتی ہیں۔ کچھ تامل اور توقف کی نوبت نہیں پیش آتی۔ اور یہی مجاز متعارف کے معنی ہیں کہ ایسا مجاز حقیقت سے کم نہیں ہوتا۔ جو یوں کہا جائے کہ بے ضرورت معنی مجازی مراد لینے درست نہیں۔ اور ان سب سے قطع نظر کیجئے تب بھی بات ہاتھ سے کہیں نہیں گئی۔ اس لئے کہ اس میں تو کسی کو کلام نہیں

۲۰۹
باقی جود قرآن کے معنی مجازی کے مراد لینے میں کچھ دشواری نہیں بلکہ وقت فراغ الہ معنی حقیقی کا چھوڑ دینا اور معنی مجازی کا مراد لینا ضروری ہو جاتا ہے۔ نہیں تو پھر معنی مجازی کے استعمال کی کوئی صورت نہ ہو۔

سوا اول تو حدیث کلینی سے بڑھ کر اور کسی دلیل معنی حقیقی کے چھوڑنے اور معنی مجازی کے مراد لینے کی ہوگی علاوہ بریں اور بھی قرآن عقلیہ اور نقلیہ مذکور ہوئے پھر اب بھی اگر معنی مجازی ضروری نہ ہوں تو پھر کب ہوں گے؟

کلینی کی ایک روایت میں اور یا میں ہمہ اور ایک ایسی دلیل ہے جس سے وراثت علمی کی صراحت ہے اہل کا آیت و رث میں بلکہ آیت وَهَبْ لِي الْإِيمَانِ بھی مراد نہ ہونا اور وراثت علمی کا دونوں آیتوں میں مراد ہونا بتصریح ثابت ہو جائے اور شیعوں کو بھی اس کے انکار میں مجال دم لڑن نہ ہو۔ ہمارے پاس موجود ہے اسی سوائے آیت مذکور کے۔ ایک دوسری روایت کلینی ہی کی جس کو شیعوں کو بھی برسرِ چشم ہی رکھنا پڑے۔ اور درباب مطلب مذکور روایت سابق سے زیادہ کافی و والی ہے۔ اپنے پیش نظر ہے بغرض دندان شکنی شیعہ اس روایت کو زیب اوراق کرتا ہوں۔

روى مُحَمَّدُ بْنُ يَعْقُوبَ الرَّازِي فِي الْكَافِي عَنْ أَبِي عَبْدِ اللَّهِ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ الصَّادِقِ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَنَّهُ قَالَ إِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْأَنْبِيَاءِ وَذَلِكَ أَنَّ الْأَنْبِيَاءَ لَبَّسُوا بُرُودَنَا وَتَسَخَّرُوا لَنَا يَرِثُونَا دَرَاهِمًا وَلَا جُبَانًا وَرَأَيْنَا وَرَثَتَنَا الْأَحَادِيثَ مِنْ أَحَادِيثِهِمْ فَمَنْ أَخَذَ بِشَيْءٍ مِنْهَا فَقَدْ أَخَذَ بِحِطِّهِ وَلَعَنَهُ

مطلب یہ ہے کہ محمد بن یعقوب رازی اعنی علامہ کلینی کافی میں ابوالخیر سے واسطے سے امام جعفر صادق سے روایت کرتے ہیں۔ کہ انھوں نے فرمایا کہ نبی کے علمائے انبیاء کے وارث ہیں اور یہ اس سبب سے کہ انبیاء نے میراث میں نہیں چھوڑا اور ایک نمہ میں یوں ہے کہ میراث میں نہیں پایہ کوئی درہم اور نہ کوئی دینار لے سکتا

جو میراث میں چھوڑا ہے تو چند باتیں ہی اپنی باتوں میں سے چھوڑا کرتے ہیں۔
 جس نے کچھ باتوں میں سے لیا تو اس نے بڑا ہی کامل حصہ لیا فقط۔
 اس روایت سے بتصریح معلوم ہو گیا کہ انبیاء کے مال کا کوئی وارث نہیں ہوتا ان کے
 علم کے البتہ علماء وارث ہوتے ہیں۔ موبعدہ ہی مطلب اس حدیث کا ہے جو اہل سنت
 حضرت ابو بکر صدیق سے روایت کرتے ہیں۔ اگر اس روایت کو مولوی عثمان علی صاحب
 اور دیگر علماء شیعہ چھوڑا بتلاتے ہیں تو یہ روایت بدرجہ اولیٰ جھوٹی ہے مگر بایں لحاظ
 کہ وہ روایت صدیقی ہے تو یہ روایت صادق ہے۔ اور جھوٹوں کو بچوں کی بات
 کب پسند آتی ہے؟ اس روایت کو بھی چھوڑا بتلانے لگیں تو کیا عجب؟ بہت ہوگا
 تو یہ ہوگا کہ حضرت امام جعفر صادق سے بھی برگشتہ ہو جائیں اور کہیں کو بھی تہر کر کے
 ان کے کردار کو پہنچائیں۔ لیکن اس بات میں ان کو جب مشکل ہو کہ دین سے غرض ہو
 اگر دین سے غرض ہوتی تو صدیق اکبر ہی سے کیوں بگاڑتے؟ بہر حال وہ تسلیم کریں
 یا نہ کریں حضرت امام ہمام امام جعفر صادق کا قول ہمارے نزدیک صادق ہے۔ اور
 ان کی بات ہمارے سر آٹکھوں پر۔

الحاصل بشہادت کلمہ اٹھا جو باقر شیعہ بھی مفید حصہ ہے۔ چنانچہ آیت
 اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ سے بزمِ علم خود اسی بھروسے لڑتے ہیں یہ بات ثابت ہو گئی کہ انبیاء
 نے سوائے علم اور احادیث کے کوئی چیز میراث میں نہیں چھوڑی۔ تو اس صورت میں
 لاجرم دونوں آیتوں میں میراث علمی ہی مراد ہوگی۔ باقی اس بات کا شیعوں کو
 اختیار ہے کہ جسے معنی حقیقی کہہ کے تعبیر کریں یا معنی مجازی اس کا نام رکھیں۔ اگر معنی
 حقیقی کہیں تو فہما در نہ مجاز کہیں اور مجاز بھی مجاز متعارف۔ تب بھی انھیں مرجحاً اور
 اگر ہماری صند میں مجاز غیر مشہور و غیر متعارف کے قائل ہوں تب بھی کچھ اندیشہ نہیں
 چشم ماروٹن دل ماشاء۔ اس لئے کہ باوجود اس قدر حجم قرائن صادقہ کے جو درباب
 مراد نہ ہونے وراثت مالی کے مذکور ہوئے۔ اور باوصف اس قدر کثرت وجوہ اولادہ
 وراثت علمی کے جو مسطور ہوئیں۔ اگر وراثت علمی مراد ہو تو گو وہ وراثت مجازی ہی ہے

تب بھی علیٰ حق و معاد ہے۔
 بلکہ اگر بالکس ہو تو خطا فاحش اور غلط ہے اور قواعد دلالت کی رو سے غیر جائز
 بہر حال آیت و وارث میں جیسے بقرآن و دلائل سابقہ وراثت مالی کا مراد ہونا
 ثابت اور تحقیق ہو گیا تھا۔ ویسے ہی اب بوجہ و دلائل مذکورہ یہ بھی تحقیق ہو گیا
 کہ وراثت علمی مراد ہے۔ علیٰ ہذا القیاس جیسے قرائن و دلائل مسطورہ بالا سے تیسرے
 ہو گیا تھا کہ آیت وَهَبْ لِي مِنْ ذَنْبِكَ وَلِيَّتًا يَرْشِدُنِي وَكَوْنَتْ مِنْ اِلٰی يَفْقَهُوْنَ
 میں وراثت مالی مراد نہیں۔ اب بشہادت روایت ثانی کہیں یہ تو ثابت ہو اسے۔
 اس کے ساتھ یہ بھی ثابت ہو گیا کہ وراثت علمی مراد ہے چنانچہ خطا ہے۔ اور بعد
 ادائہ شہادت اس روایت کے اس کی حاجت نہ رہی کہ کچھ قرائن اس بات کے بھی کر
 لئے جاویں کہ یہ آیت وھب لی میں بھی بدستور آیت و وارث علمی ہی مراد ہے
 کیونکہ روایت مذکورہ سے بڑھ کر شیعوں کے حق میں اور کو کسی دلیل دندان شکن ہوگی
 اس روایت کے ذکر کرنے میں شیعوں کی وہی مثل ہو گئی جیسے کہا کرتے ہیں۔ اُنھیں
 کی جوتی اُنھیں کا سر۔

سورہ مریم میں حضرت زکریا
 صرف خلیفہ نیک چاہتے تھے
 مگر منظر میں تحقیق و غرض خودی اہل سنت و پیشانی شیعہ
 کچھ قدرے قلیل اور بھی چھوڑ چھاڑ ہی اس لئے عرض ہے
 اگر لفظ ولی اور جملہ وَاٰتٰی حَقَّقْتُ الْوَلٰی مِنْ ذُرِّیَّتِیْ وَكَانَتْ اَمْرًا اٰتٰی عَاقِبًا
 کو جو آیت فہم لِي مِنْ ذَنْبِكَ الخ سے متصل ہی پہلے واقع ہے بنظر غور دیکھا
 جائے تو عیاں ہو جائے کہ مقصود حضرت زکریا علیہ وعلیٰ نبینا الصلوٰۃ والسلام
 فقط طلب گاری جانشین اور خواستگار ہی خلیفہ نیک آئین تھی۔ اس دعوے کے وقت
 جس کا اس سورہ مریم میں قصہ مذکور ہے۔ تمنائے عطائے فرزند نہ تھی گو کسی اور وقت
 میں یہ بھی دعا مانگی ہو۔ اس لئے کہ لفظ ولی باتفاق اہل لغت بمعنی فرزند نہرگز
 نہیں آتا۔ البتہ بمعنی ولیعہد اور جانشین آتا ہے۔ اور اس پر لفظ وَاٰتٰی مِنْ ذُرِّیَّتِیْ
 کا قرینہ خود اسی پر دلالت کرتا ہے۔ کہ گو لفظ ولی مثل لفظ مولیٰ بمعنی متعدد

آتا ہو لیکن یہاں بھی مراد نہیں۔ کیونکہ موالی کے ساتھ لفظ سنت کا اڑی ہو گا ہوا ہے۔ وہ ہے اس کے کہ موالی سے معنی ملے گی مراد ہوں صحیح نہیں ہو سکتا۔ اسی لئے لے ترجمہ مرقوم ہے۔

اعنی اپنے بنی اہل ام اور اقربا سے اندیشہ ہے یعنی یہ ڈر ہے کہ وہ لوگ منصب غلامت کے لائق نہیں، اگر وہ لوگ میرے جانشین ہوئے تو ان سے حایت احکام غلامت کا تو معلوم، الٹی تبدیل اور تحریف کا کھٹکا ہے اور اپنی اولاد ہونے کی توقع نہیں۔ جو یہی امید ہو کہ شاید کوئی فرزند لائق فائق پیدا ہو جائے۔ کیونکہ میری عورت بائچ ہے۔ اس لئے یہ عرض ہے کہ مجھے ایک ایسا جانشین عنایت فرما جو میرا بھی وارث ہو اور آل یعقوب کا بھی وارث ہو۔ اور اس کو اپنی مرضی کے موافق کر دے فقط

ظاہر ہے کہ سیاق میں موالی کے معنی بجز قائمان مقام اور خلفاء کے اور کچھ نہیں ہو سکتے تو لاجرم دلی بھی جو کسی مادہ سے مشتق ہے بمعنی ولیعبدالرحمن جانشین ہی گا۔ اور اگر بغرض محال دلی بمعنی فرزند بھی ہو تو موالی بھی بمعنی فرزند ہی ہو گا۔ اور ظاہر ہے کہ حضرت زکریا کے اول تو کوئی فرزند تھا ہی نہیں۔ دوسرے اگر تھا بھی تو پھر کتنا فرزند کس لئے تھی۔ وراثت کے قابل سب ہی فرزند ہوتے ہیں بیک ہوں یا بد۔ باقی رہا مضمون پستیدہ الہی ہونے کا۔ اگر بالفرض بغرض محال کوئی فرزند بد اطوار ہی تھا؟ اور اسی لئے دوسرے فرزند نیک کی طلب گاری تھی۔ تو اسی کے حق میں یہ دعا کیوں نہ فرمائی؟ اور موالی کے لئے جو دعا نہ فرمائی تو یہ وجہ ہے کہ تمام برادری بلکہ تمام کنبہ کے ساتھ آدمی کو ایسی محبت نہیں ہوتی جو ان کے لئے خواہ مخواہ دعا ایسے تہ دل سے نکلے۔ یہ معاملہ اگر ہوتا ہے تو اپنی ہی اولاد کے ساتھ ہوتا ہے کہ اگر اس کو بد اطوار دیکھے تو خواہ مخواہ جی تڑپ جائے۔ اور اصلاح کی دعا بے اختیار دل سے نکلے لیکن ضیعوں کو بھی اتنا تو یقیناً معلوم ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام کی استدعا کے وقت تک کوئی فرزند نہ تھا نیک نہ بد تو معلوم ہو کہ موالی سے وہی لوگ مراد ہیں کہ بظاہر ان کے جانشین ہونے کا

دعویٰ تھا کیونکہ یہ جلیل القاب ہر غیر کی طلب کاری کی غلبہ ہے۔ معنی بظاہر ہے کہ میرے تو فرزند ہو ہی نہیں سکتا۔ اس لئے کوئی جانشین ہی نہیں۔ اور جب جانشین کوئی غیر ہو تو پھر وراثت مندرجہ آیت بجز وراثت علمی اور وراثت منصبی کے صحیح نہ ہوگی۔

اور یہ بھی دہی جب ولی بمعنی جانشین ہوا تو وراثت سے وراثت علمی ہی مراد ہوگی وہ اپنا ہو یا بیگانہ۔ اور یہ دعا کچھ مستبعد نہیں کیونکہ جیسے عہد دنیا اور اہل دنیا فرزند اور خلف رشید کے طلب گار ہوتے ہیں۔ ایسے ہی ارباب علم و فضل اور مرشدان صاحب کمال کو خلیفہ راشد اور جانشین کامل کی تمنا ہوا کرتی ہے۔ بلکہ ایسے لوگوں سے تمنائے فرزند البتہ مستبعد ہے۔ اور یہ جو بعض اور مواقع میں حضرت زکریا سے دعائیں۔ بجائے ولی لفظ ذریت جو با اتفاق بمعنی اولاد ہے کلام اللہ میں منقول ہے تو اس سے یہ لازم نہیں کہ سورہ مریم میں بھی اس دعا سے اولاد ہی مطلوب ہو۔ اس لئے کہ مکرر یہ دعا کا اتفاق ہوا ہو۔ سورہ مریم میں جس دعا کا ذکر ہے اس دعا کے وقت تک بسبب اس کے کہ اولاد کی طرف سے مایوس تھے۔ جانشین ہی کی تمنا ہو۔ مگر کچھ تو اس سبب سے کہ مایوس کو اسی چیز کی تمنا ہوتی ہے جس کی طرف سے مایوس ہو۔ نہیں تو مایوس ہی کیوں ہو۔ خداوند کریم ارحم الراحمین قاضی الحاجات مجیب الدعوات نے بوجہ خاطر دعا کی حضرت زکریا ساری تمنا پوری کر دی۔ کچھ اس وجہ سے تہ نظر رحمت و قدرت خداوند عطاے فرزند ہوا ہو۔ کہ اس دعا کے قبول قبولیت جب حضرت مریم کو دیکھا ہو کہ بے موسم میوے خداوند کریم ان کو پہنچا تا ہے۔ تو ان کو بھی امید ہوئی ہو کہ مجھے بھی بے موسم فرزند عنایت ہو جائے۔ تو ایسے ارحم الراحمین قدر بر کی رحمت اور قدرت سے کیا بعید ہے؟ اس لئے اس وقت خاص فرزند ہی کی دعا کی ہو۔ اور خداوند مجیب الدعوات نے قبول فرمائی ہو۔ بہر حال مکرر دعاؤں کا اتفاق ہوا ہو۔ اول بسبب نہ ہونے سامان تولد کے فقط جانشین ہی کی دعا کی ہو۔ بعد میں یوں سمجھ کر کہ سامان کی خدا

اور ضرورت میں اس بات کی دعا کی ہو کہ جائیں بھی بے لاف و زبانی ہے۔
 لیکن جس آیت میں کلام ہے اُس آیت میں ہم تسلیم نہیں کرتے کہ دعا فرزند ہی
 اس میں مقصود ہے۔ اور بایں ہمہ جس جگہ لفظ ذریت ہوا بھی اگر اولاد معنی
 یعنی خلیفہ راشد اور مرید کامل اور شاگرد رشید مراد ہو تو کیا قباحت ہے؟ آخر
 شاگردوں اور مریدوں کو فرزند بول ہی دیا کرتے ہیں۔ اور فرزندنا خلف کو کہا
 کرتے ہیں کہ یہ ہمارا بیٹا نہیں۔ بلکہ خود خداوند کریم نے حضرت نوح علیہ السلام کے
 بیٹے کو بوجہ ناخلفی یوں کہا کہ یہ تمہارا بیٹا نہیں۔ اور وہ ایسی میان فرمائی یعنی بد اطھا
 ہونا جس سے یوں معلوم ہو جائے کہ جو نیک اطوار ہیں سو وہ سب بمنزلیہ برادر
 اور فرزند ہیں۔ بلکہ سورۃ ہود میں جو حضرت نوح کا قصہ مذکور ہے تو اس سے یوں
 معلوم ہوتا ہے کہ سب تبعان نوح علیہ السلام کو اہل نوح فرمایا۔ جس سے ایک دفعہ
 تو یوں سمجھ میں آئی کہ حضرت نوح کے کنبہ کے لوگ مراد ہیں۔ اس لئے کہ حضرت
 نوح کو یہ حکم ہوا تھا کہ جب طوفان کی آمد ہو تو تم کشتی میں سب قسم کے جانوروں میں
 سے ایک ایک جوڑا چڑھا لیجو۔ اور اپنے اہل کو چڑھا لیجو۔
 اب ظاہر ہے کہ جانوروں کے اور اہل و عیال کے چڑھانے کو تو فرمایا۔ اور
 سوا ان کے اور مسلمانوں کے چڑھانے کو نہ فرمایا۔ اور یہ سب جانتے ہیں کہ خداوند
 کریم سے منجملہ محالات ہے کہ جانوروں کے بچاؤ کی تدبیر تو کی جائے اور مسلمانوں کے
 بچاؤ کا سامان نہ کیا جائے۔ اس سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ سب مسلمانوں کو اہل
 عیال نوح علیہ السلام ہی میں شمار کر لیا ہے۔ القصۃ حبیبہ متبع اور مرید داخل
 اہل و عیال ہوئے اور فرزندنا خلف اہل و عیال سے خارج ہوئے۔ تو ہو سکے
 ہے کہ ذریت سے مرید اور متبع ہی مراد ہو۔ چنانچہ جو بیت کے محاورات میں اپنے
 زمرہ کے لوگوں کو آل اور ذریت کہہ دیا کرتے ہیں۔ مگر انصاف یوں ہی ہے کہ سورۃ
 آل عمران میں جو دعا ذکر کیا علیہ السلام میں لفظ ذریت واقع ہے۔ تو وہاں اولاد
 ہی مراد ہے۔ پر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ سورہ مریم میں بھی لفظ دلی سے اولاد ہی

مراد ہو۔ ہاں اگر یہ ثابت ہو جائے کہ سوائے ایک بار کے اس باب میں حضرات
 زکریا علیہ السلام نے دعا ہی نہیں کی۔ تو البتہ ٹھکانے کی بات ہے۔

پر مغائرۃ الفاظ یعنی یہاں اور الفاظ کا ہونا اور وہاں اور اس بات پر
 شاہد ہے کہ چند بار دعا کا اتفاق ہوا۔ پھر کیا ضرورت ہے کہ دلی کو فرزند پر
 محمول کیجئے۔ البتہ اگرچہ فرزند کے مراد لینے کے معنی صحیح نہ ہو سکیں تو ایک بات بھی ہے
 لیکن یہاں تو معاملہ بالکس ہے۔ فرزند کے مراد لینے میں صحبت معنی زائل ہو جائے۔
 تو عجب نہیں۔ چنانچہ مرقوم ہو چکا کہ جملہ کانت امراتی عاقرات اسی طرف مشیر
 ہے، اور اگر یوں کہئے کہ اس سیاق سے حضرت زکریا علیہ السلام کی یہ غرض تھی
 کہ دجہ دعا معلوم ہو جائے اور اس بات کی باز پرس کا اندیشہ نہ رہے کہ اولاد منو
 فتنہ ہے۔ اس جلالت قدر پر کیا مناسب تھا کہ ایسی تمنائے نازیبا کو زبان پر لائے
 دویم جملہ کانت امراتی عاقراتے مثل جملہ واشتعل الراس شیناً جو اپنے بڑھاپے
 پر بھی دلالت کرتا ہے۔ اپنا عجز اور بے سرو سامانی ثابت ہو جائے۔ تاکہ باعث
 جوش رحمت اور موجب حرکت قدرت ہو۔ نہ یہ کہ بوجہ بے سرو سامانی قطع امید
 مقصود ہے۔ تو قطع نظر اس کے کہ ہم نے جو سنی بیان کئے ان معنی سے عمدہ نہیں تو
 کم تو کسی طرح نہیں۔ اور ہم کو لائنسلہ کہنے کی اس سبب سے پھر بھی گنجائش ہے۔ اس سے
 تو بات ہاری ہی نہیں کہ دلی سمجھی فرزند تو ہو ہی نہیں سکتا۔ اگرچہ اس کا مصداق فرزند
 ہی کیوں نہ ہو۔

غرض بہر حال یہ لفظ بمعنی ولیعہد اور جائشین ہے۔ اور جب بمعنی ولیعہد اور
 جائشین ہوا تو وراثت سے وہی وراثت مقصود ہوگی جو ولیعہد اور جائشین کو
 سزاوار ہے۔ تاکہ لفظ دلی کے اختیار کرنے کا بھی فائدہ معلوم ہو۔ اور وہ ظاہر
 ہے کہ یہی وراثت منصب و وراثت علم ہے۔ نہ وراثت مالی بطور معروف۔ جیسے
 بدلائل و قرائن مرقوم بالا آیت فھب لی الخ میں وراثت مالی کا مراد نہ ہونا معلوم
 ہو چکا تھا۔ اب بشہادت روایت کلینی و قرآن مذکورہ یہی متحقق ہو گیا کہ وراثت

اہل اوزور اٹت جی مقبول ہے۔ اور وہ طمان جو دربارہ مخالف ہر دو آیت مشا را لہما و حدیث ما ترکنا صدقہ نظر ہر میان حدیث و کلام اللہ کے دل میں کھٹکتا تھا پنج و بنیاد سے اُکھڑ گیا۔ اور ہر پنج اطمینان کا دل ہو گیا کہ حدیث مذکور کسی آیت کے مخالف ہی نہیں۔ جو اس وجہ سے اُس کو غلط کہا جائے۔ اور دشمنان صدیق اکبر کی بات بنے جو در صورت غلط ہونے حدیث مذکور کے بھی شیعوں کا اہل سنت پر کچھ دباؤ نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ بحوالہ اشارہ آیت یوصیکم اللہ اور ہدایت آیت ما افاض اللہ مرقوم ہو چکا۔ بلکہ اہل شیعوں کو اپنے دن نظر آئے کہ اس حدیث کے مصدق ان کی حدیثیں بھی نکلیں۔

حدیث کا ثورث حضرت صدیق اور نیز ابلاس کی کسی طرح حاجت نہیں کہ جیسے کے لئے متواتر سے بھی بڑھ کر تھی۔ اس حدیث کا مخالف ہونا ثابت ہو گیا۔ ویسے ہی قطع نظر مخالف ہونے کے) فی حدوۃ اس کا صحیح ہونا بھی صحیح ہو جائے۔ مگر بنظر اثبات و اظہار صدیق اکبر کچھ اس بات میں بھی رقم طرازی ضروری ہے اس لئے اول تو یہ معروض ہے کہ اس جگہ یہ عذر ہی بجا ہے کہ اس حدیث کا راوی ایک ہی شخص ہے۔ کیونکہ یہ بات تو وہاں دکھی جاتی ہے کہ جہاں خود نہ تھا ہو۔ اور در صورتیکہ کوئی شخص اپنے کانوں سے کوئی بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُن لے۔ تو اس کے لئے وہ ایک اپنا سنا لاکھوں کی خبر دینے سے زیادہ ہوگا کیونکہ راویوں کی کثرت کی جو روایات میں ضرورت ہوتی ہے تو اس لئے ہوتی ہے کہ جھوٹ ہونے کا وہم جاتا رہے۔ اور جب اپنے کانوں سے سُن لیا تو پھر جھوٹ کا احتمال ہی نہیں رہتا۔ جو اس کے رفع دفع کی ضرورت ہو۔

بلکہ لاکھوں کے بیان سے گویقین حاصل ہو جائے۔ پراستی تھی اور اس قدر اطمینان نہیں ہوتا جس قدر دیکھنے سے ہوتا ہے۔ کلکتہ، دلی، لندن، مکہ مدینہ کے ہونے میں گویا اس وجہ سے شبہ نہیں۔ کہ ہزاروں لاکھوں بیان کرتے ہیں لیکن دیکھنے میں جو بات ہے وہ سننے میں نہیں۔ اس لئے مثل مشہور ہے کہ

حدیث شیعہ کے بودا مند دیدہ

جب دیکھنے کی چیز دن میں یہ حال ہے کہ آدموں کا کہا اگرچہ کھو کھا کیوں نہ ہوں۔ اپنے دیکھنے کے برابر نہیں تو سننے کی باتوں میں بھی یہی سمجھنا چاہئے کہ آدموں کی خبر اور روایت اگرچہ کھو کھا کیوں نہ ہوں۔ اپنے کان کے سننے کے برابر نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ اظہار میں اس ہے۔ پھر جب حضرت ابوبکر صدیق اپنے کان سے ایک حکم سن چکے ہوں۔ تو ان پر اعتراض کرنا کہ جس روایت پر انھوں نے عمل کیا بجز ان کے اس کا اور کوئی راوی نہیں۔ علماء شیعہ کی کمال سلامت عقل اور خوبی فہم پر دلالت کرتا ہے۔ اتنی بات تو ہر ادنیٰ اعلیٰ جانتے ہیں کہ حدیث نبوی اُس شخص کے حق میں جس نے بلا واسطہ اپنے آپ سنی ہو یقین بلکہ عین یقین ہے۔ اُس کو اس حدیث پر عمل کرنا واجب ہے کسی دوسرے سے سُنے یا نہ سُنے۔

روایت کے درجات ان کے لئے ہیں اس لئے اجماع اصولیین فہم و سنی اس بات پر ہے جنہاں غفرک سماع و روایت مل نہیں کہ خبر کا متواتر اور غیر متواتر اور واحد اور مشہور وغیرہ ہونا بہ نسبت انھیں لوگوں کے ہے جنہوں نے نبی کو نہ دیکھا نہ اپنے آپ اُن کی بات سنی بلکہ آدموں کے واسطے اُن کی باتیں سنیں۔ نہ کہ اُن کے حق میں جنہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بحکم خود دیکھا اور بگوشت خود اُن کے کلام سُنے۔ ایسے لوگوں کے حق میں جنہوں نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی بات اپنے کانوں سے سنی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات حدیث متواتر سے بڑھ کر ہے۔ سو ابو بکر صدیق نے اپنے سننے کے موافق آپ عمل کیا تھا کسی دوسرے کی گردن پر تو چھری نہیں رکھی۔ غرض یہ اعتراض تو بہر حال بے جا۔ ہاں بے اعتقاد کی وجہ سے اُن کی بات کا اعتبار نہ کرو تو بے دہی کی بات ہے۔ اُس کو اس اعتراض سے کیا علاقہ۔

روایت لا نورث کے مہذبکم کلکم و الناس علی قدر عقولہم۔ ہم بھی اُسی راہ راوی دس باز معافی ہیں چلتے ہیں جس راہ شیعہ چلیں۔ اگر راویوں کی کثرت ہی سے حدیث صحیح ہوتی ہے۔ اپنے سننے سے نہیں ہوتی۔ تو سننے جیسے روایات کے غلط ہونے

کی دو صورتیں ہیں: ایک تو یہ کہ اس کے راوی کذاب و فحشری ہوں۔ دوسرے یہ کہ اس کے معنی مخالف عقل یا معارض نقل صحیح ہوں۔ ایسے ہی صحت روایات کی بھی دو ہی صورتیں سمجھنی چاہئیں۔ ایک تو یہ کہ اس کے راوی صادق ثقہ دیندار ہوں؟ دوسرے یہ کہ قرآن یا احادیث صحیحہ اس کے معنوں کی موید ہوں۔ اور عقل اس کے مدلول کے مساعد ہو۔ علیٰ ہذا القیاس جیسے راویوں کی قلت اور روایات صحیحہ کی مخالفت سے بقدر مخالفت اعتبار کی بھی قلت ہوتی ہے۔ چنانچہ سب جانتے ہیں ایسے ہی کثرت رواۃ و ناقضان اخبار اور موافقت اخبار و روایات صحیحہ سے بقدر موافقت اعتبار کو بھی ترقی اور زیادتی ہوتی ہے۔ اس لئے دونوں قسم کے وجوہ صحت اول و دونوں قسم کے وجوہ اعتبار کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔

راویوں کی کثرت کا تو یہ حال ہے کہ ایک ابوبکر صدیق ہی اس کے راوی نہیں۔ کوئی دس بار راوی ہیں۔ اور وہ بھی ایسے ایسے کہ اُن کے ثانی آسمان وزمین نے بھی کمتر دیکھے تھے ہوں گے۔ اور یہ جو علماء شیعہ فرماتے ہیں اور مولوی عمار علی صاحب بھی اُسے ہی گاتے ہیں۔ کہ ابوبکر صدیق نے حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کو ذک سے فقط ایسی روایت کو ٹنکا کر جواب بتلایا۔ کہ اس کا راوی ایک آدمی کے سوا یعنی اپنے آپ کے اور کوئی نہ تھا۔ دروغ محض اور سراسر بہتان ہے۔ اس لئے کہ اہل سنت کی کتابوں میں یہ حدیث بروایت زبیر بن العوام و حذیفہ بن الیمان و ابودردار و ابو ہریرہ و عباس و علی و عثمان و عبدالرحمن بن عوف۔ و سعد بن ابی وقاص و عائشہ ام المؤمنین و عمر بن الخطاب و ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہم جمیع صحیح و ثابت ہوئی ہے۔

اہل شیعوں کے نزدیک حضرات علی اور حذیفہ کا اعتبار لازمی ہے اگر حضرت عائشہ اور حضرت ابو بکر اور حضرت عثمان کا اس باب میں شیعوں کو اعتبار نہ تھا۔ تو حضرت علی اور حضرت حذیفہ وغیرہم نے کیا تقصیر کی ہے؟ جو ان کا بھی اعتبار جاتا رہا اگر شیعوں کے نزدیک اس سے زیادہ اور کیا خطا ہوگی کہ حق کہہ گزرے۔ اور وہ بھی ایسے مقدّم

میں کہ جس میں کہنے سے مدعیانِ محبت شیعہ سرِ اہلِ عداوت کی بات چھکی پڑی ہے۔ مگر منظرِ خیر خواہی شیعہ باتِ عامِ آیت کلا ھند ھو لاء علماءِ شیعہ کی خدمت میں یہ عرض ہے کہ سنیوں کی بدگئی کے لئے اپنی ناک اپنے ہاتھ سے کیوں کاٹتے ہو۔ یہ بھی خبر ہے کہ مصحوم کے قول کے نہ ماننے سے شیعہ بھی شیعہ نہیں رہتا، نہ عزمِ خود کا خر ہو جاتا ہے۔ در صورتیکہ حضرت علی کا اس روایت میں نام آگیا پھر تو جی چاہے یا نہ چاہے مانتا ہی چاہئے۔

علیٰ ہذا القیاس حضرت حذیفہ کی بات سمجھئے۔ کیونکہ اگر وہ معصوم نہ تھے تو در
باب روایت معصوم ہی تھے۔ اس لئے کہ ملا عبداللہ شہیدی نے اظہار الحق میں
انھیں حضرت حذیفہ کے حق میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث بیان فرمائی
ہے۔ مَحَدَّثَ كُلُّهُمْ بِهٖ حَدِيْفَةُ قَصِيْدَةِ قُوَّةٍ یعنی جو کچھ حذیفہ تم سے کہا کرے اُسے
سچ ہی سمجھو اور سچ ہی کہو۔

بجاری شریف میں حدیث
لا نورث، بروایت حضرت امیر
اصح الکتاب اہل سنت نے وہ حدیث ناظرین کے پیش نظر کرتا ہوں جس کا مخصوص
حضرت علی کا نسبت اس حدیث کے راوی ہونا ثابت ہو جائے۔

اخرج البخاري عن مالك بن اوس بن الخديثان النضري ان عمر بن الخطاب قال يمحض من الصحابة فيهم علي والعباس وعثمان وعبد الرحمن بن عوف وزبير بن العوام وسعد بن ابى وقاص اسيد كرم الله الذي ياربه تقوم السماء والارضن العلون ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لا نورث ما تركناه صدقة قالوا اللهم نعم فقال علي والعباس فقال اسيد كرم الله هل تعلمان ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لا قالوا اللهم نعم

حاصل ہے کہ امام بخاری نے ایک بن آدم بن الحنظلان البصری کے واسطے روایت کیا ہے کہ تحقیق حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے صحابہ کے مجمع میں جس حضرت علی اور حضرت عباس اور حضرت عثمان اور عبدالرحمن بن عوف اور حضرت زبیر بن العوام اور حضرت سعد بن ابی وقاص بھی تھے یوں فرمایا کہ میں تمہیں اس خدا کی قسم دیتا ہوں۔ اور اس خدا کو یاد دلا کر پوچھتا ہوں جس کے حکم سے آسمان و زمین قائم ہیں۔ کیا تم اس بات کو جانتے ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں ارشاد فرمایا تھا کہ ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا۔ جو کچھ ہم چھوڑ جائیں وہ صدق ہے۔ ان سب نے کہا ہم خدا کے دو برو کہتے ہیں۔ کہ ہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمایا ہے۔ پھر حضرت عمر حضرت علی اور حضرت عباس کی طرف متوجہ ہوئے اور یہ کہا کہ میں تم دونوں کو خدا کی قسم دیتا ہوں اور خدا کو یاد دلا کر پوچھتا ہوں کیا تم جانتے ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات فرمائی ہے ؟ ان دونوں صاحبوں نے فرمایا کہ ہم خدا کے دو برو کہتے ہیں کہ ہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمایا ہے فقط۔

القسمہ اس روایت سے صاف معلوم ہو گیا کہ حضرت علی نے اس حدیث کو فراموش کیا ہے۔ اور وہ بھی یوں نہیں بقسم روایت کیا ہے۔ سو اگر اس روایت کی تسلیم میں یہ عذر تھا کہ اس حدیث کے ایک ہی راوی ہیں خود ابو بکر صدیق۔ اور جس حدیث کا کل ایک ہی راوی ہو اور تسبیح کلام اللہ کی بھی مخالفت ہو تو اس پر عمل کرنا ہرگز درست نہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ ابو بکر صدیق نے کلام اللہ کو چھوڑ کر ایک اپنی ہی روایت پیش کر لیا۔ تو قطع نظر اس کے کہ جہاں علماء شیعہ مخالفت سمجھتے ہیں وہاں مخالفت نہیں موافقت ہے۔ فقط اپنی سمجھ کا قصور ہے۔ چنانچہ ظاہر ہو چکا اور پھر قطع نظر اس سے کہ یہ ایک کی روایت اور زیادہ کی روایت کا فرق وہاں ہے۔ جہاں اس روایت کو مروی عنہ سے اپنے کانوں سے نہ سنا ہو۔ اور دھوڑ کر اپنے کانوں میں لیا ہو۔ تو گویہ سننے والا ایک ہی ہو پر لاکھوں کے بیان سے

بعض تفسیر لے یہ عذر بھی مرتفع ہو گیا کیونکہ اس روایت کے اس قدر راوی ہیں کہ کثر روایات کے اس قدر راوی ہوں گے اور پھر ان میں بھی اکثر وہ لوگ جو بتشرہا لجنہ ہیں اور پھر ان میں سے بھی ایک حضرت علی تو ایسے ہیں کہ ان اکیلوں کی روایت لاکھوں کے برابر ہے خصوصاً شیعوں کے نزدیک۔ کہ ان کے نزدیک ان کی روایت کا غلط ہونا محال ہے۔ چہ جائیکہ مولد بالقسم ہو۔

پھر حال شیعوں کے طور پر تو اس روایت کی صحت اور اس روایت کا اعتبار کلام اللہ کی صحت اور اعتبار سے کم نہیں۔ پھر ابو بکر صدیق سے کب ہو سکے کہ اس روایت پر عمل نہ کریں ؟ اور اس کا اعتبار نہ کریں۔ اور اہل سنت کے طور پر غور ظاہر ہی ہے کہ اس کے سب راوی بڑے بڑے طویل القدر صحابی ہیں۔ ایک کا کہنا بھی ہزاروں کے کہنے کے برابر ہے۔ پس معلوم ہوا کہ یہ روایت بھی اس درجہ کی صحیح اور مستحکم ہے کہ قطعیت میں کلام اللہ کی برابری کرتی ہے۔

کیونکہ یہ جماعت کی جماعت جن کا مذکور ہوا قطع نظر اس کے کہ ایک جماعت کثیر ہے۔ ان میں ایک ایک ایسا ہے کہ اس کا کہا مفید یقین اور خبر متواتر کی برابری کرتا ہے۔ چہ جائیکہ جس کے مجموعہ کو لحاظ کیجئے۔ القصد بوجہ کثرت رواۃ صدق و دیانت راویان تو صحت و اعتبار حدیث ما تو کناہ صدقہ کا یہ حال ہے۔ کہ اول تو اس روایت کے اس قدر راوی ہیں۔ کہ کثر روایات کے اس قدر راوی ہوں گے اور پھر وہ بھی ایسے ایسے طویل القدر صحابی۔ اور اگر بوجہ موافقت آیات و احادیث دیکھئے۔ تو آیات کا تو یہ حال ہے کہ خود آیت بوجہ کلام اللہ ہی جس کی مخالفت کے بھروسے علمائے شیعہ بہت کودتے تھے۔ اس کے موافق ہے مخالف نہیں۔ چنانچہ اس طرح سے مرقوم ہو چکا کہ ناظرین کو انتشار الشائبہ نہ رہے گا۔

احادیث و آیات میں کوئی مخالفت اور اگر کسی کو اس پر بھی مخالفت معلوم ہوگی تو ایسے نہیں بغیر عقل سے ہیں وہم چھوٹا عقل کے اندھوں سے یہ ڈر ہے کہ جن احادیث سے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر زکوٰۃ اور صدقات کا حرام ہونا ثابت ہوتا ہے ان کا رد کو بدرجہ اولیٰ آیت انما الصدقات للفقراء والمساکین کے مخالف سمجھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس بات کا طعن کرنے لگیں کہ نعوذ باللہ خلاف کلام اللہ عمل کیا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فقر و فاقہ مشہور و معروف ہے۔ اور تنہا یہ دعا کرنا کہ الہی محکو جیتے جی اور مرتے دم تک مسکین ہی رکھ۔ اور قیامت کو زمرہ مسکین ہی میں اٹھائیو۔ سب کو معلوم ہے۔ اور جب آپ فقیر و مسکین بلکہ فخر الفقراء و المساکین ہوئے تو آپ کو زکوٰۃ و صدقات کا لینا بدرجہ اولیٰ درست ہوا۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ آیت انما الصدقات میں کوئی اشارہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تخصیص کا نہیں پایا جاتا۔ بخلاف آیت یوصیہ اللہ کے کہ اس میں خطاب کا امت کے ساتھ مخصوص ہونا جو بقرینہ غیبت صیغہ یوصی سمجھا جاتا ہے۔ چنانچہ مرقوم ہو چکا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم سے مخصوص ہونے پر شاہد کامل ہے۔

اور جب باتفاق فریقین وہ احادیث جو زکوٰۃ و صدقات کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر حرام ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ آیت انما الصدقات کی مخالف نہ ہوئیں۔ بلکہ موافق ہوئیں تو حدیث ما ترکناہ صدقۃ بدرجہ اولیٰ موافق ہوگی۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم میراث سے مخصوص ہونا یا سورۃ اعمیٰ شروع سورت سے تو معلوم ہوتا ہی تھا چنانچہ مرقوم ہو چکا ہے۔ خود آیت یوصیہ اللہ سے بھی مفہوم معلوم ہوتا ہے۔ بخلاف آیت انما الصدقات کے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس کے حکم سے مخصوص ہونا اگر معلوم ہو تو تکلف ومنہم من یلزمک فی الصدقات سے جو انما الصدقات سے بغا صلہ چند آیت مقدم ہے معلوم ہو کیونکہ حاصل اس کا یہ ہے۔ ”کہ بعض منافقین میں سے وہ لوگ ہیں کہ اسے پیغمبر تجھ پر زکوٰۃ بانٹنے میں طعن کرتے ہیں۔ اگر انھیں بھی مل جائے تو راضی ہو جائیں اور نہ ملے تو غصہ میں بھرجائیں“ سو اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کا منصب تقسیم زکوٰۃ تھا۔ پھر جو انما الصدقات فرمایا تو معلوم ہوا کہ یہی فقر اور مساکین ہے۔ منافقین کے باپ کا اس میں اجارہ نہیں۔

القصد جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب تقسیم اور فقر اور مساکین کے مصرف ہونے اور منافقین کے مستحق نہ ہونے کو لحاظ کیا جائے تو یوں سمجھ میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس حکم سے خارج ہیں اور یہ ایسی بات ہے کہ کوئی شخص کسی مسکین کو کچھ دے کر یوں کہے کہ اس کو مساکین پر تقسیم کر دینا اغنیاء کو نہ دینا تو گو وہ مسکین بھی جس کو وکیل تقسیم کیا ہے مسکین ہے لیکن حکم فہادت فہم عرف وہ شخص اس حکم سے خارج ہے اور یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ آیت واعلموا انما غلظتم من شیء میں اور آیت ما افا اللہ میں فللرسول شمول کہنے کی ضرورت ہوئی القصد آیت انما الصدقات سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مخصوص ہونا فقط ایک کسیت ومنہم من یلزمک فی الصدقات سے جو جملہ منفصل اور قرینہ خارجی ہے بدقت اور تکلف سمجھ میں آتا ہے۔ اور آیت یوصیہ اللہ سے آپ کا مخصوص نہ تلبہ تکلف قرینہ داخلی خارجی دونوں سے سمجھ میں آتا ہے۔

تو اگر وہ احادیث جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر زکوٰۃ کا حرام ہونا ثابت ہوتا ہے آیت انما الصدقات کے مخالف نہیں موافق ہیں۔ تو حدیث ما ترکناہ صدقۃ آیت یوصیہ اللہ سے زیادہ تر موافق ہوگی۔ علیٰ ہذا القیاس آیت وورث سلیمان داؤد اور آیت فہب لی من لدنک سے بھی حدیث لا تحزن ما ترکناہ صدقۃ مخالف نہیں موافق ہے۔ کیوں کہ ان آیات میں میراث علمی اور میراث منصبی مراد ہے میراث مالی مراد نہیں۔ چنانچہ بدلائل واضح ہو گیا اور حدیث ما ترکناہ صدقۃ میں میراث مالی مراد ہے میراث علمی مراد نہیں۔ باقی رہی احادیث سے موافقت سو اس کا حال یہ ہے کہ اہل سنت کے نزدیک تو یہ حدیث ما ترکناہ صدقۃ اس درجہ کو صحیح ہے کہ اس کی صحت کے دریافت کرنے کے لئے کسی اور حدیث صحیح کی موافقت کی ضرورت نہیں۔ بلکہ اور حدیثوں کے صحت کی میزان اور معیار

اس کو کہتے تو زیادہ ہے۔ یا این ہم یہی حدیث کئی طریقوں سے یعنی سندوں سے مروی ہے۔ اور وہ سب کی سب صحیح ہیں۔ اور یہی معنی ہیں احادیث صحیحہ کے موافق ہونے کے۔

کیونکہ حدیث کی صحت باعتبار سند صحت کے ہوتی ہے اور حدیث کا تعدد باعتبار تعدد سند کے ہوتا ہے۔ اگر متن یعنی ایک عبارت کئی سندوں سے مروی ہو تو اس حدیث کو پھر ایک حدیث نہیں کہتے ہیں۔ اُس کی تعداد بقدر تعداد آسانید ہوگی۔ اور جب وہ ایک حدیث نہ ہوئی بلکہ متعدد ہوئیں تو بایں وجہ کہ متن ایک ہے ایک دوسرے کے موافق ہوگی۔ اور چونکہ حدیث مائتہ کناہ صدقہ کا یہی حال ہے بلکہ بعض الفاظ متن میں بھی فرق ہے گو معنی باہم موافق ہی ہوں۔ تو بیشک ان کو ایسی چند حدیثیں کہیں گے کہ ایک دوسرے کے موافق ہیں۔ اور پھر جب سب سندیں صحیح ہوئیں تو یوں کہہ سکتے ہیں کہ یہ حدیث احادیث صحیحہ اہل سنت کے موافق ہے۔

روایات شیعہ کا ذریعہ کی تائید اگر اس سے کام نہیں چلتا کیونکہ اس کی صحت میں اگر شک ہو تو شیعوں کو ہو۔ اس لئے لازم یوں ہے کہ احادیث صحیحہ اور روایات معتبرہ شیعہ اس کی صحت پر شاہد لائے۔ لہذا محروض خدمت علمائے شیعہ بلکہ عوام و خواص امامیہ پر عرض ہے کہ فرقہ امامیہ اثنا عشریہ کے نزدیک کتاب کافی کلینی سے بڑھ کر کتب احادیث میں کوئی کتاب معتبر نہیں۔ سو وہ علامہ کلینی ہی کی روایت تھی جو بروایت ابوالبحرہ امیام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کا یہ قول منقول ہوا ہے۔

إِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَوْنَهُ الْأَنْبِيَاءَ وَذَلِكَ رَأَى الْأَنْبِيَاءَ لَهُمْ يُؤْتُوا وَفِي شُعْبَةٍ لَهُمْ يُؤْتُوا وَهُمْ لَا يَدِينُوا دَاوَاهُمْ أَوْ ذُرِّيَّتَهُمْ مِنْ أَكَادِيهِمْ
فَمَنْ أَخَذَ مِنْهُمْ فَقَدْ أَخَذَ بِمِحْطٍ وَأَفْزُرُ۔

اور چونکہ ترجمہ اس کا مرقوم ہو چکا ہے تو مکرر ترجمہ کے لکھنے کی ضرورت نہیں۔ پر اتنا لکھنا ضروری ہے کہ اس روایت میں بنسبت روایت صدیق کے کوئی بات کم نہیں بلکہ اتنی بات زیادہ ہے کہ اس روایت میں حضرت امام ہمام امام جعفر صادقؑ نے

بنظر مدگمانی شیعہ اس کی وجہ بھی بیان فرمادی ہے کہ انبیاء کے علم کے تو وارث ہوتے ہیں اور ان کے مال کا کوئی وارث نہیں۔

سودر صورتیکہ نسخہ نسخہ یہ ذخیرہ صحیح ہو تب تو مطلب ظاہر ہے کیونکہ حاصل یہ ہوگا کہ انبیاء کے جو فقط علم ہی وارث ہیں کوئی ان کے اموال متروک کا وارث نہیں ہوتا۔ تو وجہ یہ ہے کہ انہوں نے بھی تو کسی سے کچھ دیرم و دینار میراث میں نہیں لیا اور اگر نسخہ نسخہ میثروا صحیح ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ علماء کے وارث الانبیاء ہونے کی وجہ یہ ہے کہ انبیاء نے دین و دنیا کچھ چھوڑی نہیں جو اس میں میراث جاری ہو۔ انہوں نے فقط احادیث میراث میں چھوڑی ہیں۔ باقی رہا فدک وغیرہ سو فدک تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملک میں ہی نہ تھا جو یوں کہیں گے کہ فدک چھوڑ کر آپ اس جہان سے تشریف لے گئے چنانچہ بہت بات آیت مَا أَفَاءَ اللَّهُ بِنُجُوبِي رُوشن ہو چکا ہے۔

دفعال کے وقت کوئی چیز آپ کی ملکیت نہ تھی اور سوا اُس کے اور اشیاء مثل لباس مرکب مکان کے، سو مکان آپ کے پاس فقط جھڑے ازواج مطہرات تھے سو بگو اہی کلام اللہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ مملوک ازواج ہو چکے تھے۔ اس لئے کہ خداوند کریم یوں ارشاد فرماتا ہے وَفَزَنَ فِي بَنِيكَوْنٍ یعنی اے پیغمبر کی بیوی اپنے گھروں میں ٹھہری رہو۔ ادیبو نہیں فرمایا وَفَزَنَ فِي بَنِيكَوْنٍ یعنی بی بی کے گھروں میں ٹھہری رہو، تو معلوم ہوا کہ وہ حجرا ازواج کے ہو چکے تھے۔ بوجہ ہبہ مملوک ازواج ہوئے ہوں یا اور کسی وجہ سے، اور یہ احتمال کہ سکونت کے گھر تمام عالم رہنے والوں کا گھر کھاتے ہیں، اگرچہ مالک اس کا کوئی اللہ ہو۔ ادھر کرایہ کے مکان کو سبھی اپنا کہا کرتے ہیں قطع نظر اس کے کہ یہ مجاز ہو، اور بے ضرورت مجازی معنی مراد لینے کی اجازت نہیں۔ اور پھر اس سے قطع نظر کیجئے کہ خدا کو کیا ضرورت ہوئی کہ فی بیوت النبی نہ فرمایا؟ اور یہ فرمایا جو شیعوں کے لئے اور موجب دشواری ہے امام کی بات غلط ہو جائے گی۔ ہم کو تو ان معنی کی اپنے طور پر ضرورت نہیں کیونکہ تائید حیات مملوک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ تو بحکم حدیث کا ذریعہ ان وہ صدقہ ہو گئے پھر ازواج کے تصرف میں ایسے تھے جیسے آمدنی فدک حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا

کے صرف میں آئی تھی۔ ہم کو تو ان معنی کے کہنے میں فقط تصدیق حدیث حضرت امام جعفر صادق مدظلہ سے۔

سواگر آیت وَ قَدْ نَفَىٰ بَيْنَكَ وَ بَيْنَهُمْ ذَٰلِكَ لَعَلَّہُمْ یَذَّکَّرُونَ کے معنی نہیں جو ہم نے عرض کے تو شیعوں ہی کو دشواری ہے۔ ہمیں کیا غرض؟ مکانات بھی وقت وفات آپ کے نہ تھے۔ ہاں البتہ کباس اور مرکب کے باب میں کھٹکا بانی ہما مگر قوت ایمان کی بات تو یوں ہے کہ حضرت امام کے اس حصر کو کہ انبیاء نے بجز احادیث کے میراث میں کچھ چھوڑا ہی نہیں، صحیح سمجھ کر ہرگز قابل نہ ہو جائے اور یوں سمجھ کر گو بظاہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشیاء مذکورہ کو دنیا میں چھوڑا لیکن شاید کسی کو اپنے جیتے جی دے گئے ہوں۔ اور پھر جو ان کے پاس موجود تھیں تو بوجہ عاریت ہوں۔

القصاصی سمجھ میں نہ آنے کے باعث حضرت امام کی بات کی تکذیب دیکھئے، ہاں اپنی سمجھ اور عقل کی تغلیط کیجئے۔ لیکن اطمینان طلب مومنین کے لئے یہ اشارہ مرفوم ہے کہ کثر یورثوا کے یہ معنی نہیں کہ آپ دنیا میں کچھ چھوڑ ہی کر نہیں گئے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ میراث میں نہیں چھوڑ گئے۔ سو اس صورت میں بجز اس کے نہیں بن پڑتی کہ یہ روایت جس کے مادی حضرت ابوبکر صدیق ہیں، یعنی حدیث لَا تَوْرَثُ حَاضِرٌ کَانَ حَکْمَہُ صَیْحَہُ ہُوَ اور حضرت امام نے بوجہ واقفیت اس وصیت کو حصر کر کے یہ فرمادیا ہو، کہ انبیاء نے بجز احادیث کے میراث میں کچھ نہیں چھوڑا۔ بہر حال روایت حضرت امام ہمام امام جعفر صادق روایت حضرت صدیق اکبر سے اس بات میں کہ انبیاء کا کوئی وارث نہیں ہوتا کچھ کم نہیں، بلکہ بہر ایج زیادہ ہے۔ اول تو آپ نے بطور تصریح فرمادیا کہ انبیاء نے بجز احادیث میراث کے لئے کچھ چھوڑا ہی نہیں۔

صادق اور صدیق کی روایت کا فرق احدیث ابوبکر صدیق میں یہ بات نہیں۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ حضرت امام کے حصر سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔ اول تو یہ کہ یا تو انبیاء علیہم السلام نے کچھ چھوڑا ہی نہیں یا چھوڑا ہے تو وہ میراث کے قابل نہیں۔ دوسرے یہ کہ انہوں نے میراث میں احادیث کو چھوڑا ہے۔ اور حضرت ابوبکر صدیق کی روایت سے فقط اضافی معلوم ہوتا ہے کہ

اموال متروکہ انبیاء قابل میراث نہیں۔ لہذا حضرت ابوبکر صدیق کی حدیث میں اس دعوے کے ساتھ کہ متروکہ انبیاء قابل میراث نہیں کوئی دلیل نہیں۔ اور حضرت امام نے اس کی دلیل بھی فرمادی ہے اور اپنے دعویٰ کو موجد کر دیا۔ سو سنیوں کی طرف تو آپ کو اطمینان ہی تھا اس وجہ کا طوق جو ساتھ لگایا، تو اسی وجہ سے لگایا ہو گا کہ حضرات شیعیہ کی طرف سے آپ کی خاطر جمع نہ تھی، ان کے نفاق سے عیال تھا کہ میری بات سیدھی انگلیوں حضرت شیعیہ ماننے والے معلوم نہیں ہوتے اس لئے اپنے دعوے کو موجد کر کے بیان فرمادیا تھا۔

لیکن آفرین ہے شیعوں کو کہ حضرت امام کی بات کے نہ ماننے سے گواہان ہی کا میں دل گیا بلکہ کیا امکان جو اپنیوں سے باز آجائیں، اپنی ہی مرغی کی ایک ٹانگ کاٹے جاتے ہیں۔ نیز خداوند کریم ہی ان کو سمجھے کہ یہ پیر کے نہ فقیر کے، نہ اصحاب کے نہ اہل اموال کے۔۔۔ بالجمہ جاعے شہم ہے کہ جن کی آڑ میں یہ اصحاب کرام پر طعن کرتے تھے۔ وہ خود بے حسی اصحاب ہیں۔ یہ وہی مثل ہے کہ مدعی سست اور گواہ چست۔۔۔ والے بہر حال شیعیہ کا اصحاب کو برا کہہ کے تو خود ایمان ہی کھویا تھا۔ پراگم کی بات نہ ماننے سے ایمان ہی کھو دیا۔ کیونکہ ہر عزم شیعیہ منکر قول ائمہ کا کافر ہے خصوصاً جب کہ ایسی معتبر کتابوں کے واسطے سے معلوم ہو جائے، جن کا نام کافی کلینی، القصر حدیث مائتہ کا بشہادت حدیث کلینی مذکور جو صحیح ہے اصح ہے۔

(کلینی کی دوسری مؤید حدیث) لہذا ایک اور حدیث کلینی ہی اس کے مؤید ہے چنانچہ وہ بھی مرفوم ہو چکی۔ لیکن بنظر احتیاط اسے بھی مکرر دیکھ دیتا ہوں مادی کلینی عَنْ أَبِي عَبْدِ اللَّهِ إِنَّ سُلَيْمَانَ وَرِثَ ذَاؤَدَ وَ إِنْ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرِثَ سُلَيْمَانَ ترجمہ اس کا مرفوم ہو چکا، اس لئے یہاں اسی قدر مرفوم ہونا مناسب ہے کہ اس سے اتنی بات معلوم ہوئی ہے کہ انبیاء کی میراث، میراثِ علم ہے، باقی رہا دلائل عقلیہ اور قوانین عقلیہ سے حدیث منکر کا صحیح ہونا سو اس کا بیان بھی اوپر ہو چکا ہے مگر بطور مائتہ فی فقط اشارتاً یہ بات مرفوم ہے کہ اول تو انبیاء اپنی تدویر میں زندہ موجود ہیں اور زندہ کے مدلیں میراث جاری نہیں ہوتی، ہاں اگر وہ اشیاء ان کے کرا آمد نہ رہیں اور اس لئے

وہ ان اسباب کو کسی مورخ میں صرف کہنے کو کہیں تو ان کے قلم کو لازم ہے کہ ان اسباب کو اسی طرح صرف کر دیں۔ سو در صورتیکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو باتفاق حیات اپنی ہیں گوشہ قبر میں زندہ موجود ہوں۔

اندیکھ دلائل بھی اس پر شاہد ہوں۔ چنانچہ اوراق سابقہ میں مذکور ہوئے تو میراث تو آپ کے متروکہ میں جاری نہ ہوگی۔ لیکن آپ کے خلیفہ کے ذمہ جو بمنزلہ کارکن نبوی ہے کیونکہ خلیفہ اُسے ہی کہتے ہیں، یہ بات لازم ہوگی کہ درباب اموال نبوی جو بانیے اشارات نبوی ہے سو چونکہ اشارہ نبوی حضرت ابوبکر صدیق کو جو خلیفہ راشد تھے اس باب میں بایں طور معلوم ہوا کہ حادثہ گناہ صدقہ ہو تو ان کے ذمہ اُس کی تعمیل لازم پڑی، اللہ کوئی ناقد شناس باوجود دلائل مسطورہ سابقہ حیات نبوی کو نہ مانے تو ان کے لئے دوسری ہدایت عقلی موجود ہے، اگر ہدایت پر اتنا ان کو منظور ہو، وہ یہ ہے کہ انبیاء خدا کے سامنے اپنے آپ کو مالک ہی نہیں سمجھتے۔ پھر وہ کیونکر نہ کہیں کہ ہمارے متروکہ میں میراث جاری نہیں ہوتی۔ کیوں کہ وہ ہماری ملک ہی نہیں خدا کی ملک ہے۔ ہمارے پاس فقط مستعار تھا۔ جب ہم ہی نہ رہے تو عاریت کہاں رہی؟ اب لازم یوں ہے کہ جیسے یہ خدا کا مال ہے۔ خدا ہی کی راہ میں صرف ہونا چاہیے۔

مگر چونکہ یہ بات سابق میں مشروحاً بیان ہو چکی ہے تو یہاں اس قدر بھی بہت ہے۔ علاوہ ازیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا فدک نہ دینا یا بوجہ ظلم و عناد ہو یا بوجہ حقانیت، مگر چونکہ حضرت صدیق اکبر نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بھی اس میں سے کچھ نہیں لیا، اور علی بن ابی طالب نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت میں اپنی بیٹی حفصہ رضی اللہ عنہا کو بھی نہیں دیا۔ حالانکہ موافق قانون میراث یہ دونوں بیبیاں بھی وارث تھیں۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ازواج مطہرات میں سے تھیں، بلکہ ان سب میں معزز اور ممتاز۔ تو معلوم ہوا کہ یہ دنیا محض اتباع امر حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تھا۔ بوجہ عناد و ظلم و نفاق نہ تھا، ورنہ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا پر ظلم کرتے تو کرتے اپنی بیٹیوں پر نہ کرتے۔

مالک دنیا اور زہد غاصب نہیں ہو سکتا۔ معہذا جو لوگ غضب کرنے والے ہوتے ہیں وہ لوگ بندہ ہواؤں ہوس ہوتے ہیں مالک دنیا اور زہد نہیں ہوتے جو لوگوں کے اموال چھین تو لیں پر بوجہ زہد و تقویٰ و ترک دنیا اپنی خواہشات نفسانی کو مار کر میٹھ رہیں، اور اسے ہاتھ نہ لگائیں، پھر جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فدک کو نہ چھڑا، اللہ سے ہاتھ نہ لگایا، نہ اپنے خرچ میں لائے، نہ اولاد کو نہ اہل و عیال کو دیا تو کیا وجہ پیش آئی؟ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ فدک کا نہ دینا فقط اسی وجہ سے تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے باب میں ایک حکم ناطق سن چکے تھے۔ اور ان سب کو جانے دیجئے۔ ابوبکر صدیق کی نسبت تو شاید شیطان فریب باز حکم لمرئیس علی نفسہ فریب کا بھی احتمال کریں؟ ترکہ نبوی میں تمام اہلیت کا علیٰ حضرات ائمہ اور اہل بیت کی طرف تو یہ گمان نہ ہوگا۔ سوان کا حال سنئے کہ حضرت امیر المومنین علیؑ سے لے کر آخر تک سب اس بات میں شریک ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ترکہ جب ان کے ہاتھوں پڑا تو حضرت عباس اور ان کی اولاد کو اس میں دخل نہ دیا، ان سب کو نکال باہر کیا۔ اور ازواج مطہرات کا بھی حصہ نہ دیا۔ حالانکہ نصف ترکہ کے یہ دونوں فریق مالک ہوتے تھے۔ پس اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ترکہ میں میراث جاری ہوتی تھی تو بزرگان اہلیت کیوں ابوبکر صدیق کی راہ ہوئے؟ ابوبکر صدیق اگر ترکہ بظلم شیعہ اور جو رقیع ہوئے تھے تو چندان مستبد نہ تھا۔ لیکن ان بزرگواروں کو جو شیعوں کے نزدیک معصوم اور اہلسنت کے نزدیک محفوظ ہیں کیا بلا پیش آئی کہ سب کے سب اپنے ظلم عظیم کے رداوار ہوتے۔

اس لئے کہ باجماع اہل سیر و تواریخ و باتفاق علماء حدیث ثابت و محقق ہے کہ متروکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خیر اور فدک وغیرہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ کے قبضہ میں تھا۔ لیکن حضرت علیؓ نے انجام کار حضرت عباسؓ کا قبضہ اٹھا دیا، فقط انہیں کا قبضہ رہا، پھر حضرت علیؓ مرتضیٰ کے بعد حضرت امام حسنؓ کے قبضہ میں رہا، ان کے بعد حضرت امام حسینؓ کے قبضہ میں رہا، بعد ازاں حضرت امام زین العابدینؓ اور حضرت حسن بن حسن کے تحت تصرف رہا۔ دونوں اسے لیتے دیتے رہے۔

ان کے بعد حضرت زین بن حزن برادر حسن بن حسن کا اس پر تصرف ہو گیا، اس کے بعد مروان کے بچوں میں بڑ گیا۔ پھر برابر مروان بنوں کے قبضہ میں رہا یہاں تک کہ حضرت عمر بن عبد العزیز کی بادشاہت کی نوبت آئی، چونکہ وہ خلیفہ عادل اور بادشاہ انصاف پر دستے، انہوں نے کہا جو چیز رسول اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ کو مانگے پر بھی نہ دی ہو، میرا اس میں کیوں کر حق ہو سکے۔ اس لئے انھوں نے پھر حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا ہی کو اس کا متولی کر دیا۔

پس امیر معصومین اور بزرگان اہلبیت کے عمل و رآمد سے عیاں ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ترک میں میراث جاری نہیں ہوتی، بلکہ وہ وقف ہوتا ہے۔ اس لئے اولاد امیر معصومین نے ان لوگوں کو دخل نہ دیا۔ جو ہذا لون میراث وراثت تھے، اور بالیقین متحقق ہو گیا کہ حدیث صدیق اکبر یعنی کائنات حاکم کائنات صدقہ بلا غبار صحیح و درست ہے، اور حضرت ابو بکر صدیق کا حضرت فاطمہ کو مستر و مکرم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ دینا ایسا ہے جیسا کہ امیر اہلبیت نے ازواج مطہرات اور علم بزرگوار و ربی عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیا، بلکہ حضرت صدیق اکبر کی جانب دلائل حق پرستی زیادہ تر ہیں۔ کیونکہ امیر اہلبیت کی نسبت ازواج مطہرات اور بنی عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نہ دینے میں ظاہر جہان کم فہم کو مثل خوارج یہ بھی شہر ہو سکتا ہے کہ نفع کی چیز دیکھ کر نہ دیا۔ کیونکہ مذکورہ گو وقف تھا، لیکن خراج اہلبیت مقدم تھا، معاذ اللہ عنہم و شیخ کا بظاہر چننا اندیشہ نہ تھا۔ کیونکہ یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے وارثوں کے کچھ غیر نہ تھے، ایسی جگہ چیز کے چھس جائے اور خرچ ہو جائے مگر وہی کہا کرتے ہیں کبھی کہاں گیا کچھڑی میں۔

لیکن ابو بکر صدیق کی جانب نفع کا تو یہ حال ہے کہ قاعدہ کی رو سے ایک جہت کی توقع نہ تھی کیونکہ نہ وارث ہو سکتے تھے نہ ممبر مشارکت مستند آیتہ عاۗء اللہ تھے کیونکہ آپ کچھ مسکین فقیر نہ تھے اور پھر ظاہر میں بھی بالفاق فریقین ایک جہت تک کا قلب اس میں نہیں

یعنی ابو بکر صدیق

کیا آئندہ سوائے مردمان فہیدہ اور عاقلان سنجیدہ کے کسی سے کلمہ خیر کی توقع نہ تھی، بلکہ عاقل کے دشمنوں سے یہ اندیشہ تھا کہ کیوں کریں گے۔ دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بوتے ہی یہ آنکھیں بدل لیں کہ حضرت فاطمہ کا بھی لحاظ کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ترکہ دیا بیٹھے۔ چنانچہ بلا کم و کاست ہی ظہور میں آیا غرض کہ کسی طرح کی منفعت کی امید تھی، اگر تھی تو تمام عمر کی سوچ لگی امید تھی۔

الفصل گو حضرت صدیق اکبر نے بھی وارثان نبوی کو متروکہ بنوی بوجہ تعمیل ایمائے نبوی نہیں دیا، اور امیر اہلبیت نے بھی بوجہ مذکور متروکہ بنوی وارثان نبوی کو نہیں دیا۔ لیکن ابو بکر صدیق کا نہ دینا ایک ہمارہ عظیم تھا۔ اور امیر اہلبیت کا نہ دینا فقط نہ دینا ہی تھا، خصوصاً جب کہ نیاز مندی و اخلاص و محبت صدیق اکبر اور حقوق اہلبیت خصوصاً حضرت فاطمہ زہرا کو لحاظ کیجئے، اور پھر اس پر حضرت فاطمہ کے ایک رفیق مقتضائے بشریت ناخوش ہو جانے کو دیکھئے تو غرض شناسان طریقہ پر واضح ہو جائے گا کہ ایسے وقت میں پابند حکم نبوی رہنا ایسے ہی کامل الایمان مستقیم العقل سرابا اتباع نبوی کا کام ہو جیسے ابو بکر صدیق نہ، لیکن شیعوں کی عقل کی آنکھ پھوٹ گئی ہے حق و باطل کی تمیز کیونکر کریں گے مگر اس میں ابو بکر صدیق کا کیا قصور؟

گردہ بسند بردشیر و چشم چشمہ آفتاب راجہ گناہ
جیسے اندھے کو اندھرا تو اندھرا اور بھی اندھرا ہی نظر آتا ہے، ایسے ہی شیعوں کو بسبب عداوت کے اندھے ہو جانے کے باعث غویاں بھی برائیاں ہی نظر آتی ہیں۔
چشم بداندیش کہ برکنہ ہمارہ عیب نماید نہرش د نظر

الحاصل بقرائن عقلیہ واضح و لا ریب کہ حضرت صدیق اکبر کا نہ دینا فقط بوجہ اتباع امر نبوی تھا، اور یہ حدیث اعلیٰ کائنات حاکم کائنات صدقہ بلا غبار ہے۔ سوائے اتباع نبوی اور پیروی حدیث مذکور کسی قسم کا احتمال ان کی جانب نہیں ہو سکتا اور سابقاً بوجہ کثرت روایات اور صدق و دیانت جملہ راویان و نجوم قرائن نقلیہ اس حدیث کا اعتبار اور اس کی صحت معلوم ہو چکی تھی، تو اب کسی کو دوبارہ صحت حدیث مذکور کسی وجہ سے مجال

حضرت صدیق اکبرؓ کچھ اعتراض ہوگا؟ اور ان کا یہ عذر کہ میں نے رسول اللہ ﷺ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ کا خورث مانتے کہ وہ بوج غلط نہیں جو مرتبہ بشریت کو لازم ہے، اور انبیاء بھی اس سے چھوٹے ہوئے نہیں پایا اعتبار سے ساقط ہوگا۔ تو حضرت علیؓ موجود ہیں وہ اس حدیث کو سنا دیئے، القصد مولوی صاحب کا یہ گانا کہ کسی سے اپنے وارثوں میں سے نہ کہا، سرسرد دروغ و بہتان ہے۔

آنحضرت نے سیدہ کو یہ حدیث بتائی۔ کیونکہ اور یہ جو اپنے نزدیک اس نہ کہنے کو خدا کے وہ بزرگ شیعہ علم غیب جانتی تھیں، حکم کا چھپنا سمجھتے ہیں۔۔۔ اس کو بجز اس کے کہ دیوانوں کی بجواس کیے اور کیا کیے؟ اول تو حضرت فاطمہؓ زہراؓ سے بظاہر چھپانے کی کوئی صورت ہی نہیں، اس لئے کہ وہ ام الملیکیت سے کسی بات میں کم نہیں، جب امہ کو علم ماکان و علم مایکون ہو تو حضرت فاطمہؓ کو بدرجہ اولیٰ ہوگا کیونکہ ان کا رتبہ اکثر امہ سے زیادہ ہے کم نہیں۔ بلکہ یوں کہئے تو زیبا ہے کہ رسول اللہ ﷺ علیہ وسلم نے ان سے کہنے کی حاجت ہی نہ تھی، کیے تو اس سے جسے بے کچے معلوم نہ ہو سکے اور اگر ماکان و مایکون میں سے احکام کو مستثنیٰ رکھے یا حضرت فاطمہؓ زہراؓ کو دوبارہ علم امہ سے کم کہئے۔ تو اسے چھپانا نہیں کہتے، ایک گروہ میں سے دو چار کو جلا دیا اور مایکون کو نہ بتلایا، سب جانتے ہیں کہ جب بات دو چار کے کانوں میں پڑتی ہے۔ پھر چھپی نہیں رہتی۔ نقل مشہور ہے۔

ع۔ یہاں کے ماناں رازے کرو سازندہ محفلِ حیا

خاص کر علم دین کی باتیں کیونکہ در باب درس و تدریس و تبلیغ علم و احکام جو کچھ فضائل اور تاکیدیں منقول ہیں۔ سب کو معلوم ہیں۔ پھر کیا امکان جو ایسی بات چھپی رہے؟ آخر جو احکام خداوندی نازل ہوئے تھے۔ سرور کائنات علیہ افضل الصلوات و علیٰ آلہ کون سے خانہ بختان ہر فرد بشر کے کان میں کہتے پھرتے تھے؟ یہی ہوتا تھا کہ ایک دو سے آپ نے کہا۔ انہوں نے اوروں سے، اسی طرح آگے پیچھے سب کو خبر ہو جاتی تھی اور اب تک یونہی تذریعہ اتیوں کو خبر ہوتی جاتی ہے۔

ہاں اگر آپ سب کہہ دیتے کہ دیکھو خبردار اور کسی کو اطلاع نہ ہو، تو البتہ یوں کہہ سکتے کہ حکم خداوندی چھپا رکھا۔ علاوہ بریں عقل کی جو بات تھی، وہ آپ کر گزرتے، یعنی حضرت صدیق اکبرؓ سے جو کارکنی خلافت تھے یہ بات واضح گات زیادتی اور ظاہر ہے کہ دنیا لیتا دونوں ہی کا کام ہے، دینے والے کا بھی اور لینے والے کا بھی۔ اگر ان میں سے ایک بھی اپنے کام سے ہٹ بیٹھے۔ تو دوسرے سے کیا ہو سکتا ہے۔ دینے والا اگر دے نہیں تو لینے والا کیوں کر لے۔ اور لینے والا اگر لے نہیں تو دینے والا کس طرح دے۔ پھر لینے دینے والوں میں سے اگر ایک کو بھی روک دے تو جس چیز کا بدستور رکھنا منظور ہو وہ بدستور رہے گی، سو فقط ابوجبر صدیق کے دینے سے روک دینے میں مطلب حاصل تھا اس لئے حضرت فاطمہؓ سے کہنے کی کچھ ضرورت نہ ہوئی۔

صرف صدیق سے حدیث بیان کرنے کی تھیں باقی رہی یہ بات کہ مطلب یوں بھی حاصل ہو سکتا تھا کہ حضرت فاطمہؓ زہراؓ کو یہ حدیث سنا دیتے اور حضرت صدیق اکبرؓ سے یہ بات نہ فرماتے۔ بلکہ حصول مقصود اس صورت میں بوجہ حسن ہوتا کہ چونکہ اتنا جھگڑا ہی (جو بوجہ ہوا) نہ ہوتا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ واقعی حصول مقصود کی ایک یہ بھی صورت تھی لیکن اس صورت میں جو اب ظہور میں آئی۔ چند مصالحتیں ایسی ساتھ لگی ہوئی تھیں، کہ در صورت مرقوم ہرگز نہ تھیں۔

پہلی محنت تفصیل اس کی یہ ہے کہ اول تو ایسی وصیتوں کے صدیق اکبرؓ سے فرمانے میں صحت خلافت صدیق اکبرؓ کی طرف اشارہ مد نظر تھا تا کہ حاضرین محفل سمجھ جائیں کہ یہ وصیتیں جو صدیق اکبرؓ کو کی جاتی ہیں تو انہیں اپنا جانشین کرنا اپنے مد نظر ہے کسی مصلحت سے نہ صریح نہیں فرماتے تو کیا ہوا اور یہ کچھ نیا ہی اشارہ نہیں ایسے بلکہ اس سے بڑھ کر اور بہت سے اشارے حضرت صدیق اکبرؓ کی خلافت کی طرف رسول اللہ ﷺ علیہ وسلم کے کلام بلکہ خود کلام ربانی میں پائے جاتے ہیں۔

اور اس سے مولوی عمار علی صاحب کے اس سخن کا معقول کا بھی جواب نکل آیا کہ رسول اللہ ﷺ علیہ وسلم نے ایک انجی شخص سے کہے کسی طرح رسول اللہ ﷺ علیہ وسلم

علیہ وسلم کی ولایت میں کچھ دخل نہ تھا یہ فرمایا، کہ لا خورث ما ترکنا صدقہ۔ اور حاصل جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم تھا کہ میرے بعد سررشتہ اختیار صدیق اکبر کے ہاتھ میں ہوگا اس لئے جو امور ضروریہ خلافت قابل وصیت ہیں۔ وہ انہیں سے کہنے چاہئیں، تاکہ اس کے موافق کار بند ہو کر انداز خلافت کو ہم نگر نبوت کریم دوسرے ایسی صورت میں فقط لینے والے کو منع کرنے میں یہ بھی اندیشہ ہے کہ مبادا بطبع انسانی حکم خداوندی کو چھپالے، گو بوجہ مفعولیت یا معصومیت حضرت زہرا سے اس موقع خاص میں یہ ڈرنہ ہو۔ مگر قواعد کلیہ شرعیہ میں خاص خاص امور کا اعتبار نہیں ہوتا اسی واسطے اگر کسی فقہیہ میں کوئی ولی کامل کہ اس کی ولایت اور صدق و دیانت پر تمام عالم متفق ہو، تنہا نبوت دعوائے مدعی کی گواہی دے، تو گو یہ یقین کامل ہے کہ یہ شخص جھوٹ نہیں بولتا۔ ہرگز قبول نہ ہوگی۔

اور اگر ایسے دو آدمی کے بظاہر پیرایہ عدالت رکھتے ہوں۔ گو قاضی کے نزدیک بھی وہ دونوں مل کر صدق میں اس ایک کے برابر نہوں۔ بلاتما مل مقبول ہوگی، وجہ اس کی یہی ہے کہ قواعد کلیہ شرعیہ کو بایں وجہ کہ جو ان قواعد کے لحاظ سے مقصود ہے۔ کسی خاص موقع میں ان کے لحاظ نہ کرنے میں وہ مقصود بوجہ احسن اور بدرجہ اتم حاصل ہوتا ہے نہیں چھوڑ سکتے۔ الحاصل گو حضرت فاطمہ کو حدیث مذکور کے سنادینے میں برعم شیعہ مقصود اصلی بہ نسبت اس کے زیادہ تراجمی طرح سے حاصل ہو جاتا کہ صدیق اکبر سے فقط کہہ دیا لیکن قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ ایسے موقع میں دینے والے کو روکا جائے نہ لینے والے کو۔ اور بایں ہمت کہنا ہی غلط ہے۔ کہ اگر حضرت فاطمہ کو یہ حدیث سنا دیتے تو جھگڑا نہ ہوتا۔ اور مقصود بوجہ احسن حاصل ہو جاتا۔ کیونکہ اول تو جھگڑے کا ہونا ہی مسلم نہیں چنانچہ انشاء اللہ معلوم ہو جائے گا، یہ نقطہ شیعوں کی شرارت ہے۔ کہ انسا نہلے بے اصل کو کوچہ و بازار میں گاتے پھرتے ہیں۔ ماشاؤ کلہا جویوں ہوا ہو۔ دوسری حکمت دوسرے اگر کسی قسم کی فی الجملہ انبیاء میں شکر رجبی دو چار روز کے لئے ہو بھی گئی۔ تو اسے جھگڑا نہیں کہتے۔ ایسے ایسے امور میں ہوسہ جاتی ہے۔ حضرت موسیٰ

اور حضرت ہارون کا قصہ کس کس نے نہیں سنا، مہذا جورج کہ تخریب ہی بدل اصل ہو جائے۔ اس کے ہونے کا کچھ اعتبار نہیں۔ اس کو عرف میں ککان کہہ یکن سمجھتے ہیں، ایسے رنجوں کا اگر کھٹکا بھی ہوتا ہے۔ تو پیش بندی نہیں کیا کرتے۔ سو بایں لحاظ گو نہ صدیق اکبر ایسے نا قدر شناس ہیں کہ حضرت زہرا کے سامنے عذر معذرت نہ کریں گے، نہ حضرت زہرا ایسی کج طبع ہیں کہ ہرگز سیدھی ہی نہ ہوں گی۔ اس کا پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ لحاظ نہ کیا ہو مگر الحمد للہ کہ اسی طرح لہو میں آیا۔ چنانچہ روایت بحاج السالکین جو انشاء اللہ اب قریب ہی مذکور ہوتی ہے۔ اس بات پر شاہد ہے کہ حضرت صدیق اکبر نے عذر کئے۔ اور حضرت زہرا نے قبول فرمائے، اور بدل و جان ان سے پھر بمنزلہ اشیر و شکر مل گئیں۔

تیسری حکمت تیسرے یوں کہنا کہ حضرت فاطمہ سے کہہ دیتے تو جھگڑا نہ ہوتا۔ جب زیبا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب بھی ہوتے۔ نبیوں آیات اس بات کی گواہ ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلکہ تمام موجودات میں سے کسی کو علم غیب نہیں، قُلْ لَوْ كُنْتُ أَغْلَمُ الْغَيْبُ لَا شَأْنُكَ تَنْزِيلُ مِنَ الْخَبِيرِ قُلْ لَا يَكْفُلُهُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَلَا الْأَرْضِ الْغَيْبُ إِلَّا اللَّهُ اُولَ آيَاتِ سے بالخصوص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عالم الغیب نہ ہونا، اور دوسری سے بالعموم ملائکہ اور انبیاء ارحمن و بشر کا عالم الغیب نہ ہونا ثابت ہے۔ جسے شک ہو ترجمہ کے کلام اللہ بہت موجود نہیں، تو کیا سپارہ کے نصف و ثلث کے مابین اور بیسیوں سپارہ کے اول رکوع میں آیت مذکورہ کو تلاش کر کے اپنی تسلی کرے۔

اور ظاہر ہے کہ اس طرح کے امور کا دھیان گمان بھی بسا اوقات نہیں آتا کہ جویوں کیسے کہ عقل سے معلوم کر کے پیش بندی کرنی تھی۔ ہاں جو نسی مصلحتیں بیان کیں اور انشاء اللہ تعالیٰ کر دیں گا۔ وہ البتہ لحاظ عقلی کے قابل ہیں۔ چنانچہ عامل سمجھتے ہیں اور جو لا یعقل نہ سمجھیں تو کیا کہیے۔

چوتھی حکمت چوتھی مصلحت یہ ہے کہ جب یوں سمجھ کر کہ جتنا دونوں کے کہنے سے کام چلتا تھا

انہی ایک کے بھی ایک ہی کے سنا دینے کی بخیر بھی تو پھر دینا سب یوں ہے کہ
ابوبکر صدیق ہی کو روکے۔ کیونکہ فعل عطا نہیں ہے ظہور میں آتا۔ باقی حضرت فاطمہ
لینے والی تھیں۔ اور ظاہر ہے کہ دینا لینے کی فرع ہے اور دینا اصل ہے اور اصل کے اٹھاؤ
دینے میں جو کچھ قلع و قمع فساد ہوتا ہے۔ وہ فرع اور شاخ کے قطع کرنے میں نہیں ہوتا
الحاصل جس فساد کی پیش بندی کے لئے اسی حدیث کا سنا دینا مدنظر تھا اور
صدیق اکبر کے کہنے میں تو اس کی ریخ و بنیاد کا اٹھاؤ دینا تھا۔ اور حضرت فاطمہ کے
کہہ دینے میں گویا شاخ کو قطع کر دیا یا یوں کہئے کہ پھل نہ لگا۔ سوائے اس کے اگر حسب
گفتار سرایا یا مستقول شیعہ کوئی اور فادیح میں اتفاق سے کھڑا ہوتا نظر آئے
تو اس کی مدافعت کے لئے اس کی مدافعت کو نہیں مچھڑا جاتا یعنی اس بات کا لحاظ
مقدم ہے کہ مملوک نبوی دست برد و ارٹان نہ ہو جائے۔ اس میں ملے کسی قسم کا تنازع
ہی کیوں نہ پیش آجائے۔

بہر حال قطع نظر اس کے کہ حضرت فاطمہ ہرا کے کہنے میں سر دست آزاد خاطر
مبارک حضرت زہرا نظر آتا تھا۔ اور مطلب ان کے نہ کہنے میں بھی حاصل ہو سکتا تھا۔
اقتضا اصلی بھی یہی تھا کہ حضرت فاطمہ سے نہ کیئے۔ اور حضرت صدیق اکبر سے کہ گوش گزار
کر دیجئے۔ کیونکہ جب وہ غلیظ ہوئے تو پھر سرشت اختیار نہیں کے ہاتھ ہو گا جب
وہ متردک نبوی وارثوں کو نہ دیں گے۔ تو حضرت فاطمہ یا اور کسی وارث کے پاس آپ نہ
جائے گا۔ جو وہ اس کو اپنا مملوک سمجھ کر تصرف ناجائز کر بیٹھیں۔ اور اس وجہ سے ان کو
اطلاع کرنے کی ضرورت ہوتی۔

باقی رہی فقط طلب گاری تو اس میں تاوقتیکہ اس بات کی اطلاع نہ ہو کہ ہمارا
حق نہیں کچھ گناہ نہیں جو اس پیش بندی کی ضرورت ہو، معہذا حضرت عباس اور
حضرت عائشہ سے کہہ دینا کفایت کرتا تھا۔ اس لئے کہ اگر میراث تقسیم ہوتی تو یہ دونوں
صاحب بھی کچھ کم نصف کے مالک ہوتے۔ سو اگر میراث تقسیم ہوتی تو سب ہی کو برابر تقسیم
ہوتی پس لاجرم ان کو بھی اطلاع ہوتی۔ سو اگر حضرت فاطمہ کو پہلے سے معلوم نہ ہوتا۔ اور نہ

ابوبکر صدیق کو خبر ہوئی تب بھی ان دونوں کا سنا کافی تھا۔ وقت ضرورت بیعت
حالی معلوم ہو جاتا۔ اور ان سب کو جانے دو۔ نہ ابوبکر صدیق کا ذکر کرو اور نہ حضرت
عائشہ اور حضرت عباس کے معلوم ہونے کا کچھ خیال کرو، فقط حضرت علی سے فرما دینا
ایسا ہی تھا۔ جیسا حضرت فاطمہ سے فرمایا۔ کیونکہ ان کی طرف سے کارکن اور خبر گران
جب تک وہی تھے۔ دونوں صاحبزادے جب تک صغیر التی ہی تھے۔
پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم جانتے تھے کہ اول تو میراث کا لینا کچھ کھیا میں
پھوٹنا نہیں ہے۔ جو چپ چپاتے ہو جائے۔ پھر وہ بھی اس دور مخفی کہ حضرت فاطمہ کے
میراث لینے کی حضرت علی کو بھی خبر نہ ہو۔ بلکہ صدیق اکبر سے اگر بالفرض کچھ لیا بھی جائے
گا۔ تو گو مطالبہ کرنے والی حضرت فاطمہ زہرا ہوں گی۔ پر لینے والے اور تہنہ کرنے والے
حضرت علی ہی ہوں گے اور حضرت عائشہ اور حضرت عباس بھی بہ نسبت حضرت فاطمہ کے
کوئی غیر نہ تھے۔ ایک بجائے والدہ دوسرا بجائے دادا اور ظاہر ہے کہ ایسی قرا توں میں بیشتر
اتفاق ملاقات رہتا ہے اور اس سبب سے ایک دوسرے کو اس کے نفع و نقصان کی
اگر کچھ اطلاع ہوتی ہے تو اطلاع کر دیتا ہے خصوصاً امر دینی کے نفع و نقصان کی باتیں۔ اور
وہ بھی ایسے لوگوں سے جو دنیا کو طلاق دیئے بیٹھے ہوں۔ ایسے مواقع میں تو اگر کچھ نقصان
بشری کوئی رنج بھی فی مابین واقع ہو جاتا ہے۔ تب بھی اس کے نفع و نقصان کی
اطلاع کر دیا کرتے ہیں۔

کیونکہ ایسے مواقع اگر کچھ رنج بھی ہو جاتا ہے تو بوجہ محبت ہوتا ہے بوجہ عناد و بغض
نہیں ہوتا جو دوسرے کے نقصان کا دوا دار ہو۔ چونکہ رنج کے در طرح کے ہونے کی تحقیق
آیت محمد رسول اللہ والذین معہ اشداء کے ذیل میں گزر چکی۔ اس لئے فقط اس
پر لکھا کر کے معروض کرتا ہوں۔ کہ حضرت عائشہ اور حضرت عباس کے سنا دینے میں بھی
یہ نظر آتا تھا کہ لاجرم ان کے وسیلہ سے فاطمہ اور نیز اور وفارثوں کو یعنی ازواج باقیہ کو
اطلاع ہو جائے گی۔ شروع میں نہیں تو وقت طلب یا وقت قبض و تصرف تو ضروری ہے
بات معلوم ہو جائے گی۔ کیونکہ ایسی باتیں کچھ راز کی تو ہیں ہی نہیں۔ جو کسی کو اطلاع نہ ہو

الحاصل اسے چھپانا نہیں کہتے کہ دس بارہ بلکہ شاید زیادہ کے سامنے ایک بات فرمادیں اور وہ بات بھی اس قسم کی کہ اس کی تعمیل اگر ہو سکے تو جب تک طشت ازراہ امتدادہ کا قلعہ نہ ہو تب تک نہ ہو سکے۔ منجملہ اسرار کے نہیں جو چھپائی جائے۔ خاص کر حضرت علی اور حضرت عباس اور حضرت عائشہ سے کہ دو توان میں سے وارث ہیں اور ایک ارث کے وارث۔ یعنی ان کے خیر گیر ان پھر لوں کہنا کہ حکم خدا کو جو بہ نسبت وارثان نبوی تھا پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے وارثوں سے چھپا رکھا۔ جہک مار تلے کہ نہیں۔

حسب روایت شیعہ خدا کا حکم چھپانے کی ایک مثال | ہاں چھپا رکھا اسے کہتے ہیں، کہ حضرت امام زین العابدین نے حسب روایات کا ذہب شیعہ فرزند ارجمند خویش حضرت زید شہید حکم امامت امام محمد باقرؑ چھپا رکھا اور پھر حیف تبے کہ حکم بھی ایسا کہ جیسا اس کے نہ ملنے سے کفر عائد ہوتا ہے ویسا ہی اس کے نہ جاننے سے آدمی کا فر رہتا ہے چنانچہ دستاویز حدیث میں کہ بعض ائمہ شیعہ نے نقل کیا ہے کہ حضرت علیؑ نے اپنے پیغمبر کا یہی عقیدہ ہے۔ اس لئے کہ اس کے معنی شیعوں کے طور پر ہی ہو سکتے ہیں کہ جو امام وقت کو (درازا ائمہ میں سے) نہ جانے، یعنی اس کی امامت کی اسے خبر نہ ہو، تو وہ جاہلیت کا سامن نام رکے گا یعنی جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے سے پہلے پہلے اکثر جزیرہ عرب کے لوگ بسبب جاہلیت کے عقائد باطلہ اس جہان سے لے گئے اور اس سبب سے جہنم رسید ہوئے۔ ایسے ہی امامت اہل علم وقت سے جو جاہل رہے گا۔ وہ بھی اسی شمار قطار میں داخل ہوگا۔ الحاصل حضرت امام زین العابدین نے حضرت زید شہید سے ایسا مسئلہ جو دکن دین و ایمان تھا چھپا رکھا تھا سو چھپانا اسے کہتے ہیں نہ کہ اس کو کہ ہر وارث کے کان میں کانٹھوسٹ کا ٹکڑا نہ صدقہ کہلا اور اگر سند مطلوب ہے تو لیجئے کلینی کی روایت موجود ہے۔ کسی ایسے ویسے رند بازاری کی نہیں۔

رَوَى الْكَلْبِيُّ عَنْ إِبْنِ قَالٍ أَخْبَرَنِي الْأَخْوَلُ أَنَّ زَيْدَ بْنِ عَسَلٍ بَعَثَ إِلَيْهِ وَهُوَ مُخْتَبِرٌ قَالَ فَأَيُّنَهُ فَقَالَ يَا أَبَا جَعْفَرٍ مَا تَقُولُ إِنَّ طَلَسَ قَالَتْ فَخَرَجْتُ مَعَهُ قَالَ فَقُلْتُ لَهُ إِنْ كَانَ مَوْأَلَاكَ

أَوْ أَخَاكَ خَرَجْتُ مَعَهُ فَقَالَ لِي أَمْرٌ يَدُّ أَنْ أَخْرُجَ فَلَجَّاهُ مَعَهُ وَكَوْنِ الْقَوْمِ فَأَخْرَجَ مَعِيَ فَقُلْتُ لَا أَفْعَلُ جَعَلْتَ نِدَاكَ فَقَالَ أَتَزْنِي بِنَفْسِكَ عَنْ نَفْسِي فَقُلْتُ إِنَّمَا هِيَ نَفْسٌ وَاحِدَةٌ فَإِنْ كَانَ يَدُّهُ فِي الْأَرْضِ حَتَّى تَمُوتَ مَا تَمُوتُ عَنْكَ وَالْخَارِجُ مَعَكَ سَوَاءٌ فَقَالَ يَا أَبَا جَعْفَرٍ كُنْتُ أَجْلِسُ مَعَ أَبِي فِي الْخَوَانِ فَيُلْقِي الْبَيْضَةَ السَّيْمَكَةَ وَيُزِيدُ لِي الْبَيْضَةَ حَتَّى تَبْرُكُ شَفَقَةً عَلَيَّ وَلَمْ يَشْفُقْ عَلَيَّ خَرَجْتُ إِذَا أَخْبَرْتُ وَلَمْ يُخْبِرْنِي قَالَ فَقُلْتُ خَافَ عَلَيْكَ إِنْ لَا تَقْبَلُ فَتَدْخُلُ النَّارَ وَأَخْبَرَنِي فَإِنْ قَبِلْتُ نَجَوْتُ وَإِنْ لَمْ أَقْبَلْ لَمْ يَمَلْ أَنْ أَدْخُلُ النَّارَ

ماہل روایت یہ ہے کہ علامہ کلینی ہاں سے یوں روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بتایا کیا کہ احوال نے مجھ سے یوں نقل کیا کہ حضرت زید بن امام زین العابدین نے جس وقت کہ وہ مخفی تھے کسی کو میرے پاس بلانے کو بھیجا تو انہوں نے کہا، اے ابو جعفر! یہ لقب ہوا حوالہ تیری اس میں کیا رائے ہے؟ اگر ہماری طرف سے اچانک کوئی بلائے والا تیرے پاس آئے۔ یعنی ہم اپنی مدد کے لئے تجھے ملوایں، تو اس کے ساتھ بارے بلوائے سے ہوگی لے گا کہ نہیں۔

احوال نے کہا میں نے حضرت سے یوں عرض کیا کہ بلوائے والے تمہارے باپ یا تمہارا بھائی (یعنی امام محمد باقرؑ) ہوتے تو مخالفت نہ تھا۔ میں بھی ساتھ ہر لیا، انہوں نے پھر فرمایا میرا ارادہ یوں ہے کہ میں سکھوں، اور ان لوگوں سے یعنی مردانوں سے جہاد کروں، سو تو بھی میرے ساتھ چل میں نے عرض کی کہ میں آپ کے فرمان جاؤں۔ مجھ سے ہرگز کام نہ ہوگا۔ انہوں نے فرمایا کیا تو اپنے آپ کو ہم سے علیحدہ ہو کر پکا تہ ہے۔ میں نے کہا کہ میں اور تم تو ایک ہی میں، ہر در صورتیکہ روئے زمین پر کوئی خدا کی طرف سے رحمت یعنی امام موجود ہو تو تمہارے ساتھ سے رہ جانے والا اور تمہارے ساتھ جانے والا دونوں برابر ہیں۔ یعنی امام کے ہوتے ہوئے تمہارے ساتھ جہاد میں جانے کا کچھ فائدہ نہیں، انہوں نے کہا اے ابو جعفر! میں اپنے باپ کے ساتھ فرمان پر مٹا کر آتا ہوں مجھے پھانٹ پھانٹ کے گوشت کی مرقی مرقی بوٹیاں دیتے تھے اور میرے لئے قیمتی ٹھنڈے کرتے تھے یہاں تک کہ خوب ٹھنڈا کھانے کے قابل ہو جائے،

یہ سب قصہ محبت کے سبب سے تھا۔ سو بڑے تعجب اور کمال حیف کی بات ہے کہ یہاں کی آگ کا تو شفقت کرنے میں لحاظ کیا۔ اور دوزخ کی آگ سے بچانے میں انہیں بچہ پر کچھ محبت نہ آئی جو تجھے امام محمد باقر کی امامت کی خبر کر دی اور تجھے بالکل خبر نہ کی، احوال کتنا ہے۔ میں نے کہا تم سے یہ خوف ہوا کہ مبادا تم نہ مانو اور اس سبب سے دوزخ میں جاؤ اور مجھے یوں مجھ کے خبر کر دی کہ اگر میں نے قبول کیا تو فیما۔ نجات پائی۔ نہیں تو ان کی جلا دوزخ میں جاؤں گا تو میں جاؤں گا۔ آہی۔

برخیز اس روایت سے بہت سے مضمون مفید مطلب اہلسنت برآمد ہوتے ہیں لیکن اول تو اس مقام میں ان سب کا ذکر کرنا بیہ موقع ہے۔ دوسرے فرصت اتنی کہاں اس لئے فقط اتنی گزارش ہے کہ اس روایت سے تصریح معلوم ہوا کہ حضرت امام زین العابدین نے دینیہ و دانستہ اپنے فرزند ارجمند زید شہید سے امامت حضرت امام محمد باقر کو چھپایا حالانکہ اس کا جانا بخلاف ارکان ایمان تھا۔ چنانچہ اس روایت سے بھی ظاہر ہے، اب اہل انصاف سے یہ عرض ہے کہ مذکور کو جو منجملہ متذرع دینوی تھا امامت امام وقت کے بزرگ رکھئے، جس کا جانا منجملہ ارکان ایمان ہے۔ اور پھر حضرت امام زین العابدین کے دیدہ و دانستہ چھپالینے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دس بارہ آدمیوں کے سامنے بغرض تبلیغ کہہ دینے کے مقابل کیجئے۔ اور پھر اس کا لحاظ کیجئے کہ بایں ہمہ حضرت امام زین العابدین نے جو حضرت امام محمد باقرؑ کی امامت کی حضرت زید شہید کو اطلاع نہ کی۔ تو اس میں کیا نقصان نکلا؟

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حضرت فاطمہ زہراؑ سے یا کسی اور وارث کی حدیث کا بخور و معطر کیا تھا نہ کہا۔ اور بزعم شیعہ فقط صدیق اکبرؑ سے کہا تو کیا ضرر پیش آیا؟ ظاہر ہے کہ یہ نسبت امامت امام محمد باقرؑ حضرت امام زین العابدین کے لب کشا نہ ہونے میں انجام نہ نکلا کہ انھوں نے لقل کہہ کر فرمایا کہ حضرت زید شہید بوجہ جہل رکن ایمان اعمی امامت امام وقت چنانچہ روایت مسطور سے ظاہر ہے، متوجہ دوام عذاب اور داخل زمرہ کفار ہوئے۔ اگر بدلت خود امام زین العابدین فرزند ارجمند

سے یہ بات فرمادیتے، تو امید فرمائی مگر حضرت زیدؑ تسلیم ہی کر لیتے۔ ارشاد تبارہ در نسخ احوال دوزخ کو جو فی الحال رہن ریمان ہوا، اس صورت میں یح میں سے اٹھ جانا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فقط ابو جہر صدیق ہی سے حدیث مذکور کو کہنا تو کچھ خرابی نہ نکلی کیونکہ جو کچھ مقصود تھا، وہ حاصل ہی ہو گیا تاہم کہ نبوی صدیق ہی رہا ہر حال اس میں میراث جاری نہ ہونے پائی۔ بلکہ اگر بالفرض والتقدیر سرور کائنات علیہ علیہ افضل الصلوات واکمل التحیات اس حدیث کو بوجہ فراموشی مثلاً کسی سے نہ فرماتے، نہ صدیق اکبرؑ سے نہ کسی اور سے تب بھی بیش بریں نیست کہ نادانستگی میں وارثان نبوی ترکہ نبوی کو جو فی الحقیقت وقف تھا خود بفرماتے رسوم علماء شیعہ ہی سے استفعا کرتے ہیں کہ اگر کوئی نادانستگی میں مال وقف کو اپنا مال سمجھ کر کھالے تو اس کے ذمہ کیا گناہ؟ بہر حال حضرت امام زین العابدین کے حکم خداوندی کے چھپالینے سے جو کچھ نقصان نکلا، اس کو ایک طرف رکھئے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس نہ کھینچنے سے جو مطلب کے حصول میں کچھ خرچ نہ ہوا اور در صورت اخفاء کلی جو کسی طرح کا دار ثلوث کا نقصان دینی یا دینوی نہ تھا، اس کو دوسری طرف دھریئے، القعدہ ادھر کے تمام لوازم کو اور دھر کے تمام لوازم سے تولئے، اور پھر بولئے کہ کس طرف پلہ جھکتا ہے؟ اور اخفاء حکم کس طرف ہے۔ اور کس طرف نہیں؟

بہر حال ہر کس و نا کس پر ان تقریروں سے واضح ہو گیا کہ کسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اخفاء حکم نہیں ہوا، اور بزعم خبیثہ قطعاً اور یقیناً حضرت امام زین العابدین نے اخفاء حکم خداوندی کیا لیکن آفرین ہے مولوی عمار علی صاحب کی فہم و فراست پر کہ اسے تو اخفاء کھینچتے ہیں اور اسے نہیں سمجھتے، بار خدا! انہیں کس نے کہا تھا کہ تم بھی دین مذہب کی باتوں میں دخل دیجو۔ اتنی عقل و فہم پر اہلسنت سے الجھتے ہیں۔ کوئی مولوی صاحب سے پوچھے۔ آپ نے کیوں اہلسنت سے دست وگریباں ہونے کا ارادہ کیا؟ شعر

الجھے کو بلا ہیں آپ تو کچھ نیر ہے صاب : لگایا ہاتھ کس نے آپ کی زلف پر لٹاں کو

علماء اہلسنت کو درکار عوام اہلسنت بھی بمنزلہ دلاوران عالی نظر میدان
مناظرہ میں ایسی سمجھ والوں کو بمنزلہ زنان بے ہتھیار سمجھ کر کچھ معترض نہیں ہوا کرتے
میں ہاں در صورتیکہ گریبان گیر ہی ہو جائیں۔ تب بضرورت دنیاچاری ان کے ہاتھ
پاؤں کی خبر لیتے ہیں۔

اس لئے اس بھیدان نے بھی جو کچھ کیا سو کیا۔ بہر حال معاف کیجئے گا۔ لیکن سچ تو یہی
ہے آپ کو بری تو لگے گی جیسی آپ کی باتیں ہیں۔ ایسے سخنہائے بے معنی سے تو
گنہ شتر بے پناہی بہتر ہے، وہ اگر اتفاق سے ناک تنگ پہنچ بھی جائے تو بیش بریں
نہیں ناک ہی جلے گی۔ دل تو کسی عاقل کا نہ جلے گا۔ پر آپ کے حرف بے معنی اور سخن
نا معقول ہیں طرفہ ستم یہ ہیں کہ حکم مصرع۔ جواب جا ہاں باشد خوشی حقیقت
میں قابل جواب تو ہوتے نہیں جو جواب دیا جائے۔ البتہ خاموش ہو کر جی جلاتا پڑتا ہے
پر اس بھیدان نے جب جانا کہ جاہلوں کے جواب میں عالم البتہ نہیں بولا کرتے، مجھے اس
بھیدانی پر کیا ہوا جو خاموش ہو کر بیٹھ رہوں، معذرا اب سر پرانی

دو چیز تیرہ عقل است دم فرو بستن ۛ بوقت گفتن و گفتن بوقت خاموشی
اس لئے اس قدر اوراق کو سیاہ کیا۔ اور اگے اور کرنے پڑے
سو منصفان بے روی و ریا اور بھی سنیں، کہ بعد ازین مولوی عمار علی صاحب
کچھ ایسا رقم فرماتے ہیں جس سے حضرت فاطمہ زہرا کا مکر صدیق اکبر کے پاس جا کر میراث
کا طلب کرنا، اور ان کا فدک کو حضرت فاطمہ کے نام لکھنا اور پھر اتفاق سے حضرت عمر کا
آجانا، اور ان کا اس کا غنڈہ پھاڑ ڈالنا منکلت ہے۔ سو اس کا جواب حکم مثل مشہور
ع۔ درمے راجز اباش دروغ ۛ موافق نقل ہندی ”گوہ کی دارد سوت“
یوں چاہیے تھا کہ حضرت فاطمہ ایک بار بھی میراث کی طلب کے لئے صدیق اکبر تک
نہیں گئیں، چہ جائیکہ دوبارہ مطالبہ کی نوبت آئی ہو، اور حضرت صدیق اکبر نے ان
کے ان کے نام جاگیر کا غنڈہ لکھ دیا ہو۔ اور حضرت عمر نے اسے پھاڑ ڈالا ہو، وہ شروع
سے لب کشا ہی نہیں ہوئی تھیں، مگر چونکہ جھوٹ جھوٹ ہے۔ ابتدا ہو یا دروغ کی

جزا میں، مہلذ اظہار مذکریم جھوٹوں کو سینکڑوں طرح سفارتا ہے چنانچہ ابھی انشاء اللہ
تعالیٰ معلوم ہوا جاتا ہے، سچ ہی بولنا مناسب اور انسب نظر آیا۔ اس لئے گذشتہ میں یہ
یاد رہے کہ یہ محض دروغ بے فروغ ہے۔ طومار بندیوں سے سچوں کو جھوٹا نہیں کیا کرتے
اہلسنت کا قول حکم ایسی پوچھ بالوں سے خلل پذیر نہیں ہو سکتا۔

باقی یہ حوالہ دینا کہ سبط بن جوزی نے اس روایت کو اپنی سیرت میں تحریر کیا
اور واقدی محدث اہلسنت نے، اور برمان الدین حلبی شافعی نے اپنی سیرت میں
لکھا ہے، محض ایک سخن، البتہ فریب ہے۔ سادہ لوحان اہلسنت کے گمراہ کرنے کے
لئے (حکم اتبع پیشوایان خویش) مولوی صاحب بھی یہ چال چلتے ہیں چونکہ دیاب
شیخ روایات مفید مطلب شیعہ ایک بحث طویل مرقوم ہو چکی ہے اور اس کے
مکرر بیان کرنے میں بجز درد سر تازہ کچھ سود نہیں۔ اس لئے مکلف ناظرین ہوں
کہ چند اوراق پلٹ کر اس باب میں اپنی تسلی کر لیں۔

سیدہ کے کھانے پر فدک مدینہ نے واپس کر دیا تھا پھر اتنا اشارہ یہاں بھی کئے دیتا ہوں۔ کہ
اول بڑی دلیل اس بات کی کہ حضرت فاطمہ مکرر گئیں اور حضرت صدیق اکبر نے
فدک کا جاگیر نامہ ان کے نام لکھ دیا، اور حضرت عمر نے پھاڑ ڈالا سر اسہ دروغ اور بہتان
بے اصل ہے۔ چنانچہ شیخ ابن مطہر علی منہج الکرامت میں یوں رقم فرماتے ہیں لَمَّا
وَعَظَّمَتْ فَاطِمَةُ أَبَانَكَرَ فِي فِدَكٍ لَهَا كَتَبَ أَبُو مَرْثَدَةَ عَلَيْهَا یعنی حضرت فاطمہ
نے جب ابو بکر کو فدک کے مقدمہ میں وعظ و پند کیا تو ابو بکر نے حضرت فاطمہ کے نام
اسے لکھ دیا اور فدک کو ان کے حوالہ کر دیا۔ انتہی۔ اور علی برہے کہ شیخ مطہر دمشقی
صدیق اکبر میں مولوی صاحب کے بھی افسر ہیں، او بیار غار کی عداوت میں ان سے بھی
اول ہیں، مولوی صاحب نے بھی اگر یہ باتیں سیکھی ہیں تو انہیں بزرگوں کے پہنکنے
سے سیکھی ہیں۔ اگر کچھ بھی اس کی اصل ہوتی۔ وہ سیر کی سن کر دیتے۔ اور سونی
کا بھال بنا دیتے۔

آخر اتنا بھی تو اسی غرض سے لکھا ہے کہ صدیق اکبر ابو بکر دعا بازی فدک کے

ذہنا چاہتے تھے۔ پر مدعظ و ہند کے باعث آخر کار ہاتھ سے چھوڑا، اگر اپنی بات میں سچے ہوتے۔ اور حدیث کا بخور و عطر کا صانع قہ صبح ہوتی غلط نہ ہوتی۔ تو وعظ و متاثر ہونے کے کیا معنی تھے؟ الشاہی حضرت فاطمہ کو نصیحت کرتے ہوئے اگر بھڑا ڈالنے کا قصہ کچھ بھی اصل رکھتا تو وہ کیا زبان درازیاں نہ کرتے۔ بلکہ شیخ ابن مہر علی نے تو اہل سنت کے لئے بہت تحفیف تصدیق کر دی۔ یہاں تک کہ کراہل انصاف کے نزدیک توشیعوں کو لازم یوں ہے کہ مثل حرمین زیدریابی صدیق اکبر کے بھی بدل و جان مقدر ہو جائیں، کیونکہ **الذائب من الذائب کما یتکون**۔ خیر الحمد للہ کہ شیعوں کی ہی روایات سے دروغ (مولوی غلام علی صاحب اثابت ہو گیا و کفی الله المؤمنین المقتال۔

بہر حال جو باتیں مولوی صاحب نے تراشی ہیں۔ مولوی صاحب کے بڑوں کو بھی نہ سوجھی تھیں۔ یہ تنازعہ اہام اب مولوی صاحب کو ہوا ہے، مجدد اودہی محدثین کے نزدیک منجملہ مضامین ہی یعنی اس زمرہ میں معدود ہے۔ جو جھوٹی حدیثیں بنا کر بیان کیا کرتے ہیں، اور ابن جوزی کا حوالہ اس بات میں ہماری سرانگھوں پر کیونکہ انہوں نے دھوکہ بازوں کے فریب سے بچانے کے لئے امت محمدی کے لئے ایک کتاب خاص اسی فن میں تصنیف کی ہے کہ فلاحی فلاحی حدیث موضوع ہے تاکہ کوئی دھوکہ نہ کھائے، سو ان کی اس کتاب سے نقل کرنے میں اہلسنت کی بات کا اور بچتہ کرنا ہے اور اگر بالفرض ایسے استدلال بھی مفید مطلب ہو اگر میں اور اس پر نظر نہ ہو کہ خود مصنف کتاب اس بات کی نسبت جو اس کے حوالہ سے بیان کی جاتی ہے کیا کتاب ہے؟ تو کل کو ملحدان بے دین کی اس بات کا شکیہ کیا جواب دیں گے؟ کہ کلام اللہ میں **ان الله فقیہ** موجود ہے، یعنی خدا محتاج ہے، تو معلوم ہو کہ خدا محتاج ہے۔

اور اگر یوں کہیے کہ خدا نے یہود کے اس قول کو بطور رد و تکذیب درج کلام اللہ کیا ہے۔ چنانچہ ظاہر ہے، تو یہی جواب سبط بن جوزی کی اس روایت کے صریح کرنے کا معلوم ہوتا ہے۔ بہر حال اس دغا بازی کا کیا ٹھکانا ہے کہ عوام اہلسنت کے سامنے

یا ان کتابوں کا نام لیتے ہیں جو غیر مقبول اور زیادہ اعتبار سے ماقول ہیں۔ یا جو شہادت و چالاک ایسی کتابوں کا حوالہ دے جاتے ہیں، کہ گو وہ کتابیں معتبر ہیں۔ پر اس روایت کو جس کا حوالہ دیتے ہیں، اس کتاب میں بنظر دفع و غلابا ان لکھ کر موضوع لکھ دیا ہے، یہ فرقہ عوام کو دھوکہ دینے کے لئے انہیں روایات کو پیش نظر کر دیتے ہیں۔ اور اکثر موقع میں اس سے بڑھ کر یہ کرتے ہیں۔ کہ ایک بات اپنے جی سے تراش کر کسی کتاب غیر مشہور کی طرف منسوب کر دیتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ اول تو یہ کتابیں کہاں؟ پھر اتنی درد سر کی کس کو ضرورت؟ بہر حال مولوی صاحب کا یہ ارشاد کہ حضرت فاطمہ زہرا حضرت صدیق اکبر کے پاس طلب میراث کے لئے گئیں، شاید بایں عرض ہو کہ مکر و سرگردانی میں اور غلطی صحیح غل شود چنانچہ میں کچھ تو ہاتھ پٹے بڑھائے گا۔ پھر مولوی صاحب کی ایک اور یہودہ گفتار سنئے۔ مولوی صاحب کچھ ایسا رستم فرماتے ہیں۔

و کہ حضرت علی وغیرہ صحابہ ابوبکر کو اس بات میں سچا جانتے تھے کہ بغیر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ترک سب صدق ہے۔ تو پھر علی رضی اللہ عنہ اور عباس رضی اللہ عنہ نے خلیفہ ثانی کی خلافت علی عمر رضی اللہ عنہ سے جا کر کیوں دعوئے کیا؟ چنانچہ عمر رضی اللہ عنہ نے علی اور عباس کو کہا کہ تم دونوں ابوبکر کو کاذب اور خائن اور غادر اور آثم جانتے تھے اور مجھے بھی تم دونوں کاذب اور خائن اور غادر اور آثم جانتے ہو اور میں وہی کروں گا۔ جو کہ ابوبکر کرتا تھا یہ روایت صحیح مسلم میں لکھی ہوئی ہے۔ اور سند احمد بن حنبل میں لکھا ہے کہ عثمان کی خلافت میں عثمان سے بھی دعوئے کیا تھا پس اگر ابوبکر ان کے نزدیک سچا ہوتا تو ان کے زمانہ میں دعوئے برگزیدہ کرتے معلوم ہو کہ ابوبکر اس روایت میں بالکل جھوٹا تھا۔ ازراہ علوت روایت بنا کر فاطمہ کا حق غصب کیا، اور عمر خود علی اور عباس سے اقرار کرتا ہے کہ تم ابوبکر کو کاذب اور خائن چلتے تھے۔ اور مجھے بھی تم کاذب اور خائن جانتے ہو، پس جس وقت کہ علی نے ان کو کاذب اور خائن جانا تو خشک ہم بھی کاذب اور خائن ان کو جانیں گے۔ یہی مطلب غصے تھا۔

یہاں تک مولوی صاحب کی بیانات لایینی بخوبی اس میں کوئی ایک دو لفظ کا فرق ہوگا، پر معنی میں تفاوت نہیں، اب ہماری یہی سنیے کہ اس عبادت سے مولوی صاحب کے دو مطلب ہیں، ایک تو یہ کہ اگر حضرت علی اور حضرت عباس وغیرہم صحابہ کرم رضوان اللہ علیہم اجمعین کو سچا جانتے، تو حضرت عمر کی خلافت میں حضرت عمر سے دعویٰ نہ کرتے، اور علیؑ ایذاً فیماں حضرت عثمان کے زمانہ میں دعویٰ نہ کرتے، دوسرا یہ ہے کہ جب باقر اور حضرت عمر حضرت علی اور حضرت عباس کا ابو بکر صدیق کو کاذب آثم غادر خائن جاننملہ ہوا تو ہم بھی باتباع مرقضوی ابو بکر کو کاذب آثم غادر خائن سمجھیں گے مسلم شریف کے حوالہ کی حقیقت اسوئل اعتراض کا تو جواب یہ ہے کہ یہ مولوی صاحب کی ایک نئی دغا بازی ہے۔ عوام کے ہسکانے کے لئے ایسی ابلہ فریبیاں کرتے ہیں پر حقیقت میں اپنی عاقبت خراب کرتے ہیں۔ جو لوگ اصل روایات صحیح مسلم کو دیکھیں گے، وہ جان جائیں گے کہ قصہ درگروں ہے۔ یعنی حضرت عمر کے زمانہ میں جس محفل میں یہ نوبت آئی ہے کہ حضرت عمر نے یوں کہا کہ تم ابو بکر صدیق کو کاذب آثم خائن سمجھتے تھے، اس محفل میں بہت تولیت تکرار تھا نہ بہ نسبت وراثت۔ چنانچہ اس حدیث سے بھی جس کا مضمون کچھ کچھ مولوی صاحب نے درج فرمایا کیا۔ اور ہر روایت مالک بن اوس مروی ہے۔ اور نیز صحیح مسلم ہی کی اور حدیثوں سے یہ بات عیاں ہے لیکن مولوی صاحب نے یا تو بوجہ بلاغت و غباوت نہ سمجھا ہوا اور یا با جماع پیشوایان قدیم دوسروں کے مطلب کی بات مضم کر کے جس قدر دھوکا دے سکیں مذیب قرطاس کیا ہے۔

ہر چند جی یوں چاہتا تھا کہ احادیث مشار الیہا کو تہما لکھے، لیکن احادیث مشار الیہا کے تہما لکھنے میں قصہ بہت دور پہنچتا ہے۔ خصوصاً حدیث ابن اوس مذکور کہ وہ ایک بہت طویل دعویٰ ہے اور بایں ہمہ اکثر مواقع شرح طلب، اور ادھر فرصت تلیل، اس میں سب میں سے مختصر قصہ استنباط کر کے اور دہ چار جگہ بجنسہا لکھ کر متردوں کا اطمینان کئے دیتا ہوں، حدیث عائشہ سے جو اس حدیث سے کچھ آگے

صحیح مسلم میں موجود ہے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر نے اپنی خلافت میں مجازاً ترک بنوی صلی اللہ علیہ وسلم نقطہ اس زمین کا جو مدینہ کے رقبہ میں اور قرب دجور میں تھی حضرت علی اور حضرت عباس کو متولی کر دیا تھا۔ خیبر اور فدک کو اپنی تولیت میں رکھا تھا۔ اس حدیث سے جس کا مولوی صاحب نے ذکر فرمایا یوں معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر نے خدا کا واسطہ دیکر حضرت علی اور حضرت عباس سے یہ عہد لے لیا تھا کہ اس میں وہی کام کیجو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے تھے۔

مگر حدیث عائشہ مذکور سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی نے حضرت عباس کا قبضہ اٹھا لیا، چنانچہ حدیث مذکور کے یہ الفاظ اس پر شاہد ہیں۔

فَأَمَّا صَدَقَةُ بَالَدٍ بَنِيهِ فَذَكَرَهَا عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ وَجَبَّاسُ فَقَبِلَهَا عَلَيْهِمَا عِلِّيٌّ
جس کا یہ ماحل ہے کہ مدینہ میں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عہد تھا۔ اس کو حضرت عمر نے حضرت علی اور حضرت عباس کے حوالے کر دیا، سو حضرت علی نے اس کو آباد کیا اور اپنا قبضہ کر لیا۔

یہ بات ذہن نشین ہو چکی تو اب سنئے کہ جب حضرت علی اس تمام زمین پر جو دونوں کی تفویض اور سپردگی میں تھی۔ قابض ہو گئے تو آپس میں دونوں صاحبوں میں جھگڑا پڑا اس کے رفع داد کے لئے یہ صورت پیش آئی، کہ یہ دونوں صاحب خود حضرت عمر کے پاس گئے، اور حضرت عثمانؓ اور حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ اور حضرت زبیر بن العوامؓ اور سعد بن ابی وقاصؓ کو بھی کچھ پہلے ان کے پاس بھیجا۔ تاکہ وہ بھی کچھ ہمارا لگائیں اور خلیفہ سے کہ سنئے کچھ صلح کرادیں، اسی آنے کو مولوی صاحب دعویٰ میراث کے لئے آنا سمجھتے ہیں، اس لئے کہ حضرت عمر کا حضرت علی اور حضرت عباس کو یوں کہنا کہ تم ابو بکر کو کاذب وغیرہ سمجھتے تھے، اسی ذمہ میں پیش آیا ہے۔ چنانچہ ناظران حدیث مذکور پر پوشیدہ مزرہ ہے گا۔

الحاصل جب حضرت عمر کے پاس یہ چھٹیوں صاحب تشریف لائے۔ اور یہ مذکور ہوا تو اول تو حضرت عمر نے ان چھٹیوں صاحبوں کو قسم دیکر یہ پوچھا، کہ تمہیں معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمایا ہے کہ خورث قاتلک

ہوتا ہے، ورنہ ہر شخص سے بہ نسبت اراضی ملو کہ کے یہی عہد لیا جاتا کرتا۔
 دوئم پھر حضرت عمر کا یوں فرمانا کہ قیامت تک اس کے خلاف حکم نہ دوں گا۔
 خود اسی بات کو ثابت کرتا ہے کہ حضرت عمر نے ترکہ نبوی بطور تولیت حضرت علی اور حضرت
 عباس کے حوالہ کر رکھا تھا۔ بطور میراث نہ دیا تھا۔ ورنہ مقصود حضرت عباس اور حضرت علی
 فقط تقسیم کر دینا تھا۔ سو اس میں حضرت عمر کا کیا نقصان تھا کہ ایک شے مشترکہ کوئی
 مابین دو مالکوں کے تقسیم کر دیں؟ اگر بخل کرتے تو دینے ہی میں کرتے۔ جب دے چکے
 پھر تقسیم میں کیا مشکل تھی۔ ان در صورت تولیت یہ اندیشہ تھا کہ ایک بیٹی اور ایک
 چچا کا میراث میں آدموں آدموں کا سبھا ہوتا ہے، سو اگر حضرت علی جو حضرت فاطمہ کی طرف سے
 وکیل تھے اور حضرت عباس کہ آدموں آدموں کا ہوتا تھا کہ جدا جدا متولی کر دیکھے تو مبادا رفتہ
 رفتہ لگے قانونوں میں اس تقسیم کو دیکھ کر دیکھتے برتنے والے یوں سمجھ جائیں کہ نصف حضرت
 فاطمہ کی اولاد کا ملکوت ہے اور نصف حضرت عباس کی اولاد کا ملکوت ہے۔

حضرت علی و عباس نے بقسم حدیث علاوہ بریں حضرت علی اور حضرت عباس کا قسم کھا کر
 صدیق کی تصدیق کی۔ اس بات کا اقرار کرنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
 بیشک یوں ارشاد فرمایا ہے کہ کُلُّ نَزْلٍ مَا تَرَ كُنَّا مِنْهُ صَدَقَةً اور پھر میراث کا طلب
 کرنا شیعوں ہی کی سمجھ میں آئے تو آئے اور ان سے بچے چڑھ کر یہ ہے کہ سولوی صاحب پہلے
 یوں رقم فرما چکے ہیں کہ حضرت صدیق اکبر نے (بہ نسبت، فدک کے معانی کا کاغذ لکھ دیا تھا
 حضرت عمر نے پھاڑ ڈالا۔ پر جب حضرت عمر ابو بکر کی خلافت میں یوں ہوں تو اپنی خلافت
 میں تو بدرجہ اولیٰ حاوی ہونے چاہییں، پھر حضرت علی اور حضرت عباس نادان تھے؟
 نعوذ باللہ کہ باوجود اس قصہ کے معلوم ہونے کے مفت خفیف اور رسوا بننے کے لئے
 ایسی لغو حرکت اور نامعقول بات کرتے؟ اس سے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ اگر بالفرض
 بفرض محال یہ بات وقوع میں آئی بھی ہے؟ تو اول بار ہی حضرت علی اور حضرت عباس
 کا حضرت عمر کے پاس آنا جب کہ حضرت عمر نے ترکہ نبوی انکے حوالہ کیا تھا محض طلب گاری تو
 کے لئے ہو۔ طلب گاری میراث کے لئے نہ ہو۔

کیونکہ جب یہ بات آنکھوں دیکھ چکے ہوں، کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا
 جو جگر گوشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ ایک شخص نے لحاظ نہ کیا، دوسروں کا
 لکھا لکھایا کاغذ پھاڑ ڈالا ہو۔ وہ ہمارا کیا لحاظ کریں گے؟ اور وہ بھی اپنی حکومت میں ہم
 تو دوسرے ہی درجہ میں ہیں، نیر یہ بات تو غلط ہے کہ ابو بکر صدیق نے کاغذ لکھ دیا ہوا
 حضرت عمر نے پھاڑ ڈالا، پر اتنی بات صحیح ہے کہ اول بار کہ حضرت علی اور حضرت عباس کا
 آنا بھی محض طلب گاری تولیت کے لئے تھا۔ چنانچہ لفظ اذ فحما ایتنا سے یہ بات
 خود ظاہر ہے، جو لوگ مذاق سخن شناس رکھتے ہیں وہ سمجھتے ہیں، باقی یہ بات کہ
 طلب تولیت میں ان دونوں صاحبوں کو کیا فائدہ تھا۔ جو غلجوان اپنے سر دھڑنا بخور کیا
 تو اس کا جواب یہ ہے۔ واللہ اعلم بحقیقت الحال کہ وقف نبوی منجملہ مصارف حق آ رہا ہے
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مقدم ہے۔ اس سے بچے تو اور کہیں صرف کیا جائے، خاص
 کرنے میں تو اشارہ خداوندی بھی موجود ہے چنانچہ اس لئے ذی القربے کو اور دل سے
 مقدم ذکر فرمایا، اور حدیثوں سے بھی اس قسم کے مضمون نکلتے ہیں۔

مگر غلطی کو اول تو تمام خلافت کا انتظام درپیش ہے۔ فقط اذ فحما ہی کا انتظام
 ان کے ذمہ نہیں جو بہتین اس کی طرف متوجہ ہو کر تردد و کامل کرائیں، محض جن کو کچھ اوقات
 سے توجہ ہو جس قدر ان کے جی کو لگی ہوئی ہوگی۔ وہ دوسرے کے دل کو کاہے کو لگی ہوئی ہوگی
 اس لئے حضرت علی اور حضرت عباس خواستگار تولیت ہوئے ہوں، اور حضرت عمر نے
 بھی بلحاظ وجہ مذکورہ اور نیز یوں سمجھ کر کہ جو حال بنی ہاشم کے فلانا محتاج ہے فلانا نہیں،
 فلانے کو اس قدر حاجت ہے فلانے کو استدر، حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما
 کو معلوم ہوگا۔ وہ مجھے کہے کہ معلوم ہوگا۔ اور یہ اندیشہ باقی ہی نہیں ہا کہ کوئی اس دینے کو
 میراث کا دینا سمجھے، کیونکہ کُلُّ نَزْلٍ مَا تَرَ كُنَّا مِنْهُ صَدَقَةً کا گھر گھر غل پڑ گیا، یہ بات قبول
 فرمائی ہو، اور باہمہ نظر احتیاط تقسیم نہ فرمایا تاکہ مبادا رفتہ رفتہ بہت زمانوں کے بعد
 کوئی جاہل یوں نہ سمجھ جائے کہ حضرت فاطمہ اور حضرت عباس کو مالک
 سمجھا تھا جب تقسیم کر دیا۔

مگر حضرت ابو بکر صدیق نے بطور تولیت بھی کسی کو دنیا گوارا نہ کیا۔ کیونکہ حضرت فاطمہ کی طلب میراث کا تازہ قصہ تھا، اس قصہ سے سب کے کان پڑتے تھے۔ اس وقت اگر بطور تولیت ہی دیتے، ہر کوئی اس دینے کو بطور میراث ہی سمجھتا کہ خود حضرت فاطمہ کا قصہ اگر سنا بھی ہوتا تب کسے دھیان آتا۔؟

خان و غار مبالغہ استعمال اور یہی وجہ فی الجملہ موجب گرائی خاطر حضرت علی اور حضرت ہونے۔ جیسا کہ محاورہ ہے عباس معلوم ہوتی ہے، جس کو حضرت عمر غصہ کے باعث بایں الفاظ تعبیر فرماتے ہیں کہ تم ابوبکر کو کاذب آثم غادر خائن سمجھتے تھے کیونکہ تمام جہان کا دستور ہے اور نیز کلام اللہ اور احادیث سے بھی یہ بات نکلتی ہے کہ اگر کسی سے کسی موقع میں معاملہ قلبی کے برخلاف کوئی بات ظہور میں آتی ہے، تو بطور مبالغہ اس کے ساتھ معاملہ قلبی کی بھی نفی کر دیا کرتے ہیں۔ مثلاً فی ما بین اتر با و احباب اگر کسی سے کسی قسم کی بے اعتنائی اور بے پرواہی کسی وجہ خارجی کے باعث ظاہر ہوتی ہے، تو مبالغہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ یہ ہمارے قریب یا دوست کیوں ہوئے تھے یا یہ ہم کو اپنا قریب اور دوست ہی نہیں سمجھتے۔

سو قربت اور رشتہ داری نسبی کا حال تو ظاہر ہے کہ وہ تو کسی طرح زائل ہو ہی نہیں سکتے۔ چہ جائیکہ بے اعتنائی اور بے پرواہی سے، اور دوستی کا حال بھی تو ظاہر ہے۔ کیونکہ بے اعتنائی اور بے پرواہی کی جو احباب کو شکایت ہوتی ہے، تو بوجہ ثبوت محبت اور بقائے الفت ہوتی ہے۔ ورنہ اجنبیوں سے کون شکایت کرتا ہے، علیٰ ہذا القیاس حضرت علی اور حضرت عباس کی جانب سے جو فی الجملہ کشیدگی اور گرائی خاطر حضرت صدیق اکبر سے جس کا بھی بیان تھا، ظہور میں آئی۔ تو یہ گرائی خاطر اور یہ کشیدگی جو بظاہر فی الجملہ اطمینان قلبی اور اعتبار دلی کے خلاف تھی، جو ان دونوں کو اب نسبت صدیق اکبر کے حاصل تھی، کیونکہ اس سے نظر عوام میں بے اعتباری کی گواہی تھی۔ اس لئے حضرت عمرؓ نے اس اعتبار کو جو ان کے دل میں مرکوز تھا، نفی کر کے مبالغہ کی ان کی طرف بے اعتباری کو منسوب کیا اور دیں اس بات کی کہ یہ کلمہ مبالغہ فرما تھا بیان حقیقت مد نظر نہ تھا۔

خود ظاہر ہے کیونکہ حدیث کا خود ثبات نہ کرنا، صحت و قبح کے خود مقرر تھے۔ یہیں تو یوں لگا جیسے کہ ان کے نزدیک صدیق اکبر نے متروکہ نبوی زبردستی سے دبا رکھا تھا، اور ان کے عقیدہ کے موافق وہ غادر خائن کاذب آثم تھے۔

حضرت عمر کا عقد مبالغہ کی دلیل ہے۔ مہندہ حضرت عمر کا قریب غضب خود اس کے ارادہ کے لئے مصلح ہے۔ لیکن آفرین ہے مولوی عمر علی صاحب کے فہم پر، اور جن نے انہوں نے ایسی تعلیم پائی ان کے فہم پر کہ ایسی بات کو جو تمام عالم میں مروج ہو۔ اس زمانہ میں بھی کہ پیشوا شیعہ ہو گزرنے نہیں سمجھتے کوئی ان کا مدح بہت سے بہت تو جہہ کرے۔ تو یہ کربے کو مولوی صاحب سمجھتے تو ہیں، لیکن ایسے یقین کی روح کو خوش کرنے کے لئے دیدہ و آستہ فریب سے تحریف معافی کرتے ہیں یہ سب نہیں کہ حضرت عمر کا یہ کہنا تو انہیں یاد رہا کہ تم حضرت صدیق اکبر کو کاذب آثم غادر خائن سمجھتے تھے۔ اور یہ یاد نہ رہا کہ انہوں نے اس کے ساتھ یہ بھی فرمایا تھا وَاِنَّهُ يَحْكُمُ اِنَّهُ لَصَادِقٌ بَاثِلٌ اَشِدُّ تَابِعَ الْحَقِّ لَعْنِي اللہ خوب جانتا ہے کہ ابوبکر صدیق بیشک سچے نیک الطوار ہدایت پر حق کے تابع تھے۔

الحاصل مولوی صاحب کی کم فہمی یا فریب بازی ہے۔ جو ایسی یہودہ باتیں فرماتے ہیں کہ کہیں کاسر کہیں کا پاؤں، ورنہ بمعنی مذکور عورت میں ایسے کلاموں کا مروج ہونا وہ لوگ بھی جانتے ہیں جنکو عقل نہیں، چہ جائیکہ اہل عقل۔

مبالغہ کلام اللہ میں۔ بطور محاورہ اور اگر اس پر بھی اس قسم کے محاورات کی تصحیح کے لئے کلام ربانی ہی کی سند مطلوب ہو تو اپنی بڑی کوم اس سے بھی درگزر نہیں کرتے اس لئے یہ آیت حتیٰ اِذَا شِئْتُمْ الْمُسْلِمُ وَظَنُوا اَنْهُمْ قَدْ كَذَّبُوا جَاءَهُمْ نَصْرُنَا جو سورہ یوسف کے رکوع آخر میں موجود ہے۔ گوش گزار ہے، اس کے بظاہر یہ معنی ہیں یہاں تک کہ جب رسولوں کو ناامیدی ہونے لگی، اور وہ یوں خیال کرنے لگے کہ ان سے جو کچھ امداد کے باب میں خدا کی طرف سے وعدہ وعید تھے، سب جھوٹ تھے، ہماری مدد ان کے لئے آپہنسی فقط، مگر سب اہل اسلام جانتے ہیں کہ انبیاء کی شان بہت بلند ہے کہ خدا سے ناامید ہوں، اور کیوں کر ناامید ہوں۔ اس صورت میں اس رکوع سے پہلے

لوگوں میں یہ جملہ بھی موجود ہے (وَلَا يَنْفَعُ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا الْقَوْمُ الْكَافِرُونَ) جس کا یہ مطلب ہے، بیشک ناامید نہیں اللہ کے فیض سے بگڑی لوگ جو کافر ہیں پھر کسی مسلمان کے خیال میں اسکا ہے کہ رسول اور ناامید ہو جائیں، سو اگر حضرت عمر کی حدیث روایات کے بھروسے باتیں مرفوضی صدیق اکبر کو مولوی صاحب کا ادب خائف وغیرہ سمجھتے ہیں، تو خداوند کریم تو حضرت عمر سے زیادہ ہی پختہ ہیں۔ خدا کے فرمان کی تصدیق کر کے رسول کو خدا کی امداد سے ناامید کچھ کر حسب ایما آیت (وَلَا يَنْفَعُ الْإِنَّمَانُ لِمَنْ عَصَا عَنْ أَمْرِ رَبِّهِ) سمجھنے لگیں۔

علیٰ ہذا القیاس رسولوں کی نسبت جو اسی آیت میں مذکور ہے کہ دعائے خدا کی میں ان کو خیال دروغ ہوا تو اس میں گناہ لازم ہے کہ مولوی صاحب رسولوں کی اتباع میں کمر بستہ ہاندھیں۔ سو اول تو اکثر محاورات کلام اللہ سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ خیال باطل جو کسی وجہ سے جی میں جم جایا کرتا ہے۔ اور اس کا یقین ہو جاتا ہے۔ اس کو ظن کہا کرتے ہیں چنانچہ سورہ جانہ میں کفار کے اس عقیدہ کی نسبت کہ مرنے کے بعد پھر کوئی اٹھایا نہ جائے گا۔ اور لوگوں کا مارنے والا لازم مانہ ہے، یوں ارشاد ہے کہ (إِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ) یعنی وہ جو بھی اٹھوں کی باتیں کرتے ہیں۔ الغرض کفار کو اپنے اس عقیدہ میں شک تھا مگر چونکہ ایک خیال غلط تھا جناب ہاری نے اس کو بلفظ ظن تعبیر فرمایا، ایسے ہی اس مسلمان میں سورہ انشقت میں (وَلَا يَنْفَعُ الْإِنَّمَانُ لِمَنْ عَصَا عَنْ أَمْرِ رَبِّهِ) کے موافق اگر ظن (وَلَا يَنْفَعُ الْإِنَّمَانُ لِمَنْ عَصَا عَنْ أَمْرِ رَبِّهِ) کے معنی لیجئے تب تو مولوی صاحب کو لازم ہے کہ نعوذ باللہ بزم خود باتیں پیغمبران برگزیدہ خداوند کریم کے وعدوں کو یقین جھوٹا سمجھیں۔ اور اگر موافق مشہور ظن کے معنی گمان غالب یا شک سمجھتے تب مناسب یوں ہے، کہ رسولوں کو تو یوں سمجھیں کہ ان کو خدا کے کہے کا یقین نہ تھا۔ اور اس وجہ سے نعوذ باللہ انہیں کافر سمجھیں۔ اور اپنے آپ ان کا اتباع کر کے دین و ایمان کو برباد کریں۔

اور اگر یوں تاویل کیجئے کہ رسولوں کو جو ظن دروغ تھا یہ نسبت خداوند

صادق القول نہ تھا۔ بلکہ نصرت کے ذریعہ ہونے سے یوں سمجھے کہ اگر وعدہ ہائے نصرت وعدہ ہائے خداوندی ہوتے، تو لاجرم ان وعدوں کا ظہور ہو لیتا اتنی دیر نہ لگتی، ہونہ ہو یہ وسوسہ شیطانی تھے وعدہ ہائے خداوندی نہ تھے تو اس صورت میں اول تو یہیں کچھ نقصان نہیں، جو کچھ بہ نسبت یا س مرقوم ہو چکا وہی کافی ہے، دوسرے ہم کہتے ہیں کہ اس صورت میں یہ لازم آئے گا کہ انبیاء کو وحی پر اطمینان نہ ہو، نعوذ باللہ سورہ توریم جانتے ہیں۔ شیعہ بھی تسلیم نہ کریں، کیونکہ جب انہیں ہی یقین نہیں تو پھر کس کو ہوگا؟ پھر چاہیے کہ ایمان ایک معنی بے مصداق ہو جائے، کیونکہ ایمان کو یقین لازم ہے، پھر اگر اپنے اطمینان کے لئے معنی اس طرح کریں گے کہ ان کو بمقتضائے بشریت بے اختیار یہ خطرات دل میں گذرتے تھے۔ اس کو خداوند کریم نے بلفظ ظن (خواہ اپنے معنی میں ہو یا بمعنی یقین) مبالغہ تعبیر کر دیا ہے۔ تو یہ وہی بات ہے جو ہم نے پہلے بیان کی ہے۔ سو حضرت عمر کی بات کو بھی ایسا ہی سمجھئے

مگر ہاں اگر یوں کہیے کہ نعوذ باللہ خدا کی طرف بوجہ کذب کا احتمال ہو سکتا ہے۔ حضرت عمر کی طرف یہ احتمال نہیں، تو البتہ یہ ممکن مشکل ہو مگر اس کے لئے بجا کے ابطال کی تقریر کی طرف مراجعت ضروری ہے۔ بہر حال انبیاء کی نسبت خداوند کریم کا یہ فرمانا کہ وہ مایوس ہو گئے، یا ان کو خدا کی نسبت یا وحی کی نسبت احتمال دروغ ہوا، بجز اس کے صحیح نہیں ہو سکتا، کہ موقع تعریف و عقاب میں مبالغہ فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عبت ہو، اور آپ ایسے خیالات میں نہ پڑ جائیں یا کسی اور وجہ سے مبالغہ فرمایا ہے، سو ایسے ہی حضرت عمر کے قول مذکور کو بھی سمجھئے۔ بہر حال یہ آیت ہمارے مطلب کے لئے ثبوت کامل ہے۔ اور اسی قسم کی اور بہت سی نظریا اہل ہم کلام اللہ سے نکال سکتے ہیں، کہ اگر معنی ظاہری مراد لیجئے۔ اور قرآن صاف کہ کچھ خیال نہ کیجئے۔ تو دین ایمان کی خیر نہیں، سو اگر مولوی صاحب کو کچھ ایمان کا درد ہے تو پھر خواہ مخواہ معنی ظاہری پر جو بے لحاظ قرآن خارجیہ کے متبادر الی القوم میں کچھ لحاظ نہ کریں، بلکہ معنی مقصود ربانی پر نظر رکھیں۔

یعنی آیت حتی اذا استیس بالمرسل کے معنی میں کہ انبیاء کے یہ دل بھی لو
یقین ہی تھا کہ وعدہ الہی صادق ہیں۔ ایک نہ ایک روز بیشک امداد الہی آئے گا
غرض دل سے کوئی صورت انقطاع امید اور ظن دروغ کی نہ بھی پر جیسے بمقتضائے بشریت
ہمارے تمہارے دل میں خداوند اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت خیالات فاسد
اوپر کے دل میں آجستے ہیں۔ اور اس سے اعتقاد قلبی میں کچھ فرق نہیں آتا۔ ایسے ہی
انبیاء کے دل میں بھی بمقتضائے بشریت بہ نسبت وعدہ الہی خیالات فاسد بے اعتقاد
گزر جاتے تھے۔ اور خدا نخواستہ اطمینان قلبی میں کچھ فتور نہ تھا۔ جو یوں کہیے کہ وہ واقعی
نا امید ہو گئے تھے۔ اور یقین ہو گیا تھا کہ وعدہ الہی محض دروغ تھے یا ان کے
صدق کا یقین نہ رہا تھا۔ مگر چونکہ اس قسم کے خیالات کی وجہ سے دگوہ دل میں نہ ہوں
اور بے اختیار ہی آتے ہوں، ظاہر نظر میں یوں ہی کہتے ہیں کہ دل میں اعتقاد ہی نہیں
یہ بات بعد تا مل ہی معلوم ہوتی ہے کہ یہ فقط اوپر کے خیالات ہیں،

تو خداوند کریم نے بھی بر عایت ظاہر بطور مبالغہ متعارف ان خیالات کو ملغظ
اٹھن اور بے قراری اور بیتابی بشری کو جس کے لوازم میں سے یہ خیالات ہیں ملغظ کیا
تعبیر فرمایا، لیکن اسی طرح اگر حضرت علی اور حضرت عباس کی نسبت حضرت عمر کے اس
فرمانے کو کہ تم صدیق اکبر کو اور محمد کو کاذب خائن وغیرہ سمجھتے ہو، حضرت علی اور حضرت
عباس کی کشیدگی اور شکایت دلی پر جو بمقتضائے بشریت برخلاف اعتقاد اور محبت
قلبی کے جوہر دل میں جمی ہوئی تھی، اوپر کے دل میں گذرتی ہوئی معلوم ہوتی تھی انجملوں
کریں، تو اس سے زیادہ اور تو کچھ گناہ نہ ہو گا کہ کلام اللہ کی ایک روش اختیار کی اور یہ
بات تو حضرت علی اور حضرت عباس نے منہ سے نکالی بھی نہ تھی، احتمال ہے کہ حضرت
عمر ہی غلط سمجھ گئے ہوں، کہ دونوں صاحب کچھ اس قسم کا خیال نہ دل میں آیا اوپر
کے دل میں رکھتے ہیں۔

حضرت عباس نے ہی حفاظ حضرت علی کے ہم تو اس کے ہی سنی سمجھتے ہیں۔ جو حضرت عباس
نے کہے جو حضرت عمر نے ان کی نسبت کہے

میں لعینتہم ہی الفاظ کہے ہیں، چنانچہ اسی حدیث میں جس کے حوالہ سے مولوی صاحب
حضرت عمر کا حضرت علی اور حضرت عباس کو یوں کہنا کہ تم صدیق اکبر کو کاذب خائن
وغیرہ سمجھتے ہو ثابت کرتے ہیں موجود ہے، مگر اس کو کالہے کو نقل کرتے، یہ تو صدیق
اکبر ہی سے ضد ہے، بہر حال سمجھنے والے سمجھتے ہیں کہ حق بات ہی ہے۔ جو میں نے عرض
کی، در نہ عاشاد کلا جو حضرت علی اور حضرت عباس کے دل میں ذرہ برابر صدیق کی طرف
سے ہر گمانی ہو۔ مگر افسوس یہ ہے کہ مولوی صاحب اپنی تیرہ دروئی کے باعث حضرت
عمر بھی اگر لحاظ ظاہریوں فرمادیں۔ کہ حضرت علی کے دل میں صدیق اکبر کی طرف سے
کچھ فرق ہے تو بے تحقیق اعتبار کر لیں۔ اور حضرت خود اپنی زبان مبدک نہیں کھا کا
کر ایسے کمالات جو لگ بھگ مرتبہ نبوت کے ہیں، صدیق اکبر کی تعریف میں بیان
فرمائیں۔ اور علی ہذا القیاس ادا اس نے چنانچہ سابقہ بحوالہ کتب معتبرہ شیعہ
منفصلاً مرقوم ہو چکا ہے۔

لیکن اس پر بھی کیا امکان جو مولوی صاحب کے اور سوان کے اور شیعوں
کے دل میں کافر ٹوٹے۔ سبحان اللہ کیا سمجھ ہے۔ صدیق اکبر کی جو کریں، تو حضرت عمر
بھی معبر ہو جائیں، اور تعریف ہو تو پھر حضرت علی بھی کہے جائیں، کوئی نہیں سنتا، کسی
نے سچ کہا کئی شئی نیز جمع الیٰ اصلہ۔ ہم تو نہیں سمجھتے۔ پر شیعوں کے طور پر مولوی صاحب
کی وہی مثل ہے کہ حضرت موسیٰ کے سینکڑوں معجزوں پر بھی بنی اسرائیل سیدھے نہ ہوئے
اور سامری کے ایک طلسم پر دین ایمان کھو بیٹھے۔ اس تقریر کے بعد مولوی صاحب کو اپنے
اس چرچہ پر اعتراض کی قطع کھل گئی ہو گی۔ اور اگر بایں ہمہ بوجہ بلا دلت نہ سمجھیں۔ اور
یہ دل نشین رہے کہ حضرت عمر نے جو کہا وہ واقعی تھا، نہ اس میں کچھ غلطی ہے نہ اس
کے سوائے ظاہری معنوں کے اور کوئی معنی۔

تو میری عرض یہ ہے کہ بیش بریں نیست حضرت علی اور حضرت عباس کے
دل میں بھی بات ایک ذوق کو جم گئی ہو کہ صدیق اکبر نے خیانت کی اور جھوٹ
بول دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کائنات کو ماسرکتہ صدقہ فرمایا،

مولا علیؑ اور حضرت ہارون علیہما السلام کے دست و گریبان ہونے کا قصہ مشہور و معروف ہے اس کا سبب ہمارے اور بھی کچھ تھا کہ حضرت موسیٰؑ بایں وجہ کہ ان کی خلقی بات تھی، کہ خلاف شریعت اور مخالفت حکم الہی دیکھا نہیں۔ اور ان کے تن بدن میں آگ لگی نہیں، ذرہ برابر اگر کہیں خدا کی نافرمانی نظر پڑ جاتی تھی تو پھر تھلے نہیں تھمتے تھے، طور سے لوٹ کر جب پھڑے کی پوجا پاٹ دیکھی۔ تو ایک دفعہ ہی یوں سمجھ گئے کہ بنی اسرائیل نے کیا تو کیا حضرت ہارون بھی ان کے شریک حال ہو گئے یا انہوں نے بنی اسرائیل کو نہ روکا جو یہ فساد پھیل گیا۔ بہر حال ان کو شریک حال سمجھایا یوں سمجھا کہ انہوں نے کسی کو روکا نہیں، لیکن اس سمجھنے میں اول تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کچھ شک نہیں رہا تھا۔ نہیں تو نوبت یہاں تک نہ آتی کہ ان کے سر بال اور داڑھی پکڑ کر اپنی طرف کو کھینچتے، فقط شک اور تردد میں اتنی پیش قدمی تو کم عقل بھی نہیں کرتے چہ جائیکہ حضرت موسیٰؑ جن کا کمال عقل بالیقین معلوم ہے۔

حضرت علیؑ اور حضرت عباسؑ خطا و برکتان تھے اور سب سے بھی سب جانتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی غلط فہمی تھی۔ جو یوں سمجھے حضرت ہارون علیہ السلام اول تو بنی معصوم تھے ایسے امور میں شریک ہونا منع نہ کرنا، ان سے مجملہ محاللات سے دور رہنا اگر معصوم نہ ہوتے، تب واقع میں ان سے کچھ خطا نہ ہوتی تھی، بے تحقیق فقط ظاہر حال کی وجہ سے یہ سمجھ کر کہ حضرت ہارون سے درباب ہی عن المنکر تقصیر ہوئی یا خود ان کے شریک حال ہو گئے حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے آپ سے باہر نکل گئے۔ ورنہ حضرت ہارون بہر طور بے خطا تھے، شریک حال ہونا تو کجا منع اور زبرد تو ریخ میں انہوں نے اپنی طرف سے کو باہی نہیں کی تھی، تقدیر بتا رست نہ آئی

اب دیکھئے کہ جب ایک معصوم دوسرے معصوم سے اتنے بدظن ہو جاتے ہوں کہ نوبت ہشت ہشت کی پہنچی۔ تو حضرت علیؑ اگر فی الجملہ کچھ حضرت ابوبکرؓ کی طرف سے بدگمان ہو جائیں تو کیا حرج ہے؟ اور اہل سنت کو اس کی تسمیم میں کیا

دشواری ہے۔ نہ ابوبکر صدیقؓ ان کے نزدیک معصوم! جو ان کے کذب و خفیات کے منسوب ہونے میں کسی رکن ایمان کا تھامنا مشکل پڑ جائے، نہ حضرت علیؑ ان کے اعتقاد میں معصوم، کہ ان کی طرف غلط فہمی کی نسبت کرتے کچھ جی ڈرے اور پھر باہر ہنوز یہ بھی متحقق نہیں کہ بالیقین حضرت علیؑ کے جی میں صدیق اکبرؓ کی طرف سے کچھ گمان فاسد ہوا فقط حضرت عمرؓ نے اپنے عندیہ کے موافق وہ بھی مبالغہ ایک بات کہہ دی ہے، ورنہ حضرت علیؑ کا بہ نسبت حدیث (لا حول ولا ترک) کا صدقہ اقوال کرنا۔ اور پھر حد سے بڑھ کر صدیق اکبرؓ کی تعریفیں کرنا چنانچہ سابقاً مرقوم ہو چکا ہے، خود اسی بات پر دلالت کرتا ہے کہ دل مرتضویٰ بر حسن اعتقاد صدیق اکبرؓ تھا

اس پر بھی اگر مولوی صاحب (برغم خود) اتباع حضرت شیر خدا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ، صدیق اکبرؓ کو کاذب و خائن و غادر و آثم سمجھتے ہیں، تو بہ نسبت حضرت ہارون علیہ السلام تو دو قدم آگے بڑھ کر ان کے عصیان اور شرارت شریک کا چھاتی ٹھوکرا کر اڑا کریں گے، کیونکہ اول تو حضرت موسیٰ علیہ السلام معصوم اور بزرگ شیعہ معصوم غلط فہمی سے بھی معصوم، ورنہ پہل سنت پر طعن کیوں ہوتا کہ ان کے امام ابو حنیفہ وغیرہ غلطی کھا سکتے ہیں، دوسرے حضرت موسیٰ کا بہ نسبت حضرت ہارون علیہما السلام بالیقین خطا دار سمجھنا بالیقین معلوم ہے۔ تو اس صورت میں کوئی صورت مولوی صاحب کو اس عقیدہ میں کمی کرنے کی نہیں۔

امام کی ابتداء میں شیعہ اگر صدیق کو کہیں اور حضرت عباسؑ حضرت علیؑ کے بھی جڑ گ ہیں تو حضرت عباسؑ کے اتباع میں امام کو بھی کہیں دین کے نہیں۔ نسب ہی کے سہی تھوڑا بہت کچھ ان کا بھی اتباع چاہیے بہت ہیں، تھوڑا ہی ہے۔ معذرت حضرت عباسؑ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہایت محبت تھی، چنانچہ بحوالہ قاضی نور اللہ شوستری مرقوم ہوا ہے، تو ان کی بات ہارون توبہ باورق کی نہیں، تو کچھ تو اعتبار رکھتی ہوگی جنھوں نے سند مولوی صاحب کو صدیق اکبرؓ کی نسبت حضرت علیؑ کا کاذب سمجھنا کچھ معلوم ہوا ہے۔ اسی روایت میں حضرت عباسؑ کا حضرت علی مرتضیٰ کو بعینہ اسی طرح برا کہنا، اس سے بھی پہلے مذکور

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی ایسی کہ بات ہے جیسا کہ اسے لایا ہے
ایک دوسرے کو کاذب و غیرہ سمجھتے ہیں اسی قیاس پر انہوں نے کہا کہ اگرچہ
کو ایسا سمجھتے ہو سو حکم محبوبیت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور بزرگی حضرت علی رضی اللہ عنہ
عباس کا بھی اقتدا چاہیے مگر عذر بے اعتقادی ہے تو بہت نہیں تصور فرمائی ہی
کیا دین و کیا آئین ہے جس مذہب کے لیے دلائل ہیں وہ خود مذہب کیا ہو گا۔
ع۔ ب۔ قیاس کن رنگستان من بہار مرا

اب ایک بات شرح طلب باقی رہی، مگر اس کے بیان میں متردب
بایں خیال کہ وہ بات شاید کسی کے خیال میں آجائے تو یہ اندیشہ ہے کہ مبادا کسی متردد
کو تردد پیرا ہو۔ یا کسی متعصب کو جاگشت نہادوں سے، اور جب یہ بھی خیال آتا ہے
کہ کبھی یوں بھی ہو جاتا ہے کہ روٹی نہ کھائیے۔ تو بھوکے مریںے، اور کھائیے تو جہنم میں جان
سے گزریںے۔ دُور تاہوں کہ شاید کم فہم نہ سمجھیں۔ اور مجھے بھلائے گمراہ ہوں۔ میں اگر نہ
لکھوں تو شاید خبر بھی ہو۔ لیکن بایں خیال کہ روٹی کو خداوند کریم نے نفع ہی کے لئے بنایا ہے
نقصان ہو جائے تو اتفاقی ہے۔ اس لئے پیغمبر کے اندیشہ سے کوئی کھانا نہیں چھوڑ دیتا
میرا کلام تو کیا چسپ نہ ہو۔ خود کلام ربانی میں کلام ربانی کی نسبت یوں فرماتے ہیں۔
يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا وَيَهْدِي بِهِ كَثِيرًا مَّغْرَاهُ كَرْنَا اَوَّلُ ہے ہدایت اس کے بعد بھیسر
جب خداوند کریم نے اپنی بات کو کسی سے نہ چھپایا ہو۔ میں اپنے جی کی بات
کیوں چھپاؤں۔

جیسے کلام ربانی اصل ہدایت کے لئے ہے یوں کوئی اپنی کج فہمی سے بے راہ ہو
تو ہو، ایسے ہی وہ باتیں جو کلام اللہ و حدیث سے مستنبط ہوتی ہیں۔ اصل میں وہ ہدایت
ہی کے لئے ہیں۔ یوں کوئی بات کے مغر کو نہ سمجھے اور سہجہ جائے تو اپنا سر کھلے
بہر حال لکھنا ہی مناسب سمجھ کر لکھتا ہوں۔

ترکہ نبوی کے میراث ہونے پر حدیث مالک بن اوس مذکور میں جس کے بعض مضامین
استلال اور اس کے جوابات مولوی صاحب نے رقمہ کریمہ میں درج فرمائے ہیں، اور

اس کو روایت صحیح مسلم کہا ہے۔ یوں مرقوم ہے کہ حضرت عمر نے حضرت علی اور حضرت
عباس کو اسی جلسہ میں جس میں یہ دونوں صاحب جھگڑتے ہوئے آئے تھے بغرض
الزام یوں بھی فرمایا تھا۔

قُلْنَا تُوْنِي رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ابُوْكَرَ اَنَا وَنُوِي رَسُوْلُ اللّٰهِ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ فَجَمَعَا نَطْلُبُ مِيْرَاثَ مَنْ ابْنِ اَخِيْثَ وَيَطْلُبُ هٰذَا مِيْرَاثَ
اَمْرَاةٍ مِنْ ابْنِهَا فَقَالَ ابُوْكَرُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
لَا اُخُوْرْتُ مَا تَرْكُنَا كَصَدَقَةٍ. اس کے بعد یہ ہے فَوَ اَيْمَانَا كَا دِيْنَا
اَيْمَانَا عَادِرًا خَائِفًا

حاصل مطلب یہ ہے کہ "بعد وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب حضرت صدیق اکبر
علیفہ ہوئے اور انہوں نے ہذا کاب میں ہوں ساری باتوں کا دل اور مرنے تو تم دونوں
آئے تم تو اپنے پیچھے کی میراث مانگتے تھے، اور یا پنی بیوی کی طرف سے ان کے باپ کی میراث
مانگتے تھے۔ اس پر صدیق اکبر نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں ارشاد
فرمایا ہے لَا اُخُوْرْتُ مَا تَرْكُنَا كَصَدَقَةٍ. سو تم نے انہیں کاذب نام غادر مان لیا تھا۔

اس سے دو باتیں اہل سنت کے قول کے خلاف معلوم ہوئیں ایک تو یہ
کہ حدیث لَا اُخُوْرْتُ مَا تَرْكُنَا كَصَدَقَةٍ گواہ سنت یوں کہتے ہیں کہ اس کے راوی
حضرت علی اور حضرت عباس بھی ہیں اور اس سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ انہیں خبر
بھی نہ تھی۔ ورنہ اہل سنت کے موافق حضرت علی تو حضرت علی ہیں حضرت
عباس کی طرف بھی گمان نہیں ہو سکتا کہ باوجودیکہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
سے سن لیا ہو کہ لَا اُخُوْرْتُ مَا تَرْكُنَا كَصَدَقَةٍ پھر طلب گار میراث ہوں، دوسرے یہ بات
ہے کہ لفظ ميراثک اور لفظ ميراث اہل اللہ اور نیز صدیق اکبر کا یہ جواب دینا کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمایا کہ لَا اُخُوْرْتُ مَا تَرْكُنَا كَصَدَقَةٍ صاٹ اس بات پر دلالت
کرتا ہے کہ وہ دونوں طالب میراث ہوئے پھر جب ان دونوں صاحبوں کو حدیث مذکور کی
خبری نہ ہوئی۔ ثواب یوں معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں کا صدیق اکبر کو کاذب و غیرہ سمجھنا

اس وجہ سے تھا کہ انہوں نے ان کی میراث نہ دی۔

چنانچہ حضرت عمرؓ نے بھی اس نہ دینے ہی کی تفریع میں یہ بیان فرمایا ہے۔
نور ایسا کہ کاذا الخ یواس صورت میں یہ توجیہ ہی غلط ہوگی کہ حضرت علیؓ کو صدیق اکبرؓ کے
بائو جہ کچھ کشیدگی تھی کہ وہ ان کی تولیت تک کے روادار نہ ہوئے۔ اور اس
کشیدگی ہی کی وجہ سے حضرت عمرؓ نے کہا کہ تم صدیق اکبرؓ کو کاذب سمجھتے تھے اور بائیمہ
جب میراث کے نہ دینے کی وجہ سے ان دونوں صاحبوں نے صدیق اکبرؓ کو کاذب
خان وغیرہ سمجھا، تو اب بجز اس کے سمجھ میں نہیں آتا۔ تدل سے کاذب وغیرہ سمجھا
ہو، کیونکہ کسی کی میراث کا نہ دینے والا بالیقین خان ہے۔ البتہ اگر اس حدیث میں
یوں مذکور ہوتا کہ ان دونوں صاحبوں نے صدیق اکبرؓ سے بھی تولیت ہی مانگی،
جیسا کہ حضرت عمرؓ سے مانگی تھی پر صدیق اکبرؓ نے تولیت سے بوجہ مذکورہ یا بوجہ
دیگر انکار کیا۔ تو یوں بھی کہنے کی گنجائش تھی، کہ تولیت کے نہ دینے میں کچھ ستم
نہیں، تولیت کسی کا حق نہیں، خلیفہ کو اختیار ہے، جسے چاہے اپنی سمجھ کے
موافق متولی کرے۔

جواب اول اب ان دونوں اعتراضوں کا جواب مجبوش سنئے۔ اول تو اگر ہم
فرض کریں کہ حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ نے تولیت ہی صدیق اکبرؓ سے طلب کی تھی
تب ان الفاظ سے کچھ اس کے مخالف اشاء اللہ تعالیٰ نہ نکلے گا۔ اور یہی الفاظ جو
حدیث میں مذکور ہیں طلب تولیت پر محمول ہو جائیں گے، گو ظاہر میں طلب میراث
ہی پر دلالت کریں وجہ اس کی یہ ہے کہ سابق میں معنی میراث کی تحقیق میں گذر چکا ہے
کہ میراث کے معنی حقیقی بھی قائم مقام ہونا ہے۔ پر اصطلاح فقہاء میں میراث بمعنی
مشہور میں مخصوص ہو گیا ہے۔

دوسرا جواب اور اگر معنی حقیقی نہیں تب اس میں تو کلام ہی نہیں کہ مجاز متعارف ہے
چنانچہ عوارث قرآنی میں بہت مواقع میں اسی معنی میں مستعمل ہے۔

اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ يُوقِظُهَا مَنْ يَّشَاءُ سَوَاءً اَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ وَبَعَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا

لَدُنْكَ الْاَكْثَرُ مِنْهُمْ وَلَمْ يَخْلُفْ

اور سوا ان کے اور بھی آیات میں یہی معنی مراد ہیں، اول دو آیتوں کا ترجمہ تو گذر چکا ہے۔
اور تیسری آیت کا حاصل یہ ہے کہ خداوند کریم ارشاد فرماتا ہے ہم زمین کے
وارث ہوں گے اور جو زمین پر رہنے والے ہیں ان کے بھی، اور ظاہر ہے کہ مجھے مشہور
خداوند کریم کسی کا وارث نہیں، الحاصل ان آیات میں میراث سے میراث بمعنی
قائم مقام ہونے کے مراد ہے۔ سو تولیت میں بھی یہی ہوتا ہے کہ متولی وقف کرنے
والے کا قائم مقام ہوتا ہے، اس صورت میں میراث کا من ابن اخیت اور میراث
امواتہ میں ایسا کہ یا تو یہ معنی ہوں گے کہ تم تو اس عباسؓ اپنے بھتیجے یعنی سرور
کائنات علیہ علی آذ فضل الصلوٰت کے قائم مقام ہونے کے اور ان کے ترکہ کے متولی
ہونے کے طلبگار تھے اور یعنی حضرت علیؓ اس ترکہ میں اپنے خسر یعنی سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم
کے قائم مقام ہونے کے خواستگار تھے۔

اس تقریر پر تو کلمہ من جو من ابن اخیت اور من ایسا میں ہے صلا میراث
ہوگا۔ اور مجموعہ صلا اور موصول کا حامل قائم مقام ہونا چلے گا۔ اور یا یوں کہیے۔ کہ
قائم مقام ہونا فقط لفظ میراث کا مدلول ہے اور لفظ میراث کا سلسلہ اگر ہے تو خود
ہے اور کلمہ من مذکور سبب یہ۔ اور حاصل مطلب یہ ہو کہ تم بھتیجے کی وجہ سے تولیت کے
قائم مقام ہونے کے طالب ہوئے اور حضرت علیؓ خسر کر کے طلبگار ہوئے یہ دو تو ہمیں
تو بایں نظر ہیں کہ میراث کے یہ معنی نہیں جواب معروف ہیں۔

تیسرا جواب اور اگر پاس خاطر شیعہ میراث کو باعتبار معنی حقیقی معنی معروف ہی میں
مختصر رکھیں اور پھر اس کو کسی دوسرے معنی کی طرف منقول بھی نہ کہیں، یا اس جگہ بجز
معنی معروف عوام کے اور معنی مستبعد معلوم ہوں۔ تب بھی یہ کلام معنی مذکور پر دلالت
کرنے میں کمی نہ کرے گا۔ ہو سکتا ہے کہ بطور تشبیہ حضرت عمرؓ نے طلبگاری تولیت کو
بوجہ استحقاق قرابت میراث فرمادیا ہو اور تو قرابت استحقاق جتنا کہ تولیت کے طلب کرنے کو

طالب میراث سے جو مقدار مشابہت ہے، ظاہر ہے اور یہ تو میراث ہی کی ہی بات ہے۔ جبکہ مادہ میراث کو معنی معروف میں مختصر نہ رکھئے، بلکہ بدستور معنی معروف غیر معروف میں عام سمجھئے چنانچہ ظاہر ہے باقی اس صورت میں اگر کوئی طالب قرینہ صارف ہے جو ارادہ معنی حقیقی سے روکے، تو اس سے زیادہ اور کیا قرینہ ہوگا کہ دو چار سطح ہی پہلے حضرت علی اور حضرت عباس کا اقرار گذرا ہے کہ واقعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اخورث ما ترکنا صدقہ

لیکن یہ بات قابل بیان باقی رہی، کہ تم نے مانا یہ تینوں تو جہیں مسیح اور حضرت علی اور حضرت عباس کو لیت ہی کے طلبگار ہوئے تھے طالب میراث نہ ہو تھے۔ لیکن صدیق اکبر کے اس جواب کو کہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا اخورث ما ترکنا صدقہ طلب تولیت سے کیا علاقہ؟ کیونکہ بالیقین اس حدیث میں میراث سے معنی معروف مراد ہیں، اس صورت میں اس سوال و جواب کا وہی حال ہوگا جیسا مشہور ہے کہ سوال از آسمان جواب از زمین، یا جیسے مثل مشہور ہے کہ زمین کی کہیں تو آسمان کی سینیں، اس لئے ہیں اور بھی تکلیف اٹھانی پڑی غیر معنی۔ برسرِ فرزند آدم ہر چہ آید بگذرد۔ اس تحریر کے مشغلہ کی کلفت بھی آخرتاً، اللہ تبارک و تعالیٰ ہونے والی ہے۔ سو چشم انصاف اور بگوش ہوش دیکھے اور سنئے کہ یہ جواب سوال مذکور کے کس طرح مطابق آتا ہے۔

جناب من جواب دو طرح کے ہوتے ہیں ایک مطابق، دوسرا التزامی، مطابق کے معنی تو یہ سمجھئے کہ اس کلام کے معنی مطابق عین جواب ہو۔ اور جواب التزامی کے ہماری اصطلاح میں یہ معنی ہیں کہ اس کے معنی مطابق کو اقرار یا انکار لازم ہو۔ اس جواب کو در صورتیکہ حضرت علی اور حضرت عباس کی طرف سے طلب میراث جیسے معروف نامور میں آتی جہنم جواب مطابق سمجھنا چاہیے۔ گو حقیقت میں التزامی ہے۔ کیونکہ ان الفاظ میں سے کسی کے معنی مطابق یہ نہیں کہ میں دوں گا یا نہ دوں گا بلکہ

جو کہ اس جواب سے انکار سیاسی ظاہر ہے، جیسے یوں کہہ دیتے ہیں کہ میں نہیں دیتا اس لئے اس جواب کو میراث ہی کے مطابق سمجھئے۔ اور در صورتیکہ حضرت علی اور حضرت عباس طالب تولیت ہوتے ہیں تب اس جواب کو جواب التزامی سمجھئے۔ اس لئے کہ اس صورت میں اس کے یہ معنی ہوں گے کہ تمہارے متولی کر دینے میں یہ اندیشہ ہے۔ مہاد حضرت فاطمہ کے طلب میراث کے قرینے سے خلائی کے یہ ذہن نشین نہ ہوگا کہ نہیں جو دیا ہے تو بطور میراث دیا ہے

اور پھر رفتہ رفتہ یہ بات منقول ہوتی ہے یہاں تک کہ تمہارے ہمارے بعد اس میں تصرفات مالکانہ ہونے لگیں۔ اور آگے جو پیدا ہونے والے ہیں اس کو میراث سمجھ کر بانٹ بونٹ برابر کریں حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اخورث ما ترکنا صدقہ ہر چند بعد اس تقریر کے اس ایک جواب کے دو مختلف سوالوں پر مطابق آنے میں کسی بلیدی کو تامل ہے تو رہے مگر بنظر احتیاط و مزید توضیح ایک مثال مرقوم ہے، اگر کوئی بادشاہ کسی امیر کی جاگیر اس کے انتقال کے بعد ضبط کر کے کسی افسر کو یوں حکم دے کہ تم بطور خود لوگوں کو نوکر چاکر رکھو کہ اس کا انتظام کر لو تو اگر اس امیر کی اولاد جس کی جاگیر ضبط ہوتی ہے کسی درجہ سے یوں سمجھتے ہوں کہ یہ جاگیر دوام کے لئے تھی۔ اور اس افسر کے اچانک نظم و نسق کو دیکھ کر اس سے یوں کہیں کہ یہ جائداد تو ہماری ہے تم اسے کیوں دباتے ہو، لازم یوں ہے کہ اسے ہمارے حوالہ کر دو، تو اس کا یہ جواب کہ بادشاہ نے اس جاگیر کو ضبط کر لیا ہے تمہیں نہیں مل سکتی، جیسا صحیح ہے، ویسا ہی اس صورت میں بھی صحیح ہے کہ اس امیر کی اولاد اپنی جاگیر کے ضبط ہونے سے مطلع ہو، پر بضرورت طلب معیشت اس افسر سے اس بات کے ملتی ہو کہ تم آخر کسی نہ کسی کو اس کے انتظام کے لئے نوکر رکھو گے اگر ہمارے ہی ہاتھوں اس کا انتظام کرنا تو ہم اس کا استحقاق بھی رکھتے ہیں۔ میسر مستحق کی اولاد ہیں۔

مگر اس صورت میں اور اس صورت میں امتزاج ہوگا کہ اس صورت

کے تکیان پر نہ شرمائیں تو خود شہر و کائنات علیہ السلام کے تکیات کو بجا
 باری تھلا لیں اور ارشاد فرماتے ہیں **وَأَذْكُرُ بَيْنَكَ أَفْعَالِيكَ** یعنی یاد کرنا ہے کہ
 جب بھول جایا کرے، اس سے صاف امکان نیاں بہ نسبت پیغمبر اکرم ﷺ
 علیہ وسلم ثابت ہے، بلکہ شان نزول اس کا یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
 نے کفار سے ایک بات کا وعدہ کیا کہ کل تباؤں کا، اتفاق سے انشاء اللہ کہنا بھول
 گئے، اس پر خدا کی طرف سے نصیحت ہوئی۔
 معتمد کتب صحاح شیعہ مثل کافی کلینی اور تہذیب ابو جعفر طوسی میں اس بات
 صحیح سے مروی ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز میں سہو ہوا اور چار رکعت
 کی بجائے فقط دو ہی ادا کیں، پھر جب سرور مرسلین صلی اللہ علیہ وسلم جمعین کو
 امور دینی میں سہو ہوتا ہو تو حضرت علی کو امتی ہی ہیں، الحاصل ظاہر الامکان یہ بات ہے
 کہ حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما کو باوجود حدیث مذکور کے اپنے کمالی
 سے سن لینے کے سہو واقع ہوا ہو، اور وقت پر یاد دل ہوا، اور وجہ بھی ظاہر ہے کیونکہ
 میراث کا قصہ تو ایسا عام ہے کہ سارا جہان اس میں شریک، حسب عادت ہی فوج
 اگر طلب کر بیٹھے ہوں تو کیا بعید ہے۔
 لیکن جب صدیق اکبر نے یاد دلایا، تب یاد آگیا اسی واسطے حضرت عمر نے جب
 دروں کو متولی کر دیا تو حضرت علی نے حضرت عباس کا قبضہ اٹھا دیا، ورنہ متروکہ نبوی
 میں حق میراث سمجھتے، تو گو حضرت عمر نے متولی کر کے دیا تھا، حضرت عباس کے
 قبضہ کو اپنے قبضہ سے مقدم سمجھتے، اس لئے کہ وہ حقیقہ وارث تھے اور حضرت علی خود
 وارث نہ تھے حضرت فاطمہ کی طرف سے وکیل تھے، پھر اپنی خلافت میں سب حقداروں
 کو ان کا حق پہنچاتے، ازواج مطہرات کو ازواج مطہرات کا حصہ بانٹ دیتے حضرت
 عباس کی اولاد کو ان کا حصہ الگ کر دیتے، چونکہ اپنی خلافت میں گیارہ سو سال قبل رہے
 دیا، اور تقسیم نہ کیا، اور کسی کا حصہ نہ دیا، چنانچہ بحوالہ جماع غریبین مرقوم ہو چکا ہے تو
 پھر بجز اس کے اور کوئی صورت نہیں کہ حضرت صدیق اکبر کے یاد دلانے سے بات یاد

آگئی۔ اور اس لئے حضرت عمر کے سامنے اقرار کیا۔
 صدیق سے علم دین عم کی باقی رہی یہ بات کہ اس صورت میں پھر صدیق اکبر کی طرف سے
 بگڑائی کا وجہ بشریت ہے ہدگانی کی کوئی صورت نہیں، جو حضرت عمر نے یوں فرمایا کہ تم
 ابو بکر کو کاذب آتم وغیرہ سمجھتے تھے۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ بمقتضائے بشریت
 چنانچہ مرقوم ہوا، اوپر کے دل میں کہ وہ بیگاہ یہ خیال گذرا ہو کہ ہر چند یہ حدیث صحیح ہے
 لیکن پھر استحقاق تولیت میں ہی تھا۔ بانیہم جو صدیق اکبر نے قبضہ رکھا ہے تو ہونہو
 کچھ دل میں کالا ہے۔ اور یہ خیال پیرائے حال سے یا کسی قال سے حضرت عمر کو مترج ہوا
 ہو اس لئے انہوں نے بطور تنبیہ و شکایت ان کے منہ پر کھدیا، اور اس لئے انہوں نے
 بنظر انصاف سکوت فرمادیا، واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔
 اس تقریر کے بعد امید یوں ہے کہ جن کو خداوند کریم نے عقل سلیم عطا فرمائی ہو
 اگر کسی نابکار کی صحبت سے بڑھ بھی ہیں تو راہ پر آجائیں، اور چونہ آئیں تو اپنا سر کھائیں۔
مَنْ يُضِلُّ اللهَ فَلَا هَادِيَ لَهُ اب الحمد للہ کہ جمیع امور متعلقہ حدیث صحیح مسلم کے
 بیان سے فراغت پائی، لازم یوں ہے کہ بقیہ خلافات خط مولوی صاحب کا کبھی
 جواب دندان شکن جو مولوی عمار علی صاحب اونیز دیگر پیشوایان شیعہ کے دانت کیسا
 توڑے۔ منہ ہی سی دیئے انشاء اللہ بیان کے صفحہ قرطاس اور قلم و دوات کو ہاتھ سے دھر
 دیجئے۔ اس لئے التماس یوں ہے کہ آگے مولوی عمار علی صاحب کی قسم فرماتے ہیں
 اور صحیح بخاری میں کھلے کہ جس وقت ابو بکر نے فدک کے دینے سے انکار کیا۔
 فاطمہ ہر اس پر غبنگاہی ہوئی اور تمام عمر بھر کبھی اس سے کلام نہ کیا۔ اور صحیح مسلم میں
 کھلے کہ فاطمہ نے وقت مرنے کے وصیت کی، کہ ابو بکر اور عمر میرے جنازہ پر نہ آئیں انہی
 یہ خط کی آخری عبارت ہے۔ اور یہاں مولوی صاحب کی ترکی تمام ہوئی مگر
 اہل فہم پر پوشیدہ نہ رہے گا کہ بعد ثبوت مضامین مسطورہ بالا خصوصاً اشارہ آیت
يُوصِيكُمُ اللهُ (در بارہ مستثنیٰ ہونے سے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم حکم میراث سے)
 اور صراحت آیت **خَالِفَاكُمُ اللهُ** (در بارہ وقف ہونے فدک وغیرہ اموال فائے کے)

حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کا ذکر ان میں ہے۔
 آنحضرت کی امت ساجدین قرآن رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو مانا کلام اللہ کے
 ثابت ہونے پر اہل سنت کے نزدیک تو یہ بات لاریب مسلم ہے، اور اس کے خلاف
 کسی دلیل عقلی یا نقلی سے آج تک کوئی بات ان کو ثبوت کے ساتھ نہیں پہنچی اور کچھ
 پہنچے؟ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کا دوبارہ ہم قرآن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 کا حجاج ہونا اظہر من الشمس ہے، محتاج دلیل نہیں، اس کے خلاف کا غلط ہونا بھی
 کسی کے نزدیک روشن نہیں، پھر اگر کسی آیت کے ہم میں بسبب اس کے کہ اس کی تفسیر
 زبان گوہر زہرا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ سنی ہو فی الجملہ غلطی ہو جائے اور اس کے
 کسی اشارہ مخفی کو سمجھیں تو اہل انصاف فرمائیں کہ اس کی کیا حال ہو؟
 علیٰ ہذا القیاس اگر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بلکہ آج کل کوئی شخص اہل ہم میں
 سے اس اشارہ مخفی کو، جو حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا سے رہ گیا ہو، تہنید نسبت
 و تفسیر نبوی سمجھ جائے تو کیا قباحیت ہے؟ نہ اس بات سے کچھ کسر شان حضرت زہرا
 رضی اللہ عنہا لازم آتی ہے۔ اور نہ اس وجہ سے دوسروں کو ان پر فوقیت
 ہو سکتی ہے۔
 اگر کسی ایک بات جاننے سے کسی کو فضیلت اگر ایک بات کے سمجھ لینے سے کچھ والوں کو نہ سمجھنے
 ہو تو حضرت خضر حضرت موسیٰ افضل مرتبے والوں پر فوقیت ہو اگرتی، تو حضرت خضر کو حضرت
 موسیٰ علیہ السلام پر فوقیت ہوتی۔ کیونکہ کشتی کے ٹوڑنے اور لڑکے کے قتل کرنے کی وجہ
 باوجود نیک یہ سب حضرت خضر نے بام خداوندی کیا تھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نہ سمجھو،
 اور حضرت خضر ان سب کے وجہ جانتے تھے، چنانچہ و اتقان کلام ربانی جانتے ہیں حالانکہ
 مذہب صحیح یہی ہے کہ حضرت خضر بنی تھے اور اگر تھے بھی تو ہر جامع امت حضرت موسیٰ
 علیہ السلام حضرت خضر علیہ السلام سے افضل ہیں۔

ادھر حضرت داؤد علیہ السلام کا کھیتی کے مقدمہ میں غلطی کھانا، اور حضرت
 سلیمان علیہ السلام کا حکم خداوندی کا سمجھ جانا معروف و مشہور ہے، اور قرآن میں مذکور حالانکہ

ایمان وقت یہ تصدیق پیش آیا۔ اس وقت حضرت داؤد پیغمبر وقت تھے، اور پیغمبر بھی
 اچھے اولوالعزم، اور حضرت سلیمان حبیب تک بنی ہوئے تھے اور نہ امام تھے۔ اور
 باہم صغیر السن، کیونکہ وقت وفات حضرت داؤد علیہ السلام حضرت سلیمان علیہ السلام
 کی عمر کل بارہ برس کی تھی جب یہ تصدیق پیش آیا۔ جب تو اور بھی چھوٹی عمر ہوگی پھر جب
 حضرت داؤد علیہ السلام (حالانکہ بنی وقت اور رسول اولوالعزم تھے، ایک مسئلہ میں غلطی کریں
 اور ایک لڑکا کو عمر بات صحیح کہہ دے،

تو اسی طرح حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا اگر ایک اشارہ بے تعلیم نہ سمجھیں
 وہ بھی آیت جو میںکمہ اللہ کا اشارہ، جو جملہ آیات قرآن مجید ہے، جس کا ہم کامل مجتہد
 تعلیم و تعلیم سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم ممکن نہیں، چنانچہ معلوم ہو چکا، اور حضرت صدیق
 اکبر بلکہ آج کل کے پڑھنے لکھنے والے جو کسی طرح حضرت فاطمہ بلکہ ان کے چاہنے والوں کے
 سنگ در کے برابر نہیں ہو سکتے، جو تہ تعلیم نبوی سمجھ جائیں تو کچھ حرج نہیں، علیٰ ہذا القیاس
 ممکن ہے کہ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کو اول فدک کا فئے ہونا نہ معلوم ہو کیونکہ ایسے قصے اکثر
 مجاہدین اور غامض کو معلوم ہوتے ہیں، اور بایں ہمہ آیت ما افاد اللہ سے بھی اگر ارضی فئے
 کا غیر ملوک ہونا بتا مل ہی سکتا ہے، چنانچہ ناظرین وجہ مسطورہ بالا پر وجود بارہ تحقیق
 غیر ملوک ہونے اراضی فئے کھٹے گئے ہیں، پوشیدہ نہ رہیگا۔

اور اس نہ سمجھنے اور اس بے علمی کے باعث بعد وفات سرور کائنات علیہ و علی
 آلہ افضل الصلوات و اکمل التحیات حضرت صدیق اکبر سے طلب میراث ہوئیں۔ کیونکہ
 جب تک اشارہ وجہ اراضی فئے دوسری اور اشارات مذکورہ پر اور علیٰ ہذا القیاس وجہ
 غیر ملوک ہونے اراضی فئے پر جو آیت ما افاد اللہ کے پس و پیش کو مستنبط ہیں نظر نہ ہو تب تک
 ظاہر آیت جو میںکمہ اسی طرف ہے کہ پیغمبر آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم بھی حکم میراث
 میں شریک امت ہیں۔

ستینے سماج حدیث کے بعد اگر جب صدیق اکبر نے حدیث پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سنائی
 نہامت کے سبب بت جیت بند کیا، ہوتا تب اس طلب گاری سے ایک گونہ نہامت اور رنج حال

ہوا ہونے کیونکہ انبیاء اور مرسلین اور صدیقین کو لازم ہے کہ اگر کوئی بے اعتباری ان سے ظہور میں آئے تو بعد اطلاق اس پر ہدایت ہو کرے، چنانچہ حضرت آدم کا گھوٹ لکھا لینے پر نادم ہوا، اور علیؑ ہذا القیاس حضرت نوح علیہ السلام کا دعائے جہالت فرزند سے نادم اور شیمان ہوا، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قتل قطبی سے شرمندہ ہونا، خود قرآن میں موجود ہے۔

اور اس ندامت کے باعث حضرت صدیق اکبرؑ سے ربط و ضبط میں فریق آگیا ہو، اور ملنا جلنا بدستور سابق نہ رہا ہو نہ یہ کہ ملے پر بھی کلام و سلام کی نوبت نہ آتی ہو، کیونکہ اس طرح کی تہارت تین دن سے زیادہ حرام ہے۔ چہ جائیکہ تمام عمر؟ وہ بھی ایسے مسلمانوں میں، بہر حال ترک کلام میں جو بعض روایات میں ہے، اہلسنت کے نزدیک حضرت فاطمہؑ کی طرف کچھ حرف نہیں۔

سابق حدیث کے بعد سیدہ کلم اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ اس کلام نہ کرنے سے یہ مراد ہے کلام کی حاجت ہی نہ رہی۔ کہ جب حدیث لاخوذ نہ سن لی، تو پھر فہم کے مقدم میں کچھ ہون و چرا نہیں کی، اور صدیق اکبرؑ کے چھوڑ دینے سے یہ مراد ہے کہ چیخے ہو کر اپنے گھر میں بیٹھ رہیں۔ اور حدیث مذکورہ سن لینے کے بعد پھر ان کا بیچا نہیں لیا، اور کیونکر لیں؟ اگر ایسا ہو تو حضرت فاطمہؑ اور دنیا داروں میں کیا فرق رہا، مگر حضرت صدیق اکبرؑ کا فاضل و محبت و اعتماد و نیاز مندی و انقیاد اس نہ ملنے کو غصہ پر محمول کر کے، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے در دولت پر حاضر ہوئے ہوں، اور علیؑ ہذا القیاس اور لوگ بھی اسے غصہ ہی سمجھتے ہوں، اور اس لئے صدیق اکبرؑ نے حضرت علیؑ رضی اللہ عنہ کو سفارش کے لئے اندر بھیجا ہو، اور حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا نے تسکین صدیق اکبرؑ کے لئے اٹھ کر درخشا اور خوشی کر دیا ہو۔

وَجَدَتْ شَكَّ لَفْظِ تَشْرِيعٍ | باقی کہیں کے دل میں یہ ظہان رہے کہ روایات میں تبصرع مذکور ہے کہ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا صدیق اکبرؑ سے غصہ ہو گئیں۔ تو اس کا جواب ہے کہ اول تو روایات صحیحہ مثل روایات مسلم و بخاری میں فَوَجَدَتْ فَاطِمَةُ واقع ہے

اور وَجَدَتْ بدل کیا مجھے غصبت ہے جو غصہ پر دلالت کرتا ہے ویسا ہی مجھے کینشت بھی ہے جو مزین و غم پر دلالت کرے۔ چنانچہ قاموس وغیرہ کتب لغت نایاب نہیں، جیسے تامل ہو دیکھ لے۔ پھر کوئی ضرورت ہے کہ وَجَدَتْ مجھے غصبت ہی لیجئے۔ اور خواہی خواہی حضرت فاطمہؑ کا غصہ ثابت کیجئے

وَجَدَتْ کے مد پر بحث | اور اگر کوئی دبی یوں تکرار کرے کہ ہم نے ملنا وَجَدَتْ دونوں معنوں میں مستعمل ہوتا ہے، لیکن اس کے بعد اگر کلمہ علیؑ ہوتا ہے تو غصہ ہی کے معنی ہوتے ہیں، ہاں اگر اس کے صلہ میں حرف ہا واقع ہو تو پھر مجھے حزن کی گنجائش ہے مگر اس مقام میں بعد وَجَدَتْ صحیح مسلم میں فقط علیؑ ابی بکر ہی واقع ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں وَجَدَتْ مجھے غصبت ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہر شخص اپنے عندیہ کے موافق دوسرے کے کلام کے معنی سمجھتا ہے، اسی واسطے روایت بالمعنی، اول تو ہر کسی کی مقبول نہیں، اور مقبول بھی ہو تو ہم پائے روایت باللفظ نہیں، کیونکہ ممکن ہے کہ حقیقت الامر کچھ اور ہو، اور راوی کچھ اور سمجھ گیا ہو۔

آخر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حضرت خضر علیہ السلام کے ساتھ ہی معاملہ پیش آیا، اور اپنے معاملات میں اگر آدمی تامل کرے تو اکثر ایسے قصے پیش آتے ہیں۔ سو ممکن ہے کہ کہنے والے نے فقط وَجَدَتْ فاطمہؑ کہا ہو اور سننے والے نے بایں خیال کہ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی کیندگی کو جو درحقیقت بوجہ ندامت تھی، بوجہ غصہ سمجھ رہا تھا، وَجَدَتْ کو مجھے غصبت محمول کر کے روایت کے وقت روایت بالمعنی کی ہو اور اپنی سمجھ کے موافق لفظ علیؑ ابی بکر بھی زیادہ کر دیا ہو بہر حال جب تک احتمالات صحیحہ پیدا ہو سکیں تب تک اہل عقل کو لازم نہیں ہے کہ اہل کمال کی طرف سے بدگمان نہ ہوا کریں۔

اہل کمال کے کلام کا وہ محل تلاش | جناب باری تعالیٰ نے جو حضرت موسیٰ اور حضرت خضرؑ کیا ہے۔ جس سے حسن ظن قائم ہے۔ علیہ السلام کا سورہ کہف میں بیان کیا ہے جس میں حضرت خضرؑ کا ان طلاحوں کی کشتی کا ٹوڑنا، جنہوں نے ان کے ساتھ احسان کیا تھا۔ اور

جئے لئے ذیہ ان کو پار آ مار دیا، اور بے گناہ صغیر السن لڑکے کو قتل کر دینا۔ اور حضرت
موسے علیہ السلام کا ان دونوں پر اعتراض کرنا منکر ہے۔ اس کے بیان کرنے میں ایک عجیب
حکمت ہے کہ مردمان کوتاہ بین کو اگر نزرگان دین کا کوئی اختلاف عقل یا نقل نظر آئے تو اپنی
نظر کا تصور سمجھیں اور ان کی نسبت گمان فاسد نہ کریں۔

علیٰ ہذا القیاس پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ظَنُّوا الْمُؤْمِنِينَ خَيْرًا فَرَمَا
ہے تو اس سے بھی غرض یہی ہے کہ اگر تمہاری نظر میں کسی مومن کا کوئی کام خلاف
شرع نظر آئے، تو گواہ میں روک ٹوک کرو۔ تاکہ اگر واقع میں برا ہو تو اس کا انسداد ہوگا
پردل سے بدگمان نہ ہو، اپنی طرف سے نیک ہی گمان کرتے رہو، نہ یہ کہ اچھے کاموں کو
اچھا سمجھو، کیونکہ اچھے کاموں کو ہر کوئی خود بخود اچھا سمجھتا ہے حکم کی کیا حاجت تھی؟ اس تقریر
سے اگر کسی کے جی میں یہ ردگ بھی ہوگا، کہ ان احتمالات سے کیا کام چلنا ہے۔ ظاہر میں جو
کچھ سمجھ میں آئے، ہم تو جابن وی بات ٹھیک ہوگی، تو انشاء اللہ رفع ہو جائے
گا، بہر حال گویہ احتمال بہت سے نظر آتے ہیں مگر عقل سلیم ہو تو پایہ تحقیق سے کم
نہیں، کیونکہ مناسب حال حضرت فاطمہ اور حضرت صدیق اکبر یہی ہے بمعہذا منصب
دعوئے مسلمان صدیق اکبر کی طرف سے اور ظاہر ہو کہ دلیل مدعی حبیبی مفید مطلوب ہے
ہے کہ کوئی احتمال خلاف مطلوب نہ بن سکے، ورنہ مدعا علیہ کی فقط ایک لائسم میں شیخ علی
کاٹھر بنایا دھ جائے گا۔ سو اگر دشمنان صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو یہ منظور ہو کہ فقط
وحدت اور قصہ مندرجہ روایات سے حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کا غصہ ہونا ثابت
کریں، تو اول ان احتمالات کو باطل کریں۔ جب اس طریق سے اپنی عاقبت خراب
کرنے کا ارادہ کریں۔

سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے جو غلطی آزرہ ہوئیں اور ہم نے مانا حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا
اس مقدمہ میں حضرت صدیق اکبر سے آزرہ خاطر ہوئیں۔ لیکن اس سے حضرت
صدیق اکبر کا قصور وار ہونا کہاں سے ثابت ہوگا نہایت متناہت ہو تو یہ ہو، کہ حضرت
فاطمہ زہرا جو غلطی صدیق اکبر کو قصور وار سمجھ کر ان پر غضبناک ہوئی ہوں۔ سو ایسا با

اوقات انبیاء و مرسلین کو بھی باہم ہیں انہیں حالانکہ وہ با یقین معصوم ہیں،
جب جائیکہ صدیق ہ حضرت ہارون علیہ السلام کھڑے ہو پوچھنے کے مقدمہ میں بے قصور
ہونا کلام اللہ سے ثابت ہے۔ اور پھر اس ہر حضرت موسے علیہ السلام کا ان پر غصہ ہونا،
یہاں تک کہ حضرت ہارون علیہ السلام کی وارثی اور سر کے بال کھینچنے تک کی نوبت آئی
خود کلام اللہ ہی میں موجود ہے، سو جیسا حضرت ہارون تو یوں بے قصور کہ وہ بے قصور
تھے ہی، اور حضرت موسے علیہ السلام کو یوں کچھ نہیں کہہ سکتے ہیں، کہ وہ اپنے عندیہ
میں بے جا غصہ نہیں ہوئے تھے۔

حضرت موسے غلطی نے حضرت ہارون پر لایا ہوا، بلکہ بایں نظر کہ ان کا بڑے بھائی پر غصہ ہو
کا کوئی منصب نہ تھا، اگر خدا واسطے کی بات نہ ہوتی تو حضرت ہارون ان کا غم بھی کرتے
تو نہ مارتے، چہ جائیکہ یوں دست و گریباں ہونے کی نوبت آئی، پر مسلمان کو یقین ہے
کہ حضرت موسے علیہ السلام کو اس غیظ و غضب میں اجر عظیم ملے، اب لازم یوں ہے کہ
اسی طرح حضرت فاطمہ سیدۃ النساء اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہما کی باہم بخشش اور بخشش
کو سمجھئے، اور دونوں کو اس مقدمہ میں بے قصور اور دونوں کو ماجر سمجھئے، اور ہم نے اسی دن
کے لئے اس کی تحقیق آیت محمد رسول اللہ الخ کے ذیل میں بخوبی کی ہے، اگر کسی کو زیادہ تر
تسلکین مد نظر ہو تو پلٹ کر دیکھئے۔

بالفرض اگر صدیق ہی کی غلطی اور اس سے بھی درگزر کیجئے، ہم کہتے ہیں شیعوں ہی سچ فرماتے ہیں
تھی تو توبہ کر لی (کتبہ شیعہ) صدیق اکبر ہی قصور وار تھے۔ لیکن جب انہوں نے توبہ کر لی
تو پھر کیا گناہ باقی رہ گیا؟ جو شیعوں کی زبان نہیں سمجھتی، ہم کہتے ہیں انہوں نے التائب من الذنب
کن لا ذنب لہ، ہاں توبہ کرنے کا ثبوت اگر مد نظر ہو تو یہ بات مقبول۔ لیکن ہم سند
بھی ایسی رکھتے ہیں، جسے شیعہ سلنا سلنا کہتے کہتے تھک جائیں۔ اور برسر و چشم
رکھتے رکھتے مر جائیں۔ شیخ ابن مہر علی۔ منہج الکرامت میں یوں ارشاد فرماتے
ہیں لَمَّا وَعَظَتْ فَاطِمَةُ أَبَا بَكْرٍ فِي فِدَاكَ كَتَبَ لَهَا كِتَابًا وَرَدَّهَا عَلَيْهَا أَيْ جَبَّ
حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے صدیق اکبر کو فدک کے مقدمہ میں وعظ و نہد کیا تو انہوں

چنانچہ حضرت مولوی صاحب نے بھی اس بات کو نامہ لکھی میرا دل چاہتا ہے
اپنا نامہ یہاں کیا ہے۔ محض یہاں اور بے موقع ہے، دوسرا قانون یہ ہے کہ حضرت صاحب
نے فدک کی آمدنی میں سے ایک حصہ تک نہیں چھوڑا، بلکہ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا
عہدہ کے خرچے سے جو کچھ بچا، فقرا وغیرہم کو دے دلا دیا۔

سو معلوم ہوا کہ فدک کے نہ دینے میں کوئی غرض دنیاوی نہ تھی، نہ کسی
صلی اللہ علیہ وسلم سے اس باب میں بیشک کچھ سن لیا تھا، جو یاد جو اس سے غرضی اور
بے طمعی کے حضرت فاطمہ زہرا کو نہ دیا۔ ان دونوں فائدوں سے نتیجہ یہ نکلا کہ حضرت ام المومنین
اور حضرت علی کی گواہی کا قہر شیعوں کا ڈھکوسلا بنایا ہوا ہے۔ کیونکہ گواہوں کا سوا کچھ
تو جب ہی ہوتا ہے کہ مدعی کی طرف دروغ کا احتمال ہو۔ ہاں اگر اپنے آپ بخود بروکرا
مد نظر ہوتا تو یوں بھی کہنے کی گنجائش تھی کہ یہ فقط ٹال ٹلاؤ تھی، مگر بدگمانوں کو اب بھی
شاید یہ گمان ہو کہ اول مذہب ہی مد نظر ہوگا۔ اور اس وقت گواہ بھی طلب کئے ہوئے
انجام کا رخصتے تھے یا اندیشہ سلامت خلق سے حضرت دہرا کے پاس ماکراہی بات کہنے
بنانے کے لئے یہ حیلہ برپا کیا ہو۔ سو اس کا جواب اول تو یہی ہے کہ

رع۔ بدگمان دہم کی دارو نہیں لقمان کے ہاں
دوسرے ہم نے تسلیم کیا یونہی تھا۔ لیکن غصب فدک اگر ہوتا تو حضرت زہرا
رضی اللہ عنہا کی ناخوشی کی وجہ سے برا تھا۔ جب وہ راضی ہو گئیں تو شیعوں کو رنج کیون
ہے؟ مگر اس صورت میں بوجہ مخالفت حضرت زہرا کچھ انھیں پر وہاں پہنچے تو پڑے،
حضرت صدیق کو تو خدا نے بچا ہی لیا تیسرا فائدہ یہ ہے کہ فدک تاجین حیات سدر
کائنات علیہ وعلیٰ آلہ افضل الصلوات و اکمل التیمات ہی کے قبضہ و تصرف میں رہا مقرر
فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا اور ذخیل ہوئی تھیں، ورنہ صدیق اکبر کی اس بات کے جواب
میں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یوں دیکھا ہے کہ تمہیں تمہارا خرچ اور محصول
کی محسلی دیکر فقر و غریب کو بانٹ دیا کرتے تھے، یوں نہ تو تمہیں کہ اچھلیوں ہی گیا کرو، بلکہ
اپنا قبضہ جتاؤں، جہاں سو، وہاں سوائے،

جب نبی کا دعویٰ کیا، حالانکہ یہ ایک ضمنی بات ہی ہو گئی تھی نہیں جان سکتا
تو قبضہ تو کھلی بات ہے، اس کے دعوے میں کیا دشواری ہے۔ مگر کے دشمن ہی گواہ
تھے، اس کے تو ہزاروں محل آتے۔ چوتھا یہ کہ صدیق اکبر کے دل سے بھی چاہتے تھے
کہ فدک سیتہ النساء کے پاس چلا جائے۔ اور ان کی خاطر مبارک پر کسی طرح میل
نہ آئے ورنہ ان کو ان کے ناخوش ہونے میں کیا دشواری تھی؟ اور ان کے خوش کرنے
کی کیا ضرورت ہوتی؟ اور یہ پہلے آیت محمد رسول اللہ کے ذیل میں ثابت ہو چکا ہے۔ کہ
طالب رضا بجز محبت اور کوئی نہیں ہوتا، اور اگر کوئی یوں خیال کرے کہ یہ سارا معلق
اور ظاہر داری فقط دفع بدنامی کے لئے تھا تو اول تو لفظ کبر ذالک علیہ فاراد
استروفاء ہوا، جس کے یہ معنی ہوئے کہ حضرت فاطمہ کا ناخوش ہو جانا انہیں بھاری
پڑا، اور ان کے راضی کرنے کا ارادہ کیا۔ خود اسی بات پر دلالت کرتا ہے کہ واقعی ابوہریرہ
کو یہ بات بہت شق تھی، اور اسی واسطے ان کے راضی کرنے کی فکر میں تھے۔

دوسرے اگر بدنامی کا اندیشہ تھا تو غافلین سے تھا موافقین تو بہر حال
ان کی طرف سے مطمئن ہیں۔ کیونکہ جانتے ہیں کہ اول تو فدک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کا مملوک نہ تھا۔ پھر تو کہ نبی میں میراث نہیں چلتی مگر غافلین نے اب کو کسی کمی کی؟
جو راضی کر کے ان کی زبان بند کرنا چاہتے تھے۔ سو اس سے بہتر تو یہی تھا کہ جب اپنے
آپ لینا مد نظر نہیں تو حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے حوالے کر دیتے، اس عقل و
دلی پر کہ موافق مخالفت ہندو مسلمان یہود و نصاریٰ سب قائل ہیں۔ ایسی حرکت
ان سے تصور میں نہیں آتی شیعوں جیسے کم عقل ہوں تو مضائقہ بھی نہ تھا بلکہ نقل
سلیم اس روایت کو دیکھ کر صدیق اکبر کے صدق و دیانت پر شاید ہے۔ اور نا یقین ان
کو اس مقدمہ میں بری الذمہ سمجھ کر ان کی طرف سے معتذر رہے۔ کہ در صورت صحت روایت
میں فدک بلکہ بہر صورت جو صدیق اکبر نے فدک دینے میں آمادگی کی۔ حالانکہ حضرت سیدۃ
النسا کا یہ منصب نہ تھا کہ کسی طرف ان کا گوشہ خاطر مائل ہو۔ اور پھر اس کے موافق
نہ ہو تو یہ وجہ نہیں ہوئی کہ صدیق اکبر کو ان کی دفعہ کی کچھ پروا ہی نہ تھی۔ ورنہ اس کے

یہاں سے ہے کہ دیا دار صاحب اختیار ہو کر حضرت فاطمہ کی ناعومی سے بکھڑا ہو گیا ہو یا ان کا رنجیدہ ہو جانا ان پر شاق ہو؟ بلکہ نہ دل سے ان کی بغاوت کے خواہاں تھے پھر بایں ہمہ جو فدک نہ دیا۔ حالانکہ اپنے لئے بھی نہ رکھا تو میرا اس کے اور کچھ نہیں کہ کسی حکم خداوندی کی پابندی اور تابعداری پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی ناچاری تھی اور مصلحتیں دینی و دنیوی کی رعایت تھی۔

سو پابندی خداوندی کا تو یہ حال ہے کہ آیت یوسف علیہ السلام اور آیت عاقۃ اللہ خود اسی بات پر دلالت کرتی ہیں۔ چنانچہ معلوم ہو چکا اور اطاعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی یہی ہے کہ خدا کی اطاعت کی جائے۔ سو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لاخورت عاتر کناہ صدقہ فرمایا ہو اور زیادہ اس کی تصدیق کی وجہ یہ ہے کہ اس کے مصدق اور اس کے موافق روایتیں شیعہوں کی معتبر کتابوں سے نقل بھی ہوئی ہیں۔ اور مصلحتوں کی یہ صورت ہے کہ اول تو احکام خدا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سرایا حکمت اور مصلحت ہی ہوتے ہیں۔ ماسوا اس کے اگر صدیق اکبر پیاس خاطر حضرت زہرا رضہ فدک ان کے حوالہ کر دیتے۔ اور در صورت صحت روایات ہبہ فدک اس بات کی رعایت نہ کرتے کہ یہ ہبہ دعوئی ہے۔ کوئی دستاویز کامل نہیں، کیونکہ حضرت علی اور حضرت ام ایمن بلکہ ان کے ساتھ حسین رضوان اللہ علیہم اجمعین کی بھی گواہی موافق قانون خداوندی قابل اعتبار نہیں۔

تو اول تو عام و خاص کے دل میں یہ بات نہ نشین ہو جاتی کہ خلیفہ سب مستفیضوں کو برابر نہیں سمجھتے۔ رواداروں کو بے ثبوت بھی کامیاب کر دیتا ہے۔ اور سوا ان کے ادروں سے قرار واقعی مجتبیٰ طلب کرتا ہے۔ اور واقعی یہ بات شیعہ انصاف سے بہت بعید ہے۔ معہذا باعث تفرغ خلاق اور درجی امور خلافت جو موجب انظامی دین ہے۔ ہو جاتا اور پھر یہ آگ ہرگز بجھائے نہ جیتی، اور اگر بالفرض استحکام خلافت میں کچھ فرق نہ تھا تو یہ وبال کس کی گردن پر رہتا کہ قیامت تک حکام اسلام ہی شیعوں

برتے۔ اور ان کے لئے یہ حجت اور دستاویز ہو جاتی کہ خلیفہ راشد نے جبرائیل کیا تو ہم بھی ایسا کر نیچے، رواداروں کو منہ مانگے موتی دیو غیروں کی تنیس گئے۔

دوسرے اس صورت میں لازم آتا کہ تعویذاً لہذا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس حدیث کے مصداق ہو جائیں اَلْحَیْذُ فِی صَدَقَتِهِ کَالْکَلْبِ یَعُوْذُ فِی قَبْیْمِہِ یعنی کسی چیز کو کسی کو اللہ دے کر پھر اس سے لوٹانے والا ایسا ہے جیسا کتا کر کے پھر چاٹ لیوے، اور وجہ اس کی یہ ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا چکے ہوں لاخورت عاتر کناہ صدقہ تو جو چیزیں وقت وفات آپ کے ملک میں تھیں سب صدقہ ہو گئی، اور یہ بات باتفاق فریقین ثابت ہے کہ ہبہ بے قبض موجب ملک نہیں ہوتا اور اب اس حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ تادم وفات فدک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے قبض و تصرف میں رہا، تو اگر ہبہ بھی کیا۔ تب بھی قبضہ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کا نہ ہونے پایا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا ہمیشہ قبضہ رہا، تو یہ ہبہ باتفاق فریقین موجب ملک سیدۃ النساء نہ ہوا بلکہ ہمیشہ دم وفات تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملک میں رہا تو بیشک یہ بھی صدقہ ہو گیا۔

سودر صورتیکہ دعوائے ہبہ کے قبول نہ ہونے کے بعد بزعم شیعہ دعوائے میراث کیا ہو تو جیسے ہبہ کی صورت میں صدیق بغرض پاس خاطر سیدۃ النساء بوجہ مذکور نہ دے سکے میراث کی صورت میں اس وجہ سے نہ دے سکے، کیونکہ دار کی ملک نائب ملک مورث ہوتی ہے۔ جب یہ متحقق ہو تو وہ پہلے متحقق ہو۔ سو یہ جیسی ہو سکتا ہے کہ جو چیز بقول لاخورت عاتر کناہ صدقہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے صدقہ ہو چکی ہے۔ اور ملک سے نکل گئی تھی، پھر ملک نبوی میں آئے، ورنہ جو چیز خارج از ملک مورث ہو۔ اس میں میراث کا جاری ہونا محال ہی، سو ایسی حرکت لغو صدیق اکبر سے کب ہو سکتی تھی؟ جس سے ایسا حرف نہ بجا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف عائد ہو معہذا لاخورت، اور صدقہ ہونا جب صحیح

کے تابع ملک وراثت نہ ہے۔ پھر بھی اگر ملک وراثت اس میں جاری ہو تو اجتماع
تفصیل لازم لائے۔

ملا وہ ہیں لاخورت ما ترکناہ صدقہ سے یوں ثابت ہوتا ہے کہ رضائے
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ ہے کہ وارثوں کو نہ دیا جائے اور رضا حضرت زہراؑ اس
طرف تھی کہ ان کو دیا جائے، ناچار ہو کر صدیق اکبر نے رضائے بغیر صلی اللہ علیہ وسلم کو
مقدم سمجھ کر اول تو ان کے فرمانے کے موافق عمل کیا اور پھر یا نبیہ جس طرح سے بن حضرت
فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کو بھی راضی کیا چنانچہ اس حدیث میں مخرج ہے سیدہ کمال القیاد
اور طاعت صدیق اکبر پر دلالت کرتا ہے کہ بایں ہمہ رضائے سیدۃ النساء کو بھی ہاتھ
سے نہ جانے دیا۔ اور نہ رضائے نبوی کو۔ در صورتیکہ موافق رضائے نبوی کرتا ان کی ناخوشی
کا باعث ہوا ہو تو عقلاً اور نظراً ان کے ذمہ حضرت فاطمہ کا راضی کرنا لازم نہ تھا
چنانچہ ظاہر ہے۔

تیسری مصلحت دنیوی اس میں یہ تھی کہ اگر آپ حضرت فاطمہ زہراؑ کو کچھ
بھی حوالہ کرتے تو پھر حضرت عباس اور ازواج مطہرات رضوان اللہ علیہم اجمعین جبر
جدا ہر کوئی اپنی جاگیر کے گاؤں مانگتا۔ سوا اول تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہونا
نعمی جاتا۔ کیونکہ متروکہ نبوی اس قدر تھا، جو اس بات کو وفا کرتے، کہ نہ کسی کو اس
اس قدر دیکھتے۔ دوسرے پھر خلافت ہی کیا ہوئی کہ جو بیت المال کو اس طرح لٹا دیا،
اور متحق غیر مستحق کو نہ دیکھا، پانچواں فائدہ حدیث حجاج الساکین سے یہ ثابت ہوا کہ
گو حضرت فاطمہ زہراؑ ایک بار ناخوش ہو گئی تھیں، پر حضرت صدیق اکبر نے عذر معفو
کئے۔ اور اسی سبب حضرت فاطمہ زہرا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے راضی ہو گئیں اور
خاتمہ بالغیر ہوا۔ اور اسی فائدہ کی غرض سے آج تک اس حدیث کو رکھ چھوڑا تھا۔ اظہار
ہے کہ جب رنج مبدل بخوشی ہو جائے تو پھر اس رنج کا زبان پر لانا اہل فہم کے نزدیک
نازیبا ہے۔ خیر الحمد للہ کہ امامیوں ہی کی روایت سے حضرت سیدۃ النساء کا صدیق
اکبر سے راضی ہو جانا ثابت ہو گیا۔ اور پھر روایت بھی کسی؟ معبرکت ہوں گی۔ اور وہ

بھی ایک کتاب کی روایت نہیں۔ بلکہ سوائے حجاج الساکین کے اور کتابوں میں بھی
مروی ہے۔

روایت اہل سنت میں سیدہ کی باقی رہیں روایات اہلسنت، سومراج البیہ اور کتاب الف
خوشنوی کا بیان موجود ہے یہ بھی اور شرح مشکوٰۃ میں یہ بات موجود ہے۔ کہ
حضرت فاطمہ زہراؑ کا ناخوش ہو جانا جو بظاہر کبیدگی ظاہر سے معلوم ہوتا تھا، البوکر
صدیق پر شاق ہوا۔ حضرت فاطمہ کے در دولت پر حاضر ہوئے۔ اور حضرت علیؑ کو سفارش
کر لی، یہاں تک کہ حضرت زہراؑ ان سے خوشنود ہو گئیں۔ بلکہ شیخ عبدالحق نے
شرح مشکوٰۃ میں لکھا ہے، کہ اس عقیقہ کے بعد صدیق اکبر حضرت زہراؑ کے گھر گئے
اور دھوپ میں دروازہ پر کھڑے رہے اور خدر مغرت کی۔ اور حضرت زہراؑ ان سے
خوش ہو گئیں۔ اور ریاض المقرۃ میں یہ قصہ بتفصیل مذکور ہے اور فصل الخطاب میں
میں بروایت یہ بھی شعبی سے یہ قصہ مروی ہے۔

اور ابن سحان نے کتاب الموائفت میں ادزاعی سے روایت کی ہے انہوں
نے کہا کہ حضرت صدیق اکبر گرمی کے دن حضرت فاطمہ زہراؑ کے در دولت پر حاضر ہوئے،
اور یہ عرض کی کہ میں یہاں سے کبھی نہ ٹلوں گا۔ جب تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کی صاحبزادی مجھ سے راضی نہ ہو جائیں۔ پس حضرت علی رضی اللہ عنہ اندر تشریف لے گئے،
اور حضرت فاطمہ زہراؑ کو قسم دی کہ تم راضی ہی ہو جاؤ۔ سو وہ راضی ہو گئیں۔ علیؑ اذ القیاد
شعبیوں میں سے زیدیوں کی روایتیں بھی لعینہ اہل سنت کی روایات کے
مطابق اور موافق ہیں۔

ان روایات کے ملاحظہ سے اہل الصاف کو ناامل نہ رہے گا کہ صدیق اکبر کے
دل میں عداوت خاندان نبوی ذرہ برابر تھی۔ بلکہ ان کی محبت اور اعتقاد اور ان کی تعظیم و
مکرم میں ایسے فتنے کہ باوجود عروج خلافت اور شوکت سلطنت حضرت فاطمہ زہراؑ
رضی اللہ عنہا کے سامنے اپنے آپ کو مثل غلامان غلام اور کمترین خدام محبت تھے۔ سو یہاں
بجز اس کے مقصور نہیں کہ مرتبہ کمال صدق و وفا کو پہنچے ہوئے تھے، ورنہ اگر دنیا داری کی

ہوتی تو ایسے امور ان سے ہرگز ظہور میں نہ آتے۔ ان کی ہلاک و خرق پڑی تھی بلکہ اسل فلان و شوکت پر اتنی منتیں سما جیتیں کرتے؟ بلکہ خود سیدۃ النساء کا ان سے روٹھ جانا اس بات پر دلیل کامل ہے۔ کہ حضرت سیدۃ النساء کو صدیق اکبر پر کمال ہی بھروسہ تھا اور کس کے تصور میں آسکتا ہے کہ کوئی فقیر بادشاہان جبار کے سامنے ایسی باتیں کرے اور وہ بادشاہ ان کو ایسی باتیں منتوں سے منائے۔

جنازہ میں مشرک کے روکنے کا افسانہ اور بالبدایت اس سے یہ واضح ہو گیا کہ اگر بالفرض منع حضرت فاطمہ زہرا نے مرنے دم اس بات کی وصیت بھی کی ہو کہ میرے جنازہ پر ابوبکر صدیق نہ آئے یا میں تو بے سبب کمال حیا اور پردہ داری کو یہ وصیت نہ کی ہوگی۔ اور ابوبکر صدیق کو روکنے کی تخصیص اس وجہ سے ہو کہ ان کو حضرت زہرا ایسا سمجھتی تھیں کہ یہ خواہ مخواہ حاضری ہوں گے، کیونکہ ان کو جس قدر تعظیم و تکریم اہل بیت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پیش نہاد خاطر ہے اور ان کو نہیں بمعنا ابوبکر ایک بارگی بخشش سے شرمائے ہوئے ہیں۔ اس کے تدارک کے لئے وہ کوئی موقع ایسا نہ چھوڑیں گے جو اس میں غیر حاضری باعث اشتباہ اور موجب بدگمانی الطبیعت ہو، علاوہ بریں وہ خلیفہ وقت تھے۔ امامت نماز اور امامت جنازہ دونوں انہیں سے متعلق تھیں، اس لئے بالخصوص ان کا نام لے کر منع کیا ہو غرض اگر تخصیص کہیں سے ثابت ہو بھی جائے تو اس کے یہ وجوہ ہیں

سیدہ کی وصیت میں عام ممانعت تھی تخصیص نہ تھی اور نہ علی العموم مردان نامحرم کے حاضر ہونے کی آپ روادار نہ تھیں، اس لئے یہ وصیت کی کہ مجھ کو شب کو دفن کر دینا۔ اور دلیل اس بات کی کہ بوجہ حیا و پردہ داری علی العموم ممانعت تھی صدیق اکبری کی کچھ تخصیص نہ تھی یہ ہے کہ بروایت صحیحہ بات مردی ہے کہ حضرت سیدۃ النساء نے اپنے مرض موت میں فرمایا کہ مجھے شرم آتی ہے کہ بعد موت بے پردہ مردوں کے سامنے مجھ کو لائیں۔ اور اس زمانہ کی عادت یہ تھی کہ حورتوں کو مثل مردوں کے بے پردہ یعنی بے گہوارہ دفنانے کو لے جایا کرتے تھے، اس پر اسما بنت عمیس نے عرض کیا کہ میں نے حبشہ میں دیکھا ہے کہ خرمائی شاخوں سے گجواہ کی صورت کی نقش بناتے ہیں، حضرت زہرا نے ارشاد فرمایا کہ میرے سامنے بنا کر دکھلاؤ

حضرت اسماء نے بنا کر دکھلایا۔ تو حضرت زہرا رضی اللہ عنہا بہت خوش ہوئیں اور قسم کیا اور ہرگز بعد وفات سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ان کو کبھی کسی نے ہمہ کرتے نہ دیکھا تھا۔

اس وجہ سے حضرت زہرا رضی اللہ عنہا نے حضرت اسماء کو وصیت کی کہ میرے مرنے کے بعد تو ہی مجھے غسل دیجو، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ساتھ ہیں کسی دوسرے کو نہ آئے دیجو، اب غور کیجئے کہ غسل کے وقت صدیق اکبر کے آنے کی کوئی صورت ہی نہ تھی، بلکہ کسی مرد کے آنے کی کوئی سبیل ہی نہیں۔ اس وقت جو آدمی کے آنے سے ممانعت ہوئی، تو یہ مطلب ہوا کہ عورتوں کو بھی نہ آئے دیجو۔ سو جسے عورتوں سے اس قدر شرم ہو، کہ بعد مردن ننگے بدن ان کے سامنے ہونے سے شرمائے وہ مردوں کے جنازہ پر آنے سے کیونکر شرمائے۔ سو اس لئے حضرت علی نے ان کو رات ہی کو دفن کر دیا۔ اور کسی کو اطلاع نہ کی۔

القصد بوجہ تشریب و باعث حیا حضرت زہرا رضی اللہ عنہا اس بات کی روادار نہ ہوئیں کہ میرے جنازہ پر کوئی مرد حاضر ہو، ورنہ حضرت ابوبکر کی کوئی تخصیص نہ تھی، اور ہرگز کسی ممانعت میں اہل سنت کی روایات میں سے یہ بات نہیں، کہ بالخصوص حضرت صدیق اکبر کے نام سے ممانعت ہوئی ہو۔ علی العموم ممانعت ہوئی تھی یہ شیعوں کی شرارت ہے۔ کہ ممانعت ان کے نام لگا دی۔ اور پھر دلاوری یہ کہ عوام المسلمین کے سامنے ان کی کتابوں کا حوالہ بتا دیتے ہیں، اس پر مولوی عمار علی صاحب نے تو یہ طوفان جوڑے، کہ شرم کی آنکھیں پھوٹ کر صبح مسلم کا نام لے دیا کہ اس میں یہ روایت موجود ہے کہ حضرت زہرا رضی اللہ عنہا نے وقت وفات یہ وصیت کی تھی کہ ابوبکر اور عمر میرے جنازہ پر نہ آئیں۔ خدا جانے یہ بے حیائی کہاں سے اڑائی ہے، یا ایکاد فقیر ہے، کہ اصلاً مطلقاً حضورؐ بولنے سے شرم نہیں آتی۔ صحیح مسلم کوئی نایاب کتاب نہیں۔ ہزاروں نسخے اس کے موجود ہیں حذف کرنے کی گنجائش نہیں۔ اگر یہ روایت ہو تو کوئی کہیں سے نکال دے فقط اس میں اتنی بات ہے۔

ہوا اگر حضرت فاطمہ وصیت کریں۔ تو اول تو صدیق اکبر کو دے دیں اور پھر سارے
کا کو یاد کرے کیونکہ اپنی شجاعت اور صدیق اکبر کے ادب کے باعث کوئی وجہ تفسیر کی بھی
نہ تھی۔ القصد صدیق اکبر کی ممانعت کی کوئی روایت نہیں، ہاں ایسی روایتیں ہیں جن
سے عموم ممانعت ثابت ہے، اور اگر بالفرض تخصیص کہہ کے حضرت ابو بکر اور حضرت عمر کا نام
بھی ہو تو حضرت ابو بکر کے منع کی وجہ تو مذکور ہوگی، باقی رہے حضرت عمر سوا دل وجہ
میں تو وہ صدیق اکبر کے شریک ہی ہیں، اور علی غدا القیاس دوسری وجہ میں بھی کیونکہ
یہ صدیق اکبر کے سامنے بمنزلہ وزیر شیر تھے۔ سو صدیق اکبر کے سب کام انہیں کے مشورہ
سے ہوتے تھے، سو اگر حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کو (وجہ نہ دینے فذک کے) کچھ صدیق
اکبر سے رنج تھا اور اس سبب وہ حضرت زہرا رضی اللہ عنہا سے شرمائے ہوئے ہیں، تو حضرت عمر
سے پہلے تھا، اور یہ ان سے پہلے شرمائے ہوئے تھے۔

باقی رہی تیسری وجہ اس میں بھی حضرت عمر صدیق اکبر کے ایک وجہ سے شریک
ہیں کیونکہ حضرت عمر اور حضرت صدیق اکبر بمنزلہ لازم و ملزوم ہیں۔ یہ ممکن نہ تھا کہ صدیق
اکبر ملائے جائیں، اور حضرت عمر کو خبر نہ ہو سو اگر بالفرض وہ تفسیر کسی روایت میں الممانعت
کی ممانعت تخصیص نام ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما بھی نکل آئے تو ان کے وجہ یہ ہیں جو میں
نے عرض کئے۔ عداوت اور بغض صدیق اکبر یا حضرت عمر نہ تھا۔ اور دلیل عقلی اس بات
کی کہ حضرت صدیق اکبر کا حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کے جنازہ پر نہ بلوانا۔ بوجہ بیاء سیدتنا
اور باعث پردہ دانی حضرت زہرا رضی اللہ عنہا تھا، نہ بوجہ کدورت اور ناخوشی
یہ ہے کہ اگر بوجہ کدورت اور ناخوشی ہوتا تو اس وجہ سے ہوتا کہ مبادا صدیق اکبر ان کے
جنازہ کی نماز نہ پڑھائیں کیونکہ وہ غلیفہ تھے۔ امامت نماز پنجگانہ اور امامت نماز
جنازہ انہی سے متعلق تھا۔ سو یہ بات کسی وجہ سے درست نہیں ہو سکتی۔

اس لئے کہ باجماع مومنین طہن شیعہ سنی جب حضرت امام حسن
رضی اللہ عنہ کا جنازہ باہر لائے۔ امام حسین نے سعید بن العاص کو جو اہر معاویہ کی طرف
سے مدینہ کا امیر تھا۔ نماز پڑھانے کے لئے اشارہ کیا۔ اور یہ فرمایا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کی سنت یوں نہ ہوتی، کہ امام جنازہ امیر ہو کرے۔ تو مجھے ہرگز آگے نہ بڑھانا
سو معلوم ہوا کہ حضرت سیدۃ النساء نے حضرت ابو بکر کی نماز پڑھانے کے اندیشے سے
یہ وصیت نہ فرمائی تھی۔ ورنہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کس طرح حضرت زہرا
رضی اللہ عنہا کے خلافت کرتے، اور ظاہر ہے کہ سعید بن العاص ہزاروں مرتبہ ابو بکر رضی اللہ
عنہ سے کتر تھے۔ خاص کر بابت نماز میں۔

کیونکہ کوئی چھپی مہینہ گزرے تھے جو سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت
ابو بکر رضی اللہ عنہ کو امام نماز تمام ہاجر و انصار کا کیا تھا۔ اور اس باب میں کمال ہی تاکید
فرمائی تھی۔ پھر کیونکہ احتمال ہو کہ حضرت زہرا رضی اللہ عنہا اس تھوڑی سی مدت میں یہ
تمام واقعات بھول گئی ہوں، الحاصل دلائل نقلیہ و عقلیہ دونوں اس بات پر شاہد
ہیں کہ شیعوں کا یہ دہم کہ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا صدیق اکبر کو جنازہ پر آنے دینے
کی روادار نہ تھیں، عقل کے نہ ہونے کے باعث پیدا ہوتا ہے۔ اور ان وجہ کو بھی جاننے
دو، ہمیں فقط روایت مجاہد الساکین جو ابھی مرقوم ہوئی ہے کافی ہے۔ کیونکہ حضرت
فاطمہ زہرا سیدۃ النساء رضی اللہ عنہا اگر صدیق اکبر کے (بالخصوص) جنازہ پر آنے کی روادار
نہ ہوتیں، تو بوجہ رنج روادار نہ ہوتیں۔ سو اس روایت سے یہ بات عیاں ہے کہ حضرت
زہرا رضی اللہ عنہا کے دل مبارک میں اگر بالفرض رنج تھا بھی تو وہ زائل ہو گیا تھا، اور
دونوں باہم راضی خوش ہو گئے تھے۔

مگر کوئی شیعہ منافق پیشہ حضرت سیدۃ النساء رضی اللہ عنہا کو بھی نفوذ با
منافق سمجھے، اور یوں کہے کہ یہ راضی ہو جانا فقط ظاہر داری کے لئے ہوگا۔ تو یہ بات علحدہ
ہے، پر یہ بات شیعوں ہی کے سمجھنے کی ہے، کیونکہ المرء یقین علی نفسه جیسے وہ خود میں ایسے
ہی بزرگان دین کو سمجھتے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے۔

کار یا کان را قیاس از خود گیر ۶ گر چہ مادر ذوق شیری شیر و شیر
اور بایں ہمہ پھر کیا ہوتا ہے۔ شیعوں کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔
یہ ممکن نہیں۔

خداوند رسول راضی ہیں کہ اس سے کچھ نقصان نہیں ہوگا۔ اگر بالفرض وہ تقدیر بزرگ شیعہ حضرت فاطمہ زہرا کی ناراضی سے کچھ نقصان نہیں ہوگا۔ تو دوسرے یہ کہ خداوند جل جلالہ میں کچھ نقصان نہیں، اور جو کچھ نقصان تھا بھی تو اس کی تدبیر اور اس کا بندوبست خود خداوند کریم نے نکھو کھا برس پہلے کر دیا۔ سورہ ہجرات میں فرماتے ہیں۔ وَنَزَعْنَا فِي يَوْمٍ ذِي قُرْبَىٰ مِنْ ذِي الْقُرْبَىٰ أَخْوَانَنَا عَلَىٰ سُرُورٍ مَّتَّعًا بَلَدَيْنِ ۚ اس آیت میں متقیوں کے جنت میں داخل ہونے کی کیفیت بیان فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ اور بحال ڈال ہم نے جو کچھ ان کے دلوں میں غمگینیاں تھیں، وہ بھائی ہو گئے، سختیوں پر رکنے سامنے بیٹھے ہوئے، اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ متقیوں اور پرہیزگاروں میں آپس میں رنج بھی ہو جایا کرتے ہیں، اور وہ رنج انکو کچھ مضر نہیں ہوتے۔ بعینہ خداوندی جنت میں جلنے کے حاجت نہیں ہوتے، بلکہ جنتی ہونے کی وجہ سے وہ رنج خود ہی زائل ہو جاتے ہیں۔

سو اگر بالفرض بزرگ شیعہ حضرت فاطمہ زہرا حضرت صدیق اکبر سے زنجیر ہی اس جہان سے گئیں ہوں، تب اس آیت بشارت آمیز نے صدیق اکبر اور ان کے ہاتھوں کی تسلی کر دی۔ اور شیعوں کی آنکھوں میں خاک ڈال دی، مگر شاید کوئی شیعہ چرچاؤں میں سے تکرار کرے کہ ہر چند اس آیت میں یہ بشارت ہے جو مذکور ہے، لیکن یوں معلوم ہوتا ہے کہ اور وہی کے لئے یہ بشارت ہے جن سے حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا ناخوش ہوں۔ ان کے لئے اس بشارت میں حصہ نہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ کی شان میں یوں ارشاد فرمایا ہے۔ اور یہ حدیث متفق علیہ طرفین ہے۔ اَلَا إِنَّ فَاطِمَةَ بَصْعَةٌ مِنِّي يَذَرْنِي مَآذِهَا وَيُؤَيِّدُونِي بِمَا رَاجِعًا فَمَنْ أَغْضَبَهَا أَغْضَبَنِي یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمایا ہے کہ یاد رہے یہ بات کہ فاطمہ میرے بدن کا ٹکڑا ہے جس سے اسے تکلیف ہو۔ اس سے مجھے بھی تکلیف ہو جس بات سے وہ گھبرائے اس سے میں بھی گھبراتا ہوں۔ سو جو شخص اسے غصہ کرے گا۔ وہ مجھے غصہ کرے گا۔ فقط اور ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم کے غصہ کرنے والا کون ہو سکتا ہے۔ بعض تصانیف سے شکل اداس کے جلالت اس واسطے کہ جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس حدیث میں البکر صدیق رضی اللہ عنہ کی پہلے ہی رعایت کر گئے ہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے فَمَنْ أَغْضَبَهَا أَغْضَبَنِي جس کے یہ معنی ہیں کہ جو اسے غصہ کرے گا۔ وہ مجھ کو غصہ کرے گا، اور یوں نہیں فرمایا فَمَنْ أَغْضَبَهَا أَغْضَبَنِي غَضِبْتُ عَلَيْهِ غَضِبْتُ عَلَيْهِ یعنی جس پر وہ غصہ ہو گا اس پر میں بھی غصہ ہوں گا ظاہر ہے کہ کسی کو غصہ کر دینے کی یہ صورت ہو کہ دیرہ دور کسی یا کلام سے کوئی شخص اسے غصہ لانے کا ارادہ کرے، سو کمال نادانی کی بات ہے کہ کوئی شخص صدیق اکبر کی طرف یہ بات منسوب کرے کہ انہوں نے بالقصد حضرت فاطمہ کو غصہ دلایا تھا جو جانتے تھے وہ تو جانتے ہی تھے۔ پر وہ جو نہ جانتے تھے، اب تو ان پر بھی واضح ہو گیا کہ صدیق اکبر اس قسم میں محذور تھے، اور یہ ہنہ چھر عند حضرت کیا کیا کچھ نہ کیا۔

روایات کو ٹٹولے تو معلوم ہو جائے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے مکرریں عرض کیا کہ وَاللَّيْلِيَا إِنَّهُ رَسُولُ اللَّهِ إِنَّ قُرْبَانَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحَبُّ إِلَيَّ أَنِّ أَصِلَ مِنْ قُرْبَانِي یعنی اللہ کی قسم اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قربانیت کے ساتھ صلہ کرنا، اور ان کی خدمت کرنا بہت ہی زیادہ محبوب ہے۔ میرے نزدیک اپنے قریبوں کے ساتھ صلہ رحمی کرنے سے اور جب ان کی طرف سے اغصاب ہی نہ ہو یعنی انہوں نے بالقصد ان کو غصہ نہ دلایا۔ بلکہ حتی المقدور اس کا بجاؤ ہی کیا ہو، تو وہ پھر کس طرح اس وعید میں داخل ہوں گے اگر بالفرض کچھ ہو بھی ہو تو اتنا ہوا ہو کہ حضرت فاطمہ بقتضائے بشریت غصہ ہو گئی ہوں اس کو اگر ہم مان لیں۔ اور ان کو جہات کا جو مذکور ہو لیں۔ کچھ خیال نہ کریں، تو بیش بریں نیست کہ موافق وعدہ وَنَزَعْنَا فِي يَوْمٍ ذِي قُرْبَىٰ مِنْ ذِي الْقُرْبَىٰ أَخْوَانَنَا عَلَىٰ سُرُورٍ زہرا رضی اللہ عنہا سے وہ رنج نکالا جائے۔ اور دونوں میں سے کسی کو وہ آپس کی شکر رنجی مضر نہ ہو۔

بصعہ منی کا شان و درود اور حضرت علی کا سینہ کا بار غمگین کرنا اور اگر قطع نظر غصہ کرنے سے حضرت

فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کا خود بخود غصہ ہو جانا بھی اس کو عید میلاد النبی داخل کر دینا
شیعوں کو ہم سے زیادہ مشکل پڑے گی کیونکہ ابوبکر صدیق کو معصوم نہیں۔ اگر ان سے کوئی
حرکت پیدا ہو جائے اور اس سبب سے کسی عید میں شامل ہو جائیں تو کچھ بعید نہیں
پر حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ تو شیعوں کے نزدیک معصوم ہے، ان سے جو بڑا
مقدورات خانگی میں حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کو رنج ہو گیا ہے تو اس کا کیا سبب؟ بلکہ
اس فرمانے کا اعلان فاطمہ بضعة منی یوزنی الخ سبب بھی ہوا تھا کہ حضرت زہرا اور
اور حضرت علی رضی اللہ عنہ میں اس وجہ سے فی الجملہ ناچاقی ہو گئی تھی کہ حضرت امیر رضی اللہ
عنہ نے ابو جہل کی بیٹی سے نکاح کا پیام بھیجا تھا، اس میں حضرت زہرا رضی اللہ عنہا
روتی ہوئیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور اس تقریب سے
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور خطبہ یہ ارشاد فرمایا الا ان فاطمة
بضعة الخ سو اگر فقط حضرت فاطمہ زہرا کے غصہ ہو جانے کے باعث صدیق اکبر وعید
مذکور میں داخل ہو جائیں، تو حضرت امیر پہلے داخل ہوں گے کیونکہ اول تو خطبہ نہیں
کے سمجھانے سنانے کو فرمایا تھا، دوسرے حضرت صدیق اکبر تو بوجہ ارشادات خداوندی
اور ارشاد پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم فدک کے نہ دینے میں معذور تھے، اور پھر بائیمہ
بشارہ حدیث مجاہد یوں معلوم ہوتا ہے کہ اگر حکم خداوندی نہ ہوتا، تب بھی ان کے شمول
میں ہی تمنا تھی، کہ فدک حضرت فاطمہ کے پاس رہے لیکن حضرت علی نے جو ابو جہل
کی بیٹی سے نکاح کا ارادہ کیا تو ان کو کیا دشواری تھی؟ اور پھر یہ ہی نہیں کہ تہ دل سے
حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا ہی کے موافق ہوں۔

علیٰ بن ابی القاسم ایک بار حضرت امیر حضرت زہرا رضی اللہ عنہا سے رنجیدہ ہو کر
گھر سے باہر تشریف لے گئے اور مسجد میں زمین پر بدو ن تکیہ بچھوڑنے کے سو گئے۔ جب پیغمبر
خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قصہ کی خبر ہوئی، آپ حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کے پاس
تشریف لائے اور پوچھا کیرے چچا کا بیٹا یعنی علی مرتضیٰ کہاں ہیں؟ عرب میں ایسے
موقع میں اکثر ایک دوسرے کو چچا کا بیٹا بولتے ہیں، خیر حضرت زہرا نے عرض کیا کہ مجھ کو

لوڑ کے نکل گئے اور دوپہر کو بھی یہاں نہیں سوائے، اور یہ دونوں روایتیں کچھ شیعوں
ہی کی کتابوں میں نہیں شیعوں کی کتابوں میں بھی موجود ہیں
پیغمبر مکمل کوئی گناہ نہ تھا مگر سیدہ [باقی روایت اول سے سوائے مطلب پیش آمدہ کے
کو بشریت کی وجہ سے غصہ آیا۔ ایک اور بات بھی نکلتی ہے، وہ یہ ہے کہ حضرت فاطمہ
آخر بشر تھیں بمقتضائے بشریت غصہ آجاتا تھا۔ ورنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جو
ابو جہل کی بیٹی سے نکاح کا ارادہ کیا تو انہوں نے موافق حکم خدا و رسول صلی اللہ علیہ وسلم
کوئی گناہ یا کسی گناہ کا ارادہ کیا تھا۔ پھر اب غصہ کی وجہ بجز بمقتضائے بشریت اور کچھ
نہیں۔ بلکہ دونوں روایتوں سے اتنی بات نکلتی ہے کہ معصوم کو بمقتضائے بشریت غصہ
آجانا محال نہیں بلکہ بہا و قلت پیش آجاتا ہے۔ کیونکہ حضرت علی اور حضرت زہرا رضی اللہ
عنہما دونوں ہی معصوم تھے، پھر جو آپس میں رنج ہو جاتا تھا، تو قصور واکسی کو بھی نہیں کہہ
سکتے بجز اس کے کہ بمقتضائے بشریت ایک کو دوسرے کی نسبت کچھ خیال فاسد دل
میں آجائے، اور اس سبب بے اختیار غصہ چڑھ جائے، اور اس غصہ میں دوسرے
کی معصومیت کا بھی لحاظ نہ رہے۔ اور کوئی صورت نہیں۔ سوائے ہی ہم بمقتضائے
بشریت کہتے ہیں۔

اسی طرح اگر حضرت فاطمہ کو صدیق اکبر بھی بمقتضائے بشریت غصہ آجائے
اور ان کا کچھ قصور نہ ہو تو کیا دشواری ہے؟ اور کیوں انکار ہے۔ القصد فقط بمقتضائے بشریت
حضرت فاطمہ کے غصہ ہو جانے سے، بے اس کے کہ کوئی دیدہ و دانستہ بے وجہ ان کو غصہ
دلانے، آدمی وعید مذکور میں داخل نہیں ہو سکتا، علاوہ بریں سب جانتے ہیں کہ حضرت
موسیٰ علیہ السلام بشریت کی وجہ سے حضرت ہارون پر جو ان کے بڑے بھائی تھے اور نبی
مقرب تھے غصہ ہوئے یہاں تک کہ سر اور ڈاڑھی کے بال پکڑ کر ٹھننے کی نوبت آئی اور
یہ سب کو یقین ہے کہ حضرت ہارون علیہ وسلم علی نبینا الصلوٰۃ والسلام نے کچھ حضرت موسیٰ
علیہ السلام کے غصہ کرنے کا ارادہ نہیں کیا تھا۔ کیونکہ نبی کا بالقصد غصہ دلانا کفر و مکر کا نام
حضرت موسیٰ علیہ السلام کے غصہ ہونے میں کچھ شک نہیں، پس اگر اتنے غصہ ہو جانے

اگر ایک مقدمہ کو بھی تسلیم نہ کریں، تو نہ خود مورد طعن ہو سکیں، اور نہ طعن مذکور غیر ثابت ہو کر بدین رضی اللہ عنہ پر واقع ہو سکے۔ چہ جائیکہ تینوں مقدموں کو نہ مانیں؟ اور اگر مقتضات ثلثہ مذکورہ کو بدلائل واضح و بطل کر دیں، یہاں کے نقائص کو بدلائل قوی ثابت کر دیں، تو پھر تو میدان ان سے کون لے سکتا ہے؟

ناظران ہدیتہ الشیعہ پر مخفی نہ رہے گا۔ کہ سبہ کے تین مقدموں میں سے آخر کے دو مقدمے تاہموز اہل تشیع سے ثابت نہ ہوئے، بلکہ موافق اصول اہلسنت ان کی نقیض ثابت ہے، اور میراث کے دعوے کے لئے جو تین مقدمے موقوف علیہ ہیں ان میں سے دوسرے مقدمہ کا ابطال اگرچہ بظاہر دشوار ہے، پر اس پیمانہ نے اس باب خاص میں ایک رسالہ مسمی باب حیات لکھا ہے جس کی ضخامت پانچ چھ جلدوں سے کم نہ ہوگی، اور انشاء اللہ اگر منشی محمد حیات صاحب کی عنایت ہے، تو وہ بھی ترتیب ہی مطبوع ہو کر مطبوعہ طابع ہوتا ہے۔ اس کے دیکھنے کے بعد امید خدا سے یوں ہے کہ شیعوں میں سے بھی جو صاحب انصاف پرست ہوں۔ حق بول انھیں، ورنہ اہل حق یعنی اہل سنت کا تو کام یہی ہے کہ حق کو حق مانیں۔ اور باطل کو باطل جانیں۔

لہٰذا اول مقدمہ سبہ اور میراث کا، اور تیسرا مقدمہ میراث کا، ان کا ابطال ہوا۔ ان کی نقیضوں کا اثبات رسالہ ہدیتہ الشیعہ میں تفصیل تمام مرقوم ہے، خصوصاً مقدمہ اولیٰ ہبہ میراث کا ابطال تو ایسا واضح ہے کہ بجز تیرہ درول کو باطن اس میں اند کوئی۔ متاعل نہ ہو گا۔ یہی وجہ ہوئی کہ سلسلہ میں جو مرکز دارۃ تیشع نصیر الدین طوسی ثانی نورانی شوشتری مکانی مفتی محمد علی کے قرۃ العین مولوی حامد حسین جوٹا ہنفر لدھیانہ وارد میرٹھ ہوئے اور میر ہمدی علی فرزند ارجمند عمر دراز علی خان کے مکان پر تشریف لائے، اور یہ پریشان روز گذار جو بوجہ پابندی علاقہ مطبع مجتہائی دہلی ان دنوں شب و روز گزارتا تھا۔ ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور کہ اس قسم کا مذکور آیا، تو مولوی صاحب موصوف کو کچھ جواب نہ آیا۔ واللہ لا ھدی القوم الظالمین۔ فقط

تمت

بارہویں صدی ہجری کی لاجواب و نادرد وزگار تالیف

محبت شاہ تختہ نشانیہا

ترجمہ

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی ابن حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی

ترجمہ۔ مولانا محمد عبد المجید خاں

پیدائش و تاریخ مذہب شیعہ ان کی مختلف شانیں۔ ان کے اسلاف علماء اور کتب کا بیان، الوہیت نبوت امامت اور معاد کے بارے میں ان کے عقائد۔ ان کے مخفی مسائل فقہیہ صحابہ کرام ازواج مطہرات اور اہل بیت کے حق میں ان کے اقوال و افعال اور مطاعن۔ مکائد شیعہ کی تفصیل۔ ان کے اوہام تعصبات نفوس کا بیان تو لا اور تبرکات حقیقت۔ یہ سب باتیں مذہب شیعہ کی معتبر کتب سے تفصیل کی گئی ہیں۔ نیز ان امور کا احاطہ کمال تہذیب کے ساتھ ان پر سیر حاصل بحث بشمار غلط فہمیوں کا ازالہ اور بدلتل جوابات اس عجیب غریب پیرایہ میں قلمبند کئے گئے ہیں جو فی الحقیقت شاہ صاحب ہی کا حق تھا۔ اس تالیف سے ہزار ہا بندگان خدا کے شکوک مٹ گئے اور عقائد درست ہو گئے یہ کتاب نقوشان حق کے لئے شعل راہ ہے۔ قیمت: مجد اونیس روپے ۴۸

ملنے کے سائیت

نعمانی خانبہ حق شریٹ اردو بازار لاہور
مکتبہ نعمانیہ اردو بازار گوجرانوالہ

ازالة الخفاء خلافة الخلفاء

تالیف

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی

مع ترجمہ

مولانا اشتیاق احمد، مولانا محمد عبدالشکور فاروقی لکھنؤی
حضرت شاہ صاحب نے اس کتاب کی مقدمہ میں فرمایا ہے کہ اس زمانہ میں بدعت تین اشکار ہو گئی ہے اور عام لوگوں کے دل اُن کے (پیدا کردہ) شبہات سے متاثر ہو گئے ہیں اور اس ملک کے اکثر لوگ غلامانِ شرین کی خلافت کے ثبوت میں شک کرنے لگے ہیں۔ (حالاں کہ ان بزرگوں کی خلافت اصولِ دین میں سے ایک اصل ہے۔ حجت تک لوگ اس اصل کو مضبوط پکڑیں گے کوئی مسئلہ سائلِ شریعت سے مضبوط نہ ہو گا۔ جو شخص اس اصل کے ٹوٹنے کی کوشش کرتا ہے وہ فی الحقیقت تمام فروعِ دین کو مٹا مٹا رہا ہے۔) اس کتاب میں مقامِ خلافتِ خلفائے راشدین کے فضائل و مناقب تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ مصباحِ کرام کے مراتبِ خلفاء راشدین کے کارنامے نیز امورِ خلافت سے متعلق تمام اہم و معرکہ آلا مسائل پر مدلل بحث ہے۔ یہ کتاب حضراتِ خلفائے راشدین کی بہترین سیرت اور بہترین تاریخ ہونے کے علاوہ بہت سے دینی علوم و معارف کا خزائن ہے اور اپنے موضوع میں بے نظیر ہے۔
ادارہ نے اس کتاب کے شایانِ شان میاری کتابت و طباعت کا اہتمام کیا ہے۔ ایک کام میں اس مہینے فارسی اور اس کے مقابل اردو ترجمہ درج ہے۔
۱۶۰ روپے

نعمانی مکتبہ خانہ حق سٹریٹ اردو بازار لاہور
مکتبہ نعمانیہ اردو بازار گوجرانوالہ

آفتابِ ہدایت

فی

رفض و بدعت

مؤلفہ

شیر اسلام رئیس المناظرینہ ابوالفضل
مولانا محمد کرم الدین صاحب
آئینوں بار چھپ کر منظرِ عام پر آ گئی

ردِ شیعیت فیہ

لا جواب کتاب

رنگین ٹائٹل • کاغذ سفید • صفحات ۳۸۴۔

قیمت اٹھارہ روپے ۱۸/-

نعمانی مکتبہ خانہ حق سٹریٹ اردو بازار لاہور
مکتبہ نعمانیہ اردو بازار گوجرانوالہ

ایک اہم کتاب تہذیب النساء

جسے کام مطالعہ:

ہر مسلمان خاتون کے لئے ضروری ہے تاکہ وہ اپنے کردار کو
ارفع دے سکے۔ اپنے اخلاق کو بلند و پاکیزہ۔ اپنی زندگی کو روشن
تاجاک اور نیکانے الہی کے مطابق بن سکے اور خدایا پرستی اور
دین داری و حق پسندی کا سبق پڑھ سکے۔ جلد اعلیٰ کا قیمت ۱۸/-

آفرت کی فکر پیدا کرنے والی کتابیں

مرنے کے بعد کیا ہوگا مع موت کا منظر مولانا عاشق الہی	۱۳-۰۰
مسلمان کا سفر آخرت	۱۵-۰۰
عالم حقیقہ	۱۵-۰۰
موت کا جھٹکا	۱۳-۰۰
موت کی یاد	۲-۰۰
دوزخ کا جھٹکا	۵-۰۰
جنت کی کنجی	۶-۰۰
جنت کی نعمات	۲-۲۵
جنت کا منظر	۲۵-۰۰

ملنے کا پتہ

نعمانی کتب خانہ حق سٹریٹ اردو بازار۔ لاہور
مکتبہ نعمانیہ: اردو بازار۔ گوجرانوالہ

تاریخ مذہب شیعہ

حسب ایما و پسند فرمودہ مولانا عبد الشکور صاحب فاروقہ لکھنوی
اس کتاب میں مذہب شیعہ کی پوری تاریخ بیان کی گئی ہے اور مذہب شیعہ کے بانی
ابن سبائیہ و سیدی کے حالات پوری تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں کہ اس منافق نے
کس طرح ازراہ نفاق اسلام قبول کیا اور پھر مسلمانوں میں افتراق و انتشار ڈالنے میں
اسلام میں نئے مذہب کی بنیاد رکھنے میں کامیاب ہو گیا یہ کتاب متلاشیان حق کے
لئے ایک عظیم تحفہ ہے۔ عکسی طباعت سفید کاغذ کبس بورڈ جلد سائز ۳۰ x ۲۰
صفحات ۲۵۶۔ قیمت :- ۶/۷۵ روپے۔

ہدایت للشیعہ

از حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی

جس میں مسد خلافت کی تفصیلی بحث۔ تفسیر کا پس منظر کتاب اللہ میں صاحب
مقام اور مشاہیر صحابہ کی بخشش و فدک اور وراثت انبیاء اور ایسے ہی دوسرے
بے شمار موضوعات پر سیر حاصل تبصرہ اور شیعوں کی طرف سے کئے گئے دس سوالوں
کے شافی و عمیق جواب۔ یہ کتاب غرض سے نایاب و حق اب تیار ہے عکسی
طباعت سفید کاغذ سائز ۸ x ۲۳۔ صفحات ۱۳۰ کبس بورڈ جلد قیمت ۶/- روپے
ملنے کا پتہ

نعمانی کتب خانہ حق سٹریٹ اردو بازار لاہور
مکتبہ نعمانیہ: اردو بازار: گوجرانوالہ

آیاتِ بینات

کامل دو جلد چار جھٹے

محسن الملک سید محمد مہدی علی خان کی ترویج شدہ میں وہ ضخیم اور سنجیدہ تحقیقی کتاب جس کا صحیح جواب آج تک علمائے شیعہ نہ دے سکے اور جس نے ہزار ہا انسانوں کے شکوک و شبہات کو ختم کر دیا۔ اس کتاب کی ضرورت یہ ہے کہ اس میں خود شیعہ مذهب کی کتب اور ان کے علماء کے اقوال سے ہی ان کو رکت کھا گیا ہے۔ یہ کتاب عرصے سے نایاب تھی اب ہمارے یہاں اس کے چاروں جھٹے دو جلدوں میں تیار ہو گئے ہیں۔ سفید کاغذ۔ جلد اول ۱۸۰ جلد دوم

۱۸۰/۱۸۰ کامل دو جلد - ۳۶/-

تاجِ کمپنی کے قرآن مجید

عربی۔ فارسی۔ اردو۔ اسلامی۔ مذہبی۔ تاریخی۔ ادبی۔ اصلاحی کتب کے علاوہ مدارس عربیہ کے درسی کتابیں اور قاعدے سیپارے حقوق پر چونے نر خونے پر حاصل کریں

ملنے کا پتہ

نعمانی مکتب خانہ حق سٹریٹ اردو بازار لاہور
مکتبہ نعمانیہ اردو بازار گوجرانوالہ

نے فدک کو ان کے نام تکہ کر فدک کو ان کے حوالہ کر دیا۔
 یہ روایت ہر چند، چند بار گزر چکی ہے۔ لیکن حکم نقل مشہور ہوا لیکن یہ روایت
 یقیناً یعنی مشک کو عیناً لکھو یا قہنی بار لگاؤ زیادہ ہی زیادہ خوشبود ہے گا۔ باز اگر
 اس روایت کے نقل کرنے کو بھی چاہتا ہے، یہ بھی ایک حضرت فاطمہ زہرا سیدۃ النساء
 کی کرامت ہے کہ حق نے تہمت سچ ناحق سے شیعہوں ہی کے منہ سے ان کو بری کر دیا
 اور صدیق اکبر کی نیک فیتی کو ماننا چاہیے، کہ کیسے طوفان سے ان کو بچا لیا۔ اور شیعہوں کا
 کہ منہ سے ان کے سب اعتراضوں کا جواب دلو اور اب کبھی شیعہ مذہب کا یہ نہیں کہ نسبت
 صدیق اکبر جو غضب فدک اہلسنت سے ناشی ہو اس روایت نے شیعہوں کے سب
 دعویٰ کو دھس میں کر دیا، ہبہ کا ہو، یا میراث کا، وصیت کا یا کسی اور وجہ کا، ہر سال
 خداوند ذوالجلال نے شان و کفی اللہ المؤمنین القتال دکھادی۔
 اور اگر بالفرض بغرض محال یہ روایت شیعہوں کی ایسی معتبر کتابوں میں نہ ہوتی۔
 تب دوسری دستاویز حضرت صدیق اکبر کے بری الذمہ ہونے کی موجود ہے۔
 مجاہد السالکین میں جو عمدہ کتب فرقہ امامیہ ہے۔ اور نیز اور کتابوں میں یہ
 روایت موجود ہے۔ اور اسی کے لکھے کا وعدہ بہت دور سے ہم کرتے چلے آتے ہیں، یہ
 آج بفضلہ تعالیٰ اس کا وقت آپہنچا کھلے اُسر منہ صوفت جو قہتم خیر یہ روایت
 قابل مطالعہ ہو۔

إِنَّ أَبَا بَكْرٍ كَتَبَ إِلَى ابْنِ فَاطِمَةَ الْبَقِصَتْ عَنْهُ وَهَجَرَتْهُ وَلَمْ تَنْكُحْ بَعْدَ
 ذَلِكَ فِي امْرِئٍ لَكَ كِبَرٌ ذَلِكَ عِنْدَهُ فَأَرَادَ اسْتِزْمَاءَهَا فَأَتَاهَا فَقَالَ كَمَا صَدَقَ
 يَا ابْنَةُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيمَا أَدْعَيْتَ وَلَكِنِّي رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ
 صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْسِمُ بِمَا نَقَلْتُمْ فِي الْقُرْآنِ وَالْمَسَائِكِ وَأَبْنِ السَّبِيلِ
 بَعْدَ أَنْ يَدْعِيَ مِنْهَا قَوْلَكُمْ وَالسَّائِعِينَ بِمَا نَقَلْتُمْ أَنْ تَعْمَلَ فِيهَا كَمَا كَانَ
 أَبِي رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَفْعَلُ فِيمَا نَقَلَ ذَلِكَ اللَّهُ عَلَى
 أَنْ تَعْمَلَ مَا كَانَ يَفْعَلُ أَبُو بَكْرٍ فَقَالَ وَاللَّهِ لَأَفْعَلَنَّ ذَلِكَ نَفَا

اللَّهُمَّ اسْمِعْ لِرَضِيَّتِ بِنْتُ أَبِي بَكْرٍ وَأَخَذَتْ الْعَهْدَ وَكَانَ أَبُو بَكْرٍ
 يَفْعَلُ بِهَا مِمَّا قَوْلُكُمْ وَكَفَيْتُمُ الْبَاقِي فَيُعْطَى الْفُقَرَاءُ وَالسَّائِعِينَ
 وَأَبْنِ السَّبِيلِ۔

حاصل اس روایت کا یہ ہے۔ "وہ کہ جب ابو بکر نے دیکھا کہ حضرت فاطمہ ان سے کشیدہ
 خاطر ہو کر گئیں، اور ان کو چھوڑ بیٹھیں اور پھر فدک کے مقابلہ میں کچھ گفتگو نہ کی تو یہ بات
 انہیں دشوار معلوم ہوئی۔ رسواں کے راضی کرنے کا اسانہ کیا۔ ان کے پاس حاضر ہو کر عرض
 کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حاضری آدمی تم اپنے دعوے میں بھی ہو تم کو رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم نے ہبہ کر دیا ہو گا مگر میں کیا کروں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے
 یوں دیکھا ہے کہ اس کی آمدنی کو تقسیم کر دیا کرتے تھے۔ اور تمہارے کھانے پینے کا خرچ
 اور محفلوں کی مزدوری دیکو جو کچھ بچتا تھا۔ نفیروں میں ان کو دیا کرتے تھے۔ اس پر حضرت
 فاطمہ زہرا نے فرمایا کہ اچھا تم بھی وہی کئے جاؤ جس طرح میرے والد زہرا سیدہ الزہرا رحمہ
 عتار صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے تھے، انہوں نے کہا اس بات پر تم مجھے قسم لے لو میں
 وہی کرتا رہوں گا جو تمہارے والد زہرا کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے تھے، اس پر
 حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا نے قسم سے پوچھا کیا تم سچ ہی اس طرح کر دو گے؟ صدیق
 اکبر نے قسم کھا کر عرض کی، میں یہی کروں گا جواب پھر ہے۔ اس پر حضرت فاطمہ نے یوں کہا
 کہ ابی تو گواہ رہو۔ سو اس بات پر راضی ہو گئیں۔ اور صدیق اکبر سے عہد لے لیا۔ سو صدیق
 اکبر انہیں اس میں سے ان کے کھانے پینے کا خرچ دیکر باقی کو فقراء اور مساکین مسافروں
 کو تقسیم کر دیا کرتے تھے۔ (آئی)۔

بسم اللہ برات صدیق روایت کے چند فائدے اس روایت سے چند فائدے ہوئے ایک تو یہ کہ
 صدیق اکبر نے حضرت فاطمہ زہرا کو دعوے ہبہ میں جھوٹا نہیں سمجھا، پر یوں سمجھ کر کہ
 یہ بے قبض موجب ملک نہیں ہوتا چنانچہ متعلق علیہ شیعہ و سنی ہے، اور اس کی
 تحقیق سابقاً گزر چکی ہے، دینے سے قدر کیا۔ سو اگر بالفرض والتقدیر روایت ہبہ
 صحیح بھی ہو جائے تو شیعہوں کا یہ تا سلف کہ صدیق اکبر نے حضرت فاطمہ کو جھوٹا سمجھا